Urdu Book regarding History of Jammu and Kashmir

1949-53

39902

1-11-95
1-12-91
24-1-98
10-5-99
4-5-2000
11-5-2000
23-9-2000
13-2-06
12-4-06
12-12-06

p-19

39902

تحریکِ حریتِ کشمیر

۱۹۴۹ء — ۱۹۵۳ء

جلد چہارم

رشید تاثیر

ظ پبلیکیشنز مخدوم منزل سرینگر ۱۹۰۰۰۲ کشمیر

تصنیف : تحریکِ حُرّیت کشمیر (جلد چہارم)
صفحات : چار سو باسٹھ مع تصاویر
قیمت : ایک سو پچاس روپیہ =/۱۵۰
مطبوعہ : جے۔کے۔ آفسٹ پرنٹرز۔ گلی گڑھیّا جامع مسجد، دہلی۔ ۶
سالِ اشاعت : ۱۹۹۳ء

مصنّف : رشید تاثیر
شغل : صحافت
پتہ : مُخدوم منڈو۔ سرینگر ۱۹۰۰۰۲ (کشمیر)
مُنیجر : پرنس فرید اعجاز

خطاط : محمد اشرف ٹاک، ایم اے ایل ایل بی (آنرز)۔ بشیر احمد

—: سول ایجنٹس :—

○ مکتبہ علم و ادب۔ ریڈ کراس روڈ۔ سرینگر ۱۹۰۰۰۱ کشمیر
○ کپور برادرس۔ لال چوک۔ امیرا کدل، سرینگر ۱۹۰۰۰۱ کشمیر
○ علی محمد اینڈ سنز۔ بڈشاہ چوک۔ امیرا کدل، سرینگر ۱۹۰۰۰۱ کشمیر
○ بیسٹ سیلرز۔ بالمقابل سی۔ ایم۔ ایس اسکول، سرینگر۔ کشمیر
○ تاج کمپنی۔ گلی ننوا تیلی۔ ترکمان گیٹ

انتساب

ضمیر کے تاجروں کے نام
جن کی ہوس کاریوں اور نادانیوں کی عبرت ناک داستان
ان اوراق میں مدفن ہے۔
جنہوں نے فریب کو خسروی کہا اور ریتیلے سمندر میں ڈوب گئے۔

ان بے ضمیروں کی سیاہ بختی کے نام
جو مجسموں کے مانند لاتعلق ہو کر سونے کی اینٹوں کی
تلاش میں بھٹکتے رہے۔

ان جیالوں کے نام
جو حق و باطل کے معرکہ میں ثابت قدم رہے۔

★

٭

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

تھی کسی درماندہ رہرو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

٭

حکیم مشرق علامہ اقبالؒ

ضربِ کلیمؔ

یہ مصرعہ لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر،
یہ نادان گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

قطع نظر اس کے کہ علامہ اقبال رح نے کس سانحہ سے متاثر ہو کر مندرجہ بالا شعر موزوں کیا ہے لیکن جب ہم ریاست جموں کشمیر میں ۴۹۔۱۹۵۳ء کے مابین رونما ہونے والے حادثات، واقعات و حالات پر سرسری نظر ڈالتے ہیں اور ریاست کی قد آور شخصیتوں کی بے جوڑ صلاحیتوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو گمان گذرتا ہے کہ حکیم مشرق رح نے اپنے زمانے کے ایسے ہی مافوق الفطرۃ اربابِ سیاست کی حماقتوں کے قیام و سجدہ کے مابین فاصلہ کے توازن کی تفاوت کھو دینے کے عمل پر اپنے اظہار تاسف کو منطقی طنز کے استعارہ میں مستقبل کے سرخیلوں کو لطور انتباہ موزوں کیا ہوگا۔

اس نقطۂ نگاہ سے فی زمانہ جب ہم اپنے ماضی قریب کے پیشواؤں کے کارناموں اور سیاسی ورثہ کے اثاثوں کی چھان بین کرتے ہیں تو یہ احساس گہرا ہوتا ہے جو کچھ ہمیں ملا ہے۔ اسے جمہوری سیاست کا ثمر کہنے کے بجائے سیاست نام کی چیز کے آڑ میں آمریت کا ماحصل کہنا برحق ہے۔ جبکہ سیاست قوموں کی شعوری لمس بیداری کی جھین سے عبارت ہے جو ابلتے چشمے کے مانند ماحول اور حالات کے لطن سے پھوٹ کر عوامی امنگوں اور تمناؤں کا محور و محیط اور محافظ بن کر خیالات، احساسات، عزائم، یک جہتی اور درپیش

مسائل و مصائب کی عکاسی کرتے قومی خد و خال سنوارنے، ان پر قابو پانے اور شیرازہ بندی کے عمل کی ترجمانی کی ضامن ہوتی ہے۔ یہی وہ عمل ہے جس کو قائد اپنی فہم و فراست اور صلاحیتوں کے بل بوتے سے روبہ عمل لانے میں لگن اور مستعدی سے مختلف الخیال لوگوں اور گروہوں کو مجتمع و متحدہ کر کے عمل آوری کے منصوبے تشکیل دیتے ہیں جبکہ وہ عوامی بساط کا کم سے کم مظاہرہ اور وسیع تر مثبت نتائج اخذ کرنے کی چاہ میں وسائل ڈھونڈنے اور مسائل حل کرنے میں مصروفِ کار رہتے ہیں۔ وہ اپنے حدودِ اربعہ کے ممتاز دانشوروں، مفکروں، ذی فہم اربابِ حل و عقد کی آرا، ہدایت اور صلاح و مشوروں سے مستفید ہونا باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ وہ حزبِ مخالف کے منطقی اقتصاد کے تناظر میں قومی اشتراک اور یک سوئی کے جامع اور وسیع تر مفادات کے خاکے ترتیب دیکر رواداری، برابری اور برادری کے اصولوں کے شیدائی اور مبلغ ہوتے ہیں۔ وہ اجتماعی تعاون کے ضامن اور نشان بن کر منزل کی جانب پیش قدمی میں یک روی بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہیں اور وقتِ ضرورت ایسے انقلاب آفریں اقدام اٹھانے سے گریز نہیں کرتے جنہیں دیکھ کر دنیا دنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایسے رہنما طمع، لالچ، جاہ و حشمت کے نہ تو طلب گار ہوتے ہیں اور نہ اس کے جال میں پھنس کر مقاصد سے غداری کرتے ہیں نہ قوم کو اس طلسمات رنگ و بو میں دھکیلتے ہیں۔ ان کے اصولوں کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی اور نہ وہ لالچ و طمع کے خوبصورت حربوں سے چکنا چور ہوتے ہیں وہ صرف اصولوں کے دوست ہوتے ہیں جن پر خوشامد اور چاپلوسی کا سحر اثر انداز نہیں ہوتا۔ یہی وہ منطق ہے جس کے طفیل وہ قومی عزت و وقار کے اہل قرار پا کر محافظ و امین کہلاتے ہیں۔

رہنماؤں کی بے لوث قیادت و طرائق، اوصافِ حمیدہ سے قائم ہوئے اعتماد و ہم آہنگی کی تخلیق شدہ فضا میں ہر فرد آزادی، جرأت اور دلجمعی سے ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر قومی فخر و افتخار کے جذبہ سے سرشار ہو کر سراغِ منزل کی جستجو میں بحرِ بیکراں میں مبدل ہو کر طاغوتی قوتوں کے قلعہ بند مورچوں پر دلیوسکرین کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ خیالات، مقصد و موقف کا امتزاج منزل کی تشکیل، صحیح نشاندہی، طویل اور صبر آزما،

جدوجہد میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ جب قومیں ضبط واستقلال، کشاکش کے دور سے گذر کر فتح ونصرت سے ہمکنار ہوتی ہیں تو اپنے پیشواؤں کو ہیرو کے لقب سے نواز کر انہیں ابدی اعزازِ قیادت سے سرفراز کرکے اپنے خلوص وعقیدت کا اظہار کرتی ہیں۔ ایسی قومیں اپنے اولوالعزم رہنماؤں اور مایہ ناز فرزندوں کے وصفِ قیادت کی باعث چاردانگِ عالم میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں اور آزادی کے متلاشی ان کی تقلید میں اپنی راہیں استوار کرکے ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔

قومی تحریکوں میں خطیبوں اور ناصحوں کے انقلاب انگیز سحر آگین ارشادات و شعلہ نوائیوں کو زمانے سے ہم آہنگ ومتحرک کرنے اور بذاتِ خود تحاریک میں زندگی کی رمق پیدا کرنے میں وہ جیالے اہم اور کلیدی رول ادا کرتے ہیں جو قومی بقاء، سرداری اور سرخیلی کو قائم ودائم رکھنے کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے مقدس اور گرم لہو سے اس کے وقار، عزم واستقلال کو بلند کرنے میں تحمل وتساہل کو اپنے قریب بھٹکنے نہیں دیتے۔ ایسی قربانیاں جہاں نئی بشارتوں کا پیغام دیتی ہیں وہاں شجاعت، مردانگی اور جرأت کا ضامن بن کر قوم کی رگوں میں آبِ حیات کا موجب بنتی ہیں اور آنے والی نسلیں ان کی روشن کی ہوئی تابناک لافانی قندیلوں سے ضیاء پاش ہو کر اپنی راہیں متعین کرتی ہیں۔ ایسے جانباز فنا نہیں ہوتے بلکہ ابدی زندگی پاکر قوموں کی سنہری تاریخ رقم کرنے میں بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زندہ قومیں شہداء کے جذبہ ایثار کی یادیں تازہ رکھنے کی خاطر ان کے نام پر یادگاریں قائم کرکے انہیں بقاء ودوام سے ہمکنار کرتے ہیں۔ حقائق کے اس صاف وشفاف آئینہ میں جب ہم اپنے سیاسی ماضی کی تاریخ کے اوراق الٹتے ہیں تو اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ منزل کی تلاش میں مختلف تحاریک کے دوران بے انتہا مصائب جھیلنے اور عظیم الشان قربانیاں پیش کرنے کے باوجود ہم اپنے مدعا اور مقصد تک پہنچ نہیں پائے۔ دنیا کی کئی دیگر اقوام کے مانند ہمارے سیاسی ناخداؤں نے اپنے پیچھے کوئی قابلِ تحسین کارنامہ اور نہ پھولوں کی سیج کے مشابہ کوئی قابلِ فخر سیاسی سرمایہ وقف رکھا جو قومی اثاثہ سے تعبیر کیا جاتا۔ انہوں نے ساری قوم کو اضطرابی کیفیت میں مبتلا کرکے سراسیمگی، محرومی

بے چارگی، لاچاری بے لبسی اور مصائب کے سوغات و مصنوعات سے مالا مال کر کے ایک ایسا سیاسی ماحول ورثہ میں چھوڑا جس میں وہ رہبروں کے بھیس میں مفاد پرستانہ اور منافقانہ مناقشوں کی تاریکیوں کو تخلیق کرنے والے نقیب ثابت ہوتے، انھوں نے پینہ بگوشی کے الزام سے مکتی پانے کے بجائے قومی وقار کو بے رحمی، بیدردی اور جبر و تشدد کے ہتھکنڈوں سے روند کر ایسی نہج اختیار کی جس سے جمہوری اعتقاد کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر کشمیر کی سیاہ بختی کی تاریخ میں نئے عنوان کا اضافہ کیا جس کے دیرپا اور طویل نقوش، عبرتناک داستان کی صورت میں فی زمانہ اس سرزمین کے گوشہ گوشہ پر منعقش ہیں۔ ان کے کنج فہم آمرانہ روش نے جو زیاں من حیثیت القوم کشمیریوں کو پہونچایا وہ ماضی میں ذوالقدر خان (ذوالجوک) جیسے غنیم کی تباہ کاریوں سے کہیں زیادہ سخت اور دور رس نتایج کے حامل ہیں، سیاسی بالیدگی، جمہوری نظریات کی افزائش، فہمیدگی اور تدبر کا تقاضا تھا کہ ذاتی دوستی، سلامتی پسند و ناپسند سے بالاتر ہو کر قومی مفادات کو ترجیح دی جاتی لیکن وہ ناپائیدار ذاتی تعلقات مسکوں، چاپلوسیوں اور زبانی عہد و پیماں کی بھول بھلیوں، سحر انگیزیوں کے دامِ فریب میں محصور ہو کر رہ گئے۔

اس موقعہ پر ریاست کی سیاسی تاریخ کو دہرانا عبث ہے البتہ واقعات کی تہہ تک پہونچنے کے لیے اعادہ لازمی ہے۔ ۱۹۳۱ء میں جاگیر دارانہ نظام اپنے شباب پر تھا۔ ریاست کا معاشی، اقتصادی اور ثقافتی ڈھانچہ درہم برہم ہو چکا تھا۔ تحریر و تقریر کی آزادی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، تعلیمی ذرائع مفقود تھے۔ ریاست کے بیشتر حصوں میں مساجد پر تالے چڑھائے گئے تھے۔ اذان پر پابندی عائد کر کے مذہبی آزادی کی روایتی رواداری پامال کی گئی تھی اسی لیل و نہار میں جموں جیل میں توہین قرآن پاک کا سانحہ ہوا جس نے اسلامیان ریاست کو مشتعل کر کے احتجاجی جلسے منعقد کرنے اور جلوس نکالنے پر مجبور کیا، مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی ناراضگی نے شورش کی شکل اختیار کی۔ ایجی ٹیٹروں پر قابو پانے کے لیے ڈوگرہ جاگیردارانہ نظام نے بے تحاشہ گولیاں داغ کر بے شمار قیمتی جانیں ضائع کیں۔ تحریک کو آنچ لگی اور مسلمانوں کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوا۔ حالات نے اس وقت پیچیدہ صورت اختیار

کی جب صوبہ پنجاب کے مسلمانوں نے مظلومین ریاست سے اظہارِ ہمدردی کے طور پر جتھے بھیج کر ریاستی انتظامیہ کو مخمصہ میں مبتلا کیا۔ جتھوں کے سیلابِ بیکراں کو روکنے اور اعترافِ شکست کا دبی زبان میں اقرار کرتے مہاراجہ ہری سنگھ نے برطانوی ہند کی حکومت سے فوجی کمک اور امداد طلب کی۔ اصلاحاتی کمیشن کی تقرری کا اعلان کیا گیا۔ دو ہائی کے طور پر نیم صدی تک ایک نہج پر قائم جاگیردارانہ نظام کی اس ڈرامائی تبدیلی نے نچلی سطح پر کئی برگزیدہ اور معروف اصحاب عوامی سطح پر اعتماد کے اہل قرار پاکر آسمانِ سیاست پر نمودار ہوتے جن میں میر واعظ کشمیر مولانا یوسف شاہ، میر واعظ مولوی احمد اللہ ہمدانی، خواجہ سعد الدین شال، چودھری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۳۷ء سے قبل شیخ محمد عبداللہ نے کانگریسی رہنما پنڈت جواہر لال نہرو سے متعدد ملاقاتیں کیں ان کی قربت اور سیاسی صحبتوں سے متاثر ہو کر وہ قوم پرستی کی جانب راغب ہوتے ۱۹۳۹ء میں ان کی قیادت اور تحریک پر مسلم کانفرنس کے آئین میں ترمیم ہوئی۔ اور نیشنل کانفرنس وجود میں آئی۔ مولانا محمد سعید مسعودی، بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، صوفی محمد اکبر، پریم ناتھ بزاز، مرزا محمد افضل بیگ، کشپ بندھو، غلام محی الدین قرہ، گردھاری لال ڈوگرہ کے علاوہ صوبہ جموں سے آدھ درجن کے قریب دیگر اصحاب اس جماعت کے روحِ رواں بن گئے۔ قوم پرستانہ نظریہ سے اختلاف کرنے والے گروہ نے تقریباً سال بھر کی خاموشی کے بعد ۱۹۴۰ء میں میر واعظ محمد یوسف شاہ کی قیادت میں مسلم کانفرنس کے احیائے نو کا اعلان کیا۔ لگ بھگ اگست ۱۹۴۷ء تک دونوں پارٹیوں کے قائدین "کون بڑا" کے زعم میں رسہ کشی اور تناؤ کی حالت میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی خواہش میں جاگیردارانہ نظام سے سیاسی و انتظامی اصلاحات کے مطالبات کی گرداں کرتے رہے۔

۱۹۴۲ء میں انڈین کانگریس نے کوئٹ انڈیا کا نعرہ بلند کر کے برطانوی سامراج کے نوآبادیاتی نظام میں دراڑ پیدا کی جس کے نتیجہ میں کیبنٹ مشن کی تقرری کا اعلان کیا گیا۔ اس زمانے میں شیخ محمد عبداللہ کانگریس کے زیر سایہ دیسی ریاستوں کی قوم پرست

ریاست والوں کی انجمن آل انڈیا پیپلز کانفرنس کے نائب صدر منتخب ہوئے تھے ۔ طالع آزماؤں کی اس ٹولی نے بدلتے ہوئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی خاطر طے کیا کہ دیسی ریاستوں میں بھی راجواڑوں کے خلاف کوئٹ انڈیا نوعیت کی تحریک شروع کی جائے ۔ چنانچہ مئی ۱۹۴۶ء میں شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کی موروثی حکومت کو چیلنج کیا اور کوئٹ کشمیر تحریک شروع کی ۔ حالات مخدوش ہوئے ۔ ممتاز جرنلسٹ درگا داس اس زمانے میں اپنی تصنیف " انڈیا فرام کرزن ٹو نہرو اینڈ آفٹر " کے لئے مواد اکٹھا کر رہے تھے ۔ انہوں نے قائد اعظم محمد علی جناح رح سے ایک انٹرویو کے دوران کوئٹ کشمیر کے تناظر میں شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں استفسار کیا ۔ جواب میں قائد اعظم نے کہا ۔ " وہ لمبا آدمی جو قرآن گا گا کر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے ۔ " تاریخ ساز شخصیتوں کے لب پر آئے الفاظ معنی اور مفہوم کے لحاظ سے تاریخ کا حصہ ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ غرض شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے بعد جب ان پر بغاوت کا مقدمہ دائر ہوا تو انہوں نے اپنی صفائی میں کشمیر چھوڑ دو تحریک کی وضاحت و تشریح میں مہاراجہ ہری سنگھ کو کشمیر سے نکال باہر کرنے کے بجائے آئینی سربراہ کا موڑ دیکر قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ۔ تخلیہ کشمیر تحریک کی روح سے منحرف ہو کر گھٹیا سیاست کا عمدہ خود غرضانہ نمونہ پیش کیا ۔ لیکن تین سال کی سزائے قید نے ان کی عوامی ساخت کی لاج رکھنے میں دستگیری کی ۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے اعلان آزادی کے ساتھ ہی دنیا کے نقشے پر ہند و پاک کی دو آزاد اور خود مختار مملکتوں کا وجود عمل میں آیا ۔ اس نئی صورت حال کا ماقبل اندازہ لگا کر ۱۹۴۶ء میں ہی کانگریسی زعماؤں نے مہاراجہ ہری سنگھ سے رابطہ قائم کر کے ریاست کا ہند سے الحاق کرنے کی تجویز پیش کی تھی ۔ جبکہ وہ ریاستی وزیر اعظم رام چند کاک کے عندیہ خود مختار ریاست سے زیادہ مانوس و متفق تھے ۔ مہاراجہ کی گومگوں پالیسی میں سب سے بڑی رکاوٹ ریاست کی مسلم اکثریت تھی جس کی وجہ سے وہ صحیح وقت پر کوئی درست فیصلہ نہ لے سکے ۔ لا دیا نگی کے اسی عالم میں کشمیر نے پیچیدہ صورت اختیار کی ۔ چونکہ ہندوستان دو قومی اور دو ... نظریہ کے تحت تقسیم ہوا تھا ۔ اس لئے پاکستانی رہنماؤں نے ریاست میں مسلم اکثریت

کی بنا پر حق جتا کر اس کی پاکستان میں شمولیت کا دعویٰ کیا۔ یکم اگست ۱۹۴۷ء کو گاندھی جی کشمیر آئے۔ اور ہری سنگھ نے ان کا مشورہ قبول کرتے اپنی رضامندی شیخ محمد عبداللہ کی تائید و حمایت کی شرط کے ساتھ جوڑ کر ہند سے ریاست کے الحاق کا اقرار کیا۔ کانگریسی زعماء کی خفیہ ہدایت پر شیخ محمد عبداللہ قید خانہ سے راج محل پہونچائے گئے۔ طویل گفت و شنید اور شکوہ و شکایات کے بعد ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کو بادامی باغ کے قفس سے شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کو مکرر اپنے اور اپنی جماعت کی جانب سے ایک مکتوب کے ذریعہ تحریری طور وفاداری کا عہدنامہ پیش کر کے قید سے رہائی پانے کی راہ استوار کی۔ پاکستانی حکمران جو حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے مزید وقت ضائع کئے بغیر ریاستی سرحد پر پہلے سے جمع قبائلیوں کی لشکر کو یلغار کا حکم دیا۔ ان کی برق رفتار تیز گامی سے خوف زدہ ہو کر مہاراجہ ہری سنگھ رات کی تاریکی میں اپنا مال و متاع سمیٹ کر سرینگر سے جموں فرار ہوئے اور بڑی عجلت میں دستاویز الحاق پر دستخط ثبت کر کے حکومت ہند سے فوجی امداد و مداخلت کی درخواست کی۔ ناظم اعلیٰ کی حیثیت میں شیخ محمد عبداللہ کی تقرری کا اعلان کیا۔ گورنر جنرل ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دستاویز الحاق کی حتمی منظوری ریاست میں بالغ حق رائے دہندگی کے تحت تابع رائے شماری قرار دے کر بظاہر دریا دلی اور رواداری کا ثبوت دیا۔ لیکن یہ عمل برطانوی شاطری کا نقطہ عروج والی سیاست ثابت ہوتی جس کے سامنے پنڈت نہرو جیسا ہوشیار ماہر سیاست دان بھی مات کھا گیا۔

قبائلی حملہ سے قبل ہی مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارا دیوی کے اشارے پر صوبہ جموں میں فرقہ پرستوں نے مقامی مسلمانوں کی نکاسی کے عمل کو حتمی شکل دینے کے لئے فرقہ وارانہ فسادات بپا کر کے قیامت کا سماں باندھ دیا۔ قبائلی حملہ نے قتل و غارت گری، لوٹ مار اور جنگی تباہ کاریوں سے صوبہ کشمیر کی سرحدی اضلاع میں جموں کے واقعات کو دہرا کر ریاست کے امن و سکون کو تہس نہس کرنے میں رہی سہی کسر پوری کی جبکہ مہاراجہ ہری سنگھ جموں میں فرقہ پرستی کے شعلے بھڑکانے میں اپنی افتادِ طبع کے مطابق منہمک رہے جس کی آنچ سے ہزاروں بے گناہ مسلمان مارے گئے لاکھوں بے خانماں تباہ حالی اور بے بسی کے عالم میں سرحد پار کر کے

پاکستان کے مختلف شہروں میں مہاجرین شکر نان شبینہ کے محتاج بنے اربوں روپے مالیت کا مال واسباب لوٹا گیا، عورتیں اغواء ہوئیں معصوم اور بے گناہ بچے یتیم پیر و جوان قتل ہوئے عصمت دری اور اخلاق سوز حرکات کے ایسے عامیانہ اور عبرت ناک مناظر دیکھنے میں آئے جن سے شرم وحیا اور عدل والنصاف کو دنیا میں تلاش کرنے پر بھی پناہ نہ ملی۔ فرقہ پرستی کے جنون کو جس صفائی سے مہاراجہ ہری سنگھ اور ان کی بیگم نے پروان چڑھایا اس سے ناظم اعلیٰ کی چشم پوشی اور لاتعلقی انہیں ارتکاب جرم کی حوصلہ افزائی کے الزام سے اسی صورت میں بری الذمہ ٹھہراتا جب وہ مہاجرین کی واپسی اور دوبارہ آبادکاری کی جانب توجہ مرکوز کرنے کی جسارت کا مظاہرہ کرتے۔ واقعات گواہ ہیں جب بھی انہوں نے مہاجرین کا ذکر چھیڑا اس سے بجز ان کی قیمت پر اپنے مزاج کی سیکولر شناخت کے دبدبے کی دھونس جمانے کے اور کوئی معجزاتی کرشمہ ظاہر کرنا مطلوب نہیں تھا۔

۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو حکومت ہند نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں کشمیر سے متعلق اپنے موقف کی وضاحت میں میمورنڈم پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی کہ کشمیر کے متنازعہ مسئلہ الحاق کو ہند و پاک کے مابین ریاست میں استصواب رائے عامہ کے جمہوری اصولوں کے مطابق طے کرانے میں مصالحانہ امداد بہم پہونچائی جائے۔ سلامتی کونسل کے متعدد باضابطہ اور بے ضابطہ اجلاسوں میں مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر دلائل جوابی دلیلیں بحث وتمحیص دستاویزی ثبوت اور قراردادوں کا ایک طویل سلسلہ قائم رہا جن کو زیر نظر کتاب کی ضخامت اور حجم کو اعتدال کی حدود میں مقید رکھنے کے خیال سے تحریک حریت کشمیر جلد پنجم کے نام سے ترتیب دیا گیا ہے اس مقام پر صرف یہ کہنا مطلوب ہے کہ اس تگ و دو کے اختصار میں یکم جنوری ۱۹۴۹ء کی شب کے بارہ بجے حکومت ہند و پاک کی رضامندی اور سلامتی کونسل کی وساطت سے مسئلہ کشمیر کو پرامن لقاء باہم کے اصول کے مطابق طے کرنے کے ناطے ریاست کے سینے پر عارضی جنگ بندی کی لکیر کھینچی گئی تاکہ کشت وخون کی ارزانی اور گرم بازاری سے اجتناب کرکے استصواب رائے عامہ

کی راہیں ہموار کی جائیں لیکن اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہونچانے میں تفصیلات کی الجھنیں ایسی سنگین صورت اختیار کر گئیں جن سے یہ سارا معاملہ سلجھنے کے بجائے نئی الجھنوں اور پیچیدگیوں کا سبب بنا۔ ہند و پاک کے زعماء کی بے لگام بیان بازیوں نے رواداری اور امن وسکون کی سرحدیں عبور کیں خلوص واتحاد افہام وتفہیم کے تمام ذرائع منفی رجحانات کی ترجمان ہو کر رہ گئیں رابطوں کا فقدان جنگوں کا پیش خیمہ بنا۔ قطعی بالادستی حاصل کرنے کے زعم میں تین خونریز جنگیں لڑی گئیں لیکن ستم ظریفی کی انتہا یہ کہ پرنالہ اپنی جگہ رہا۔ جبکہ اس مخاصمت میں ریاستی عوام کی رضاء و منشا کا کوئی عمل دخل نہیں تھا البتہ دست و گریبان کی خون آشامی نے ریاست کی اقتصادی معاشی تمدنی اور ثقافتی ترجیحات کو اس خربوزے کے مانند بسمل کیا جس پر چھری گرے یا چھری پر گرے عام کشمیریوں کی اس رائے سے اتفاق کرنا لابدی ہے کہ سیاسی خسارے کے اس میزانیہ کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں مافوق الفطرۃ کہلاتے رہے ہیں جنہوں نے بیٹر بازوں کا رول ادا کیا۔ اور خود بیٹر ثابت ہوئے۔ اور اس سب کا خمیازہ فی زمانہ ریاستی عوام بھگت رہے ہیں۔ مقام حیف ہے جب قدرت نے ریاستی سیاسی پیشواؤں کو جنگ بندی لائین کے وجود میں آنے سے امن واطمینان کا سنہری موقعہ اور ماحول میسر کیا وہ اس سے کماحقہ استفادہ حاصل نہ کر سکے اس نادر موقعہ پر وہ کشمیر کی بالادستی منوا سکتے تھے لیکن وہ اپنی سرخیلانہ پوزیشن تسلیم اور واضح کرانے کے بجائے ماتحتی، تابعداری، وفاداری۔ خود سپردگی اور جی حضوری پر قناعت کر بیٹھے۔ حق تو یہ ہے کہ انہوں نے ریشم کے کیڑوں کی مانند اپنے بنے جال میں محصور ہونا خود ہی قبول کیا وہ کشمیر کے اہم اور بنیادی مسئلہ سے پنبہ بگوش ہو کر بیان بازیوں اور کم اہمیت کے فروعی مسائل میں سمٹ کر رہ گئے۔ انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو اقتدار سے بے دخل کرنے زرعی اصلاحات کا نفاذ اور اسمبلی انتخابات جیسے اقدامات میں الجھ کر موقع ومحل کی موزونیت اور حالات کے تقاضوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ سیاسی اعتبار سے ان پر اولین فرصت میں یہ فرض عاید ہوتا تھا کہ وہ مسئلہ کشمیر کو سلجھانے کی خاطر مہاجرین کی دوبارہ آبادکاری، ریاستی باشندوں کو جنگ

بندی لائن کے آر پار آزادانہ خروج و آمد اور جہلم دہلی روڈ پر ٹریفک کی بحالی جیسے اہم مسائل پر توجہ مرکوز کرتے اس سے جو نئے مثبت حالات پیدا ہوتے ان کے زیر اثر یہ ممکن تھا کہ منقسم علاقوں کو متحد کر کے مشترکہ سول انتظامیہ کا قیام عمل میں آتا جس سے اشتراک عمل اور یک جہتی کی فضاء استوار ہوتی بلکہ ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا تھا جو برصغیر کی مملکتوں کو قریب لانے اور مسئلہ کا منصفانہ حل تلاش کرنے میں سود مندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا جس سے یقیناً حالات آج سے مختلف ہوتے۔

لیکن اونٹوں کی قطار میں چلنے والے اس زمرہ احباب نے مہاراجہ ہری سنگھ کو اپنے سیاسی منشور نیا کشمیر میں آئینی سربراہ کی حیثیت دینے کے وعدے سے منحرف ہو کر اقتدار سے بیدخل کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے فریب کاری اور نااہلی کا الزام اپنے سر لیا اور اس خواہش کو جس حاکمانہ انداز میں بڑھ چڑھ کر پیش کیا گیا اس کی تہہ میں نیک نیتی کم اور ماضی کے بغض و کینہ کا عنصر نمایاں نظر آنے لگا۔ عہد شکنی کا یہ سانحہ جموں کے ہندوؤں کی ناراضگی میں اضافہ کا باعث بنا لازم تھا کہ ماضی کی تلخیوں اور سیاسی رنجشوں کو فراموش کر کے وسیع القلبی دکھا کر مہاراجہ ہری سنگھ سے دوستی اعتماد اور رواداری برتاؤ کر کے تعلقات استوار کئے جاتے، مہاراجہ کی لاچاری جلد یا بدیر انہیں خود ہی اقتدار سے کنارہ کش ہونے پر مجبور کرتی یا وہ نیشنل کانفرنس کے منشور کے مطابق اقتدار کا باوقار نشان بن کر رہنا قبول کرتے اس عمل سے نہ وہ موقعہ پرستوں کا دست نگراں بنتے اور نہ انہیں اکثریتی طبقہ سے خوفزدہ ہونے کا احتمالی خدشہ ستاتا۔ ریاست میں صاف و شفاف انتخابات کرانے سے نہ صرف برصغیر کی حکومتوں کو اپنے اپنے دائرہ اختیار میں فرقہ وارانہ منافرت، تناؤ اور کشیدگی ختم کرنے میں مدد ملتی بلکہ یقیناً ایک ایسی سازگار فضاء قائم ہوتی جس میں مسائل کو حل کرنے کے بارے میں اجتماعی رواداری اور اشتراک عمل کا جذبہ ابھر کر سامنے آتا۔

جاگیرداروں سے طاقت کے بل بوتے پر زبردستی اراضیات چھین کر بلا معاوضہ کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کے عمل نے جس ناخوشگوار، رنجیدہ اور ہیجانی کیفیت

کو جنم دیا۔ اگر اس طریقۂ کار سے اجتناب کر کے سوجھ بوجھ اعتدال پسندی اور حق
اسلوبی کے جذبات سے غور کیا جاتا یہ مسئلہ باہمی رضامندی سے طے پانے کے روشن
امکانات بھی موجود تھے جن کی بدولت جاگیرداروں اور زمینداروں کو کاشتکاروں
اور کسانوں کی زبوں حالی ابتر معاشی و اقتصادی پسماندگی سے روشناس کرا کے
سدھار اور اصلاح واحوال کے کلود پر نصف کے بجائے پیداوار کا ایک چوتھائی حصہ لینے پر
راضی کیا جا سکتا تھا۔ پیار محبت خلوص اور دیانتداری وہ نسخہ ہے جس سے لاٹھی
بھی نہ ٹوٹتی اور سانپ بھی مرتا اور کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ اس پالیسی میں ہندو
کو کنگال اور مسلمان کو خوشحال بنانا مطلوب ہے اور نہ ریاستی وزیر اعظم کو دہلی جا کر وزیر اعظم
ہند سے اس کی وجہ جوازیت دینے کے لئے یہ کہنا پڑتا اس سے استصواب رائے عامہ کے
دوران کاشتکاروں کا دوٹ حاصل کرنے میں آسانی ہوگی۔ ووٹ خریدنے کی اس انوکھی
اور احمقانہ امنگ سے عوامی وقار کو جو ٹھیس پہنچی اس کا اندازہ مدت گزرنے کے بعد
بھی کوتاہ اندیش سیاست دان لگا نہیں سکے جبکہ مفت اراضی پانے والے کشمیری کسان
نے اپنے محسن کے عندیہ اور جذبے کے تناظر کی خبریں اخبارات میں پڑھیں۔ انہوں نے
ایک نئی کشمیری اصطلاح "یہ کیتھ تہ سنز ہے،" یہ ڈھکار کے بھی ہر العینی پاکستانی
ایجاد کی بکشمیری مسلمانوں کے دوسرے فرقہ اہل تشیع کے مذہبی پیشوا جناب آغا سید
یوسف الموسوی الصفوی رحمہ نے اس جبری قبضہ کو غیر اسلامی فعل قرار دے کر اس پر
مال حرام کا فتوی صادر کیا۔ انہوں نے شیعان ریاست کو ہدایت دی یا تو مالک زمین
کو پہلے کی طرح پیداوار کا رضامندانہ حصہ دیں یا زمین کا معاوضہ ادا کریں۔ فتوی کی اس
دو دھاری کاٹ سے ریاست کی سیکولر قیادت دم بخود ہو کر رہ گئی جبکہ دوسری صورت
میں وہ جبراً اراضیات چھیننے کی بجائے اراضی کی قیمت طویل المدت قرضہ کی ادائیگی
کی بنیاد و شرط پر مالکان اراضی کو دینے پر آسانی سے راضی کرا سکتے تھے۔ ندامت و حیرت
کی بات تو یہ ہے حکومت نے پیداوار میں مالک زمین کو ¼ حصہ دینے کا آرڈی ننس
بھی جاری کیا لیکن ساتھ ہی کاشتکاروں کو یہ خفیہ ہدایت بھی دی جو نہی مالک زمین

پیداوار کا حصہ لینے آئے تو اس کی ایسی پٹائی کی جائے جس سے وہ دوبارہ تمہارے سامنے آنے کی جرأت نہ کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہونے لگا اور اس غنڈہ گردی سے تحصیل بڈگام میں عبدالرحمن راہت نے خاصہ نام پیدا کیا۔ غرض حکمرانوں کے تند و تیز مزاج کو اعتدال سے چڑ تھی معاملہ فہمی انہیں راست نہیں آئی وہ اپنی گرم گفتاری سے حالات بگاڑنے میں لذت محسوس کرتے تھے۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

حالات کے مشاہدے سے عیاں ہے کہ اس دور میں ریاست اندرونی اور بین الاقوامی کشاکش کے دور سے پر آج سے کہیں زیادہ دوچار تھی جس کے پیش نظر قضیہ کشمیر کے کسی ممکنہ منصفانہ اور باعزت حل سے قبل انتخابات کرانے سے گریز کیا جاتا جبکہ لاکھوں کی تعداد میں ریاستی باشندے پناہ گزینوں کی حالت میں ہند و پاک کے مختلف شہروں کے گلی کوچوں میں بے یار و مددگار محرومی عسرت اور بے وطنی کے کٹھن ایام گذار رہے تھے بذات خود ریاست جنگ بندی لائین کی باعث کم و بیش دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی اور مسئلہ کشمیر کی پیچیدگیوں نے بین الاقوامی شکل اختیار کر کے معاشرے کے ہر شعبے پر مہیب اثرات منعکس کر رکھے تھے لیکن نیشنل کانفرنسی قیادت نے حالات سے آنکھیں موند کر پنڈت جواہر لال نہرو کی ہدایت پر انتخابات کا اعلان کر کے نتائج کے سیاق و سباق اور در پردہ مضمرات سے غافل ہو کر جس عجلت اور اناڑی پن سے کام لیا اس پر دنیا والے حیرت زدہ ہو کر رہ گئے اور اپنے شک و شبہات چھپا نہ سکے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ انتخاب کی عمل آوری بجائے خود عوامی اعتماد بحال کرنے سے تعلق رکھتا ہے اور عوامی نمائندگی کی جانب پہل جمہوری نظام کا ابتدائی اور بنیادی اصول ہے، مگر جب اس اصول کی آڑ میں شاطرانہ طرز و طریق سے مخصوص مفادات حاصل کرنے مطلوب ہوں تو یہ اصول فریب اور ٹھگی کا لبادہ بن کر شر انگیزی کا باعث بنتا ہے، بالفرض اگر نیشنل کانفرنسی قیادت کی نیک نیتی کے دعوے کی دلیل کو تسلیم بھی

کیا جائے تو بھی جس غیر جمہوری ماحول، طریقے، جبر و تشدد اور دہشت گردی کے حربوں کو بروئے کار لا کر یہ حیرت ناک ڈراما اسٹیج کیا گیا اس پر جمہوری دنیا کا ششدر ہو کر رہ جانا غیر فطری فعل تصور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ کسی نے ووٹ کی پرچی دیکھی نہ ووٹ ڈالا۔ مقابلہ آرائی دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے جملہ نیشنل کانفرنسی امیدوار جونہی ریٹرننگ آفیسروں کے سامنے کاغذاتِ نامزدگی پیش کرنے گئے دو منٹ بعد انہیں دوسرے دروازے سے نکال کر آنریبل ممبرانِ اسمبلی کی سند عطا کی گئی اس سے شیخ محمد عبداللہ کی شبیہہ مسخ ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ منجملہ دیگر فوائد کے جہاں پنڈت جواہر لال نہرو ریاست میں انتخابات کرا کے عالمی رائے عامہ کے سامنے اپنے اس دعوٰی کی سچائی ثابت کرانا چاہتے تھے کہ ریاست کی مسلم اکثریت ہند کے حق میں ہے وہاں پاکستان کا یہ دعوٰی بھی رد کرنا مقصود تھا چونکہ ریاستی آبادی کا ۹۵ فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اس لئے وہ پاکستان سے الحاق کے حامی ہیں اور اس ریاست کا پاکستان میں شامل ہونا لابدی ہے جبکہ نہرو کا عندیہ تھا چونکہ شیخ محمد عبداللہ کی مسلمہ قد آور شخصیت اور قیادت کے سامنے ریاست میں نظریہ پاکستان کے حامیوں کی تعداد انگلیوں پر گننے کے برابر ہے جو انتخابی نتائج کے تناظر میں استصواب رائے عامہ کے موقف پر اپنے نظریہ میں لچک پیدا کر سکتے ہیں اور اخذ نتائج سے ان علاقوں کی نشاندہی بھی مطلوب تھی جہاں حق خود ارادیت کی عمل آوری سے قبل ہندوستان کے حق میں سازگار فضا قائم کر کے فتح کو یقینی بنانا لازمی ہو۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کیونکہ شیخ محمد عبداللہ نے سلامتی کونسل میں ہندوستانی وفد کے ایک رکن کی حیثیت میں رائے شماری کے سوال پر بحث میں حصہ لیتے دعوٰی کیا تھا۔ "میں نے کشمیر کی جدوجہد آزادی میں اپنے ہموطنوں کی رہنمائی کی ہے۔ اس لئے میری سربراہی میں رائے شماری کرائی جائے جو یقیناً غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہوگی۔" چونکہ شیخ محمد عبداللہ ریاست میں ہندوستانی نظریہ کے حامی اور مبلغ تھے اس لئے پنڈت نہرو ان کے دعوٰی کو پرکھنے کے دوش بدوش اپنے اعتماد کو تقویت پہونچانے کے علاوہ ان کی اہمیت سے اپنے ہمعصر ساتھیوں کو قائل کرنے کے زعم میں

سود مندی اور ہندوستانی رائے عامہ کو ریاستی مسلمانوں کے اعتماد پر شک و شبہات کو دور کرنے کی خاطر انتخابات کرا کے کئی دیگر دور رس نوائد حاصل کرنے کی متمنی تھے ان کی نگاہ میں اس سے مفید نتائج بار آور ہونے کی صورت میں پاکستان کا دعویٰ کمزور ہوتا اور وہ رائے شماری کے مطالبے سے دستبردار ہو جاتا جبکہ اسے آزاد کشمیر کھو دینے کا احتمالی خطرہ بھی لاحق ہوتا لیکن انتخابی دھاندلیوں، ظلم و جبر اور فریب کاریوں نے ان کے تصوّراتی منصوبے کو ملیامیٹ کیا اور شیخ محمّد عبداللہ کی قد آور شخصیت کی جہانگیری مٹی کے مادھو میں مبتلا ہو کر ان کا مذاق اُڑانے لگی۔ ہندوستانی رائے عامہ یہ سوچنے پر مجبور ہوئی ایک ایسا شخص جس کے بھروسہ اور یقین دہانیوں کے بل بوتے پر ہندوستان استصواب رائے عامہ کا دم بھرتا ہے اس میں اتنی سکت نہیں کہ وہ کم از کم علاقائی انتخابات میں صرف اپنی نشست کو رائے عامہ کو مروّجہ ضابطوں کا اہل ثابت کرے وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ یہ عوامی اعتماد کھو چکا ہے اور اقتدار کی بیساکھی کے سہارے غلطاں غراں ہے اس طرح کشمیر کی ناقابل تسخیر سیاسی قیادت کا طلسم ٹوٹ گیا اس امر میں میرے ساتھ اتفاق کیا جائے گا کہ عملی سیاست میں سیاست دان کی موت عوامی عدم تعاون سے عبارت ہے اور سیاسی خودکشی سیاست دان کا عوام پر اعتبار کھو دینے کا نام ہے۔

مکاری اور دغابازی سے کرائے گئے ریاستی انتخابات کا قدرتی ردّعمل یقین اور اعتماد کی محکم دیواروں کو منہدم ہونے کی شکل میں سامنے آئی مگر اس تجربہ کے باوجود ہندوستان کو کشمیر میں اپنی مجبوریاں تھیں جن کی بناء پر اس نے چپ سادھ لی لیکن صوبہ جموں کی پرجا پریشد نے اپنے وجود کا سکہ جمانے کی غرض سے ان لمحات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے احساس دلاتے ایجی ٹیشن کی راہ اختیار کی اور بقول ان کے اس میں جموّں سے روا رکھی گئی ناانصافیوں کو شامل کر کے ایک ودھان ایک پردھان ایک نشان کا رنگ چڑھا کر ہند کی جملہ دیگر فرقہ پرست جماعتوں کی حمایت حاصل کی۔

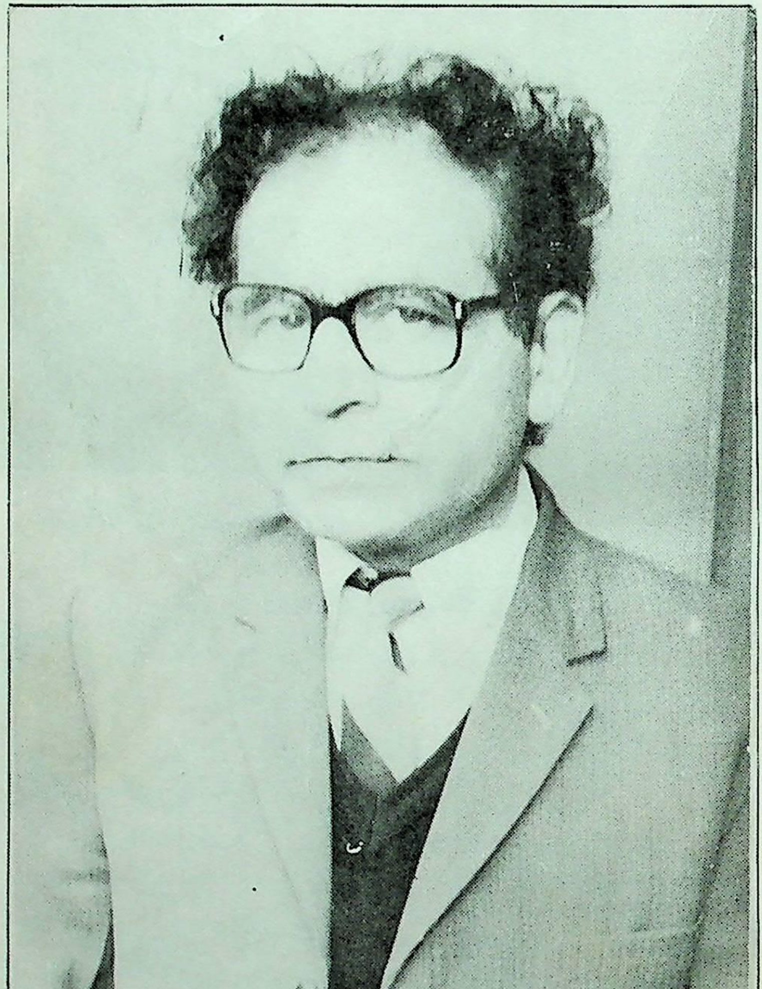
تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ اس تنگ دلانہ سیاست نے سیکولرازم کے دعویداروں

کے چہروں سے بھی نقاب الٹ کر رکھ دیا۔ حتیٰ کہ کانگریسی لیڈروں کی ایک ٹولی نے شیخ محمد عبداللہ سے بدگمان ہو کر بے رخی اور دوغلے پن کا جو مظاہرہ کیا وہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے ایک جانب ان کی موثر سیاسی صحت مندی، سوجھ بوجھ پر اطمینان کے کلمات وردِ زبان تھے اور دوسری جانب متبادل لیڈرشپ کی تلاش میں خفیہ ریشہ دوانیاں پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے نیشنل کانفرنسی قیادت میں پھوٹ اور بداعتمادی کے سامان بہم کئے گئے انتشار، افراتفری اور سازشوں کی اسی گہما گہمی میں اگست ۱۹۵۲ء میں دہلی اگریمنٹ طے پایا جس کی وضاحتوں اور تشریحات کے دوران بلی خود بخود تھیلے سے باہر آئی۔ مدافعت میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنے کھوئے ہوئے عوامی اعتماد اور اعتبار کو بحال کرنے کے لئے رائے عامہ منظم کرنے کی خاطر سیاسی پینترا بدلتے ہوئے نہ صرف وزیر اعظم ہند کو حرفِ ملامت کا ہدف بنایا بلکہ ہند سے جوڑے ناطے کو جبری الحاق کہہ کر رد کیا اور اشاروں وکنایوں سے ریاست کی خودمختاری کی وکالت کرتے لوگوں کو ایک نئی سوچ کی ترغیب پر راغب کرنے لگے، بیان بازیوں اور تقاریر کے ایک طویل سفر میں انہوں نے خانیار سرینگر کے جلسہ میں آئندہ کے مورخین سے اپیل کی کہ وہ انہیں "غلط کار یکھیں غدار نہیں"، احساس گناہ بذاتِ خود اقرار گناہ ہے اور تاریخ اس لحاظ سے بڑی بے رحم ثابت ہوئی ہے جو لوگ عدل و انصاف کا معنی سمجھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انصاف بعض صورتوں میں قاتل کو ارتکابِ جرم کے تناظر اور شبہ کا فائدہ دیکر سزا میں تخفیف یا بری کرتا ہے جبکہ عدل کا تقاضا ہے کہ مقتول کے ایک ایک بوند لہو کا قاتل سے حساب لیا جائے۔ عدل، ناانصافیوں کو انصاف دلاتا ہے یہ یاد رکھنا لازمی ہے کہ تاریخ حق وصداقت عدل وناانصافی کو ظاہر کرنے میں بڑی جابکدست اور بے رحم واقع ہوئی ہے اور اس کا مصنف ماضی کے واقعات کا محقق اور منج ہوتا ہے جو رو رعایت اور لگی لپٹی کے بغیر اپنا فرض انجام دیتے مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا اور بے گناہوں کو باعزت طور پر بری کر کے انعام واکرام سے نوازتا ہے وصیتیں خواہشات اور ہدایتیں اپنی جگہ بجا سہی لیکن یہ مورخین کے فیصلوں میں

سدِ راہ ہونی عبث ہیں۔ بالغ النظری سے جب متذکرہ اسباب پر غور کیا جائے تو یہ شیخ محمد عبداللہ کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ شخص جو اپنے نام کے ساتھ الیشیاء کا بلند ستارہ سن کر پھولے نہیں سماتا تھا، اتفاقاً ان ہی نعرہ بازوں سے اپنی لغزشوں پر نادم ہو کر معذرت خواہ ہے "انقلابات ہیں زمانے کے"۔

اس میں شک کا شائبہ تک نہیں کہ خود مختار کشمیر پر مبنی تخلیق کشمیری عوام کو مرغوب لگی۔ شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی اجتماعات میں اضافہ ہونے لگا جس سے ان کے مخالفین خائف اور تلملا اٹھے۔ نیشنل کانفرنس جو پہلے ہی اندرونی انتشار کی شکار تھی دو حصوں میں بٹ گئی۔ عوامی اضطراب اور بے چینی میں شدت پیدا ہوئی۔

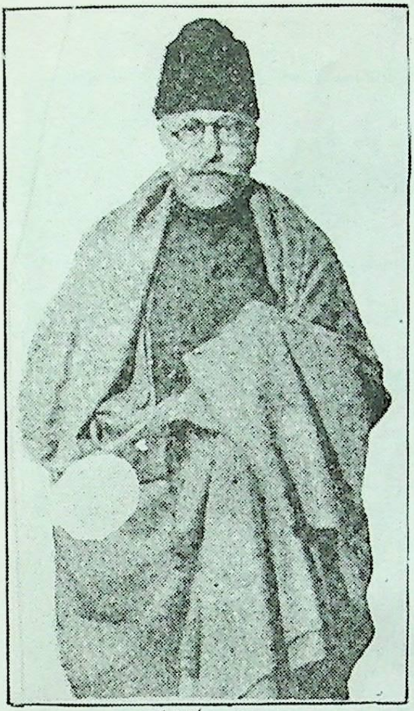
اسی دوران امریکی سینٹ کا ممبر ایڈلائی اسٹیونسن نے سرینگر کے اپنے مختصر قیام میں ریاستی وزیر اعظم سے متعدد بار ملاقات کی یہ خبر اخباروں میں شائع ہوتے ہی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے اسے کشمیر میں امریکی سامراج کی سازش قرار دے کر ہندوستان کے خاور و باختر میں تہلکہ مچایا جبکہ وقت نے یہ ثابت کیا کہ اس میں کوئی صداقت نہیں تھی، البتہ اس سے سی، پی، ایم کو ہندوستانی سیاست میں دوبارہ پنپنے کا فائدہ ملا۔ یہ کہنا بعید از معلومات نہ ہوگا کہ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے رہنما بین الاقوامی سطح پر روسی نہج کو دیکھ کر اور لٹریچر پڑھ کر اپنے حدود اربعہ میں سیاسی عمل آوری میں اعتقاد رکھتے ہیں ۴۰-۱۹۴۱ء میں اس جماعت نے کانگریس کو ہندو اکثریت اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کر کے مسلم لیگ کے دو قومی اندازِ فکر کی اس توقع پر حمایت و تائید کی تا کہ قیام پاکستان کے بعد اس ملک کو اپنے نظریاتی مملکت میں تبدیل کر سکیں اس فہم کی آبیاری میں انہیں اسلامی فلسفہ میں سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت نے بڑی حوصلہ افزائی کی چنانچہ قیام پاکستان کے بعد مسلم نام کے کمیونسٹوں نے جوق در جوق کراچی اور لاہور پہنچ کر اپنے منصوبے کو روبعمل لانے کی جستجو شروع کی۔ لیکن راولپنڈی سازش کیس نے نہ صرف ان کی دیانتدارانہ سوچ کو دھکا لگایا بلکہ ان پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ دو قومی نظریہ کے تناظر میں دو مذہبی نظریہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اس احساس نے



رشید تاثیر



جناب غلام نقی - ایم اے - ایل ایل بی



مولانا ابوالکلام آزاد



جناب رفیع احمد قدوائی



خان عبدالغفار خان

انہیں پاکستان سے اکھاڑ پھینکا جبکہ ہندوستان میں گاندھی ازم سے خائف ہو کر بے دست پا ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی بقاء کے دفاع میں کشمیر میں نافذ العمل زرعی اصلاحات کے سائے میں پناہیں تلاش کیں اور شیخ محمد عبداللہ کی ثناء خوانی اور قصیدہ گوئی میں رطب اللسان بنے۔ لیکن جب ریاستی جاگیرداروں نے زرعی اصلاحات کو کمیونسٹ طریقہ کار اور ریاستی وزیر اعظم کو کمیونسٹ (کشمیری اصطلاح میں "بونگہ") کہنا شروع کیا۔ وزیر اعظم نے اس الزام کی تردید کرتے کمیونسٹوں سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کیا۔ اس سے کمیونسٹوں کو ایک اور ٹھوکر لگی اور ان کی اس چوٹ کی بوکھلاہٹ کا ارتعاش "کشمیر میں سامراجی سازش" کے لفظ سے عیاں ہوئی اس طرح یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ یہ لوگ بنیادی مسائل کو زیادہ گہرائی سے دیکھنے کے بجائے سرسری اور نظریاتی طور مشاہدہ کرنے کے عادی ہیں یہ جماعت شاہراہ پر چلنے کے بجائے پگڈنڈیوں پر بیساکھیوں کے سہارے چلنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ مارکس ازم پر منطقی اعتقاد کا دعویٰ کرنے والوں کے اس غیر فطری فعل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ لوگ مارکس فلسفہ کے بنیادی اصولوں کی پالیسی کو سمجھ نہیں پائے ہیں جس میں استحصالی قوتوں کو پامال کرنے کی تائید میں کہا گیا ہے:-

> "وہ لوگ جو انسانی حقوق کے بنیادی لوازمات سے محروم ہوتے ہیں اور جن کا استحصال ہو رہا ہے، انہیں ان کے حقوق بحال کئے جائیں اور استحصال کے تمام ذرائع ختم کئے جائیں۔ مزدور پرولتاریہ جو اقتصادی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں انہیں پامال نہیں کیا جائے۔"

اس زمانے میں ریاستی عوام کی اکثریت معاشی و اقتصادی لحاظ سے پرولتاریہ (PROLETARIAT) مزدوروں کے سطح سے پسماندہ اور بدتر بدحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے، سی، پی، ایم کو کشمیری، امریکی سامراج کے پٹھو اس لئے نظر آئے کیونکہ انہوں نے کشمیر میں اس پارٹی کو سر چھپانے کی گنجائش پیدا نہیں کی ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی بدقسمتی یہ رہی ہے کہ اس زمانے میں اس سے وابستہ لوگوں کی اکثریت

انگلینڈ کے پڑھے لکھوں پر مشتمل تھی جو کتابیں پڑھ کر سیاسی عمل آوری پر اعتقاد رکھتے تھے انہوں نے کشمیر میں اشتراکی فلسفہ کی غیر دیانت دارانہ حکمتِ عملی، موقعہ پرستانہ اور مناقشانہ اصرار کا جو عملی مظاہرہ کیا اس پر "بحیثیت مجموعی" ریاستی عوام نے انہیں عالمگیر بے ضمیروں کا جتھہ کہہ کر رد کیا۔ خود مختاری کی نئی اصطلاح میں مضمر اثرات سے خائف ہو کر حکومتِ ہند کے اشارے پر ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے انقلاب نے بخشی غلام محمد کو وزارتی تخت طاؤس کی تاجداری عطا کی جبکہ انہوں نے جمہوریت کے نام پر تشکیل شدہ ڈھکوسلہ کو نئے انداز میں ترتیب دینے کے مقصد سے ایمپوریم گارڈن سرینگر میں اپنی پارٹی کا کنونشن بلا کر پنتالیس ۴۵ ممبرانِ اسمبلی کی تحریری تائید و دستخطوں سے اس تاجداری کی تصدیق کا اعلان کیا اس طرح انہوں نے ایوانِ اسمبلی کی بجائے اس خوشنما باغ کو ترجیح دی۔ جمہور کے نام پر جمہوریت کا مذاق اڑانے کا یہ عالمی ریکارڈ کشمیر کے سوا دنیا کے کسی حصہ میں دستیاب نہیں ہے یہ درست ہے کہ وقت گذرنے کے بعد کانگریس سے وابستہ بعض سیاست کاروں نے اس سانحہ کا اعتراف کرتے اسے سازش قرار دیا لیکن اقرار خطا سے نہ تو سرزد گناہوں کا "کفارہ" ادا ہوتا ہے اور نہ کشمیر سے وعدہ خلافی کی تلافی۔ ہندوستانی سیاست کا یہ وہ المناک پہلو ہے جس نے کشمیر میں ناموافق حالات، تذبذب، انتشار اور طوائف الملوکی کو مستحکم کیا جمہوری نظام کی عمل آوری فکر و سوچ اور تحفظ کے بجائے درآمدی سیاست کے ترجمانوں کی برتری کو دوام بخشا گیا۔ انتخابی دھاندلیوں نے کشمیری عوام کو جمہوریت پر اعتقاد سے بددل، بدظن اور بیزار کیا اور اب حالات اس نہج پر پہنچ گئے ہیں اگر کوئی ان سے جمہوریت کی بات کرتا ہے تو کشمیری اسے دشنام اور افترا طرازی سے تعبیر کرتے ہیں۔

برسبیل تذکرہ یہ کہنا بے محل نہیں ہوگا کہ گذشتہ نصف صدی سے دہلی کی سیاسی لابی اپنے چہیتے خوش بختوں کو ریاست میں برسرِ اقتدار دیکھنے کی خاطر اسی پالیسی پر گامزن ہے اس طرح برسرِ اقتدار جماعت کو کوئی ووٹ دے یا نہ دے اقتدار سے اس کی دست کشی ناممکنات میں ہے، پولنگ کا دن ضمیر کی آزادی کی آواز کا دن کہلاتا ہے

اس اصول کے تحت برسرِ اقتدار ٹولہ فراغ دلی سے اس کا استفادہ اٹھاتے ووٹوں سے بھرے صندوق بدلنے اور جعلی ووٹ کاسٹ کرانے کے علاوہ جہاں کہیں اس عمل میں خلل پڑنے یا راز فاش ہونے کا اندیشہ محسوس کرتے ہیں وہاں ووٹروں کو پولنگ بوتھوں کے قریب پھٹکنے نہیں دیتے۔ لیا اوقات ووٹوں کی گنتی میں برتری کا توازن اپنے حق میں برقرار رکھنے کی خاطر ووٹوں کی مطلوبہ تعداد کا اضافہ مصنوعی طور ڈاک سے موصول شدہ ووٹوں سے پورا کرتے ہیں، اقتدار سے چمٹے رہنے کی اس پالیسی سے عوامی اعتماد کو ٹھیس پہونچانے کے دوش بدوش درآمدی سیاست تا حال کوئی سود مندی حاصل نہیں کرسکی۔ البتہ اس کے پیش کاروں کو دولت اکٹھی کرنے میں یہ طریقہ بڑا کارآمد اور راست ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ وقت ضرورت ایسے لوگوں کو دہلی کے سیاسی ساہوکار اقتدار سے الگ کرنے کے لئے جو انوکھے اور طلسماتی داؤپیچ استعمال کرتے ہیں وہ حیران کن اور گھناؤنے ہوتے ہیں جن کی تفصیل کا اس مقام پر طوالت کی باعث تذکرہ ممکن نہیں۔

بات دراصل بخشی غلام محمد کے اقتدار سنبھالنے کے بعد ان مظاہرین کی ہے جنہوں نے ۹ اگست ۱۹۵۳ء اور اس کے بعد اپنے شدید غم و اندوہ کا اظہار کیا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ یہ تحریک آزادی کی تلاش کے لئے شروع نہیں ہوئی ہے بلکہ شیخ محمد عبداللہ نام کی کوئی شے کھو گئی ہے جس کو ڈھونڈنے کے لئے وادی بھر کے لوگ گھروں سے بے تحاشہ نکل آئے ہیں۔ غرض لوگ گولیوں کے شکار ہوئے۔ قید و بند کے مصائب جھیلے اس انقلاب کے پیش رووں میں تین مختلف الخیال قسم کے لوگوں نے حصہ لیا۔

(۱) وہ زمرہ مردانِ سیاست جو استحصال کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے اس طبقہ کی زور زبردستی کا یہ عالم تھا یہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے لوگوں کے خانگی معاملات میں مداخلت کر کے سینہ زوریوں کو معیار ٹھہرا چکے تھے۔ اور ازدواجی ناطوں کو تہس نہس کرنے کے عادی بن چکے تھے ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو سیاسی باریکیوں اور تبدیلیوں کی شناخت و پہچان سے کورے تھے البتہ ان کی شیخ محمد عبداللہ سے ذاتی وفاداری کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی۔ (۲) وہ لوگ جو شیخ محمد عبداللہ کے سیکولر نظریہ سے مطابقت نہیں

رکھتے تھے لیکن ان کی ہند مخالف تقاریر سے شہ پاکر انہیں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنے کے آرزومند تھے جن کی ترجمانی ریاست کے ناظم اطلاعات سید ظفیر الحسن نقوی حسن کے اس شعر سے ہوتی ہے ؎

دنیا کو صرف اپنے اصولوں کی آنکھ سے
مت دیکھ کہ اس کے سوا زاویئے بھی ہیں

(۳) وہ لوگ جو ہند پاک رسہ کشی میں کسی کی طرفداری کے قائل نہیں تھے البتہ خود مختار ریاست کے عندیہ کو قضیہ کا قابل قبول حل تصوّر کرتے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ کی عوامی ساکھ بحال کرنے اور ان کی قیادت قابلِ قبول بنانے میں مندرجہ بالا تین عناصر کے علاوہ ان کی اپنی ذات جو چوتھے عنصر کی حیثیت میں شامل تھی جس نے منتشر سیاسی اجزاء کو سمیٹنے میں حیرت انگیز کردار ادا کیا۔ انہیں ریاستی سیاست پر دوبارہ مسلط کرنے میں ہندوستان جیسی بڑی طاقت کو للکارنے اور پاکستانی قائدین کے ہمدردانہ کلمات نے تریاق کا کام کیا۔ ریاستی سیاست کے ماہرین اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کے آغاز سے ہی ہر اس ابھرتے سیاست دان کو بڑی بے مروّتی اور مہارت سے لوگوں کی نگاہوں سے گرانے کی جستجو کی جس سے وہ خائف ہوئے اور برگد کے مانند سیاسی ماحول پر چھائے رہے۔ اقتدار پر قابض ہونے کے بعد ایسے لوگ جو آنکھ دکھانے کی بساط رکھتے تھے سرحد پار چلے گئے یا جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے لیکن جب شیخ محمد عبداللہ کو اپنے زوال کا احساس ہوا تو اپنی سابق روش سے ہٹ کر اس نظریہ کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے جس کے وہ مبلغ اور داعی تھے۔ (بقولِ قائد اعظم محمد علی جناح رح قرآن گا گا کر لوگوں کو گمراہ کرنے لگے) چنانچہ انہیں جواب دینے کے لئے کوئی سامنے نہیں آیا اس سے جو وقفہ انہیں ماحول سازگار بنانے کے لئے دستیاب ہوا اس میں جب لوگوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو قیادت سنبھالنے والا کوئی نظر نہ آیا۔ ان کی گرفتاری پر بھول جاؤ اور معاف کرو کی صدائیں بلند ہوئیں عملِ مجبوری کی حالت میں انہیں دوبارہ قیادت کا قابلِ اعتناء سمجھا گیا یہ اور بات ہے کہ اس تجدیدِ اعتماد

پیرو وہ کہاں تک عوامی معیار پر اترے اور کیا کیا گل کھلائے اس پر تفصیلی تبصرہ انشاءاللہ اس سلسلے کی اگلی جلدوں میں کروں گا۔

پس ماضی کی حادثاتی سیاست اور کوتاہیوں کے تناظر میں برصغیر کے سنجیدہ فکر روشن ضمیروں، جمہوری مزاج کے روح رواتوں اور ان افراد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے جو ناانصافیوں کا ساتھ نہیں دیتے، ان لوگوں کو جو انا اور رتبہ کو قومی وقار کے لبادے میں ناانصافیوں کو ڈھانپ کر تحفظ کے طلب گار بن کر حق و انصاف سے منہ موڑتے ہیں بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا جائے کہ خود غرضانہ داؤ پیچ اور فروعی مسائل کی دھند آمیزش سے بے بہرہ ہو کر ریاست کے پیچیدہ مسائل کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنے ضمیروں کی رفعتوں کو ٹٹولیں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اس جانب توجہ مرکوز کریں۔ یہی وہ امر ہے جس میں ہند و پاک میں رہنے والے کروڑوں انسانوں کی خوشحالی اور اس خطہ ارض میں پائیدار امن کے بے داغ امکانات مخفی ہیں۔

زیر نظر کتاب تحریک حریت کشمیر کی چوتھی جلد ہے جو یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۵۳ء تک جملہ ریاستی سیاسی واقعات، حادثات اور ان سے اخذ نتائج پر مشتمل تاریخی مجموعہ ہے جس کے مطالعہ سے اس دور کے سیاست کاروں کی ناموافق غرضمندانہ قیادت، وقفہ وقفہ سے سیاسی نظریات و مقاصدات میں من مانی تبدیلیوں، عوام سے لاتعلقی، احساس محرومی، مجبوری، پامالی، لاچاری اور استحصالی قوتوں کی بے لگام شہ زوریوں کا پردہ فاش ہوتا ہے اور ان مضمرات کی نشاندہی ہوتی ہے جن کے باعث ریاستی مفادات کو زیاں اور عوامی احساس خود اعتمادی کو ٹھیس پہونچی ہے۔ اس تاریخی مجموعہ کو مرتب کرنے کا ایک مقصد و مفہوم یہ بھی ہے کہ آئندہ کے سرخیل سیاست حال کے دریچوں سے ماضی کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درس عبرت حاصل کریں اور سیاست کو عبادت کا وسیلہ سمجھ کر اپنے اندر حق شناسی اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کریں۔ سحر انگیز بیانات لچک دار تقاریر اور وقتی سرفرازی کسی کو بھی اقتدار کی دہلیز تک پہونچانے اور اقتدار سے مستفید ہونے میں معاون و مددگار ہو سکتی ہے لیکن خود فراموشی

کی ریاکارانہ سیاست کے منفی اثرات جلد یا بدیر اس کے لیے جرسِ فنا کا سامان بہم کرنے کے ساتھ ساتھ قومی زیاں کا سبب بنتے ہیں اس لحاظ سے ایسے لوگ جو قیادت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کے متمنی ہیں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قیادت کو نعرے دار بیانوں جوشیلی تقریروں تک محدود نہیں سمجھیں بلکہ یہ ذہن نشین کریں کہ وہ قوم کی تقدیر بنانے اور بگاڑنے کی ذمہ داری کا فرض اپنے سر لیتے ہیں ان کے حواس خمسہ کے انحصار سے قومی زندگی کا سود و زیاں وابستہ ہے جبکہ ان کی ہوش مندی، دانائی کو لمحہ بہ لمحہ امتحانوں اور آزمائشوں سے گذرنا پڑے گا۔ یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جانی چاہیئے کہ عوامی اعتماد اور اعتبار کھو کر بعض افراد بے ڈور پتنگ کی مانند ہوا کے دوش پر وقتی طور ہچکولے کھا کر گمنامی کی خلاء میں گم ہوتے ہیں۔ سیاسی قیادت کو بقاء و دوام سے ہمکنار کرنے کے لیے واجب ہے اس کی تمام سود مندیوں سے عوام کو مستفید کیا جائے۔ اور سیاسی اقتدار عوامی رجحانات کا تابع اور ضامن ہو، نہ کہ اقتدار کو ذاتی جائیداد سمجھ کر اسے سرمایہ حاصل کرنے کا مخزن خیال کیا جائے۔ شہروں، قصبوں، دیہاتوں، گلی کوچوں میں رہنے والے بظاہر نامعلوم بے تعلق انسان ہی درحقیقت اقتدار کا سرچشمہ ہیں جو برسرِ اقتدار اصحاب کے قول و فعل کو جانچنے اور پرکھنے کا پیمانہ اور میزان اپنے دل و دماغ میں رکھتے ہیں وہ کوئی رائے قائم کرنے سے قبل طوفان سے پہلے کی خاموشی سادھ لیتے ہیں۔ پھر کانا پھوسی سے رائے عامہ منظم ہوتی ہے اور پھر انقلابی عمل آوری کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں برسرِ اقتدار افراد مغالطے کی ٹھوکر کھا کر اس نہتی قوت کو باغی اور ان کی تحریک کو بغاوت کہہ کر طالع آزماؤں سیاسی یتیموں، خیمہ برداروں اور کاسہ لیسوں کی تھپکیوں پر کچلنے کے زعم میں ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرتے ہیں۔ واقعات گواہ ہیں جابر طاقتیں وقتی طور تحاریک کو کچلنے میں کامیاب ہوتی ہیں لیکن فنا نہیں کر سکتے لوگ ہر بار تازہ دم ہو کر پھر اسی راہ پر گامزن ہوتے ہیں اس عمل کی بار بار بجا آوری سے جب ایک بار کامرانی ان کا قدم چومتی ہے تو صاحب اقتدار غدار اور بغاوت انقلاب کہلاتا ہے۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں عوام کی

ہتی قوت نے بڑے بڑے نمرودوں کو لوہے کا چنا چبوایا اور بڑی بے دردی سے ان کا سر کچلا۔ تاریخ کے اوراق غداری اور غداروں کی بے رحمانہ کارستانیوں اور المناک انجام کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں اور جنہوں نے سیاست کو عبادت کا درجہ دیا وہ سرخیل و سردار کے زیرِ عنوان زندہ و جاوداں رقم ہوئے ہیں۔ اس عظیم اعزاز کا اندازہ صرف وہ لگا سکتے ہیں جو حق و باطل، عدل و ناانصافی کی سرحدوں کی تمیز و تفاوت کرنے والی لکیروں کی شناخت پر قدرت رکھتے ہیں۔

ہماری تحریکِ آزادی کے اس بے رحم باب کو مرتّب کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دوسروں کے عیب گننے کے بجائے ہمیں اپنی کمزوریوں کا محاسبہ کرنا چاہیئے۔

تاریخیں مرتّب کرنے کا ایک مدّعا یہ بھی ہوتا ہے کہ قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں اور ماضی کی کامرانیوں سے حوصلہ پا کر حال کی کمزوریوں کو سدھار کر مستقبل کی قندیلیں روشن کر کے آنے والی نسلوں کی رہنمائی کا فرض ادا کریں۔ "تاریخ قوموں کا سرمایہ ہے اور تاریخ ساز شخصیتیں قومی زندگی میں لہو کے مانند رقصاں نظر آتے ہیں۔"

تاریخیں قلم بند کرنے سے ایسے لوگوں کی شناخت بھی مطلوب ہوتی ہے جو عوامی زاویہ نگاہ سے داد و تحسین کے مستحق قرار پاتے ہیں اور چنّے کی جھاڑ پر چڑھنے والوں کو عریاں کرتی ہے جو بقول بشر نواز

خبر منزل کی ان کو نہ راہوں کا پتہ اُن کو
نہ ایسے راہرو دیکھے نہ ایسے راہنما دیکھے

کتابوں میں حواشی متعلقہ معلومات اور حوالوں سے عبارت اضافی مواد ہوتا ہے جس کو تسلسلِ عبارت کی آسودگی کے لئے الگ رقم کیا جاتا ہے اور اگر حواشی نہ بھی لکھی جائیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں البتہ ایسا نہ کرنے سے صاحبِ مضمون اپنے دل میں کسک اور بے اطمینانی کی خلش سے دوچار ہوتا ہے۔ جب ہی وہ اس احساس سے مکتی پانے کی خاطر ایسے مواد کو دل کے تہہ خانے میں ذخیرہ کرنے کے بجائے حواشی کے زیرِ عنوان قلمبند کرتا ہے اور اسی نسبت سے میں نے حواشی کو "دل کی کتاب" کے عنوان سے

ترتیب دیا ہے۔ دانشوروں اور صاحب الرائے ارباب علم سے توقع ہے کہ وہ اسے میری شوریدہ سری کی بجائے جدت پسندی سمجھ کر قبول کریں گے۔

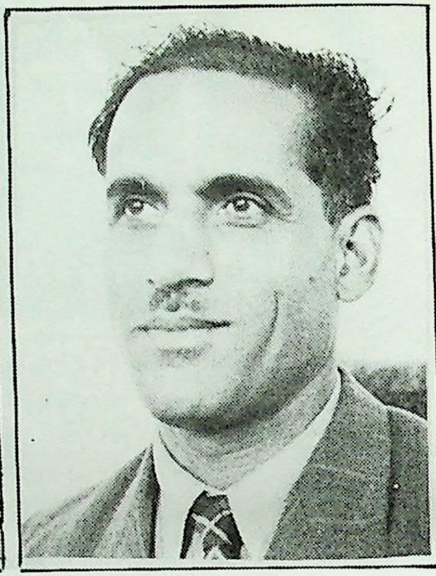
تاریخیں مرتب کرتے وقت مورخین کا تقریباً یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ تاریخ کے اہم سبق آموز عبرت ناک حیرت انگیز واقعات اور معرکوں کو احاطہ کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں جو تاریخی شاہراہوں پر رونما ہوتے رہتے ہیں، دراصل انہیں اتنی فرصت کہاں کہ وہ گلی کوچوں اور پگڈنڈیوں پر رونما ہونے والے واقعات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔ جبکہ میں نے اس روایتی طریقے سے اجتناب کر کے یہ سعی کی کہ کلیات کی تلاش میں جزئیات سے پنبہ بگوشی نہیں کی جائے اپنی اس سعی میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو سیاسیات پر گہری نظر اور دلچسپی رکھنے والے ارباب اور حلقے ہی کر سکتے ہیں، مجھے یقین ہے میری اس کاوش کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

بہر کیف اس تمہیدی سفر کا اختتام فارسی کے اس عہد آفریں شعر کو قلمبند کر کے رخصت ہوا چاہتا ہوں ؎

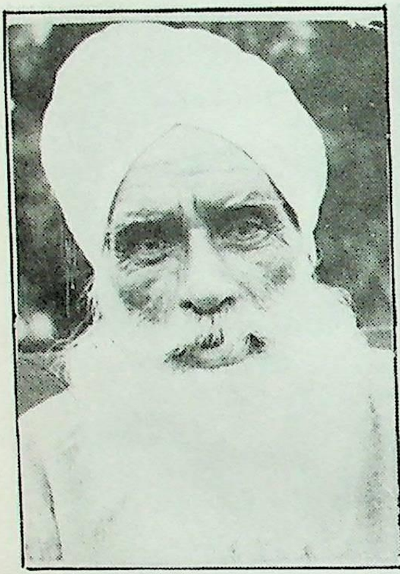
اے بلبل خوش الحان آہستہ لب بہ جنبان
نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد

رشید تاثیر
مخدوم منڈو سرینگر کشمیر
۱۹۰۰۲

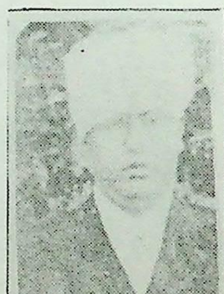
یکم جون ۱۹۹۲ء



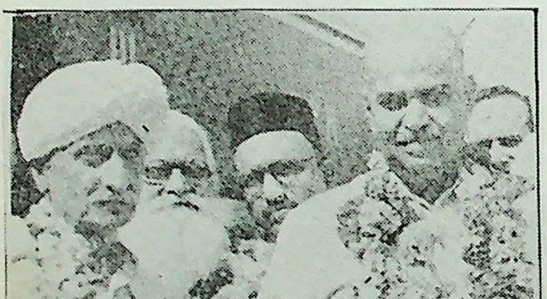
جناب عبدالغنی گونی



سردار بدھ سنگھ



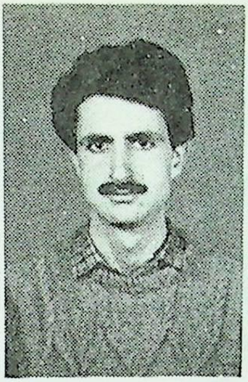
جسٹس جیالال کلیم



شری شیاما پرشاد مکرجی اور پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ



جناب خان عبدالقیوم خان



جناب محمد اشرف ٹاک



جناب سید محمد احمد اندرابی



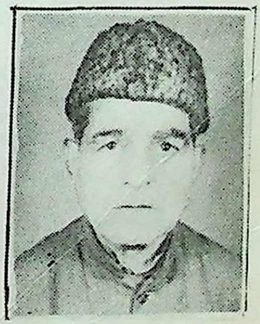
جناب محمد خلیل جوہر



جناب مولوی محمد امین



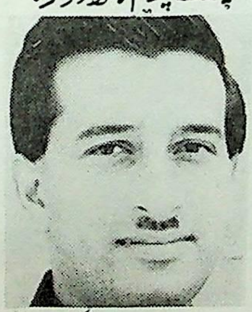
پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ



جناب نور محمد روشن



شری جیالال تعمیری



ٹھاکر نریندر سنگھ

فہرستِ ابواب

صفحہ نمبر	مضامین	باب نمبر

(۱)

نقوشِ ماضی

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

کوئٹ کشمیر تحریک کے اختتام سے چند ماہ بیشتر ریاست میں طوائف الملوکی اور سیاسی عدم استحکام کا دور شروع ہوا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا، اور دنیا کے نقشے پر ایک نئی مملکت کی حیثیت میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ ریاست میں جاگیردارانہ نظام کے آخری تاجدار مہاراجہ ہری سنگھ اس سیاسی تغیر و تبدل کے ڈر اور خوف سے اندیشہ ہائے گوناگوں میں مبتلا ہو کر مایوسیوں اور تذبذب کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اس کشمکش میں وہ کسی درست فیصلے پر پہنچنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ کبھی وہ ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کا خواب دیکھتے رہے اور کبھی ہند سے الحاق کی صورت میں ریاستی مسلم اکثریت ان کی راہ میں مانع ہوئی، البتہ فرقہ پرستوں کے مشورے پر انہوں نے صوبہ جموں میں ہندو مسلم فسادات کرا کے مسلمانوں کے نکاس کا بندوبست کرانے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔

اس عمل میں مہارانی تارا دیوی نے فرقہ پرستوں سے ہاتھ ملا کر رسوائی اور ذلت کی خمیر کو اپنے ضمیر میں گھولکر مسلم اکثریت کو نیست و نابود کرنے کی مہم میں بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ تباہ حال، لوٹے ہوئے مسلمانوں کے قافلوں کو سانبہ اور رماواجیسے ویران علاقوں میں پہونچا کر ان کا قتل عام کیا گیا۔ عورتیں اغوا کی گئیں، ان میں سے جس کسی نے سرحد پار کی جان کی امان پائی۔

اسی اثنا میں گاندھی جی سرینگر آئے۔ ان کی ہدایت اور مشورے پر مہاراجہ ہری سنگھ نے اس شرط پر کہ اگر شیخ عبداللہ انہیں اپنی حمایت کا یقین دلائینگے تو وہ ہند سے ریاست کا الحاق کرنے پر تیار ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیت ایک قیدی کے راج محل کی چوکھٹ پر مہاراجہ کی قدموسی اور اپنے مکمل تعاون و اعتماد کا یقین دلایا، ان کی رہائی عمل میں لائی گئی۔ اس تمام ڈرامے کو پاکستان متعدد ہی لیکن بہ ہوش و حواس خمسہ دیکھتا رہا۔ اس نے ہری سنگھ کی پُر اسرار سرگرمیوں اور اس فیصلے کے خلاف قبل از وقت قبائیلیوں کو ریاستی سرحدات پر جمع کر کے حملہ کرنے کی غرض سے سٹینڈ ٹو کی پوزیشن میں کھڑا رکھا تھا۔ ریاست میں بدلتے ہوئے سیاسی افق کے پیش نظر اشارہ پلتے ہی قبائیلیوں نے یلغار کی۔ ہری سنگھ رات کی تاریکی میں فرار ہوئے اور جموں پہونچکر ہند سے دستاویز الحاق پر دستخط کرنے کے ساتھ پنڈت جواہر لال نہرو کی خفیہ ہدایت پر شیخ عبداللہ کو ریاست کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ قبائلی حملہ نے مظفر آباد، اوڑی اور ملحقہ علاقوں سے غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد کو سرینگر کی طرف دھکیلا، جنہیں جموں پہونچانے کے لئے تقریباً تین (۳۰۰) سو مسلمان کوچ بانوں کی خدمات حاصل کی گئیں لیکن انہیں واپسی پر نگروٹہ کے مقام پر سیکولرازم کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھنا پڑا۔

ڈوگرہ راجوں کے دور میں خزانہ عامرہ کی آمدن میں اضافے کی خاطر محکمہ کسٹم کا وجود بظاہر انتظامیہ کو بہتر ڈھنگ سے چلانے کا ایک موثر ذریعہ بتایا گیا تھا لیکن درحقیقت یہ محکمہ ریاستی مسلمانوں کی زبوں حالی اور پسماندگی کو قائم رکھنے اور انہیں اقتصادی طور کنگال بنانے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا۔ کسٹم کی سب سے بڑی چوکی سرینگر، راولپنڈی قومی شاہراہ دومیل کے مقام پر قائم تھی اور یہی سڑک ریاست کو برصغیر کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کا واحد ذریعہ تھی

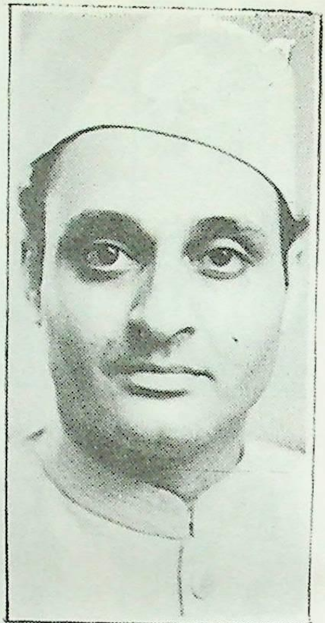
جو ۱۹۴۷ء کے قبائلی حملہ اور بعد میں رونما ہونے والے حادثات و واقعات سے معطّل ہو کر رہ گئی جس نے ریاست کی تباہ حال اقتصادی اور معاشی نظام کو درہم برہم کیا۔ ہندوستان سے رابطہ بنائے رکھنے کے لئے سرینگر، بانہال روڈ کی اہمیت بڑھ گئی جو ماقبل آمدرفت کے لئے صرف تین (۳) ماہ کے لئے محفوظ سمجھی جاتی تھی، ضرورت کے پیش نظر اب اس پر انحصار کرنا لازمی تھا۔ اس پر ستم ظریفی کی انتہا یہ کہ شیخ محمد عبداللہ نے اقتدار سنبھالتے ہی ریاست میں داخلہ اور خروج پر حکومت ہند کی وزارتِ دفاع کی منشأ اور مشورے پر پرمٹ سسٹم رائج کرا کے لوگوں کی نقل و حمل کو محدود اور مزید مشکلات سے دوچار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، یہ حقیقت بھی مسلّمہ ہے کہ حکومتِ ہند نے ملک بھر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو کشمیر آنے والے سیاحوں اور ریاستی باشندوں کو پرمٹ اجرا کرنے کے اختیارات تفویض کئے تھے لیکن جب زمانے کا ستایا کوئی کشمیری کسی بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اس ضمن میں رجوع کرتا تھا تو اس کو بھاری رقم بطور رشوت دینے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا، کیونکہ پرمٹ حاصل کرنے والے کے لئے متعلقہ مقام پر پانچ (۵) سال قیام کی شرط و قید عائد کی گئی تھی۔ دہلی اور امرتسر میں پرمٹ حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اس مخمصہ میں در در کی ٹھوکریں کھانے کے ساتھ ساتھ خصوصاً کشمیری اپنا سامان اور بعض اوقات کپڑے بیچنے پر مجبور ہوتے تھے، تب کہیں جاکر حکام اسے قابلِ رحم اور قوم پرست سمجھتے تھے، پرمٹوں کی پڑتال لکھن پور سڑک پر پولیس کے دو (۲) متوازی یونٹ ہندو اور مسلمان کی شناخت پر کرتے تھے۔ پرمٹ سسٹم کے اس شرمناک مظاہرے پر شیخ محمد عبداللہ اپنی سوانح آتشِ چنار کے صفحہ ۵۵۵ پر یوں تمطراز ہیں:-

"مرکزی محکمۂ دفاع نے کشمیر میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے پرمٹ سسٹم کا رواج جاری کیا۔ ہر کوئی شخص کشمیر میں آتے وقت یا یہاں سے باہر جاتے وقت پرمٹ حاصل کرنے کا پابند تھا۔ خود مجھے بھی یہ پرمٹ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ یہ طریقہ کار ہمارے مفادات کے لحاظ سے بہت اچھا نہیں تھا اور اس کی وجہ سے ہماری سیاحت کی صنعت پر جو کشمیر

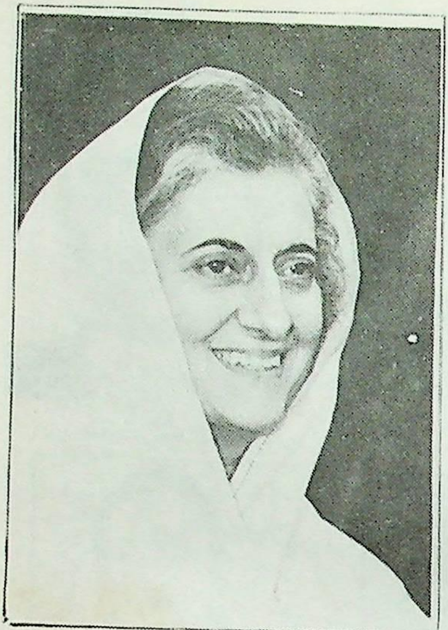
کی سب سے بڑی اور قدرتی صنعت ہے، کافی خراب اثر پڑا، ہم نے کئی بار چاہا کہ یہ سسٹم منسوخ کیا جائے اور اس سلسلے میں مرکز کی طرف بھی رجوع کیا۔ لیکن محکمۂ دفاع کی ہٹ دھرمی کے سامنے ہماری ایک نہ چلی، جن سنگھ کے بانی رہنما ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی جو ہندوستان بھر میں پرجا پریشد کی ہمارے خلاف جاری کی ہوئی تحریک کی پشت پناہی کے لئے مہم چلا رہے تھے، اب پرمٹ سسٹم کی آڑ لے کر ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو گئے، انہوں نے اس کی تنسیخ کا مطالبہ کیا۔"

اپنا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر لادنا گو آسان سی بات ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سب شیخ محمد عبداللہ کی مرضی اور حمایت سے ہوا پرمٹ کی پڑتال کے عامیانہ عمل سے وہ کشمیری مسلمان جن کو بھیس بدل کر جموں کے فساد زدہ حدود سے گزرنا پڑتا تھا، نوپورہ یا بانہال تک سر ہتھیلی پر رکھ کر سفر کرتے تھے۔

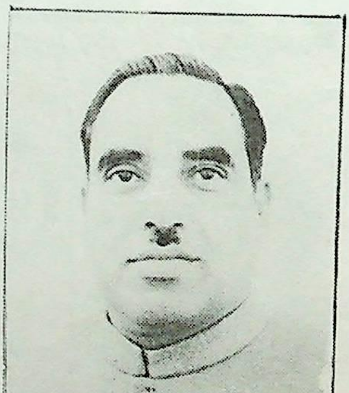
یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو ریاستی جنگی محاذوں پر ہندو پاک کے مابین جنگ بندی کے اعلان سے قبل ہی نیشنل کانفرنس کے اعلیٰ سے ادنیٰ ورکر کی قابلیت اور جماعت سے وفاداری کا معیار یہ ٹھہرا، کہ وہ ایسے افراد پر کڑی نظر رکھیں جو ان کی نگاہ میں مخالف اور سیاسی طور مشتبہ ہوں۔ ردعمل کے طور پر ان سیاسی سورماؤں کی شہ پر وادی میں دہشت اور سراسیمگی نے جگہ پائی۔ اس جماعت کے دفاتر پولیس تھانوں اور عدالتوں کی حیثیت اختیار کر بیٹھے، لوگوں کے نجی اور گھریلو معاملات میں مداخلت عام سی بات بنی، ہر بات پر مخالف سیاست کا لیبل چسپاں کر کے جہاں اور جس کو چاہتے، اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتے تھے، لیکن اس کی فوری اطلاع صدر دفتر مجاہد منزل کو دی جانی لازمی تھی۔ جو نرغہ میں پھنسے فرد سے جماعت کے لئے عطیہ وصول کر کے اس کی وفاداری کو غیر متزلزل کی سند دیتے تھے اور ورکر کو اس فسطائی طریقہ کار کے عوض حوصلہ افزائی کے طور پر گلدستے پیش کئے جاتے تھے، سال ۱۹۴۸ء کے وسط میں سلامتی کونسل



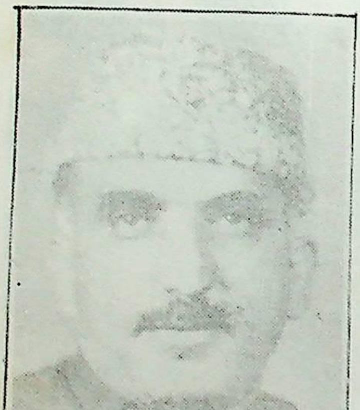
ڈاکٹر کرن سنگھ



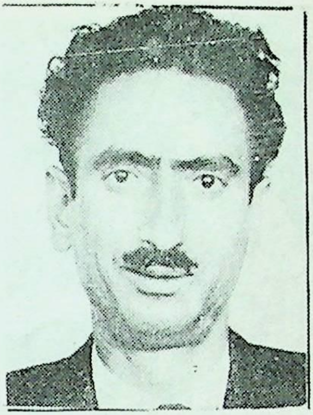
مسز اندرا گاندھی



جناب سیّد میر قاسم



جناب بخشی غلام احمد



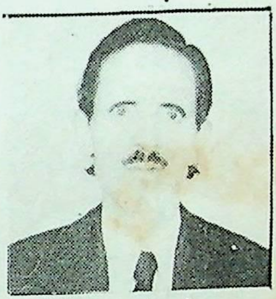
جناب نور محمد



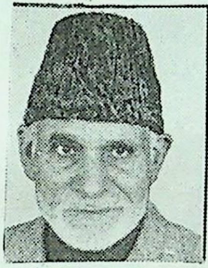
جناب سلیم جہانگیر



خواجہ محمد امین بڑھ



جناب محمد یاسین صدیقی



جناب غلام رسول عالمگیر



جناب عبدالرحمان تنگو



جناب نذیر احمد مسعودی



شری چمن لال رینہ



کامریڈ عبدالستار رنجور

کا کشمیر کمیشن ریاست میں رائے شماری کے لوازمات طے کرنے اور استصواب رائے عامہ کو عملی شکل اور قواعد وضوابط طے کرنے کے لئے سرینگر پہونچا۔ نیشنل کانفرنس نے کمیشن کو کوئی تعاون نہیں دیا، البتہ اس کے سرکردہ لیڈروں نے اپنی ساری سیاسی بساط اس نکتہ پر منجمد کی کہ وہ کمیشن کو سیاسی طور لاچار اور بھوک بیکاری سے نڈھال تنگ دست لوگوں کو یہ بھجن گانے پر تیار کریں کہ الہ آباد کے پنڈت اور کشمیری شیخ کی لافانی دوستی ہر مرض کا تریاقی نسخہ ہے یہ لوگ کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر مغلوں، پٹھانوں، سکھوں اور ڈوگروں کی ظالمانہ حکائتیں بیان کرنے کے علاوہ جماعتی منشور نیا کشمیر کو جدید بائیبل اور ریاست کو پاکستان کی عیش گاہ جتلا کر ان ریاستی باشندوں کو دھمکیاں دیتے تھے جو شیخ محمد عبداللہ کے نظریہ سیاست سے اختلاف رائے رکھتے تھے جس کی پاداش میں باوقار سیاسی غنڈہ گردی نے وادی میں مستقل جگہ ڈھونڈ لی۔

اندرونی رسہ کشی

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی جدوجہد میں جماعتی سطح پر اس کے قائدین میں بھی رسہ کشی شروع ہو چکی تھی۔ خواجہ غلام محی الدین قرہ جنہوں نے کوئٹ کشمیر تحریک کو کم وبیش اٹھارہ (۱۸) مہینے تک زندہ رکھا تھا اور جماعتی لغت میں "ہیرو آف کوئٹ کشمیر" کہلاتے ہیں، کو بے دردی اور بے رحمی سے اقتدار کی بندر بانٹ میں الگ تھلگ کر کے صدر ضلع سرینگر تک محدود کیا گیا، ایک چالاک اور کھرانٹ سیاستدان کی طرح انہوں نے اپنے قد سے پست عہدے پر خندہ پیشانی سے قناعت کی۔ لیکن پارٹی میٹنگوں میں ریاست کے اقتصادی مسائل پارٹی ورکروں کی اخلاقی گراوٹ، عام لوگوں کی پسماندگی اور بے بسی کا تذکرہ کچھ ایسے انداز میں چھیڑنے لگے جس سے نہ صرف وزرائے کابینہ بلکہ بعض اوقات ریاستی وزیر اعظم

اور ان کے نائب بخشی غلام محمد کی نیندیں بھی اچاٹ ہونے لگیں، جس سے وہ ایک پریشان کن صورت حال سے دوچار ہوئے۔ وہ اپنے کینہ اور غصے کو قابو میں نہیں رکھ سکے، نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ اس طرز کی تقاریر کو پیار یا حقارت سے قابو میں کرنا لابدی سمجھنے لگے اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے مولانا محمد سعید مسعودی نے بیڑا اٹھایا جو نہ صرف پرسکون شخصیت کے مالک تھے بلکہ علم و دانش اور سیاسی فہم و فراست کے لحاظ سے تمام جماعت میں یکتائے زمانہ سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۱ فروری ۱۹۴۹ء کو مجاہد منزل میں پارٹی ورکرس کی میٹنگ جس میں بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق بھی شریک تھے، مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنی تقریر کے آغاز میں ریاست کے مستقبل پر تبصرہ اور شیخ محمد عبداللہ کی قیادت کو جُزو ایمان قرار دے کر لال جھنڈے کے نیچے متحد رہنے کی فہمائیش کا مژدہ سناتے کہا:۔

"کشمیر کی آزادی کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے اٹھارہ (۱۸) سال جو جد و جہد کی اس کا اب آخری مرحلہ آگیا ہے۔ اب تک جتنے مورچے تھے، کشمیریوں نے اپنی بہادری، دانش مندی، دور اندیشی اور عزم و استقلال سے فتح کئے، آنے والا آخری مورچہ جیت لینے سے کشمیری حقیقی منزلِ آزادی کے دروازے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ہر سفر کی آخری منزل بہت کٹھن ہوتی ہے۔ اہل کشمیر کی یہ منزل بھی مشکلات اور صعوبتوں سے اٹی پڑی ہے، اس کو فتح کرنے کے لئے لال جھنڈے کے نیچے شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑے ہو جائیے اور آزادی یا موت کا نعرہ لگا کر آگے بڑھیں۔"

مولانا نے نیشنل کانفرنسی زعماؤں کے درمیان اختلافات کا تجزیہ کرتے کہا:

"یہ اختلافات کہیں نا سمجھی، کہیں غلط فہمی اور کہیں خود غرضیوں کے نتائج ہیں، تمام مخلص اور دانش مند کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ ان میں نہ الجھیں اور اس بحث سے دور رہ کر اپنا فرض انجام دیں۔"

مولانا نے نیشنل کانفرنس کا نسطائی نعرہ "ایک لیڈر، ایک پروگرام، ایک تنظیم" کے اصول پر جماعت کے کارکنوں کو کاربند رہنے کی تلقین کرتے دھمکی آمیز لہجہ اختیار کیا اور کہا ــــــ "ایک دوسرے کے خلاف شکایات کی تحقیق کرنا اور مجلس آرائی کا طریقہ تخریبی ہے اس کو ترک کرو" ـــــ خواجہ غلام محی الدین قرہ نے نوشتہ دیوار کے انتباہ کو پڑھکر اپنی جوابی تقریر میں جنرل سیکریٹری کو یقین دلایا:۔

"جس طرح آج تک میں نے اپنے قائد کا جانثار ہونے کا ثبوت دیا ہے اسی طرح آزادی کشمیر کے آخری مورچہ پر بھی ثبوت پیش کرنے کے لئے تیار ہوں"

بات بظاہر یہیں پر ختم ہوئی لیکن دلوں کی کدورتیں دلوں میں ہی پلتی رہیں جنہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ جملہ دیگر وجوہات کے اپنے پنجے پھیلا کر اس ساری تنظیم کو پاش پاش کرنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتے بعد شیخ محمد عبداللہ نے بھی اسی موضوع پر مجاہد منزل میں کارکنوں کے سامنے تقریر کی اور پاکستان کو مود الزام ٹھہراتے نیشنل کانفرنسی مسلمانوں کے عزم کا اعادہ کرتے کہا:۔

"کارکنوں اور عوام کو موت وحیات کی اس کشمکش میں نجی اختلافات اور فروعی معاملات سے بے نیاز ہو کر آہنی دیوار بن کر نیا کشمیر کے دشمنوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ کشمیری مسلمانوں نے آج سے گیارہ (۱۱) سال قبل فرقہ پرستی کا جنازہ نکالا۔ اگر انہیں فرقہ پرستی سے لگاؤ ہوتا تو ۱۹۳۸ء میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل نہ کرتے اور ۱۹۴۴ء میں جب مسٹر جناح کشمیر آئے تو ان کی فرقہ پرستی کی دعوت کو سر بازار نہ ٹھکراتے اور سال گزشتہ اتحاد و اتفاق کا دامن چھوڑ کر قبائیلیوں کے دام فریب میں پھنس جاتے۔ ہم نے کسی ڈومنین سے الحاق کے لئے جنگ آزادی نہیں لڑی ہے اور نہ ہی الحاق ہمارا نصب العین ہے، نصب العین ہمیشہ سے آزادی تھی، اور آزادی ہی ہمارا نصب العین رہے گا۔ اگر الحاق ہمارے نصب العین کا

ذریعہ بنے گا تو ہم اس کو خوش آمدید کہیں گے۔"

ہوائی جہاز کو حادثہ

ہندوپاک کے مابین جنگ بندی اور مفاہمت کے پیش نظر جو پہلا قدم اٹھایا گیا وہ ایسے ریاستی باشندوں کا تبادلہ تھا، جو متضاد نظریات کے جرم میں ہر دو ممالک میں مشکوک سمجھ کر قیدی بنائے گئے تھے، اس سلسلے میں دونوں حکومتوں کے درمیان ۱۵ ارجنوری ۱۹۴۹ء کو ایک سمجھوتہ طے پایا جس کے تحت پاکستان نے سترہ (۱۷) ریاستی سیاسی قیدی سوچیت گڈھ میں ہندوستانی حکام کے حوالے کئے جن میں سابق گورنر گلگت، جنرل گھنسارا سنگھ اور پونچھ کے مقامی لیڈر غلام قادر بانڈے سرفہرست تھے، ہندوستان نے ایسے ہی چھتیس (۳۶) سیاسی قیدی پاکستان کے حوالے کئے جن میں قریشی محمد یوسف قابل ذکر ہیں۔ پاکستان سے رہائی پانے والے قیدی جنہیں ۲۱، جنوری ۱۹۴۹ء کو جموں سے ڈالمیاں جین ایئرویز کا ڈکوٹہ سرینگر لا رہا تھا، بانہال کے اوپر پرواز کرتے گر گیا، اس حادثہ میں جہاز کے عملہ سمیت سترہ (۱۷) افراد جاں بحق ہوئے، ان میں مولانا محمد سعید مسعودی کے داماد مولوی محمد یوسف، بھائی مولوی غلام مصطفیٰ جن کی منفرد شخصیت کی چھاپ تحریک حریت کے انتہائی پیچیدہ موڑوں پر منقش نظر آتی ہے اور مولوی عزیز الرحمان شامل تھے۔ ان کا جنازہ فوجی اعزاز واہتمام کے ساتھ کشمیر ملیشیا کی عسکری سلامی کے بعد ایک جلوس کی صورت میں نکالا گیا اور خانقاہ معلیٰ کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ اسی دوران لکھنؤ یونیورسٹی نے شیخ محمد عبداللہ کو ڈاکٹر آف لا رکی اعزازی ڈگری عطا کی اس موقعہ پر صوبجات متحدہ کی گورنر مسز سروجنی نیڈو نے شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی بصیرت کا اعتراف کرتے کہا، "ان کی بدولت کشمیر کو دنیا میں ایک ہمہ گیر اور بے مثال شہرت حاصل ہوئی ہے ـــــ۔" یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسی حوالے اور نسبت سے کشمیریوں کو بے انتہا آلام و مصائب! ور مشکلات نے

گھیر لیا ہے اور کون جانے ان کا ازالہ کب اور کیسے ہوگا؟

پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن

پرجا پریشد کا تعارف تحریک حریت کشمیر جلد سوئم" صفحہ ۴۲۲ تا ۴۲۸ پر کیا گیا ہے، کشمیر کی خمدار سیاست میں ہندو مسلم تناؤ، جموں اور کشمیر کے مابین ذہنی الجھاؤ، قوم پرست اور "دو قومی نظریہ" کے حامی مسلمانوں میں نظریاتی اختلاف جیسے بنیادی مسائل نے جہاں اپنی جڑیں مضبوط کی تھیں وہاں جموں کے ہندوؤں کو مہاراجہ ہری سنگھ کی بے بسی نے اس کی حمایت اور وفاداری پر مجتمع کیا اس کا بھرپور استفادہ اٹھانے میں پریشد نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا۔ اس پر طرہ یہ کہ کشمیری قوم پرست لیڈر شیخ محمد عبداللہ نے سیاسی دور بینی سے بے نیاز ہو کر جا بجا مہاراجہ ہری سنگھ پر ذاتی حملوں، اپنی بے پناہ چڑ اور نفرت کے اظہار میں جس سخاوت سے کام لیا وہ اسکی قوم پرستانہ سیاست کو مشتبہ بنانے میں بنیادی عنصر بنی۔ لیکن اقتدار کے نشہ نے اسے نہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی مہلت اور نہ مستقبل کے تاریک حقایق پر غور کرنے کی فرصت دی۔

قبائلی حملہ کے آغاز میں جب مہاراجہ وادی سے فرار ہوئے تو نیشنل کانفرنسی زعماؤں کا یہ گمان یقین میں بدلا کہ انہیں اقتدار مہاراجہ نے حکومت ہند کی سفارش اور مشورے پر نہیں سونپا، بلکہ یہ ان کی دانشمندی اور تدبر سے خود بخود پکے پھل کی طرح ان کی جھولی میں گرا، وہ بانگ دہل یہ کہنے لگے حکومت ہمیں شہر سرینگر کے لال چوک میں اس بیوہ کی اکلوتی بیٹی کی طرح ملی جو کینسر کی عارضہ میں مبتلا ہو کر دم توڑ رہی تھی گھمنڈ، غرور اور لغویات پر مبنی اس دعوے سے مہاراجہ ہری سنگھ کا رنجیدہ ہونا بعید از امکان نہیں تھا۔ اس سے جموں کے فرقہ پرستوں اور مہاراجہ کے وفاداروں کے جذبات برگشتہ ہوئے اور یہ انداز بیان ہندوستان کے فرقہ پرستوں کو جو کثیر تعداد میں سردار پٹیل کی وساطت سے کانگریس میں داخل ہو چکے تھے ایک آنکھ نہیں بھایا وہ بھی

اس بات پر متفق تھے کہ ایک ہندو راجہ کا ہندوستان سے الحاق کرنا ہی اس کے محب وطن ہونے کی واشگاف دلیل ہے۔ ان لوگوں کے سامنے ریاست کی غالب اکثریت کی رائے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی وہ ہر حال میں اپنے تسکین قلب کے لئے ہندو، ہندی اور ہندوستان کی گردان کر رہے تھے بادی النظر سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان اور شیخ عبداللہ کے تعلقات بگاڑنے میں ایسے لوگوں نے جو کردار ادا کیا اس نے نہ صرف کشمیر میں ہندوستان کے لئے ناموافق حالات پیدا کئے بلکہ ہندوستان کی پیشانی پر بدنما داغ بھی لگا۔ اس زمرۂ خلائق میں "آئی ریپورٹ آن کشمیر" کا مصنف جے، کے بینرجی اس لحاظ سے چند قدم آگے ہے جس نے سب سے پہلے اپنی کتاب میں شیخ محمد عبداللہ کو کٹر قسم کا مذہبی آدمی کہہ کر ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے، جموں کے فرقہ پرستوں کے طریقہ کار کو سراہتے، شیخ وزارت کا تجزیہ کرتے اس نے لکھا ہے کہ جموں پر کشمیر کی نسبت اس کی حکومت کی گرفت کمزور ہے اور مہاراجہ سے شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کی نفرت وحقارت کے وجوہات اور اس سے حاصل فوائد بیان کرتے جموں کے مکینوں سے مہاراجہ ہری سنگھ کی قلبی یگانگی اور مفاہمت پر اظہار اطمینان کرتے اس نے ان لوگوں کو مہاراجہ ہری سنگھ کے حوالے سے یقین دلایا کہ مہاراجہ، شیخ عبداللہ کے نافذ کردہ قوانین پر دستخط نہیں کرتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ تمام عناصر پہلے ہی اسلامیانِ ریاست کے خلاف صف آرا تھے۔ اب کے شیخ عبداللہ کے خلاف حوصلہ افزائی پاکر متحد ہوئے، پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ جو راشٹریہ سیوئم سیوک سنگھ کے سنگ چالک تھے نے جموں میں ہڑتالیں اور ہلڑ بازی کا سلسلہ شروع کرایا چنانچہ جموں پرجا پریشد نے فروری ۱۹۴۹ء میں اپنی مہم کا آغاز دیواری اشتہاروں سے شروع کیا، جن میں قبائلی یلغار کے دوران پریشدی ورکروں کے خود ساختہ کارناموں کو اجاگر کرنے کے علاوہ صوبہ جموں کے ہندوؤں سے شیخ وزارت کی عدم توجہی کو اپنا موضوع بنا کر اچھالنے کے ساتھ تقاریر کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع کیا۔ شیخ عبداللہ کو کٹر

مسلمان قرار دے کر کہا جانے لگا کہ یہ شخص بناوٹی قوم پرست ہے اور ہندو جنتا کو دھوکہ دے رہا ہے، مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کو ختم کرکے غیر مسلموں کو فنا کرنے کے منصوبے باندھ رہا ہے۔ اس خطرناک منصوبے سے بچنے کے لئے نہ صرف شیخ وزارت کو نابود کرنا لازمی ہے بلکہ یہ اس لئے بھی لازمی ہے کہ اگر اس کے ہوتے ہوئے ریاست میں رائیشماری عمل میں لائی گئی تو یہ اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے گا۔ پرجا پریشد نے اپنے مطالبات میں جموں اور لداخ کو براہ راست ہندوستان میں مدغم کرنے کے مطالبے کو شامل کرکے دنگے فساد کی طرح ڈالی جس سے انتظامیہ کے کام کاج میں خلل پڑنے لگا صورت حال کو قابو میں لانے کے لئے حکومت نے جموں وکشمیر تحفظ عامہ کی دفعہ (۳) کے تحت پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ، لالہ روپ چند نندہ، لالہ شیو رام گپتا، ٹھاکر دھنونتر سنگھ اور ٹھاکر چندر دیو سنگھ کو گرفتار کرلیا۔ لالہ روپ چند نندہ صدر پرجا پریشد نے لالہ سوداگر مل کو قائم مقام صدر نامزد کیا جس نے اس عہدے پر کام کرنے سے انکار کرکے اس جماعت کی قوت بازو کی بے لباطی اور بے جرأتی کا بھرم کھول دیا لیکن پریشدیوں نے فوراً ہی اس کی جگہ پنڈت لاہرمنی سانگر کو صدارت کے فرائض تفویض کرکے صورت حال کو قابو میں کرلیا۔

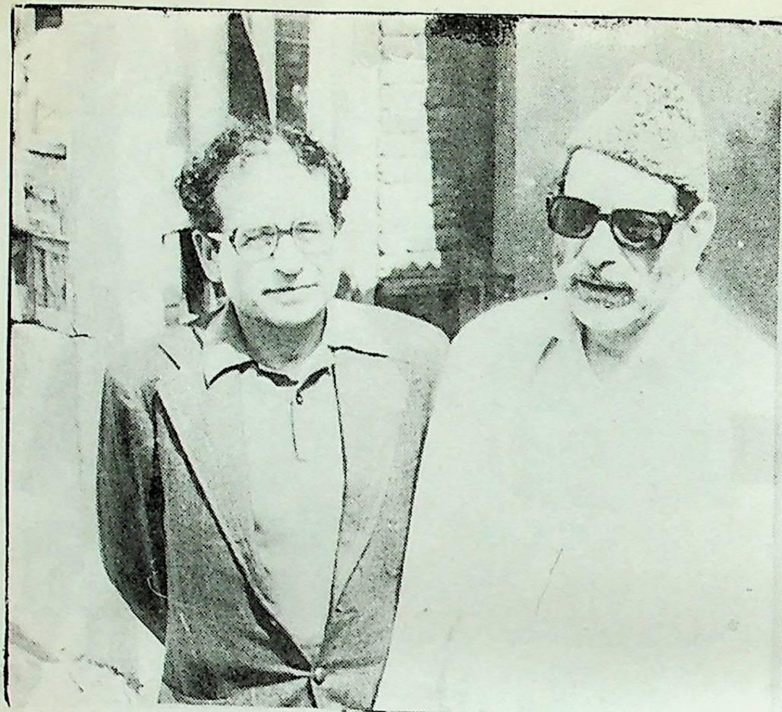
ان گرفتاریوں سے پریشد کی سرگرمیاں قدرے ماند پڑ گئیں لیکن مئی ۱۹۴۹ء میں دربار موؤ کے موقعے پر آر ایس ایس نے پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کی گرفتاری کی آڑ میں باضابطہ ایجی ٹیشن کا اعلان کیا جو پندرہ (۱۵) دن تک جاری رہنے کے بعد حکومت ہند کی مداخلت اور اس یقین دہانی کے بعد ملتوی کی گئی کہ ریاستی حکومت جلد ہی پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کو رہا کر دے گی، لیکن ریاستی حکومت ایسا کرنے پر رضامند نہیں ہوئی اور یہ دلیل پیش کی، کہ اگر حکومت ہند کے کہنے پر گرفتار شدگان کو رہا کرنے کی سفارش پر عمل کیا جائے تو صوبہ کشمیر میں احتیاطی نظر بندی کے نام پر جو سینکڑوں

افراد صوبہ جموں کی جیلوں میں بند پڑے ہیں انہیں قید میں رکھنے کا وجہ جواز کیا ہوسکتا ہے۔ ریاستی حکومت کے اس سخت لیکن برحق روّیہ سے طیش کھا کر جون ۴۹ء میں صوبہ جموں میں پہلے سے زیادہ شدید اور منظم طور دوبارہ شورش برپا کی گئی، بقول پرجا پریشد جموں سے روا رکھی گئی ناانصافی کو بھی اب کے اس میں شامل کیا گیا۔ پریشد نے اتنے ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ دبی زبان میں تمام ریاست کا ہندوستان کے ساتھ مکمل الحاق اور ناقابلِ تنسیخ کا نعرہ بھی لگایا۔ اس طرح پرجا پریشد کے بامقصد اور منصوبہ بند مطالبوں نے باضابطہ تحریک کی صورت اختیار کی۔ یہ ایجی ٹیشن تقریباً چھ(۶) ماہ تک جاری رہی اور پانچ سَو(۵۰۰) کے قریب افراد گرفتار کئے گئے جن میں سے نصف سے زیادہ غیر ریاستی ہندو جوان اور طلبأ تھے۔ اس دوران ہندوستان کی متعدد فرقہ پرست جماعتوں نے جہاں شیخ عبداللہ پر کڑی نکتہ چینی کی وہاں جتھے بھیجنے کے عمل میں خاصی پیش رفت کی، ان جماعتوں نے دہلی، امرتسر، جالندھر، گورداسپور میں گرفتاریاں دیں۔ ایجی ٹیٹروں کا حوصلہ بلند رکھنے کے لئے حکومتِ ہند کے وزیر داخلہ نے ریاستی حکومت کو پرجا پریشد سے براہ راست گفت وشنید کرنے پر دباؤ ڈالا اور کئی دوسری تدبیریں اختیار کیں۔

ڈاکٹر رگھو ویرا

ہندوستان کی مجلس دستور ساز یہ کے ممبر ڈاکٹر رگھو ویرا نے سردار پٹیل کے اشارے پر ماہ اگست ۱۹۴۹ء میں جموں کا ایک روزہ دورہ کیا اور شیخ عبداللہ سے پریشد کی تحریک پر تبادلہ خیال کے بعد واپسی پر دہلی میں ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ شیخ عبداللہ پریشد کو قوم پرست اور محبّ وطنوں کی جماعت تسلیم کرتا ہے۔ بیان میں مزید کہا گیا:-

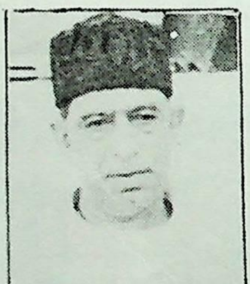
"جموں کی ستیہ گرہ کو روکنے کے لئے سرینگر سے مسلم پولیس لائی گئی ہے،



مدیر "آفتاب" خواجہ ثناء اللہ بٹ، مدیر "محافظ" رشید تاثیر



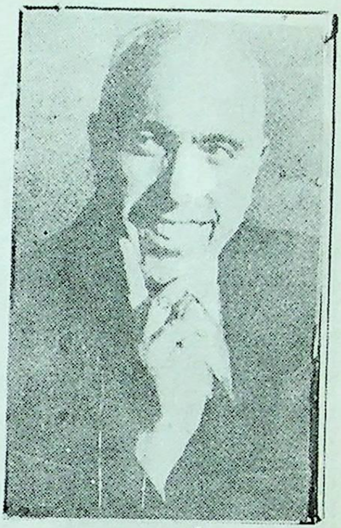
شری بلراج پوری



جناب صوفی غلام محمد



جناب علی محمد خان



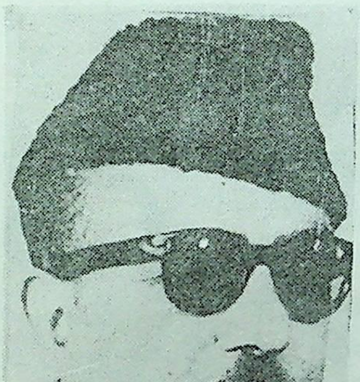
جناب شیخ محمد عبداللہ



جناب مرزا محمد افضل بیگ



شری گردھاری لال ڈوگرہ



خواجہ غلام محمد صادق

حکومت ریاست میں رونما ہونے والے حالات کی پردہ پوشی کر رہی ہے اور مجھ سے جن ممبرانِ اسمبلی نے ملاقات کی، ریاستی حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا اس طرح ریاستی حکومت جموں باسیوں پر سختی کر رہی ہے۔"

ڈاکٹر رگھو ویرا کے بیان پر ریاستی حکومت تلملا اٹھی۔ اس بیان کو لغویات کا پلندہ یکطرفہ اور جانبدارانہ قرار دے کر اس پر اپنا ردِعمل ظاہر کرتے ایک جوابی بیان جاری کیا۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"مسٹر رگھو ویرا یقیناً شیخ محمد عبداللہ سے ملاقی ہوا، لیکن انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ پرجا پریشد قوم پرست جماعت ہے، جب کہ سکھوں نے مہاجرین کو لوٹا اور نہتے گوجروں کو قتل کیا۔ جموں میں ہندو مسلم فساد کے نام پر لاکھوں مسلمانوں کو قتل تباہ و برباد کیا، وزیر اعظم متعدد بار اعلان کر چکے ہیں، پرجا پریشد ہی وہ جماعت ہے جس نے مہاتما گاندھی کے قتل پر مٹھائیاں بانٹیں اور جب ماتمی جلوس پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کے مکان کے سامنے گزرا تو اس پر پتھراؤ کیا گیا۔ جس کا ذکر پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اپنی تقریر میں کیا ہے۔ ریاست میں کوئی اسمبلی ہی نہیں ہے اس لئے ممبرانِ اسمبلی کہاں سے آئے۔"

ریاستی حکومت کو ڈاکٹر رگھو ویرا کا اس بات پر شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے فردِ جرم عائد کرتے سرینگر سے درآمد کئے مسلم پولیس کا نام لیا ورنہ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اپنے بیان کو رنگین اور سنسنی خیز بنانے کے لئے اسے پاکستانی پولیس کہتا۔

جوابی مہم

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ڈاکٹر رگھو ویرا کے بیان نے جہاں ایوانِ حکومت میں کھلبلی مچائی وہاں پریشدیوں کی تحریک کی بے جان رگوں میں زندگی کی نئی رمق پیدا کی۔ نئی صورت حال کا سامنا کرنے کیلئے ریاستی حکومت کو مجبوراً غیر مسلموں کے حمایتی بیانوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس سلسلے میں پنڈت شیو نرائن فوطیدار

کی خدمات حاصل کی گئیں، فوطیدار نے اپنے ایک محتاط بیان میں پرجا پرشید کی مذمت کرتے کہا:

"جموں کے کچھ لوگوں نے پرجا پریشد کے نام سے ایک جماعت بنائی ہے ان حالات میں جب کہ کشمیری اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، میں ایجی ٹیشن کرنے والوں پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرنا چاہتا ہوں لیکن ان نازک حالات میں جب کہ ہمیں سیاسی اور اقتصادی مشکلات کا سامنا ہے، دشمن ہماری آزادی چھین لینے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ پریشد کی حرکت سراسر غیر واجب اور ناخوشگوار ہے۔ ان حالات میں کسی قسم کی ایجی ٹیشن ہمارے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرے گی۔"

پنڈت شیام لال صراف وزیر صحت جو پیشتر حزب اختلاف کے نقطوں کا جواب دینے میں بڑی چابکدستی سے کام لیا کرتے تھے، نے ایک طویل خاموشی کے بعد اپنی صحت و سلامتی اور سیاسی بقا کیلئے یہ مفید سمجھا کہ پرجا پریشد کی تحریک کے خلاف ایک گوں مگوں بیان داغا جائے۔ چنانچہ انہوں نے جموں کے سرکردہ اصحاب کی ایک میٹنگ میں کہا:

"پرجا پریشد کے کارکن، اسکولوں کے بچوں کو گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب بچوں سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اپنے بزرگوں کی احمقانہ حرکتوں کی مذمت کرتے ہیں جب کہ اس قسم کی تحریک عوامی مفاد اور ملک وقوم سے غداری ہے"۔

بہت دنوں سے یہ شغل ہے اہل سیاست کا
کہ بچے جوان ہوں اور قتل کئے جائیں

جموں کے سرکردہ شہریوں کی اس میٹنگ میں پیر محمد خان وزیر تعلیم نے پرجا پریشد سے وابستہ لوگوں کو انتباہ کرتے کہا: "اگر وہ پچھلے فسادات کی تباہی کو نہیں بھولے اور ایسے شرمناک واقعات کا اعادہ کرتے رہے تو وہ یقیناً اپنی قبر آپ کھودنے کا سامان پیدا کر رہے ہیں"۔ ہندوستانی فرقہ پرست جماعتوں کی جانب سے لگاتار پریشدیوں کی حمایت کے نتائج کے تصور سے بدگمان ہو کر ۱۵ اگست ۱۹۴۹ء کو شیخ محمد عبداللہ نے پرتاپ پارک

سرینگر کے جلسہ میں اپنی حیرانگی کا اظہار کرتے کہا:۔

"تعجب کا مقام ہے کہ ایک طرف پاکستانی ریڈیو اور پاکستانی اخبارات یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ کشمیر میں مسلمانوں کی عزت و آبرو محفوظ نہیں اور ہندوؤں کو ہر قسم کی رعائت دی جا رہی ہے، اس کے مقابلے میں جموں کے کچھ تنگ نظر ہندو کہہ رہے ہیں یہاں ہندو پر ظلم ہو رہا ہے ـــــ جموں کے فرقہ پرستوں نے یہ مانگ کی ہے کہ جموں کا الگ صوبہ بنایا جائے جو بجائے خود ایک مضحکہ خیز مطالبہ ہے۔ ہند کی تقسیم سے جو تلخ تجربہ ہوا ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم کس طرح یہ قبول کر سکتے ہیں؟ جموں کے فرقہ پرستوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جب وہ ڈوگرہ دیش بنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو اس سے اس اصول کی مٹی پلید ہو رہی ہے جس کے تحفظ کے لئے ہند فوج یہاں آئی ہے اور جس پر ہند کا نظام نو قائم کیا جا رہا ہے اس سے گاندھی جی کے اس اصول کی توہین ہوتی ہے جس کی خاطر انہوں نے اپنی جان قربان کی الغرض اس صورت میں پاکستان کے خلاف ہماری لڑائی بے کار ہے۔"

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی نے شیخ محمد عبداللہ کے بیان کی حمایت میں نیشنل کانفرنس کے دوسرے زعماؤں نے بھی کم و بیش یہی لب و لہجہ اپنی تقریروں میں اختیار کیا بخشی غلام محمد نے کٹھوعہ کے جلسہ عام میں تقریر کرتے کہا "ہم ریاست کی تقسیم کے کسی فارمولے کو کسی صورت میں قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں"۔

لالہ روپ چند نندہ کا معافی نامہ

ایجی ٹیٹروں کو دبانے کے لئے ریاستی حکومت نے لالہ روپ چند نندہ کے خلاف قانون تحفظ عامہ کی دفعہ (۳) کے تحت مقدمہ دائر کیا جس کے تحت انہیں تیرہ (۱۳) ماہ قید اور پانچ سو روپے (۵۰۰) جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ اس سے گھبرا کر انہوں نے تحریری طور حکومت سے معافی مانگی اور لکھا ـــــ "ریاست کے اندر اور باہر غرض مند لوگوں نے معاندانہ اور بے بنیاد پروپیگنڈا کیا میں ان سرگرمیوں کی سخت مذمت

کرتا ہوں ایک ایسے مرحلے پر جب ہمیں بے شمار مسائل کو حل کرنے کے لئے متحدہ کوششیں کرنے کی ضرورت ہے، کوئی بھی دیانتدار انسان ایسی حرکتوں کو پاگل پن اور قوم کشی قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، میں نے صورتِ حال پر پوری طرح سے غور و خوض کیا ہے اور بہت دُکھ کے ساتھ اس بات کو محسوس کیا ہے بدقسمتی سے حالات کو ٹھیک طرح سے نہ سمجھنے کے نتیجے میں ہم ان حرکتوں میں شریک کار ہوئے ہیں۔ پس اگر حکومت امن اور خوشحالی کے لئے مجھے اپنے ملک اور حکومت کی تئیں ایک مُحبِ وطن کا رول ادا کرنے کا موقعہ دینا مناسب سمجھے تو میں اس کے لئے ممنون رہوں گا۔"

"بدقسمتی سے قوم کشی" کے حالات غیر شعوری طور نہ سمجھنے والے صدر پریشد کو ریاستی حکومت نے "امن اور خوشحالی" کے لئے "مُحبِ وطن" کا رول ادا کرنے کا موقعہ بہم پہنچانے کی غرض سے رہا کیا۔ یہ درست ہے کہ پارٹی صدر کے معافی نامہ اور حکومت کے اس عمل سے پرجا پریشد کی ساکھ کو شدید دھکا لگا جس کے نتیجہ میں اکتوبر ۱۹۴۹ء میں اس جماعت کے لیڈروں نے غیر مشروط طور پر اپنی تحریک واپس لینے کا اعلان کیا اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جموّں لالہ بندرابن نے حکومت کی ہدایت پر پریشد کے تمام کارکنوں کے خلاف مقدمات واپس لینے کا حکم جاری کیا۔ اس تحریک کے دوران رشی کمار کوشل، پریم شرما اور شیخ عبد الرحمان نے نمایاں کردار ادا کر کے جموّں کے سیاسی افق پر اپنی نشستیں مخصوص کر لیں۔ ایجی ٹیشن کے اختتام پر پرجا پریشد کی جنرل کونسل کی پہلی میٹنگ میں پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ صدر منتخب ہوئے جو اس سے قبل پارٹی کے پچیس بیسے کے بنیادی ممبر بھی نہ تھے۔ درگا داس ورما سیکریٹری چنے گئے۔ (۲۵)

اقبال بڑا اپدیشک ہے

پرجا پریشد کی اس ایجی ٹیشن سے صوبہ جموّں میں جو کشیدگی اور تناؤ پیدا ہوا تھا اسے زائل کرنے کے لئے شیخ محمد عبد اللہ نے سانبہ کے ایک پبلک جلسہ میں

16/11/90

گاندھی جی کے اہنسا اور عدمِ تشدد کے فلسفے کی وضاحت کی آڑ میں پاکستان پر بھرپور حملہ کرتے کہا:

"ہم گاندھی جی کی محبت اور عدمِ تشدد کے راستے پر چل رہے ہیں، پاکستان نے ہمیں غلام بنانے کا جو ناپاک ارادہ کیا تھا وہ ہم نے ہندوستانی افواج کی مدد سے خاک میں ملا دیا ہے۔ اب پاکستان نے ہماری بات مان لی ہے جو ہم نے آج سے پندرہ (۱۵) ماہ قبل کہی تھی۔ اس درمیانی عرصہ میں پاکستان نے کافی کوشش کی کہ کشمیر کو بزورِ شمشیر حاصل کرے، چنانچہ یہاں کے بے گناہ عوام کا خون بہایا گیا، لوگوں کے گھروں اور کھیتوں کی فصلوں کو نذرِ آتش کیا، آخر اس خون خرابہ اور نقصان کا ذمہ دار کون ہے، وہی پاکستان جس نے پندرہ (۱۵) ماہ کی لوٹ کھسوٹ کے بعد ہمارے اصولوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا، پاکستان کا استصواب رائے عامہ کا اصول تسلیم کرنے سے ہماری فتح ہوئی ہے"۔

لیکن شیخ محمد عبداللہ کے اس چاپلوسانہ اور پاکستان مخالف تقریر نے جموں والوں پر کوئی خوشگوار اثر نہیں چھوڑا اور نہ ان میں کوئی تبدیلی آئی بلکہ وہ انہیں بہروپیہ کہنے لگے۔

سانپ کا ڈسا

پرجا پریشد کی اس تحریک کا اگر وادیٔ کشمیر میں کہیں شدید ردعمل ہوا، وہ ضلع اسلام آباد کا حساس علاقہ ہے جہاں احتجاجی جلسے ہوئے اور جلوس نکالے گئے جن میں پرجا پریشدیوں کو سانپوں سے تشبیہ دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ ہونے لگا کہ ۱۹۴۷ء میں ان لوگوں نے تین سو (۳۰۰) کے قریب کوچ بانوں جن کی اکثریت اس ضلع سے عبارت تھی اور جو نگروٹہ میں بے دردی سے قتل کئے گئے تھے انہیں قانون کے حوالے کرکے ان پر باضابطہ مقدمہ چلایا جائے ان جلسوں میں شیخ عبداللہ کی حکومت پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ اس احتمال سے کہ کہیں حکومت ہند ناراض نہ ہو جائے مصلحت اندیشی

اور چشم پوشی سے کام لے کر ان کے خلاف ایکشن لینے سے ڈرتی ہے۔ برعکس اس کے وادی میں جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے اور اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حکومت کی یہ دورخی پالیسی اسے جلد یا بدیر لے ڈوبے گی۔

پرجا پریشد کے مخالف ہندو

پرجا پریشد تحریک کے خلاف صوبہ جموں میں صرف ایک سکھ اور ۲ دو ایسے ہندو نظر آئے جنہوں نے اس کے خلاف بیانات دیئے ہیں۔ ان میں سرفہرست لالہ ملک راج صراف ہیں جنہوں نے اپنے بیان میں اس تحریک کی مذمت کرتے کہا —— "جموں کے بعض ناعاقبت اندیش اشخاص نے جو وطیرہ اختیار کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ یہ قبائیلیوں سے زیادہ خطرناک اور وطن دشمن ہیں"۔ یوتھ کانگریس کے صدر بلراج پوری اور سیکریٹری گوروچرن سنگھ نے اپنے مشترکہ بیان میں ہندو سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سابق صدر ہرچند رموہن، بلراج مدھوک اور ان کے ساتھیوں کی امن سوز حرکات سے باخبر کراتے حکومت سے مطالبہ کیا کہ انہیں ریاست کی حدود میں داخل ہونے نہ دیا جائے کیونکہ ان کے یہاں آنے سے فرقہ وارانہ امن بگڑنے کا شدید احتمال ہے۔ بیان کا یہ اقتباس قابلِ غور ہے۔

> "جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ریاست کے ہندوؤں کا نمائندہ صرف مہاراجہ ہے اور وہی ان کی حفاظت اور رہنمائی کر سکتا ہے وہ حقائق سے کافی دور ہیں۔ مہاراجہ کا لگاتار عوامی جدوجہد کو کچلنا، پنڈت نہرو کو گرفتار کرنا، مناسب وقت پر ہند سے الحاق نہ کرنا، کاک کی حکومت کا پاکستان سے سازش کرنا اور کشمیر پر حملہ کے وقت بزدلانہ طریقہ سے بھاگ آنا، جموں میں ہندو مسلم فسادات کروا کر میرپور، پونچھ اور راجوری کے ہندوؤں کی موت کا سبب بنا، جموں کے ہندو اتنی جلد نہیں بھولے اور انکی اکثریت آج بھی یہ چاہتی ہے کہ عوامی راج کے سب سے بڑے دشمن اور انکے مصائب

کے ذمہ دار ہری سنگھ کو اس کی کرتوت کی سزا دی جائے ریاست کے قوم پرست ہندو مہاراجہ اور ان کے حواریوں کو چیلنج کرتے ہیں اگر مہاراجہ کی دستبرادری کے سوال پر صرف ہندؤوں میں ہی استصواب رائے کرایا جائے تو اکثریت مہاراجہ کے خلاف ہوگی' کشمیر کے متعلق ہندوستانی عوام کو بھی اپنا فرض پورا کرنا ہوگا۔ انہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ چالیس (۴۰) لاکھ جنتا اور مہاراجہ ہری سنگھ میں وہ کس کی حمایت کرتے ہیں۔"

متذکرہ بالا بیان سے جہاں صوبہ جموں کے دانشوروں اور ماہرین سیاسیات کو فکر کا نیا اور صحت بخش مواد مہیا ہوا، وہاں جموں کے فرقہ پرست بلراج پوری کے بیان سے بھوکھلا کے رہ گئے اور انہیں دھمکیاں دینے سے باز نہ آئے۔

مہاراجہ پر پہلا وار

اسی دوران مرکزی وزیر داخلہ سردار پٹیل نے پارلیمنٹ میں کشمیر کی اقتصادیات پر بیان دیتے کہا، حکومتِ ہند نے ۴۸-۱۹۴۷ء میں حکومتِ کشمیر کو دو (۲) کروڑ روپے کا قرضہ دیا ہے اور سال ۱۹۴۹ء کے لئے ایک کروڑ بیس (۲۰) لاکھ روپے کا ایک اور قرضہ فراہم کیا ہے جو پانچ (۵) سال تک واجب الادا ہوگا۔ وزیر داخلہ کے بیان کے جواب میں چودھری غلام عباس خان نے مظفر آباد' آزاد کشمیر سے ایک اعلان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ حکومت ہند نے کشمیر کو جو قرضہ دیا ہے یا آئندہ دے گا اس سے کشمیری عوام کو کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ کشمیری اس کے ذمہ دار ہیں۔ بخشی غلام محمد نے بیانات کی اس گرم بازاری کو سپر بنا کر ایک قدم آگے بڑھ کر ریاستی حکومت کی اقتصادی اور معاشی بدحالی کے پس منظر میں سرکاری اخراجات کو اعتدال پر لانے کے تحت مہاراجہ ہری سنگھ کی ذات پر ریاست سے ہونے والے خرچہ کی تمام مدوں کو بیک جنبش قلم منجمد کرنے کا اعلان کیا۔ اس حکم کے تحت مہارانی اور شاہی خاندان کی ٹھاٹھ بھاٹھ قائم رکھنے کے لئے سالانہ دس (۱۰) لاکھ روپے کی رقم بند کرنے کے

علاوہ پولوگراؤنڈ پر سالانہ تیئس(۲۳) لاکھ روپے کا خرچہ اور گیسٹ ہاؤسوں پر بے پناہ دولت لٹائے جانے کے عمل کو بھی کالعدم کرنے کا حکم دیا۔

اس حکم نامے کی سیاہی ابھی سوکھنے نہ پائی تھی، مولانا محمد سعید مسعودی نے ریاست میں اندرونی شخصی آزادی کے موضوع پر مہاراجہ ہری سنگھ کو آڑے ہاتھوں لیتے اس خواہش کا بڑے ہی اعتماد اور وقار کے ساتھ اظہار کیا کہ جب تک مہاراجہ ہری سنگھ کے حقوق یہاں کے ادنیٰ ترین باشندے کے برابر نہ ہوں گے اور اس کا کوئی امتیازی حق باقی نہیں رہے گا نہ آئینی نہ اقتصادی، اس صورت میں ہی ہم اپنے تئیں آزاد تصوّر کریں گے۔ جموّں میں ان بیانات پر خاصا الٹا ردِعمل ہوا، اور پرجا پریشد کی تنظیم نے اس کی کھل کر مخالفت شروع کی۔ پرجا پریشد کے تیور دیکھ کر وسط فروری ۱۹۴۹ء میں مولانا محمد سعید مسعودی نے مجاہد منزل سرینگر میں تقریر کرتے دل کی بات زبان پر لائی اور کہا:۔

"نیشنل کانفرنس کا ابتداء سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ عوام کو جس راہ پر چلنے کو کہے اس کے اُونچ نیچ اور نشیب و فراز سے بھی باخبر کرتی ہے آج بھی جس وقت میں کہوں گا کہ ہند سے الحاق کرنا ہے تو میں آپ کو اس کی تمام اُونچ نیچ سے آگاہ کروں گا۔ یہ صورت دو(۲) ڈومینئنوں میں سے ایک کے ساتھ الحاق کے بارے میں ہے، اگر الحاق کا سوال نہ ہوتا تو ہم اپنی جگہ آزاد اور خودمختار رہنے کو ترجیح دیتے۔ قبائلی حملہ کے دوران ہمیں اپنی آزادی کا سوال ملتوی کر کے جنگ جیتنے کی طرف توجہ دینی پڑی، مگر اب جب کہ جنگ بند ہو گئی ہے ہم پھر پہلے آزادی اور اس کے بعد الحاق کے اصول کو سامنے رکھیں گے، غلامی کی موجودہ صورتِ حال میں اگر آپ الحاق کے اصول کو سامنے رکھیں گے یا اگر آپ الحاق کریں تو وہ آزاد الحاق نہیں بلکہ پھنسے ہوئے مجبور انسانوں کا الحاق ہو گا

اس لئے ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیئے کہ اول آزادی بعد میں الحاق۔"

مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنی تقریر میں دل میں چھپی ہوئی خواہش اور ارمان کا اظہار کرنے میں کسی لگی لپٹی سے کام نہیں لیا اور الحاق کے ضمن میں یہ شرط بڑی وضاحت سے عائد کی کہ مہاراجہ ہری سنگھ بحیثیت حکمراں ہمیں قبول نہیں۔

آزادی کا شرمناک خواب آیا

جہاں کشمیری قائدین کے گاہے ماشہ گاہے تولہ والی سیاست نے حکومت ہند کو پریشان کر دیا وہاں اسی بے تکی سیاست کے باعث جموں میں پرجا پریشد ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے۔ کشمیری لیڈروں کی اس گرگٹ نما سیاست نے ایک جانب حکومت ہند کی راہ میں مشکلات کھڑی کیں اور دوسری طرف بقول پریشدی "یہ تو ڈوبیں گے پر ہمیں بھی لے ڈوبیں گے" انہوں نے اپنی ڈفلی ایجی ٹیشن کھڑی کر کے بجانی شروع کی۔ بظاہر وہ سیدھے سادے لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے براہ راست ڈوبتے ہوئے جاگیردارانہ نظام کی پالکی کے کہار بن کر سامنے آئے لیکن درحقیقت وہ ہندو احیا پرستی اور ہندو راج کے جنون کی ہوس میں ہندو عوام کے نمائندوں کی حیثیت میں اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے۔

مئی ۱۹۴۹ء میں جب پریشدی ایجی ٹیشن بام عروج پر تھی شیخ محمد عبداللہ کے ایک غیر معمولی انٹرویو نے پورے ہندوستان کو لرزہ براندام کیا اور کشمیر کی سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ قبل اس کے کہ ہم انٹرویو تک پہونچیں یہ بتانا برمحل ہوگا کہ جنوری ۱۹۴۸ء میں مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں پیش کرنے کے دوران شیخ عبداللہ ہندوستانی وفد کے ممبر کی حیثیت میں لیک سیکس گئے اور نیویارک کے ایک ہوٹل میں انہوں نے پاکستانی وفد کے دو[2] ممبروں چودھری محمد علی اور محمد دین تاثیر سے ایک خفیہ ملاقات کی اور ان کے سامنے مسئلہ کشمیر کا

ممکنہ حل پیش کرتے ہوئے یہ تجویز رکھی۔

"میری دانست میں مسئلہ کشمیر کا فقط ایک حل ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان دونوں کے تسلط سے آزاد اور خود مختار مملکت ہو یہ حل پاکستان اور ہندوستان دونوں کے درمیان ایک باعزّت سمجھوتے کے طور پر قابل قبول ہوگا جب کشمیر ایک آزاد مملکت کے طور پر ابھرے گا تو قدرتی طور پر وہ پاکستان کے زیادہ قریب ہوگا۔"

چودھری محمد علی نے اس تجویز کو یہ کہہ کر مسترد کیا کہ پاکستان کو یہ حل منظور نہیں ہو سکتا، ساتھ ہی یہ پوچھنے سے نہیں چونکا کہ کیا ہندوستان اس حل پر راضی ہوگا۔ شیخ عبداللہ نے جواب دیتے کہا:۔

"آپ اپنا فیصلہ کر لیجئے ہندوستان کے ماننے یا نہ ماننے کا سوال ہندوستان پر چھوڑ دیجئے"

بات چیت یہیں پر ختم ہوئی لیکن اس کے تاثرات لے کر یقیناً شیخ محمد عبداللہ واپس سرینگر لوٹے اور اپنے رفقاء سے وقتاً فوقتاً اس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے یہ خدشہ ظاہر کرتے رہے کہ پرشید کی تحریک کے دوررس نتائج ہمیں یہ باور کرنے پر مجبور کر رہی ہے کہ پاکستان جو دو قومی نظریّہ کا حامی ہے۔ ہم ریاست کے اس سے الحاق کی وکالت نہیں کر سکتے ہیں اس صورت میں ہم ہندو فرقہ پرستی کے سامنے سر جھکانے کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتے ہیں اور ایک ممکنہ درمیانی راہ جو اس تمام مسئلہ کے لئے سود مند ہو سکتی ہے خود مختار ریاست کی تعبیر میں پوشیدہ ہے۔ اس طرح دستاویز الحاق کے پورے بیس (۲۰) ماہ بعد اپنے بدلتے ہوئے نظریّہ کے تحت مائیکل ڈیوڈسن نمائندہ روزنامہ "اسکاٹسمین" کو ایک انٹرویو دیا جو ۱۶ اپریل ۱۹۴۹ء کو شائع ہوا جس میں انہوں نے خود مختار کشمیر کا تصوّر یوں پیش کیا۔

"دونوں میں سے کسی ڈومنین کے ساتھ الحاق کرنے سے امن قائم نہیں

ہوسکتا، ہمیں دونوں ہمسایہ ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے چاہئیں، شاید کوئی درمیانی راستہ نکل سکے جس سے دونوں کے ساتھ اقتصادی میل جول قائم ہو، مگر ایک آزاد ریاست کشمیر کی گارنٹی نہ صرف ہند اور پاکستان کو ہی بلکہ برطانیہ، امریکہ اور اقوامِ متحدہ کے کئی دیگر ممبر ملکوں کو بھی دینی ہوگی آزاد ریاست جس کی گارنٹی اقوامِ متحدہ دے ایک واحد حل ہوسکتا ہے، میرے خیال میں پونچھی آزاد کشمیر میں شامل ہونے کا احترام کریں گے، لیکن اس کے قیام کے بعد اگر پونچھ نے الگ ہونا اور پاکستان میں شامل ہونا چاہا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

اصرار نہ کر ترکِ تعلق پہ ٹھہر جا
یہ راستے ہیں گردشِ حالاتِ طلسمات

اس انٹرویو کے شائع ہوتے ہی ہندوستان بھر میں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف زبردست ناراضگی کا اظہار کیا گیا اور ہندوستان کے گرانڈیل سیاستدان حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ولبھ بھائی پٹیل وزیر داخلہ حکومتِ ہند نے یکم مئی ۱۹۴۹ء کو سر گوپال سوامی آئینگر وزیر امور کشمیر کے نام مکتوب میں اپنی حیرانگی کا اظہار کرتے لکھا:

"آپ نے شاید وہ بیان پڑھ لیا ہوگا جو شیخ عبداللہ نے مائیکل ڈیوڈسن کو دیا ہے اور جو اخبار "اسکاٹسمین" مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۴۹ء میں شائع ہو چکا ہے، ایک وہ شخص جو ہند کے ساتھ الحاق کا زبردست حامی تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کشمیر کا حامی بن گیا ہے۔"

گوپال سوامی آئینگر نے اسی روز پٹیل کو ڈھارس دیتے ہوئے اپنے نوشتہ میں جہاں شیخ عبداللہ کے بیان کو رد کیا وہاں "منصوبے کی جھلک" کا تذکرہ کر کے پاکستانی وفد سے خفیہ ملاقات کا انکشاف بھی کیا جب کہ اس ملاقات کی تفصیلات بعد ازاں شیخ عبداللہ نے اپنی جماعت کے سرکردہ ممبران کو خود ہی فراہم کی تھیں۔

گوپال سوامی آئنگر کا خط پٹیل کے نام

"ابھی ابھی مجھے آپ کا خط ملا جس میں آپ نے اس بیان کا ذکر کیا ہے جو شیخ محمد عبداللہ نے اخبار "اسکاٹسمین" کے نمائندہ مائیکل ڈیوڈسن کو دیا ہے، کاچرو (دوار کا ناتھ) کل کشمیر جا رہا ہے، وہ آج مجھے ملا تھا اس کے ذریعہ میں شیخ عبداللہ کو پیغام بھیج رہا ہوں میں نے کاچرو کو کہا ہے کہ وہ شیخ عبداللہ کو کہہ دے کہ میں شیخ کے بیان کی مذمت کرتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ جو کچھ اس نے مائیکل ڈیوڈسن کو کہا ہے اور اس نے اپنے اخبار میں شائع کیا ہے اس کے نتائج ہندوستان میں اور بیرونی ممالک میں نہایت سنگین ہونگے میں نے کاچرو کو مزید کہا کہ وہ شیخ عبداللہ کو آگاہ کرے کہ اس بیان سے مجھے اس منصوبے کی جھلک نظر آتی ہے جس کا پہلا قدم کشمیر کے پرائم منسٹر کا وہ آشیرواد (خوش آمدید) ہے جو انہوں نے آزاد ریاست بنائے جانے کے حق میں دیا تھا اس منصوبے کا آخری قدم تاریخ میں سب سے بڑا وشواس گھات (اعتماد کو دھوکہ دینا) ہوگا۔ شیخ کو یہ بھی مطلع کیا جائے کہ حکومت ہند یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ اپنے اس بیان کی تردید کرے گا۔"

ہارے ہوئے سیاسی جواری کی طرح وقت گزرنے کے بعد جب شیخ محمد عبداللہ نے اس واقعہ پر خامہ فرسائی کرتے اپنی سوانح آتش چنار (مرتب محمد یوسف ٹینگ) صفحہ ۴۸۱ پر یوں تذکرہ کیا تو اسے توڑ مروڑ کے یوں رقم کیا ہے۔

"سلامتی کونسل سے واپس آتے گوپال سوامی آئنگر نے طیارے میں کاغذ کے ایک پرزے پر کشمیر کی گتھی کا مناسب حل ریاست میں آزاد اور خود مختار حکومت کے قیام کو قرار دیا کیونکہ ریاست کی طویل ترین سرحدیں جو کئی بڑے ممالک سے ملتی ہیں ان کی حفاظت اور دفاع ہندوستان کے لئے ناممکن ہے"۔

شیخ محمد عبداللہ نے "آتش چنار" میں مائیکل ڈیوڈسن کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے اگر واقعی کوئی ایسی تحریر گوپال سوامی آئینگر نے اشاروں میں بھی پیش کی ہوتی، تو شیخ عبداللہ جیسے سیمابی طبیعت کے مالک ایسے موقعے پر اسے طشت از بام کرنے سے کیسے چوک سکتے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو گوپال سوامی آئینگر انہیں ایسا ہتک آمیز مکتوب لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو جس نے کشمیر پر اپنی سیاسی زندگی کا داؤ لگایا تھا اس حقیقت کو جاننے کے بعد آئینگر کو نہ صرف اپنی وزارت سے برطرف کرتے بلکہ اسے سمندر میں ڈبکیاں دلانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

"بلٹز" بمبئی اور "روشنی" سرینگر

شیخ محمد عبداللہ کے متذکرہ صدر بیان پر ہندوستان بھر کے تقریباً جملہ اخبارات نے تبصرے کئے جن سے قطع نظر ذیل میں "بلٹز" بمبئی اور "روشنی" سرینگر پر اکتفا کرتا ہوں۔ "بلٹز" بمبئی نے ۱۴ مئی ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں اپنے نامہ نگار کے حوالے سے صفحہ اوّل پر ایک طویل خبر شائع کی جس میں کہا گیا — "تقسیم کشمیر سے بچنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو بین الاقوامی نگرانی میں آزاد رکھنے کا مطالبہ کریں گے اور اس کا فیصلہ نیشنل کانفرنس کے آنے والے سیشن میں ہوگا"— ہندوستانی سیاستدانوں کے احساسات کا ہفت روزہ "روشنی" سرینگر نے یوں احاطہ کیا ہے۔ "اس خبر کے شائع ہوتے ہی نئی دہلی کے سرکاری وغیر سرکاری حلقے پریشان ہوئے، سوشلسٹ لیڈر اچیوات پٹوردھن نے بتایا کہ شیخ صاحب نے اس تجویز کو پیش کر کے غلطی کی این ایم جوشی نے اپنے بیان میں اس تجویز پر طویل بحث کی اور کہا کہ ریاست میں جہاں ہندو اکثریت میں ہونگے وہ اس تجویز کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ وہ بہر صورت ہند کے ساتھ الحاق پسند کریں گے۔"

شیخ اور وزراء کا بسیرا دہلی میں

یہ وہ زمانہ تھا جب شیخ محمد عبداللہ آسمان سے ستارے توڑ لانے کی سوچتے تھے۔ ان کے

تازہ اور جرأت مندانہ بیاں کی روشنی میں پنڈت نہرو نے انہیں معہ وزرا ر کابینہ کے دہلی طلب کیا جہاں پنڈت جواہر لال نہرو سردار پٹیل اور مولانا ابو الکلام آزاد سے انہوں نے فرداً فرداً گفت وشنید کے بعد ۲۸ مئی ۱۹۴۹ء کو ایک پریس کانفرنس میں آزاد اور خود مختار کشمیر کے تصور کو ایک دلخوش کن خیال کہہ کر رد کرتے کہا:

"کشمیر کی خود مختاری کا نعرہ ایک بے مطلب نعرہ ہے۔ کشمیر کے لوگ امن اور خوشحالی چاہتے ہیں اور یہ صرف ہند کے ساتھ الحاق کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا سراسر بے ہودہ ہے کہ کشمیر کے سامنے ہند سے الحاق کرنے کے سوا اور بھی کوئی مسئلہ ہے۔ خود مختار رہنا اگرچہ ایک اچھا اور دلخوش کن خیال ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا اس خیال کو عملی صورت بھی دی جا سکتی ہے اور کیا ہماری چھوٹی سی ریاست کے محدود ذرائع اس کی خود مختاری کی کفیل ہو سکتی ہے اگر آج ہم خود مختاری کا اعلان کریں تو کل کوئی بے اصول اور طاقتور ملک ہمیں اپنا غلام بنائے گا۔ آزاد کشمیر کی رٹ لگانے والے اس قومی مقصد سے بھیانک غداری کرتے ہیں جس کے لئے ہم اٹھارہ (۱۸) سال سے جدوجہد کرتے آئے ہیں۔ میں خود مختار کشمیر کے سوال کو نہ صرف لفاظی بحث بے معنی نعرہ خیال کرتا ہوں۔ میں پہلے کی طرح اب بھی اس کا مخالف ہوں جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ نہ صرف دشمن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہیں بلکہ وہ ریاستی عوام کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہیں۔ ہند کے لوگوں کو کشمیر کے عوام سے پوری ہمدردی ہے وہ ہر حال میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں چاہے وہ کوئی بھی شکل اختیار کرے۔"

اس تردیدی بیان کے بعد غالباً شیخ عبداللہ نے یہ شعر ضرور گنگنایا ہوگا ؎

شاہراہ پر بے تکلف ان کا بوسہ لے لیا
گالیاں کھائیں بلا سے منہ تو میٹھا ہو گیا

دہلی میں سیاسی آقاؤں نے جو کچھ شیخ محمد عبداللہ کو طوطے کی طرح پڑھایا اسے بڑی

چابکدستی سے پریس کانفرنس میں بیان کرکے انہوں نے تابعداری کی سند حاصل کی لیکن یہ اخبارنویس بھی بڑے ستم ظریف ہوتے ہیں وہ یہ جاننے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کے پیچھے پڑ گئے چونکہ برطانوی جرنلسٹ کو جو کچھ کہا جاچکا ہے اور "اسکاٹسمین" میں جو کچھ چھپا ہے اس کی تائید یا تردید میں کچھ نہیں کہا گیا۔ اس لئے بنیادی بیان کی صریحاً وضاحت کے لئے ایک اور بیان کا آنا لازمی ہے ایسا کہنے والے اخبار نویس غالباً شیخ محمد عبداللہ کے اس نفسیاتی پہلو سے واقف نہیں جس کی عکاسی پیر عبدالعزیز حال مدیر "الانصاف" راولپنڈی نے کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران یہ شعر کہہ کر کیا ہے۔

سیٹھ جس کھتہ چھوگر پران شیرِ کشمیر

جس بُرونٹھہ کنہ لٹ ہیوان شیرِ کشمیر

غرض شیخ محمد عبداللہ نے اپنے پہلے بیان کی جس انداز میں تردید کی وہ بیانات سے مکر جانے والوں کے لئے کیمیائی نسخے سے کم نہیں ہے قطع نظر اس کے تردیدی بیان سے قبل جو گفت وشنید وزیر اعظم ہند اور ان کے درمیان ہوئی اس میں پنڈت نہرو نے واضح اور صریح الفاظ میں کہا۔ خودمختار کشمیر ہند و پاک کے لئے ایک ایسا سازشی اڈہ بن جائے گا جس سے دونوں نوزائد ممالک کو صدی بعد حاصل شدہ آزادی ہمیشہ خطرے میں رہے گی، خودمختار کشمیر سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم کشمیر پاکستان کو طشتری میں ڈال کر پیش کریں۔ کشمیر اپنے محدود وسائل کی بنا پر اپنی انفرادیت کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکے گا

ان دلائل کے جواب میں شیخ محمد عبداللہ نے وزیراعظم ہند سے دوٹوک الفاظ میں ریاست کی منفرد حیثیت اور دستاویز الحاق میں درج تین مدوں کو اپنا موضوع سخن بناتے کہا — "اگر آپ ریاست جموں وکشمیر کے ہندوستان سے الحاق کے واقعی حامی ہیں تو ہمیں وہ وعدے پورے کرنے کا موقعہ فراہم کریں جو

ہم کشمیریوں سے گذشتہ اٹھارہ (۱۸) سال سے کرتے آئے ہیں۔ جن میں سود خوری اور املاک رہن کا خاتمہ، کاشتکاروں اور کسانوں میں غیر حاضر زمینداروں اور جاگیرداروں کی زمینوں کی تقسیم، مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کا خاتمہ، یہی وہ ہتھیار ہیں جن کے بل بوتے پر ہم استصواب رائے عامہ کے موقعہ پر عوامی حمایت حاصل کرنے کے مستحق قرار پائیں گے، ان دلائل کو سن کر پنڈت نہرو نے نیم دلانہ حامی بھرلی اور مزید گفت و شنید کرنے کے لئے انہیں سردار پٹیل سے ملنے کی ہدایت کی۔ جہاں یہ طے پایا کہ کارروائی کے پہلے حصہ کے طور پر مہاراجہ کو فی الحال ریاست سے باہر جانے کا مشورہ دیا جائے گا۔

ان دنوں مہاراجہ ہری سنگھ دہلی میں قیام پذیر تھے اور تین مورتی ہاوس میں جو سیاسی کھچڑی ان کی انا اور وقار کی قیمت پر پک رہی تھی اس سے بخوبی باخبر تھے لیکن حالات نے انہیں واقعی لاچار بنا دیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ نے گاندھی جی کے ساتھ ساز باز کر کے ریاستی عوام کو نظر انداز کیا۔ بعینہ آج پنڈت جواہر لال نہرو، شیخ محمد عبداللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر انہیں نظر انداز کرنے پر تلے تھے۔ اقتدار کی بھوک کیسے نیند اڑا لیتی ہے اس کا صحیح اندازہ ہری سنگھ کو ہونے لگا۔ وہ یاس اور نا امیدی کے اس عالم میں اپنے واحد سہارے سردار پٹیل کے دروازے پر دستک دیتے رہے۔ اس سلسلے میں اکثر و بیشتر مہارانی تارا دیوی سردار پٹیل کے آفس میں دیکھی گئی اور جب اسے وہاں مہاراجہ کے ریاست سے برطرفی کا مژدہ سنایا گیا وہ غش کھا کر گر گئی۔ برطرفی کے عمل کو بقول سردار پٹیل "کوئی چارہ نہیں ہے"۔ پٹیل کے نزدیک اس تمام کارروائی کا مقصد یہ تھا "چونکہ شیخ محمد عبداللہ کے نت نئے پینتروں سے ہندوستان کی گرفت کشمیر پر ڈھیلی ہوتی جارہی ہے اور ہم جیتی ہوئی بازی ہار گئے ہیں"۔ اس لحاظ سے شیخ محمد عبداللہ ان کی نظر

میں کسی نیک شخص کا نام نہیں ہے۔ البتہ فی الوقت اسے برداشت کرنا ہوگا۔

ہم اور ترے حسنِ تغافل سے بگڑتے

غرض ۶ مئی ۱۹۴۹ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے سردار پٹیل کے نام مکتوب میں اپنی دلی کیفیت تشویش شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کے عزائم سے خائف ہونے کی وجوہات اقتدار سے دستبردار ہونے کی تجویز کلی طور مسترد کرتے شیخ عبداللہ کی بے لگام بیان بازی پر حکومت ہند کی چشم پوشی، ریاست سے عارضی طور باہر رہنے کے دوران اپنے مالکانہ حقوق اور پوزیشن کا تحفظ شرائط اور ان باہمی طے شدہ تفاصیل کی دہائی دی جو حکومتِ ہند اور ان کے مابین طے پائے تھے درج ہیں مکتوب سے مہاراجہ کی لاچاری پگھلی ہوئی برف کی مانند عیاں ہے اور وہ اسکا نعم البدل سردار پٹیل کی یقین دہانی کے ایک بول پر منحصر سمجھتے رہے:

ہم اور ترے حسنِ تغافل سے بگڑتے
تم یہ نہ سمجھنا کہ بُرا مان گئے ہم

سردار پٹیل کے نام مہاراجہ ہری سنگھ کا خط ملاحظہ کیجئے۔

امپیریل ہوٹل نئی دہلی
۶ مئی ۱۹۴۹ء

مائی ڈیر سردار پٹیل جی

آپ کی اور میری جو بات چیت گذشتہ ۲۹ اپریل اور یکم مئی ۱۹۴۹ء کو ہوئی تھی اس کے متعلق میں نے کافی سوچ وچار کرلیا ہے اور اب میں اس پوزیشن میں ہوں کہ آپ کو اس تجویز کے متعلق جس کی رو سے مجھے عارضی طور پر ریاست سے باہر رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے اپنی قطعی رائے سے آگاہ کراسکوں۔ شروع میں ہی میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس تجویز سے مجھے ایک بھاری

دھکا لگا مگر چونکہ یہ تجویز آپ کی طرف سے پیش ہوئی اور آپ کی ذات پر مجھے ہمیشہ پورا بھروسہ رہا ہے اور میں نے اپنے ذاتی معاملات کے علاوہ ریاست کے متعلق تمام معاملات میں نہ صرف آپ کی رائے کی قدر کی ہے بلکہ اس پر عمل بھی کیا ہے اور کرتا رہونگا۔ اندریں حالات میں نے آپ کی تجویز کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ آخر میں بھی ایک انسان ہوں اور مجھے اپنی ذاتی عزت اقتدار اور پوزیشن کے متعلق ایک عظیم قربانی دینے کو کہا جارہا ہے وہ بھی ان حالات میں جبکہ میں ہمیشہ پرائم منسٹر اور آپ کی ہدایت پر سختی سے عمل کرتا آرہا ہوں حالانکہ بسا اوقات یہ ہدایات میرے ضمیر ہی کے نہیں بلکہ ان فیصلوں کے بھی خلاف تھے جو فیصلے ریاست کی انتظامیہ اور آئین کے متعلق چند ماہ قبل طے پائے تھے۔ قدرتی امر ہے کہ میں ان باتوں پر اپنے غم و غصے کا اظہار بھی کروں۔ میرے سامنے یہ بھی ناانصافی ہوگی اگر میں یہ حقیقت چھپائے رکھوں کہ ایک طرف تو شیخ عبداللہ کو کھلی چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ جب چاہے اپنی مرضی کے مطابق تحریری اور زبانی وعدوں اور یقین دہانیوں سے منحرف ہوجائے یا اس وعدہ وفاداری کا پاس نہ کرے جو اس نے جیل سے رہائی حاصل کرنے سے پہلے کیا تھا یا اس حلفِ وفاداری سے منحرف ہوجائے جو اس نے عہدہ سنبھالنے سے قبل کیا تھا۔ شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھی میرے خلاف ریاست کے اندر اور باہر زبردست پروپیگنڈا کررہے ہیں۔ دوسری طرف میں سٹیٹ منسٹری کے مشورہ پر چلنے کے باوجود ایک پوزیشن سے دوسری پوزیشن میں دھکیلا جارہا ہوں۔ مقابلتاً یہ تجربہ نہایت تلخ رہا ہے۔ تاہم میں دوبارہ آپ پر پورے بھروسہ اور اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔ آپ نے کہا ہے کہ یو این او میں مسئلہ کشمیر اور رائے شماری کا مسئلہ الجھ گیا ہے اس کے پیشِ نظر میں تین یا چار ماہ کی مدت کے لئے ریاست

سے باہر رہنا منظور کرتا ہوں۔

اس تجویز سے چند ایک سوالات ابھرتے ہیں جن کے متعلق میں اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتا ہوں اور جن کے متعلق میں آپ سے یقین دہانی چاہونگا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اس یقین دہانی کی ضرورت کے متعلق میری تشویش کو محسوس کریں گے۔ گزشتہ کئی ماہ کے تلخ تجربات کی وجہ سے مجھے یہ ضرورت لاحق ہوئی ہے کہ میں اپنے کنبہ اور خاندان کے متعلق ان حالات کے سلسلے میں آپ سے واضح الفاظ میں یقین دہانی حاصل کروں۔

۱:۔ میں یقین دہانی چاہتا ہوں کہ اس قدم کا (تین چار ماہ ریاست سے باہر رہنے کا) مطلب ہرگز یہ نہ ہوگا کہ مجھے بعد ازاں حکومت سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ میں اس وقت یہ صاف طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں دستبردار ہونے کا خیال تک بھی نہیں رکھتا اور اس کے لئے جو بھی نتائج ہوں وہ بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے پرائم منسٹر (شیخ عبداللہ) یا اس کے کسی ساتھی کی طرف سے ایسا مطالبہ اس معاہدہ کی صریحاً خلاف ورزی ہی نہیں بلکہ اسکی غیر وفاداری دھوکہ بازی اور فریب کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے

۲:۔ شیخ عبداللہ کو صاف طور پر کہہ دیا جائے کہ اس نے مجھے بدنام کرنے کی جو مہم چلا رکھی ہے اسے بند کر دے اور وہ خود اور اس کے ساتھی وہ تمام کارروائیاں بند کر دیں جن کے ذریعے مجھے دستبردار ہونے پر مجبور کر رہے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ جو قربانی مجھ سے مانگی جا رہی ہے وہ بالکل بے سود ہو جائے گی اگر انہوں نے میرے خلاف کھلے بندوں یا پرائیویٹ طور پر تحریک جاری رکھی۔

۳:۔ میرا اور میرے حامیوں کے خلاف کسی قسم کی تخریبی کارروائی سے بچاؤ سے متعلق واضح الفاظ میں یقین دہانی ہونی چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں

کہ کچھ ایسے لوگوں کو جیل میں محبوس رکھا گیا ہے کیوں کہ انہوں نے میری دستبرداری کے متعلق کاغذات پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

۴ :۔ اگر میں یہ کہوں کہ خرابی صحت کی بنا پر میں عرصہ تین چار ماہ کے لئے ریاست سے باہر رہنا چاہتا ہوں تو اس بات پر ریاست کے اندر اور باہر کوئی بھی شخص یقین نہیں کرے گا، بلکہ لوگوں کے دلوں میں بہت سے خدشات پیدا ہو جائیں گے کیونکہ :۔

الف، ہر ایک جانتا ہے کہ میری صحت خراب نہیں ہے جو مجھے ریاست سے باہر جا کر آرام کی ضرورت لاحق ہو۔ میں آپ ہی کے متعدد مشوروں پر ماہ اپریل کی گرمی کے باوجود صوبہ جموں کا دورہ کرتا رہا۔

ب ، اگر کسی کی صحت خراب ہو تو اس کے لئے آرام کرنے کا بہترین مقام کشمیر ہی ہے اور یقیناً یہ ایک تعجب خیز بات ہو گی جب میں صحت کی بحالی کے لئے ریاست سے باہر چلا جا رہا ہوں۔

ج :۔ میں جہاں بھی اپنا عارضی قیام رکھوں ظاہر ہے اپنے آپکو کسی چار دیواری کے اندر بند نہیں کر سکتا ہوں۔ آخر لوگ مجھ سے ملنے آئیں گے اور جب وہ مجھے دیکھیں گے تو کبھی یقین نہیں کرینگے کہ میں خرابی صحت کے باعث وہاں رہتا ہوں۔

د :۔ اس لئے میرے ریاست سے باہر رہنے کے متعلق کوئی اور وجہ گھڑنی پڑے گی اور وہ ایسی ہو کہ جس پر لوگ اعتبار بھی کر لیں اور جس سے میری پوزیشن میں بھی کوئی فرق نہ آئے۔ بہتر حل تو یہ ہو گا کہ حکومت ہند دلی ہی میں مجھے کسی ایسے عہدے پر مامور کرے جہاں میری خدمات سے تین چار ماہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۵ ۔ یہ لازمی امر ہے کہ میری غیر حاضری کے دوران مہارانی صاحبہ ریاست کے اندر ہی یوراج کرن سنگھ کے ساتھ رہے۔ وہ (یوراج) کم سن ہے اور

اسے بروقت ماں باپ کے مشورے اور سہارے کی ضرورت رہے گی۔ میں نہ تو سیاسی اور نہ قانونی طور کوئی ایسی معقول وجہ سمجھتا ہوں جو ایک ماں کو اپنے واحد فرزند سے جدا کرنے پر مجبور کرے۔ میں یہ بھی بیان کروں کہ یوراج حال ہی میں تیرہ (١٣) ماہ یورپ میں رہنے کے بعد واپس آیا ہے اور اسے ایک طویل عرصہ کے بعد ماں کی قربت اور پیار نصیب ہوا ہے۔ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ انہیں اکٹھے رہنے دیا جائے۔

٦ : میری پرائیویٹ جائداد کو شیخ عبداللہ اور اس کی پارٹی کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے انتظامات کئے جائیں۔ وہ میرے مکانات زمین باغات اور دوسری جائداد پر قبضہ جمانے کی کوشش کریں گے۔ حکومتِ ہند پر لازم ہے کہ وہ مجھے گارنٹی دے کہ میری ذاتی جائداد محفوظ رہے گی۔ میری موجودگی میں انہیں یہ ہمت نہ ہوگی لیکن عدم موجودگی کی صورت میں یہ لوگ ایسا ضرور کریں گے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرے چند روز دہلی میں قیام کے دوران انہوں نے سرینگر میں میری زمین پر قبضہ مخالفانہ جمانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔

٧ : میری منظوری کے بغیر ریاستی افواج یا ریاست کی آئینی پوزیشن بحیثیت حکمران ریاست میرے اختیارات کے متعلق کوئی تبدیلی عمل میں نہیں لائی جائے گی۔ مجھے اختیار رہے گا کہ میں اپنے لئے اپنا سٹاف منتخب کر سکوں اور ریاستی افواج میں سے اپنے محلات کی حفاظت کے لئے سوار طلب کر سکوں جیسا کہ میرے اور حکومت ہند کے مابین پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔

٨ : ہندوستان کے کسی بھی حصے میں رہائش کے دوران مجھے فوجی دستہ کی مناسب مقدار میسر رہنی چاہیئے۔

٩ : یوراج کی حفاظت حکومت ہند کے ذمہ ہوگی اور اس کے لئے ریاستی

اور ہندوستانی فوج کا دستہ مامور کیا جانا چاہیئے۔

۱۰: سٹیٹ منسٹری کے ساتھ جو بھی فیصلہ طلب امور ہیں مثلاً سول لسٹ حضور ڈیپارٹمنٹ وغیرہ، انکا میرے ساتھ فوری طور تصفیہ ہونا چاہیئے

آخر میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مندرجہ بالا معاملات کے متعلق آپ کی طرف سے یقین دہانی ملنے کے بعد ہی میں قطعی فیصلہ کر سکوں گا۔

آپ کا صادق

ہری سنگھ

سردار ولبھ بھائی پٹیل وزیر داخلہ حکومت ہند نے مہاراجہ کو کیسے راضی کیا اور کیا کیا یقین دہانیاں دلائیں، قطع نظر ان کے مہاراجہ کی یہ عارضی برطرفی مستقل صورت اختیار کر گئی۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں شری امر راجپوت سبھا نے راجپوت ہال پرانی منڈی جموں میں ۲۱ ستمبر کو مہاراجہ ہری سنگھ کے جنم دن پر بلائے گئے تقریبی جلسہ میں جس کی صدارت ٹھاکر دگدجی باوا مالا لوجی ٹھاکر دھنتر سنگھ سلاتھیہ نے کی۔ پنڈت لیکھراج، پنڈت راج بھاٹ حکومت سنگھ، پنڈت کرشن دت اور چودھری گیان چند سدا برتی نے اپنی تقاریر میں جہاں مہاراجہ ہری سنگھ کی عمر درازی کی دعائیں مانگیں وہاں انکے اوصاف بیان کرتے انہیں ریاست کا محبِ وطن آئینی حکمران قرار دے کر ان کے ریاست میں داخلہ پر پابندی ہٹانے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ حسبِ سابق انکے جنم دن پر ریاست میں سرکاری طور پر تعطیل کا اہتمام کیا جائے۔

ہند سے تعلقات کی وضاحت

دہلی سے سرینگر واپس لوٹتے ہی شیخ محمد عبداللہ نے ۲۴ جون ۱۹۴۹ء کو آثار شریف حضرت بل میں تقریر کرتے کہا:

"ریاست اندرونی طور پر آزاد ہے۔ صرف امور خارجہ دفاع اور رسل و رسائل ہندوستان سے وابستہ ہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے جو کچھ جموں و کشمیر میں کیا وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اس کا ریاست میں موجود رہنا جمہوریت اور آزادی کی طرف آگے بڑھنے میں ایک بھاری رکاوٹ ہے۔ ہمیں ان سے کوئی ضد نہیں لیکن ان کی بداعمالیوں نے یہ لازم بنا دیا ہے کہ وہ یہاں سے چلے جائیں۔"

سردار پٹیل کا وچن

مہاراجہ ہری سنگھ کو اقتدار سے بے دخل نہ کرنے کے مسئلہ پر سردار پٹیل نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اس واقعہ کو سید میر قاسم نے اپنی سوانح "داستانِ حیات" کے صفحہ ۱۳۸-۱۳۹ پر یوں قلمبند کیا ہے۔

"جب شیخ صاحب اور سردار پٹیل آمنے سامنے ہوئے اور شیخ صاحب نے اپنا مطالبہ دہرایا تو سردار پٹیل نے شیخ صاحب سے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے مہاراجہ وہاں رہے گا اور راج پرمکھ کی طرح اس کے کچھ مراعات اور حقوق رہیں گے جیسے ہندوستان میں دوسروں کو حاصل ہیں۔

شیخ صاحب نے سردار پٹیل سے پوچھا "کیوں؟" انہوں نے کہا "میں نے ۱۹۴۷ء میں وچن (قول) دیا ہے کہ جب آپ ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں گے تو آپ کے مراعات کے ساتھ نہیں چھیڑا جائے گا۔" سردار پٹیل کے یہ الفاظ سن کر شیخ صاحب بڑے غصے میں آئے اور اٹھ کر یہ کہنے لگے۔ "آپ نے مہاراجہ کو وچن دیا ہے اور میں نے لوگوں کو وچن دیا ہے، آپ اپنا وچن نبھائیے اور میں اپنا وچن نبھالوں گا۔"

اس پر پنڈت جی نے مداخلت کی اور سردار پٹیل کو سمجھایا۔ پھر اسی وقت

یہ طے ہوا کہ اب مہاراجہ کشمیر نہیں آئے گا،،

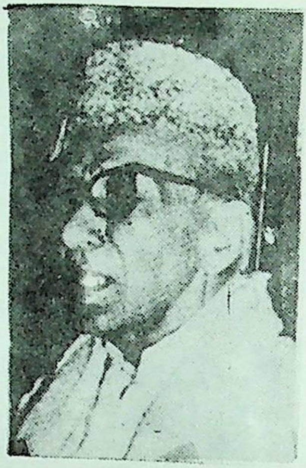
بعد کے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ بظاہر شیخ محمد عبداللہ بحث جیت گئے لیکن مقدمہ ہار گئے۔ یہ ایک طفلانہ سیاسی داؤ تھا جس میں مہاراجہ کی حیثیت تاش کے پتوں میں غلام کی سی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ نے کھلونے کی ضد کی، کھلونا لے کر بہل گئے۔۔ مہاراجہ کو بے دخل کرنے کا خیال شیخ عبداللہ کے دماغ میں کیسے ابھرا۔ اس کی شروعات کہاں سے ہوئی اور اسے روبعمل لانے کے لئے کس قسم کی سکیمیں مرتب کی گئیں قطع نظر اس کے آزاد اور خودمختار کشمیر کے بیان کے ساتھ ہی ہندوستان میں شیخ محمد عبداللہ مشکوک و مشتبہ افراد کی فہرست میں رقم ہوئے۔ انکی حرکات و سکنات پر پہرے تو نہیں بٹھائے گئے البتہ نظر رکھنی لازمی قرار پانے کے دوش بدوش بقول پنڈت جواہر لال نہرو انہیں سونے کی زنجیروں میں جکڑنے کا عمل شروع ہوا۔ ڈی پی در کی مصنوعی قابلیت اور فہمیدگی کا ہوا کھڑا کرکے ان کے قریب تر کیا گیا جس نے ان کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتے جدید الف لیلیٰ مرتب کی اور فیروز گاندھی اور پیریا ورشنی اندرا گاندھی کی نجی زندگی میں شبہات پیدا کرنے کی گنجائش نکالنے میں کامیاب ہوا۔

شہر کے آئین میں یہ مد بھی لکھی جائے گی
زندہ رہنا ہو تو قاتل کی سفارش چاہیئے

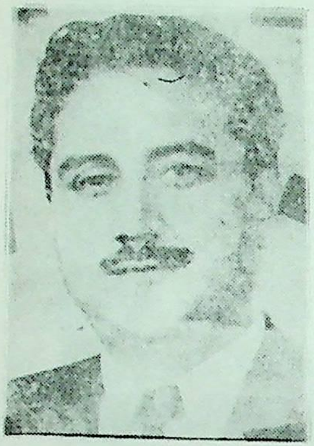
شاہی اعلان

بہر کیف چار و ناچار مہاراجہ ہری سنگھ کو کشمیر کو خیرباد کہنے کے لئے فرضی علالت کا ہی سہارا لینا پڑا وہ بھی ایسی حالت میں جب وہ پہلے سے ہی دہلی میں مقیم تھے۔ حق تو یہ ہے کہ مہاراجہ کو ریاست سے نکال باہر کرنے میں سیاست کا عمل دخل کم غصے اور ذاتی عناد و رنجش کا عنصر زیادہ ہے۔ اس ضمن میں جو سرکاری اعلان جاری کیا گیا، مندرجہ ذیل ہے:

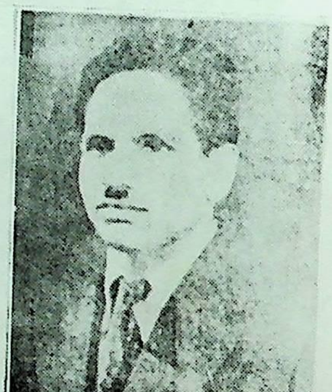
وو ہرگاہ کہ ہم نے اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر عارضی طور ریاست سے باہر جانے اور



جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری



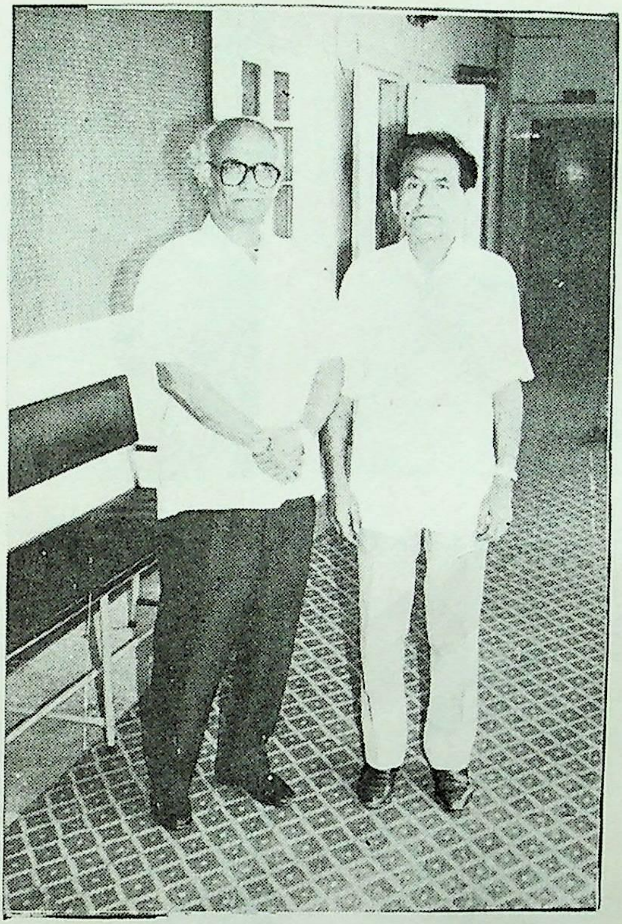
جناب ایچ۔ خورشید



جناب میر عبدالعزیز
مدیر "انصاف" راولپنڈی



میر واعظ مولوی نورالدین



رشید تاثیر۔ جناب سیّد ظفیر الحسن نقوی۔

نقوی صاحب کا شمار برِ صغیر کے ممتاز صحافیوں میں ہوتا ہے۔ آپ
اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں اور فی زمانہ ریاستی محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر ہیں۔

اس عرصہ کے لئے یوراج کرن سنگھ جی بہادر کو اپنے تمام شاہی اختیارات وحقوق جو ریاست کی حکومت سے متعلق ہیں سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس لئے اب ہم حکم دیتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ تمام حقوق واختیارات خواہ وہ قانون سازی، انتظامیہ یا عدل وانصاف سے تعلق رکھتے ہیں اور جنکے استعمال کے اختیارات ریاست اور اس کی حکومت کے سلسلے میں ہمارے پاس ہیں ریاست سے ہماری غیر حاضری کے ایام میں یہ تمام اختیارات استعمال کرنے کا اختیار بھی یوراج شری کرن سنگھ جی بہادر کو منتقل کرتے ہیں۔ ان میں ہمارے اختیارات شاہی جن کی رو سے قانون سازی کا اعلان شاہی جاری کرنے کا حکم، آرڈیننس جاری کرنے کا مجرموں کی سزا میں تخفیف کرنے، تبدیل کرنے انکو اختیار شاہی کے تحت معافی عطا کرنے کے اختیارات شامل ہونگے۔"

تحریر ۲۰ جون ۱۹۴۹ء

(دستخط) ہری سنگھ، مہاراج ادھیراج

تراشے ہاتھ مگر پھر کبھی نہ کہہ پایا
کہ انتظار اسے کن بشارتوں کا تھا

مہاراجہ ہری سنگھ عروس البلاد میں

جولائی کے پہلے ہفتہ میں مہاراجہ ہری سنگھ اپنی بیگم تارا دیوی کو لے کر عروس البلاد یعنی روشنی کے عظیم الشان شہر بمبئی چلے گئے۔ ڈاکٹر کرن سنگھ بحیثیت ریجنٹ کے شاہی تخت پر جو اب کانٹوں سے بھرا پڑا تھا براجمان ہوئے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی جلاوطنی پر وادی کشمیر میں ماسوائے چند نیشنل کانفرنسی ورکروں کے کسی نے خوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ حق تو یہ ہے کہ جس بے دردی اور بے مروّتی کا سلوک ان سے کیا گیا اس پر ہر فرد وبشر کو ذہنی صدمہ پہونچا۔ جب کہ جموں میں انکی

برطرفی پر ان پر جان چھڑکنے والوں نے جس جوش و جذبے سے اپنی ناپسندیدگی اور ملال کا اہتمام کیا تھا اس پر مرکزی حکومت کے ارباب سیاست نے بڑی مشکل سے یہ کہہ کر قابو پالیا کہ ریاست کے ہند سے مکمل الحاق کی تکمیل کے لئے مہاراجہ کا چند مہینوں کے لئے ریاست سے باہر رہنا لازمی ہے۔ اس پر ہنگامہ آرائی بے سود ہے اور جبکہ بجائے خود ہری سنگھ ایسا کرنے پر رضامند ہے۔ اس یقین دہانی سے جموں میں حالات بے قابو ہونے سے رہ گئے۔

یُوراج کرن سنگھ

۲۰ر جون ۱۹۴۹ء کو یوراج کرن سنگھ سرینگر آئے۔ ہوائی مستقر[۳] پر شیخ محمد عبداللہ، ہند افواج کے جنرل آفیسر کمانڈنگ بریگیڈیئر ہنڈرسن بروکس نے ان کا استقبال کیا اور پانچویں کشمیر انفنٹری نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ کرن سنگھ کو ارکان کابینہ سول اور فوجی حکام سے متعارف کرایا گیا۔ یوراج نے ریاستی انتظامیہ اور سیاسیات میں اپنے وجود کا احساس دلانے کے لئے ریڈیو کشمیر سے شیخ محمد عبداللہ کی ہمنوائی میں پیغام نشر کرتے کہا:

"میں اس حقیقت کو شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ اگر سال گزشتہ کے کٹھن دور میں ریاستی عوام نے نیشنل کانفرنس کی رہنمائی میں دشمن کا مردانہ وار مقابلہ نہ کیا ہوتا تو ہماری دلکش اور خوبصورت ریاست ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برباد ہو کر رہ گئی ہوتی۔ یہ نیشنل کانفرنس کی عوامی طاقت تھی جس نے پاکستانی حملہ آوروں کو نہ صرف وادی کشمیر سے بلکہ ریاست کے دوسرے علاقوں سے بھگایا۔ میں ریاست سے ڈیڑھ سال غیر حاضر رہا، اگر میں اپنا علاج کرانے امریکہ نہ جاتا تو ممکن تھا کہ آئندہ کبھی چلنے پھرنے کے قابل نہ رہتا۔"

یوراج کرن سنگھ کے بیان میں بظاہر سیاست کم متانت اور سنجیدگی کی جھلک کے ساتھ نیشنل کانفرنس کی تنظیم سے اعتقاد کا عنصر واضح نظر آتا ہے جس نے

شیخ عبداللہ کو مغالطے میں مبتلا کرنے میں اہم رول ادا کیا وہ یقین کر بیٹھے کہ اس بیل کے سینگ پکڑ کر جدھر چاہوں موڑ سکتا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں ریجنٹ کی حیثیت میں تسلیم کرنے کے باوجود وہ من مانیوں پر گامزن رہے۔ یہ درست ہے کہ کرن سنگھ کی کم عمری، سیاسی فہم و فراست اور ناپختگی سے فائدہ اُٹھایا جائے لیکن دیانتدارانہ سیاسی بصیرت کا تقاضا تھا کہ اس کے منجھے ہوئے سرپرستوں اور اتالیقوں کے سامنے اپنے سیاسی نظریہ کو صاف و شفاف آئینہ کے مانند رکھ کر دوٹوک بات کی جاتی۔ برعکس اس کے جان بوجھ کر دو عملی سیاست کو اپنایا گیا جس کے مضر اثرات اور تباہ خیزی نے نہ صرف نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ کو نیست و نابود کیا بلکہ عوام الناس کو آج بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اگر واقعات کو بہتر ڈھنگ سے سمجھنے کے لئے یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ کشمیر کی سیاست کا ایک ستم ظریفانہ پہلو یہ بھی ہے کہ جب بھی یہاں کسی نے لوگوں کی تھوڑی بہت حمایت حاصل کی اس نے اپنے مدمقابل سے اشتراک کے بجائے پنجہ لڑانے میں اپنی عافیت جانی جس کے نتیجہ میں شکست ان کا مقدر بنی۔ یوراج کرن سنگھ پر سیاسی دباؤ بڑھا کر اسے نکما ثابت کرنے کی چاہ میں کشمیری قیادت کو ہندوستانی سیاستدانوں سے جس کوفت اور سراسیمگی کا سامنا کرنا پڑا اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ البتہ اتنا کہنا کافی ہوگا کہ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو ایک چالاک مسلمان فرقہ پرست خیال کر کے ان پر اپنے شکوک و شبہات کے بادل گھیر لئے جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ صرف کشمیری مسلمانوں کو اپنے گرد منڈلانے کی خاطر اسلامیات کو بطور ڈھال استعمال کرتے رہے۔ غرض بقول حسن کمال ؎

شب و روز موسم بدلتے رہے نئے غم پرالوں میں ڈھلتے رہے
محبت وفا دوستی انقلاب کھلونے بنائے بہلتے رہے

(۲)

معاشی و اقتصادی حالت

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہ تھے

۱۹۴۹ء میں کشمیر کے افق پر جنگی بادلوں کے ساتھ قحط، بھوک بیماری اور بے روزگاری نے ڈیرا ڈالا۔ سیلاب نے ایسی تباہی مچائی جس کی مثال پچھلی چار(۴) دہائیوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملتی۔ اس ناگہانی آفت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ریاستی حکومت نے ضلع اسلام آباد اور ضلع بارہمولہ کے لئے تین(۳) لاکھ روپے تقاوی قرضوں کی صورت میں مختص کئے۔ لیکن سیلاب کی تباہ کاریوں کے پیش نظر یہ رقم ہاتھی کے منہ میں مونگ پھلی کے دانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ تمام صوبۂ کشمیر میں ضروریاتِ زندگی کی ہر شے ناپید ہوئی تھی۔ اشیائے خوردنی چینی، نمک، تیل، کپڑے، جوتے وغیرہ جو سرینگر راولپنڈی روڑ سے ریاست میں درآمد کئے جاتے تھے اُنکی ترسیل رُک گئی تھی۔ اس دور میں جموں سرینگر روڑ ایک کشادہ پگڈنڈی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی [illegible] معمولی برف باری یا بارش سے اسکا معطل رہنا معمول کی بات تھی اور جب کبھی یہ شاہراہ عام ٹریفک کے قابل سمجھی جاتی تو فوجی گاڑیوں کی نقل و حرکت کو اوّلین فوقیت دی جاتی

تھی۔ اس دور میں کشمیری عوام سکھا شاہی دورِ حکومت سے بھی بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ راشن کارڈ پر فی کس ایک گز معمولی کھدر مہیا کیا جاتا تھا۔ ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ہفت روزہ "روشنی" سرینگر یکم جون ۱۹۴۹ء کے شمارے میں رقمطراز ہے:

"علاقہ بڑنگ میں مردے بغیر کفن کے دفنائے جا رہے ہیں۔ خوردنی کی قلت قحط میں بدل چکی ہے۔ آمدنی کے تمام ذرائع ختم ہو چکے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ لوگوں کو پہننے کے لئے کپڑے تک میسر نہیں ہیں۔"

وادی گیر قحط کے اثرات کو کم کرنے کے لئے حکومت نے ایک آرڈی ننس کے ذریعہ دیہی علاقوں سے شہر میں چاول درآمد کرنے پر پابندی عاید کی۔ اس بندش کے احترام میں سرینگر کے بعض غریب گھرانوں کی خواتین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ روزانہ خالی برتن لئے چونگی پوسٹوں سے ملحق دیہی علاقوں میں جاکر بھیک مانگ کر یا اونچے داموں چاول خرید کر اور وہیں پکا کر شام کو اپنے گھروں کو لوٹنے لگیں۔

لیاقت علی خان کی پیش کش

قحط اور بھوک کی اس انفرادی جنگ کی خبر نے سرحد پار کر لی جس کے پیش نظر پاکستان کے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان نے پلیندری پونچھ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے یہ پیش کش کی:

"ہم سرحد پار اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے جو شدید قحط اور بھوک مری کے شکار ہیں مفت سامانِ خوراک اقوام متحدہ اور عالمی ریڈ کراس کے ذریعے فراہم کرنے کو تیار ہیں۔"

لیاقت علی خان کے اس اعلان نے ہندوستانی اربابِ اقتدار کے ایوان میں ایک بڑے دھماکے کا کام کیا۔ حکومتِ ہند نے ریاستی حکومت کو اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لئے اکتیس ہزار پانچ سو ٹن غلہ جس میں اٹھارہ ہزار ٹن گیہوں، ساڑھے تین ہزار ٹن مکئی اور دس ہزار ٹن چاول تھے مخصوص رکھنے کا اعلان کیا۔ ساتھ ہی حکومتِ ہند

کی جانب سے ایک ترجمان کا حوالہ دے کر کہا گیا کہ اگر پاکستان کی غذائی حالت تسلی بخش ہوتی تو وہ پہلے سے کئے گئے معاہدے کے تحت رواں سال کے اگست تک پونے دو[۲] لاکھ ٹن اناج ہند کو قیمتاً مہیا کرنا۔ کشمیر کو مفت اناج مہیا کرنا محض ایک سیاسی چال ہے اگر وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خان سچ مچ کشمیریوں کی مدد کے خواہاں ہوتے تو وہ براہِ راست حکومتِ ہند سے اس سلسلے میں گفت و شنید کرتے لیکن انہوں نے کشمیر کمیشن اور ریڈ کراس کا سہارا ڈھونڈا۔ اگر وزیر اعظم پاکستان کی یہ ہمدردی حقیقت پر مبنی ہوتی پھر بھی حکومتِ ہند پاکستان سے کوئی چیز مفت لینا گوارا نہیں کرتی۔ وزیر اعظم پاکستان کی یہ بات عجیب اور بے تکی معلوم ہوتی ہے کہ ریاستِ جموں و کشمیر میں لوگ بھوکوں مر رہے ہیں۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان کو غلط اطلاعات بہم پہونچائی گئیں ہیں۔ انہیں اس بات کی تمیز ہی نہیں کہ آیا وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حقیقت بھی ہے یا سراسر جھوٹ۔

شیخ محمد عبداللہ کی گرج

وزیر اعظم پاکستان کا بیان ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ اس سے شیخ محمد عبداللہ کا بپھر جانا خلاف توقع بھی نہیں تھا۔ لیاقت علی خان کو جواب دینا اشد ضروری خیال کرتے ہوئے انہوں نے یکم جولائی ۱۹۴۹ء کو آثار شریف حضرت بل میں جمعہ نماز کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> "مسٹر لیاقت علی خان کو اگر کشمیریوں سے اس قدر ہمدردی ہے تو انہیں پہلے ان علاقوں کے عوام کی غذائی ضرورت پوری کرنی چاہیئے جو حکومت پاکستان کے قبضے میں ہیں۔ انہیں ان چار[۴] کروڑ مسلمانوں کی بہتری کا خیال رکھنا چاہیئے جن کو وہ کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہیں۔ ہم ان مکارانہ پیشکشوں کی قدر و قیمت سے بخوبی واقف ہیں۔ پچھلے سال ہم نے گریز اور تیلیل کے عوام کے لئے جو غذائی اجناس بھیجی وہ پاکستان کے سپاہیوں نے چھین لی۔ مسٹر لیاقت علی خان کی یہ پیشکش

محض ایک سیاسی سٹنٹ ہے اور اس کا مقصد ہیجان بپا کرنے کے سوا کچھ اور نہیں،"

یقیناً لیاقت علی خان کے بیان سے وادیٔ کشمیر میں پاکستانی نظریات کے حامیوں نے ایک ہیجانی کیفیت پیدا کی اور اس کی بڑی بڑی تاویلیں کرنے لگے۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں اس زمرۂ احباب سے مخاطب ہو کر اپنے حامیوں کو انتباہ کیا:

"جو لوگ آج ریت پرست بن کر ہماری پالیسیوں پر اعتراض کر رہے ہیں انہوں نے کشمیر چھوڑ دو تحریک کے دوران مہاراجہ ہری سنگھ کو ظل اللہ اور اولی الامر کے نام سے پکارا۔ آپ ایسے لوگوں کے جھانسے میں نہ آئیں۔"

نواب زادہ لیاقت علی خان کی پیش کش سے ہندوستانی رائے عامہ بھی متحرک ہوئی۔ چنانچہ اخبار "بلٹز" بمبئی نے کشمیر قحط فنڈ کے نام پر بیس (۲۰) ہزار روپے جمع کر کے وزیر اعظم کو پیش کئے:

غذائی پالیسی کا اعلان

ریاستی حکومت نے جوابی تقاریر پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حکومتِ ہند کی وساطت سے ارجنٹائن اور برما سے اناج منگوا کر رعائتی قیمتوں پر تقسیم کر کے قحط پر قابو پا لیا اور اپنی غذائی پالیسی کا اعلان کرتے راشن حاصل کرنے والوں میں ماہوار تین (۳) سو روپے سے کم آمدن والے کنبوں پر رعائتی، اور اس سے زائد آمدن والے کنبوں سے پوری قیمت وصول کرنے کا حکم جاری کیا۔ اس اعلان سے شہر سرینگر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور شیخ محمد عبداللہ کی حکومت میں پہلی بار لوگوں نے بطور احتجاج ہڑتال کی عام اور غریب لوگوں کی یہ حرکت شیخ عبداللہ کو ناگوارِ خاطر گزری۔ انہوں نے انہیں سرمایہ دار اور جاگیردار کہنے کے پہلو بہ پہلو مسلم کانفرنسی اور یوسف شاہی ٹولہ کہہ کر تکذیب کی۔ قرآنی آیات کا حوالہ دے کر کہا۔ "یہ لوگ ذاتی بغض و عناد سے جل رہے ہیں

نیشنل کانفرنس کے دوسرے لیڈر بھی ان کی ہمنوائی کرتے ذرا دھیمی آواز میں اسی قسم کا سیاسی ملہار گانے لگے لیکن مسلسل تنقید سے یہ اخذ کیا جانے لگا کہ اس کے پس منظر میں سابقہ رنجشیں کم اور نیشنل کانفرنسی کارکنوں کی حالات سے بددلی کا عنصر زیادہ ہے۔ جب ہی ان کی توجہ اصل موضوع سے ہٹانے کے لئے سیاستدان ایسے بیانات دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، بصورت دیگر ایسے بیانات کو اس مفروضہ کی بنا پر صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس دور میں طویل بے ہوشی یا سکتے کے عالم میں تھے غذائی پالیسی کے نام پر حکومت نے دھان اور مکئی کنٹرول آرڈر ۱۹۴۹ء بارہ مولہ اور اننت ناگ کے اضلاع پر نافذ کیا جس کی رو سے ہر مالک زمین، کاشتکار کسان جس نے رواں سال میں اناج پیدا کیا ہو، اپنے اجناس کو کسی صورت میں تا دم فروخت نہیں کرے گا جب تک کہ مطلوبہ مقدار میں مجوزہ دھان و مکئی کی صورت میں سرکاری کارندوں کے حوالے نہ کرے۔ لیت و لیل یا تاخیر کی صورت میں ان کی تمام پیداوار بحق سرکار ضبط کی جائے گی اور ضبط شدہ اناج کی قیمت نو روپے فی خروار (ایک خروار برابر ہے ۸۰ کیلو کے) کے حساب سے ادا کی جائے گی۔ یہ جاننا لازمی ہے کہ مجوزہ کشمیر کے ہندو حکمرانوں نے ایجاد کیا تھا اور جب جناب یعقوب صرفی نے مغل بادشاہ اکبر سے کشمیر پر حکمرانی کا معاہدہ کیا تو معاہدے میں مجوزہ میں نرمی برتنے کی شرط رکھی گئی۔ افغانوں، سکھوں اور ڈوگرہ حکمرانوں نے اس میں اپنے اپنے دور میں اضافہ کیا۔ نیشنل کانفرنس نے اپنے آغاز سے ہی اس کی مخالفت کرتے کہا تھا کہ عوامی حکومت قائم ہوتے ہی اناج جمع کرنے کی اس جبر یہ رسم کو ختم کیا جائیگا۔ لیکن وہ اپنی کم ہمتی اور ناقص غذائی پالیسی کی بنا پر ایسا نہ کر سکی۔ البتہ اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے ۲۱ اگست ۱۹۵۰ء کو مجوزہ کانفرنس کے نام سے ایک کمیٹی جو شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد، مرزا محمد افضل بیگ اور مولانا محمد سعید مسعودی



لارڈ ویول



میر واعظ غلام نبی ہمدانی



جناب محمد جعفر عالمگیر



جناب ڈاکٹر بشیر احمد



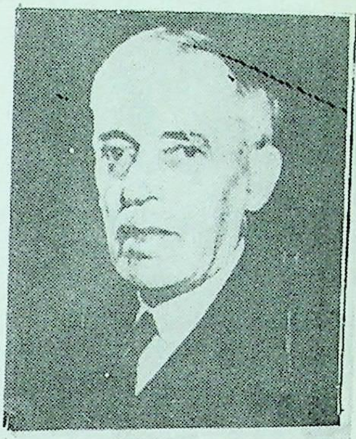
جناب علی محمد بٹ



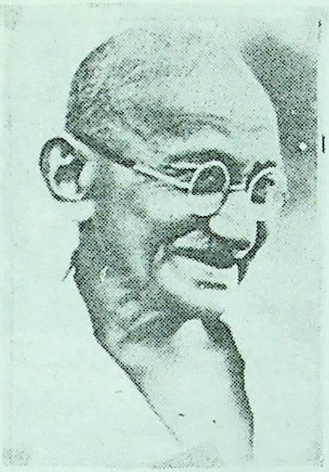
جناب غلام محی الدین اصلاحی



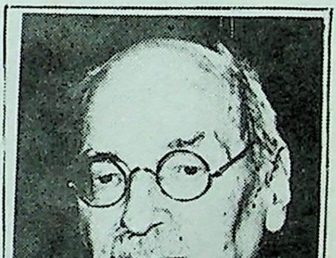
علامہ غلام احمد کشفی



ڈاکٹر فرینک گراہم



مہاتما موہن داس کرم چند گاندھی



مسٹر ایٹلی

وزیراعظم برطانیہ (۱۹۴۹ء)



لارڈ ماؤنٹ بیٹن

پر مشتمل تھی، تشکیل دی۔ کمیٹی نے مندرجہ ذیل ترمیمیں منظور کیں۔

۱۔ اب تمام کنڈی علاقے ۲۵ کنال تک چھوٹ مجوزہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے (۲) ۲۶ سے ۵۰ کنال تک ریٹ چکلہ ۱/۲ کے بجائے ۱/۵ بطور مجوزہ لیا جائے گا۔ اس کا نفاذ مارتنڈ کنال لال کوہل اور زینہ گیر کنال پر ہوگا (۳) بڈگام تحصیل کے درمیان سرکل کے مشرقی حصہ میں جہاں ریٹ چکلہ ایک خروار ۱۲ ترک فی کنال مقرر ہے صرف ایک خروار دس ترک ریٹ چکلہ مقرر کیا گیا۔ باقی تمام علاقوں سے روایات کے تابع مجوزہ لیا جائے گا۔ حکومت کے اس اعلان اور دیہی لوگوں کی خستہ حالی کے پیش نظر سید میر قاسم، پنڈت منوہر ناتھ کول، خواجہ شمس الدین، محمد مقبول وٹین، پیر غلام حسن شاہ مٹن اور عبدالکریم میر نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف لوگوں کو اکسانا شروع کیا جس کی یادداشت میں مرزا محمد افضل بیگ کی ہدایت پر ۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو انہیں نیشنل کانفرنس کی بنیادی رکنیت سے خارج کیا گیا۔ گو کہ اس کے پس منظر میں دوسرے سیاسی عوامل بھی کارفرما تھے لیکن ان کے لئے یہ موزوں بہانہ کامیاب قرار دیا گیا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ریاستی حکومت تاحال خوراک کی کمی کے مسئلہ پر قابو نہیں پا سکی۔

مجوزہ کی بدولت اگرچہ راشن کارڈ رکھنے والوں کی مشکلات میں قدرے کمی واقع ہوئی لیکن دیہی علاقوں میں رہنے والے خوراک کی کمی کے بدستور شکار رہے جبریہ اناج کی وصولی کا یہ سلسلہ کم و بیش بخشی غلام محمد کی وزارت کے ابتدائی دور تک جاری رہا اور وہ لوگ جو کسانوں سے یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے تھے کہ جاگیرداروں سے تمہیں خلاصی دلانا ہی ہمارا سیاسی منشاء و مقصد ہے، اب خود نئے اور باوقار جاگیردار بن کر انکے منہ سے نوالہ چھین لینے میں راحت محسوس کرنے لگے۔

لقمانی نسخہ

"شیخ محمد عبداللہ نے کشمیریوں کے لئے یہ لقمانی نسخہ بھی تجویز کیا " تمام ڈاکٹروں اور حکیموں کا اس پر اتفاق ہے کہ چاول کے بجائے روٹی اور دیگر مختلف چیزیں کھانے سے صحت عمدہ رہتی ہے"۔

فرانس میں جب روسو کی کا نا پھوسی تحریک عروج پر پہونچی تو فرانسیسی عوام نے انقلاب بپا کر کے شاہی محل پر ہلہ بول دیا۔ فرانس کی ملکہ میری انتھولین نے امراء سے دریافت کیا، ہمارے عوام کی ناراضگی کا سبب کیا ہے؟ امرا نے کہا "یہ فاقہ کش ہیں اور روٹی مانگتے ہیں" ملکہ بڑی سادگی سے بول اٹھی "اگر انہیں روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں کھاتے"۔ وزیر اعظم کشمیر کا لقمانی نسخہ ملکۂ فرانس کی شاعرانہ سوچ سے منفرد نہیں۔ وہ لوگ جو نانِ شبینہ کے محتاج ہوں جنہیں بے کاری اور بیروزگاری نے مفلوج بنا کے چھوڑا ہو، انہیں غذاؤں کی قوتِ مدافعت کا درس دینا ان کی غربت کا مذاق اڑانے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ شہر سرینگر اور مضافات میں حکومت نے ذخیرہ اندوزوں کو بیدنی کی سزا دینے کے لئے ٹیکنیکی پکٹ قائم کئے لیکن نہ نو من تیل جلا اور نہ رادھا ناچی، لوگ دانے دانے کے محتاج تھے ذخیرہ کہاں سے کرتے؟

عالمِ بدحواسی

اس عالمِ بدحواسی میں حکومت نے سکولوں اور کالجوں کے طلبہ و طالبات کی ماہوار فیس میں تخفیف و اضافے کا اعلان کر کے اپنی غیر دانشمندانہ حکمتِ عملی کا ثبوت دیا۔ ردِ عمل کے طور پر عوامی حلقوں نے اسے بڑی ناپسندیدگی سے سنا ہ

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

یہ مرگ ناگہانی ہیضہ بن کر پھوٹ پڑی لیکن اس پر فوری قابو پالیا گیا۔ غرض یہ دور کشمیر میں انتہائی ناداری اور لاچاری کا دور تھا۔ اس سال وادی کشمیر میں کل ۱۵۵۰ سیاح آئے جن میں ۱۶۹ غیر ملکی تھے ما باقی میں بوٹ پالش کرنے والے اور سیزنل بھیک منگے شامل تھے۔

ہند افواج کو خراج تحسین

ریاستی حکومت کے سامنے دیگر اہم مسائل میں مہاجرین کی دوبارہ بحالی ایک سلگتا ہوا مسئلہ تھا جسے حل کرنے میں ہند افواج نے یقیناً حتی الامکان مدد دی پونچھ، راجوری اور بینڈھر میں ایک لاکھ بیس ہزار غیر مسلم پناہ گزینوں کو کئی سو گاؤں میں دوبارہ بسانے کے کام میں فوج نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ چنانچہ میجر جنرل آتما سنگھ نے پونچھ میں ایک فوجی نمائش کا انعقاد کر کے فوجی امداد کی تفصیل سے تذکرہ کرتے انکشاف کیا کہ ہندوستانی فوج جہاں پہونچی اس نے نئی اور بہتر سڑکیں تعمیر کیں۔ پرانی شاہراہوں کو کشادہ اور ان کی مرمت کی۔ ڈاک و تار کا نہ ٹوٹنے والا نظام قائم کیا۔ نئی سڑکوں کے ذریعہ راجوری اور پونچھ کو ملایا۔ چھانکوٹ سے پونچھ تک دو سو پچاس میل پختہ سڑک تعمیر کی۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار جنرل تھمایا نے بارہمولہ کے فوجی اور سول اجتماعات سے خطاب کرتے کیا۔

فوجی امداد اور فوجی حکام سے قریبی رابطہ نے ریاستی سیاستدانوں کو ایک نہ ٹوٹنے والا موضوع سخن عطا کیا جس کو وہ بار بار دہراتے رہے۔ ان میں شیخ محمد عبداللہ مرزا محمد افضل بیگ، بخشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق اور دوسرے چھوٹے بڑے کارکن ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آنے لگے، قطع نظر ان گلدستوں کے ذیل میں صرف شیخ عبداللہ کے بے شمار تعریفی بیانات میں چند ایک کے اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں۔ فتح جھنگڑ کی پہلی سالگرہ کے موقعے پر انہوں نے کہا؛

"ہند فوج نے کشمیر آکر صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ ہمیں وحشی درندہ صفت حملہ آوروں سے نجات دلائی بلکہ اس نے اپنی راشن میں کمی کرکے ہمارے لئے ضروریاتِ زندگی مہیا کی۔ کشمیر کے لوگ کسی بھی حالت میں ہند فوج کے احسانات نہیں بھولینگے"

۲۳ مئی ۱۹۴۹ء کو شیخ محمد عبداللہ نے مولانا مسعودی، میجر جنرل تھمایا اور جنرل سری نگیش کے ہمراہ تحصیل کرناہ کا دورہ کرتے ایک فوجی اجتماع میں تقریر کے دوران کہا:

"ہندوستان کے فوجی جوانوں نے ریاستی عوام کو پاکستانی فوجی اور قبائلیوں کی درندگی اور قتل و غارت گری سے بچا کر انسانیت کا عملی ثبوت دیا جب تحصیل کرناہ کے باشندے قبائلی لٹیروں کے رحم و کرم پر تھے ان پر انسانیت سوز مظالم توڑے جاتے تھے۔ اس وقت ہندوستان کے سکھ اور ہندو فوجی جوان انہیں آزاد کرانے آئے اور اپنے اس ناقابل فراموش عمل میں اُنہوں نے فرقہ وارانہ اتحاد محبت اور انسانیت کا پرچم بلند کیا۔"

تیج بہاڑہ کے عوامی اجتماع میں ہند فوج کو خراج تحسین پیش کرتے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

"کشمیر کا بچہ بچہ ہندوستانی فوج کا احسان مند ہے اور وہ تا بہ قیامت ان کے احسانات کو فراموش نہیں کر سکتے۔ کشمیری غریب ہیں۔ یہاں کے عوام پستی اور افلاس میں مبتلا ہیں۔ وہ صرف اعتمادِ کامل اور خلوص و محبت کے سوا ہندوستان کو اور کچھ نہیں دے سکتے۔"

فوجی امداد کی کارکردگی کو اجاگر کرنے اپنے رابطے کو استوار مستحکم کارآمد اور مؤثر بنانے کے لئے کشمیر میں مقیم ہند فوج کے اعلیٰ کمانڈنگ آفیسر میجر جنرل کے، ایس، تھمایا کی سرکردگی میں "کشمیری پناہ گزینوں کی امداد و بحالیات کمیٹی" کے نام سے ایک رابطہ کمیٹی تشکیل

دی گئی کمیٹی کا سیکریٹری میجر پی این کاک اور ممبران میں کرنل ایچ ایس رندھاوا، گورنر کشمیر غلام نبی عرف نبہ جی۔ پنڈت کشپ بندھو اور صوفی محمد اکبر شامل تھے لیکن یہ کمیٹی صرف نام کی کمیٹی بن کر رہ گئی اور اس کی کارکردگی کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں ملا۔

جنرل کری آپا

ہندوستانی افواج کے اعلےٰ کمانڈروں سے ریاستی سیاستدانوں کے مسلسل رابطے سیاسی اور سماجی سلسلہ ہائے عمل کو شعوری طور پر برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کے مابین مضبوط اشتراکِ عمل ہو۔ چنانچہ اپریل ۱۹۴۹ء میں جب جنرل کری آپا بحیثیتِ کمانڈر انچیف سرینگر آئے، مولانا محمد سعید مسعودی نے ہوائی اڈے پر انکو خوش آمدید کرتے کہا — "کشمیری ایک مایہ ناز ہندوستانی کا استقبال کرتے فخر محسوس کرتے ہیں، کشمیر آپ کا اپنا گھر ہے اور ہم آپ کو اپنے درمیان دیکھ کر فخر سے اپنا سر اونچا کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب دور میں ہندوستانی فوجی امداد ہمارے لئے ایک غیبی امداد تھی جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہ

وہ جو لطف مجھ پہ تھا بیشتر وہ کرم کہ تھا میرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

۲۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی صبح نو بج کر دس منٹ پر جب ہندوستانی فوج شہر سرینگر کے اوپر چکر کاٹ کر ہوائی اڈے پر اتر رہی تھی، ٹھیک اس وقت مولانا محمد سعید مسعودی مجاہد منزل سرینگر کے صحن میں نیشنل کانفرنسی ورکروں کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سن کر غلام محمد بٹ آف بسنت باغ نے جب فرط مسرت سے بے قابو ہو کر مولانا سے کہا — "ہندوستانی فوج آگئی"۔ مولانا نے بڑے ہی تحمل اور وقار سے جواب دیتے کہا۔ "ہاں! ہماری دائمی غلامی کی نئی زنجیریں لے کر"۔ اس موقعہ پر مولانا مسعودی کی یادداشت کو تازہ کرانے کا کوئی ارادہ نہیں البتہ ان

سخن شناسوں کے لئے جو نقوشِ ماضی کو آئینۂ امروز میں جانچنے کا میزان رکھتے ہیں، بر سبیلِ تذکرہ اس واقعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ دیانت داری کا تقاضا ہے کہ یہ کہا جائے، مولانا نے مبالغہ آمیزی سے کام لے کر جس کو غیبی امداد قرار دیا ہے وہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ بند معاہدے کا حصّہ ہے۔

طیراً ابابیل

۹۔ اپریل ۱۹۴۹ء شام کے پانچ[(۵)] بجے جنرل کری آپا کو پروگرام کے مطابق پرتاپ پارک سرینگر میں شہریوں کی طرف سے ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں بخشی غلام محمد نائب وزیرِ اعظم اور دوسرے سرکردہ نیشنل کانفرنسی لیڈروں، سرکاری اور فوجی حکام کے علاوہ سینکڑوں شہریوں نے شرکت کی۔ خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے کا اعزاز مولانا مسعودی کو ہی حاصل ہوا۔ مولانا مسعودی نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں جنرل موصوف کی بے پناہ تعریف کی اور کہا "گزشتہ ڈیڑھ سال میں کشمیری عوام نے موت وحیات کی جو جنگ لڑی اس میں ہندوستان اور ہندوستانی افواج کی جانب سے جو امداد ہمیں حاصل ہوئی، اسی کے کمانڈر انچیف آج ہمارے مہمان ہیں۔ لٹیروں سے ہماری بہو بیٹیوں کی عزّت وآبرو بچانے میں ہند فوج نے ایک یادگار کارنامہ انجام دیا ہے"۔ مولانا مسعودی کے خطبۂ استقبالیہ کا جو حصّہ عرصہ دراز تک عوامی حلقوں میں حرفِ ملامت کا باعث بنا اور آگے کب تک بنتا رہے گا مندرجہ ذیل ہے:

"ہمارا وطن آج ہمارا وطن نہ ہوتا اگر آپ کے بہادر جوان ہماری حفاظت اور امداد کے لئے رحمت کے فرشتوں کی طرح بر وقت نہ پہنچ جاتے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب کوئی مظلوم قوم ظالم کے پنجے میں پھنس گئی ہو تو اس وقت قدرت نے امداد کے لئے آسمانی فرشتے اور دیوتا بھیجے۔ اس پر مجھے یقین کامل ہے لیکن اس کی ظاہری کیفیت اور عملی حقیقت سمجھنے سے قاصر تھا۔ آج اہلِ کشمیر نے بچشم خود دیکھا کہ قدرت ایسے

مواقع پر کس طریقے سے غیبی امداد بھیجتی ہے۔

سرینگر لٹیروں کے منہ میں تھا، مظفر آباد، اوڑی، بارہمولہ، پٹن کے علاقے جل کر خاک ہو چکے تھے لٹیروں کی گولیوں اور توپوں کی آوازیں چوبیس گھنٹے سری نگر کا بچہ بچہ سن رہا تھا کوئی ظاہری امید نہ تھی کہ لٹیروں کے ہاتھوں سے ہماری عزت اور جانیں بچ سکتی ہیں۔ عین اسی دن جب صبح ہوئی، آسمان سے گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیں۔ ہوائی جہاز آسمان پر منڈلاتے دکھائی دیئے۔ دامودر کے ہوائی میدان میں سینکڑوں بھر ہزاروں کی تعداد میں ہندوستانی افواج اتریں اور شمشیر بکف کھانے پینے کے بغیر حملہ آوروں کو بھگانے اور مزید قتل و غارت گری سے اہل ملک کو بچانے کے لئے محاذ کی طرف بڑھتی گئیں۔ اس وقت اہل سرینگر اور اہل وادی کشمیر کے دلوں میں اطمینان یقین اور بھروسہ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس وقت ہمیں یاد آیا کہ مظلوم کی حمایت کے لئے حقیقتاً قدرت کی طرف سے رحمت کے فرشتے اترتے ہیں۔

ہندوستانی فوجیں فرشتے تو نہ تھے وہ ہم جیسے انسان ہیں مگر مظلوم کی حمایت اور ظالم کے مقابلہ کی جس ڈیوٹی پر وہ مامور کئے گئے تھے وہ فرشتوں کی ڈیوٹی تھی۔ اس لئے وہ اپنے کام کے لحاظ سے رحمت کے فرشتے تھے جنہوں نے ہمارے وطن کو اور ہمیں دشمن کے پنجے میں پھنسنے سے بچایا۔"

مولانا مسعودی کی تقریر سننے کے بعد سیاسی اور غیر سیاسی ذی ہوش افراد اپنے سر دھنتے رہ گئے اور علامہ اقبالؒ کا یہ شعر گنگنانے لگے۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادرِ زہراؓ

یہ زمانہ غالباً مولانا مسعودی کے دورِ شباب کا تھا، جوشِ جوانی کی رو میں بہہ کر اور جنرل کی قربت سے سرشار ہو کر انہیں نہ الفاظ اور نہ موضوع

پر گرفت رہی جب ہی مولانا نے سورۂ فیل کے پس منظر میں اپنے آپ کو خاکم بدہن کعبہ سے نسبت دی اور ہوائی جہاز میں آنیوالے ہندوستانی سپاہیوں کو ابابیل کہہ گئے۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا یہ کہتے کہتے چونکے ضرور اور اپنے کہے کی تردید و اصلاح کی ناکام سعی بھی کی لیکن زبان سے تیر نکل چکا تھا۔ حقیقتاً سامعین ہی مظلوم تھے جو یہ وار سہہ گئے[12] - ۱۹۶۵ء میں جب جامع مسجد سرینگر کے بیرونی احاطہ میں ایک بھگدڑ کے دوران سی آر پی کے جوانوں نے مولانا مسعودی کے دانت توڑے اور بعد ازاں جب انہوں نے اس واقعہ کی تفصیلات جموں سینٹرل جیل میں شیخ محمد عبداللہ کو سنائی تو انہوں نے مولانا سے مخاطب ہو کر مسکراتے ہوئے طنزاً ان پر چوٹ کرتے یہ فقرہ کہا ــــ کیا واقعی ابابیلوں سے یہ خطا سرزد ہوئی ہے ــــ''

ہندوستانی افواج سے خطاب

اس تقریب میں شرکت کرنے سے قبل جنرل کری آپا نے ریڈیو کشمیر سرینگر سے کشمیر میں مقیم ہندوستانی افواج سے مخاطب ہو کر کہا:

"جمہوریت انسانیت اور کشمیر یوں کی آزادی کی حفاظت کے لئے آپ ہندوستان سے یہاں آئے، آپ نے محبت رواداری اور بے لوث خدمات سے دنیا میں نام پیدا کیا ہے اور یہاں آکر آپ کو کشمیریوں کی ہر طرح سے خدمت کر کے حُبّ الوطنی اور کشمیریوں سے گہری محبت اور ہمدردی کا عملی ثبوت دینا چاہیئے ــــ یاد رکھیئے آپ کا یہی برتاؤ یہاں کے لوگوں کو اتحاد و اتفاق کا راستہ دکھائے گا۔ آپ یہاں کشمیری عوام اور ان کے محبوب لیڈر شیخ محمد عبداللہ کے بلاوے پر آئے ہیں"

پرتاپ پارک کے جلسہ میں جنرل کری آپا نے خطبۂ استقبالیہ کے جواب میں اپنی ریڈیو والی تقریر یہ دہراتے ہوئے مولانا محمد مسعودی کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ کہا

"حکومت ہند اور ہندوستانیوں کو کشمیری عوام کی فکر دامن گیر ہے وہ بھی آپ لوگوں کو اپنی طرح آزاد اور خوشحال دیکھنے کے متمنی ہیں۔ مینڈھر، پونچھ اور دوسرے علاقوں میں مسلمان ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں از سرِ نو آباد ہو رہے ہیں۔ ہندوستانی فوجیں ان کی ہر طرح سے خدمت کر رہی ہیں۔ چنانچہ حکومت ہند نے آپ کی حکومت کو تین سو (۳۰۰) لاریاں اشیائے ضروریہ کم سے کم وقت میں پٹھانکوٹ سے لانے کے لئے فراہم کی ہیں"

جنرل کری آپا نے جہاں اپنی تقریر میں تباہ حال اجڑے ہوئے مسلمان مہاجرین کا تذکرہ کیا۔ وہاں وادی میں قحط پر قابو پانے کے لئے تین (۳۰۰) سو گاڑیاں فراہم کرنے کا معنی خیز اشارہ بھی دیا۔ لیکن ایک شیخ محمد عبداللہ کی ذات گرامی ہے جو بھوک مری کے واقعہ کو غلط اطلاعات پر مبنی ایک سیاسی سٹنٹ کا نام دے کر حقائق کا منہ نوچ رہے ہیں۔

ریاستی وزراء کے محکمہ جات

عوام میں بڑھتی ہوئی بے چینی سے نپٹنے اور مداوا کے طور شیخ محمد عبداللہ نے وزراء کے محکموں میں حسبِ ذیل تبدیلی لائی۔

شیخ محمد عبداللہ۔ جنرل ایڈمنسٹریشن (ملازمین اور امورِ کابینہ) امورِ خارجہ، وظائف، بیرونی تجارت، بیرون ریاست سرکاری املاک و اثاثہ۔ محکمہ انسدادِ رشوت ستانی ـــــ بخشی غلام محمد، پولیس لا اینڈ آرڈر، ملیشیا اور ہوم گارڈ۔ تعمیرات، ٹیلی فون اور تار، ٹرانسپورٹ، سول سپلائیز۔ مرزا محمد افضل بیگ، مالیہ، کاغذاتِ اراضیات، امدادِ باہمی اور بحالیات، خوراک، زراعت اور باغات، ویٹرنری، کاہچرائی، انجمن امداد باہمی، دیہات سدھار، پنچائتیں اور آبپاشی ـــــ سردار بدھ سنگھ، پبلسٹی، انفارمیشن

اینڈ براڈ کاسٹنگ، لا اینڈ آرڈر، جوڈیشری - خواجہ غلام محمد صادق، جنگلات (فارسٹ انڈسٹریز، شکارگاہ) سریکلچر، سلک ویونگ، لیسی کلچر انڈسٹریز، اقتصادی منصوبہ بندی، بجلی، کانکنی ــــ شیام لال صراف، لوکل سیلف گورنمنٹ، میونسپلٹی، ٹاؤن ایریا، نوٹیفائیڈ ایریا، صحتِ عامہ (طبی امداد اور پاگل خانہ) سیاحت، جیل خانہ جات ــــ پیٹھانیہ، حضور وزیر مہاراجہ ہری سنگھ کے رخصت تک برابر قائم رہے۔ مسٹر پیٹھانیہ کابینہ میں ان کے نامزد کردہ وزیر تھے ــــ گردھاری لال ڈوگرہ، مالیات، آڈٹ واکاؤنٹس، انکم ٹیکس، اسٹامپ وکسٹم۔

ہند اور دولتِ مشترکہ

اس موقعہ پر دولتِ مشترکہ کا تذکرہ کرنا بعید از معلومات نہ ہوگا، کیونکہ آگے چل کر اس فورم میں بھی مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پنڈت نہرو دولتِ مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس منعقدہ لندن میں شرکت کرنے کے بعد واپس لوٹے تھے اور اس دورے کے اختتام پر ہی ہند، دولتِ مشترکہ کا رکن بنا۔ اس پیش رفت پر ہندوستان کے طول وعرض میں ایک نئی سیاسی سرگرمی نے جنم لیا۔ وہ لوگ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے عمر بھر جد وجہد کی تھی، انہوں نے ہند کے دولتِ مشترکہ کا ممبر بننے پر اپنی ناراضگی کا بھرپور اظہار کیا اور پنڈت جواہر لال نہرو کی ذات کو ملامت کا ہدف بناتے، انہیں انگریزوں کا پٹھو، دلال اور ہندوستان کی آزادی کا سوداکرنے والا کہنا شروع کیا۔ ان میں کٹر قسم کے فرقہ پرست اور مہاسبھائی پیش پیش تھے جنہیں سرداریٹیل کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس سے ہندوستان کو مجموعی طور انتہائی پیچیدہ صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن ڈاکٹر راجندر

پرشاد جو ان دنوں ہند کی آئین ساز اسمبلی کی صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے ان کی تجویز پر پنڈت نہرو نے[13] اول پارلیمنٹ میں بیان دے کر ان تمام اعتراضات کا بڑی تفصیل سے مؤثر جواب دے کر افواہوں اور بدگمانیوں کا سدّباب کیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے طویل بیان میں کہا دولت مشترکہ کانفرنس کے اختتام پر ۲۰، اپریل ۱۹۴۹ء کو جو دولت مشترکہ میں ہند کی شمولیت کا اعلان ہوا ہے اس کے پس منظر میں کوئی خفیہ معاہدہ نہیں ہے نہ ہند پر انگلستان کے بادشاہ کی وفاداری کی پابندی عائد ہوتی ہے اور نہ ممبر بننے کی صورت میں اس پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ پردے کے پیچھے کوئی بات نہیں ہے۔ دولتِ مشترکہ آزاد ممالک کا سمیلن ہے۔ اس طرح اعتراضات کرنے والے مطمئن ہوئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے خلاف اس مسئلہ پر ان کے مخالفین نے اپنے ترکش کا آخری تیر تاک استعمال کیا تھا لیکن انہیں مطمئن کرنا وزیر اعظم ہند کی بہت بڑی کامرانی اور کامیابی تسلیم کی گئی۔

نہرو سری نگر میں

اس بڑے معرکہ کو سر کرنے کے بعد جواہر لال نہرو[14] دوسری بار سری نگر آئے۔ انکے ہمراہ گوپال سوامی آئنگر، وزارت خارجہ کے سیکریٹری جنرل گرجا شنکر باجپائی ہند میں متعین برطانوی ہائی کمشنر مسٹر ناٹن اور ان کی بیگم، یونس خان، پنڈت نہرو کی بیٹی پریادرشنی اندرا گاندھی اور ان کا داماد فیروز گاندھی تھا۔ ہوائی اڈے پر ان سب کا استقبال کرنے والوں میں شیخ محمد عبداللہ اور میجر جنرل تھمایا قابل ذکر ہیں۔ پنڈت نہرو نے اپنے قیام کے دوران بادامی باغ سری نگر میں فوجی جوانوں سے خطاب کرتے اور ان کی شجاعت و حوصلے کی داد دیتے پاکستان کے اس دعوے کو غلط قرار دینے میں دلائل کا سہارا لیتے کہا چوں کہ کشمیر میں

مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لئے اسے پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے" ۔ اس دعویٰ اور دلیل کو باطل ٹھہراتے شیخ محمد عبداللہؒ کی شنا خوانی اور قصیدہ گوئی کرتے کہا:

"کشمیری عوام شیر کشمیر کی قیادت میں اس قسم کے سارے غلط اصولوں کا پہلے سے ہی جواب دیتے آئے ہیں ۔ مسٹر جناح اپنا نعرہ لے کر یہاں آئے، لیکن یہاں کسی نے ان کے نعرے پر کان نہیں دھرا کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ خود کشمیری کریں گے ۔ ہم نے پہلے ہی دن یہ اعلان کیا تھا کہ کشمیریوں کو خود سوچنا ہوگا کہ وہ کس کے ساتھ شامل ہوکر اپنے مفادات اور آزادی کو برقرار رکھ سکتے ہیں ۔ اگر کشمیریوں کو ہندوستان سے کوئی شکایت ہو اور وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق نہ کرنا چاہیں تو جواہر لال یا اس کی حکومت کوئی زبردستی نہیں کر سکتی اور نہ کشمیریوں کو حق رائے سے محروم کرے گی ۔ ان باتوں کا وعدہ اور اعلان ہم نے کشمیریوں کے سامنے پہلے بھی ہزار بار کیا اور دنیا کے سامنے بھی کر چکے ہیں"

پرتاپ پارک میں جلسہ

وزیراعظم ہند کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان سے اپنی بے لوث محبت و عقیدت کے اظہار میں نیشنل کانفرنس نے ان کے اعزاز میں ۳۰ مئی ۱۹۴۹ء کو پرتاپ پارک سرینگر میں جلسہ منعقد کیا جس میں باہر سے آئے ہوئے دیگر مہمانوں کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی شرکت کی ۔ بقول ان کے وہ یہاں چند یوم کی چھٹیاں منانے آئے ہیں ۔ اس جلسے میں شیخ محمد عبداللہ نے نہ صرف معنی خیز انداز میں بلکہ ٹھوس الفاظ اور دل کی گہرائیوں سے اپنے عزم "سدا اور" کا اعادہ کرتے ایک بار حضرت امیر خسروؒ کے اس نعتیہ شعر کو دہراتے مزید کہا:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

"چاہے کتنی ہی رکاوٹیں پیش آئیں، ہمیں فاقہ کشی کرنی پڑے اور لاکھوں مصائب کا سامنا ہو لیکن کشمیریوں نے عزم ارادہ کر لیا ہے کہ وہ کشمیر کو ہندوستان سے الگ نہیں ہونے دیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت اس رشتے کو توڑنے کی جسارت نہیں کر سکتی ——— میں ایک بار پھر پنڈت جی کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ کشمیر آپ کا ہے اور آپ کشمیر کے ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ہم کو آپ سے جدا نہیں کر سکتی ہے۔"

پنڈت جی کی تقریر کا اقتباس

اس دلفریب خود سپردگی اور چاپلوسی کے جواب میں وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے تالیوں کی گونج میں کہا:

"میری تین حیثیتیں ہیں (۱) ——— آپ لوگوں کا پرانا ساتھی اور مخلص ہوں (۲) ——— آل انڈیا اسٹیٹس پیوپلز کانفرنس کا صدر رہ چکا ہوں جس کے سرگرم ممبروں میں آپ شامل ہیں (۳) ——— میں ایک کشمیری ہوں ——— اور میری چوتھی حیثیت یہ ہے کہ میں جمہوریہ ہند کا وزیر اعظم ہوں۔ اس حیثیت سے جو کچھ کہوں گا، پوری ذمہ داری اور طاقت سے کہوں گا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں جب کشمیر پر حملہ ہوا تھا میں نے یہاں کے ایک جلسہ میں شیخ صاحب سے ہاتھ ملا کر عہد و پیماں کیا تھا وہ ذاتی نوعیت کا عہد و پیمان نہ تھا جیسا کہ شیخ صاحب نے کہا۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمارے اور آپ کے رشتے کو توڑ نہیں سکتی ——— بیرونی طاقت رسیوں کو توڑ سکتی ہے زنجیروں کو توڑ سکتی ہے لیکن دلوں کے تعلق کو کسی بھی صورت میں توڑ نہیں سکتی ——— کشمیر کے بازاروں میں کبھی کبھی افواہیں پھیلتی ہیں آپ لوگوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے"

پنڈت نہرو نے اپنی تقریر میں مختلف موضوعات کو چھیڑتے ہوئے ہند کی دولت مشترکہ میں شمولیت، قبائلی حملے میں پاکستان کی اعانت و معاونت پھر مسئلہ کشمیر

کو سلامتی کونسل میں لے جانے کی وجوہات و محرکات کے دوش بدوش ہندوستان کے ایفائے وعدہ کے ضمن میں متروکہ اثاثہ ریلیں فوج اور نہروں وغیرہ کے عوض پاکستان کو پچپن (۵۵) کروڑ روپے کا واجب الادا قرضہ ادا کرنے کے نیبصلے پر تفصیل سے روشنی ڈالتے کہا!

ان دنوں جب کشمیر کی لڑائی شروع ہوئی ہم نے سوچا اگر اس موقعے پہ پاکستان کو روپے ادا کئے گئے تو وہ ان سے سامانِ جنگ خرید کر ہمارے ہی خلاف استعمال کریگا لہٰذا فیصلہ لیا گیا کہ جب تک کشمیر کا فیصلہ نہیں ہوگا پاکستان کو روپے ادا نہیں کئے جائیں گے۔ گاندھی جی کو جب اس فیصلہ کی خبر ہوئی مجھے بلا کر نصیحت کی " ہم نے پاکستان کو جو روپے ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے بڑی اور مہذب قوموں کا یہ خاصہ نہیں کہ وہ وعدوں سے مکر جائیں "۔ گاندھی جی کے ارشادات سن کر ہم بہت شرمندہ ہوئے۔ اس طرح گاندھی جی کے کہنے پر اپنے وعدے کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے پاکستان کو روپے ادا کئے۔ بہر حال ہم کتنی ہی ٹھوکریں کیوں نہ کھائیں اپنے وعدہ پر برابر قائم رہتے ہیں اور کسی بھی قیمت پر مکرتے نہیں لیکن پاکستان جنگ بندی کے باوجود آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ پاکستان اپنے وعدہ پر قائم نہیں ہے۔

اس طرح پنڈت نہرو نے کشمیریوں کو ہندوستان کی نیک نیتی اور ایفائے وعدے کا یقین دلایا۔

مولانا آزاد حضرت بل میں

پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر کا خمار ابھی نیشنل کانفرنسی زعماؤں کے رگ و ریشہ پر طاری ہی تھا کہ شیخ محمد عبداللہ نے مولانا ابو الکلام آزاد کو ۲۷ رماہ رجب یعنی معراج عالم کی تقریب سعید پر اسلامیانِ وادی کو اپنے ارشادات سے مستفید ہونے کا موقعہ بہم پہونچانے کے غرض سے آثار شریف حضرت بل آنے کی دعوت دی۔ اسلامیانِ ریاست کے اس فقید المثال اجتماع میں قبل از نمازِ جمعہ مولانا آزاد نے ایک مختصر تقریر کرتے کہا!

" حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو آج ۲۷ ر رجب معراج شریف کے اجتماع کا

اور ایسے ہی دیگر مجامع کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے وہ یہ کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آنحضور صلعم کے فرمودات کی یاد اپنے دلوں میں تازہ کرسکیں اور حضور صلعم کے نقش قدم پر چلنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ آج کا دن مقدس ترین دنوں میں ایک ہے۔"

مولانا آزاد نے قرآن پاک اور احادیث کے حوالوں سے اپنی تقریر میں یہ بتانے کی کوشش کی کہ مومن کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور شک اضطراب اور وہم کو اپنے دل سے نکال دینا چاہیئے۔ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے خدا کے فضل وکرم اور رحمتوں سے محروم نہیں رہتے۔ اپنے ہاں کی اقلیتوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو یہ احساس دلائیں کہ وہ محفوظ ہیں۔ آپ نے کشمیریوں کی ہمت جوانمردی اور حوصلے کی داد دیتے ہوئے ان الفاظ میں انہیں نصیحت کی۔

"آپ ایک انقلابی دور سے گزر رہے تھے۔ آپ نے اس دور میں بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔ آپ کے راستے بند ہوگئے۔ آپ کی اقتصادی حالت پر برا اثر پڑا، آپ کو یقین رکھنا چاہیئے کہ اب آپ کی کامیابی کا راستہ کھلا ہے، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ صبر اور برداشت سے کام لیں گے، تو وہ دن دور نہیں جب کشمیر کا ہر باشندہ چاندی اور سونے سے کھیلے گا۔ یہ کلمات میں نے آپ کے کانوں تک پہونچائے۔ اب یہ خدا کے ہاتھ میں ہے کہ یہ کلمات آپکے دلوں تک پہونچائے"

شک وشبہات، اضطراب، صبر ضبط اور ہمت ایسے الفاظ کے استعمال سے اس امر کی مزید تائید ہوتی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ نے مولانا ابوالکلام آزاد کے سامنے اپنی دلی کیفیت کا اظہار کیا تھا جس کا ۹ اگست ۱۹۵۳ء میں انہوں نے کھل کر مظاہرہ کیا لیکن مولانا آزاد کی پیشگوئی تقریباً نصف صدی گذرنے کے بعد بھی پوری نہیں ہوئی، نہ چاندی برسی نہ سونا برسا البتہ بیالیس[۱۲] سال گذرنے کے بعد گورنر جگموہن گریش سکسینہ اور جنرل کرشنا راؤ کے دور میں بے گناہ لوگوں پر گولیاں برسیں۔

ہند کی دستور ساز اسمبلی میں کشمیر کی نمائندگی

پنڈت نہرو کا کشاں کشاں سرینگر آنا محض سیر سپاٹے یا آب وہوا کی تبدیلی

کے لئے نہیں تھی بلکہ یہاں پہونچتے ہی انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں ریاستی نمائندگی مفقود ہونے کی بناء پر جہاں آئین سازی میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں، وہاں ریاست کی پوزیشن مخصوص اور محفوظ بنانے کے لئے ریاستی نمائندوں کا اشتراک ضروری اور لابدی ہے۔ اس پر اتفاقِ رائے ہونے کے بعد وزیر اعظم ہند ۲۸ مئی ۱۹۴۹ء کو واپس دہلی چلے گئے۔

۲۸ مئی کو ہی مرکزی حکومت کے امور کشمیر کے وزیر گوپال سوامی آئینگر نے دستور ساز اسمبلی میں کشمیر کی نمائندگی کے بارے میں ایوان میں تجویز رکھی جو منظور ہو گئی لیکن اس تجویز کو منظور کرنے سے پہلے لگاتار "دو گھنٹے" تک جو بحث و تمحیص ہوئی وہ کشمیر کے ہند سے الحاق اور سیاسیات کے کئی بند دریچوں کی گرہ کھولتا ہے۔

دستور ساز اسمبلی میں پروفیسر کے ٹی شاہ نے اس تجویز میں یہ ترمیم پیش کی کہ ریاست کی پرجا سبھا (قانون ساز اسمبلی) ان نمائندوں کو منتخب کریگی اور اگر یہ ممکن نہیں تو ریاست جموں و کشمیر کی جانب سے نمائندگی نہیں ہونی چاہیئے، جب تک استصواب رائے عامہ کا کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہو پائے جو اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوگی۔

پروفیسر کے ٹی شاہ کی اس ترمیم پر ایوان نے اپنی سخت برہمی کا اظہار کیا۔ دو گھنٹے کی بحث میں بہت سارے ممبران نے پروفیسر موصوف پر سخت نکتہ چینی کی، انکی تقریر میں متعدد بار مداخلت کرکے رکاوٹ پیدا کی گئی اور جب انہوں نے ریاست میں استصواب رائے عامہ کا ذکر کیا تو بذاتِ خود پنڈت نہرو نے مداخلت کی اور کہا۔

"کشمیر قطعی غیر مشروط طور پر ہندوستان میں شامل ہوا ہے۔ مجھے پروفیسر کے ٹی شاہ کی قابلیت کا احترام ہے مگر انہوں نے کشمیر کے بارے میں جو کچھ کہا اور کئی سال سے جو کچھ کرتے آئے ہیں اس سے میں حیران ہوں، میں بطور وزیر اعظم نہیں بلکہ ایک کشمیری اور ہندوستانی کی حیثیت سے، جس کا تعلق کشمیر کی سیاسی جد و جہد کے ساتھ رہا ہے

پروفیسر شاہ کی یہ تجویز سن کر حیران ہوا ہوں کہ اسمبلی (پرجا سبھا) اپنے نمائندے نامزد کرے انہیں یہ جاننا چاہیئے تھا کہ پرجا سبھا عوام کی نمائندہ جماعت نہیں ہے، بلکہ اس کے انتخابات ان دنوں کئے گئے تھے جب سرینگر تک پہونچنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ کشمیر کے تمام اچھے لوگوں نے اس کا بائیکاٹ کیا تھا لیکن جب نیشنل کانفرنس نے تمام مشکلات کے باوجود جن میں شیخ محمد عبداللہ بھی شامل ہیں جو اپنے ساتھیوں سمیت جیلوں میں بند تھے، انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔ تو ان کے بہت سے نامزد امیدوار جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے تھے اور ان کے لئے انتخاب لڑنا ناممکن بنا دیا گیا۔ نتیجۃً نیشنل کانفرنس نے بائیکاٹ کیا۔ ویسے ہی جیسے ۱۹۲۰ء میں کانگریس نے کیا تھا اور جو لوگ پرجا سبھا کے ممبر بن گئے تھے وہ تحریک آزادی کی مخالفت کرنے والے تھے۔ پرجا سبھا حقیقتاً ایک بوگس پارٹی ہے "

ہندوستان کی مجلس آئین ساز میں وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کے بیان کی تائید کرتے ہوئے اور اسے زیادہ ٹھوس شکل میں استوار کرنے کی خاطر سر گوپال سوامی آئینگر نے اپنی تقریر میں کہا:

" وزیر اعظم نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے۔ ہند میں شمولیت کی پیش کش مہاراجہ کشمیر نے کی تھی اور اسے گورنر جنرل نے منظور کیا تھا۔ اس دستاویز کی نقل میرے سامنے ہے۔ یہ پیش کش مکمل طور پر غیر مشروط تھی۔ استصواب رائے عامہ کے متعلق حکومتِ ہند کا وعدہ صرف اس حد تک ہے کہ اگر ریاست کے عوام کی مرضی ہند سے علیحدہ ہونے کی ہو تو وہ اس کی راہ میں حائل نہ ہو گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے یہ پیش کش کر رکھی ہے کہ منصفانہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے عامہ کرنے کے لئے موزوں حالات پیدا ہونے پر استصواب رائے کرایا جا سکتا ہے۔

یہ استصواب رائے محض اس لئے ہے کہ عوام کو اپنی مرضی کا اظہار کرنے کا موقع دیا جائے آیا وہ اس شمولیت کی جو پہلے ہو چکی ہے تصدیق و تائید کرتے ہیں یا نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شمولیت کی تکمیل کی تصدیق لازمی ہے۔ ہم جس بات کے پابند ہیں

وہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان سے ریاست جموں وکشمیر کی علیحدگی کی راہ میں مزاحم نہیں ہونگے“

گوپال سوامی آئینگر نے ہند کی دیگر ریاستوں کی شمولیت کے ضمن میں ہندوستان کے آئین کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح کیا۔

”ہندوستان کی آزادی سے متعلق دستور میں لکھا ہے کہ جب کوئی ریاست شمولیت کے بعد علیحدہ ہونا چاہے گی تو وہ اس مملکت کی مرضی کے بغیر ایسا نہیں کرسکتی۔ ہماری پوزیشن یہ ہے کہ اگر استصواب رائے عامہ کا فیصلہ ہندوستان کے خلاف ہو تب ہم عوام کی خواہشات کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ اسلئے میں کہوں گا کہ یہ بیان کشمیر کی شمولیت مکمل ہے، قطعی طور پر صحیح اور درست ہے۔“

ایوان پارلیمنٹ کے گرم اختلاطی بے تکلفانہ بحث میں حصہ لیتے مولانا حسرت موہانی نے وزیر امور کشمیر کی پیش کردہ دلیل سے اختلاف کرتے پروفیسر شاہ کے نقطے کی حمایت کی اور اپنی رائے ظاہر کرتے شبہ ظاہر کیا جب تک کشمیر کی شمولیت کا حتمی اور ٹھوس نقشہ سامنے نہیں آتا اور مہاراجہ ہری سنگھ کی پوزیشن اور درجے کے متعلق فیصلہ نہیں ہوتا کشمیر کی نمائندگی بے معنی ہے اس تجویز کو التوا میں رکھا جائے۔ مولانا حسرت موہانی کے شاعرانہ مزاج کی نیک نیتی یہ سیاسی باریکی سمجھ نہیں پائی۔ اس سادہ لوحی کے جواب میں ان کا ہی ایک شعر انہیں نذر کرنے کی جسارت کرتا ہوں ؎

خود عشق کی گستاخی سب تم کو سکھادے گی — اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

آئین کا اطلاق

ہند کی دستور ساز اسمبلی میں ریاست کی نمائندگی کے بارے میں کشمیری نمائندوں کو بانس پر چڑھانے کے لئے ملک کی چودہ[14] زبانوں کی فہرست میں کشمیری زبان کو شامل کرکے حاتم کی قبر پہ لات ماری گئی۔ حالانکہ اس سنہرے موقعہ پر اگر ریاست کی قسمت سے کھیلنے والے زنگ خوردہ ذہن کے ارباب سیاست چاہتے تو آئینی طور پر ٹھوس شرائط اور ریاست کے ہندوستان کے ساتھ قطعی الحاق کو تابع یا تحت رائے شماری پیش کرسکتے تھے، جو

دوررس نتائج اور عواقب کے حامل ہوتے لیکن وہ خوشامد اور مسکوں کی لذت وچاشنی کے بھرم میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں مصروف رہ کر خاموش رہے۔

گوپال سوامی آئینگر نے دستور ساز اسمبلی میں اس بات کی وضاحت کرتے کہا، ہندوستان کا نیا آئین ملک کی جملہ ریاستوں پر لاگو ہوگا۔ لیکن ابھی ریاست جموّں وکشمیر پر یہ آئین عاید نہیں ہوگا، بلکہ اس ریاست سے عارضی الحاق کے معاہدے کے مطابق ہی آئین کا اطلاق ہوگا۔ عہدنامہ شمولیت کے مطابق فی الحال کشمیر اور ہند کا رشتہ قائم رہے گا۔ ریاستِ کشمیر تو ہند یونین کا ہی ایک حصّہ بنی رہے گی اور کشمیر کے جو معاملے ہند کو سونپے گئے ہیں، ہند پارلیمنٹ کو انہیں نبھانے کا حق ہوگا۔ البتہ فی الحال یہ تمام حقوق ریاست کی طرف سے ہند کو حاصل ہونگے۔ جب تک ریاست حملہ آوروں کے قبضہ سے مکمل طور پر آزاد نہیں کرائی جائے گی اور ریاست کے حالات معمول پر آنے کے علاوہ ریاست کے عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کریں گے، ریاست جموّں وکشمیر سے ایسے ہی تعلّقات رہیں گے اور ریاستی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلانا بھی فضول ہے۔ اس وقت کشمیر کا مسئلہ اقوامِ متحدّہ میں الجھا ہوا ہے جب ہند کے وعدے کے مطابق کشمیر میں رائے شماری کر کے عوام کی رائے کے مطابق شمولیت کرائی جائے تو اس وقت کشمیر پر بھی دوسری ریاستوں کی طرح آئین ہند عائد کیا جائے گا۔

اس موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ نے یو این آئی کو بیان دیتے کہا۔

"پاکستان کے جارحانہ حملے کی وجہ سے کشمیر کے نمائندے قانون سازیہ کے ایوان میں پہلے شامل نہ ہو سکے۔ اہلِ کشمیر نے بغیر کسی مجبوری اور دباؤ کے پورے غور وفکر اور سوچ سمجھ کر ہند کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا ہے۔ ہند کے رہنماؤں نے جو غیر مذہبی جمہوری حکومت بنائی ہے کشمیری بھی اسی طرح کی حکومت قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔"

کڑی نکتہ چینی

بظاہر شیخ محمد عبداللہ کی اس قطعی رائے کے بعد ہند کی مجلس دستور سازیہ میں ریاستی نمائندوں

کی موجودگی پر پاکستانی حکومت اور اخبارات کا آگ بگولا ہونا تعجب خیز بات نہیں تھی لیکن دنیا کے کسی ممالک کے علاوہ برطانوی اخبارات اور بی بی سی کی نشریات میں اس شمولیت پر سنگین اعتراضات اور نکتہ چینی کی گئی اور کہا گیا اس سے جموں و کشمیر کے مسئلہ پر سمجھوتہ اور بھی مشکل ہو جائے گا۔

ان ہی دنوں حکومت آزاد کشمیر نے پاکستان گورنمنٹ سے بار بار اپیل کی کہ وہ آزاد کشمیر کو خود مختار اور آزاد حکومت کی حیثیت میں تسلیم کرے لیکن پاکستان کی حکومت نے اس مطالبے کو قابل اعتناء اور برداشت نہ سمجھا اسے رد کرتے اور ایسا مطالبہ کرنیوالوں کو یہ کہہ کر سرزنش کی کہ اس عمل سے برصغیر میں کشیدگی بڑھے گی۔

ضابطے کا اعلان

ہند کی آئین ساز یہ میں ہری جھنڈی دکھلانے کی سگنل پاتے ہی نیشنل کانفرنس حکمرانوں نے وہی چلو پروگرام کا منصوبہ طے کیا۔ ضابطہ کے تحت مہاراجہ کشمیر وزیر اعظم کے مشورے سے اپنے چار[۱] نمایندوں میں سے دو[۲] خود نامزد کرنے کے مجاز تھے اور دو[۲] ریاستی اسمبلی منتخب کرتی۔ لیکن ان دنوں نہ ریاستی اسمبلی اور نہ مہاراجہ کا کہیں کوئی وجود باقی رہا تھا۔ اس اہم اور جامع قانونی سقم کو دور کرنے کے لئے ہند کی دستور ساز اسمبلی کی ایک تازہ ترمیم کے مطابق یہ فیصلہ لیا گیا کہ وزیر اعظم کشمیر جن افراد کا نام پیش کرے مہاراجہ شاہ رسمی طور ان کو نامزد کرے گا اور وہی ریاست کی طرف سے ہند کی دستور ساز اسمبلی میں ممبر تصور کئے جائیں گے۔

اس آئینی نقطے کو ریاست کی جانب سے سلجھانے کیلئے ۲ جون ۱۹۴۹ء کو وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں ان کے دولت کدے پر نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا جس میں مولانا محمد سعید مسعودی، بخشی غلام محمد، سردار بدھ سنگھ، پنڈت شیام لال صراف خواجہ غلام محمد صادق، خواجہ غلام محی الدین قرہ، صوفی محمد اکبر، پنڈت کشپ بندھو

غلام نبی عرف نبہ جی اور پنڈت گردھاری لال ڈوگرہ نے شرکت کی۔ مجلس عاملہ کا واحد غیر حاضر ممبر غلام قادر بانڈے پونچھ چلا گیا تھا، میٹنگ میں شامل نہ ہو سکا۔

مجلس عاملہ کے سامنے تجویز رکھی گئی کہ تاحال کشمیر کی طرف سے ہندوستان کی مجلس دستور ساز میں نمائندے نہیں بھیجے گئے، حالانکہ قانوناً کشمیر کا الحاق ہند سے طے شدہ حقیقت ہے۔ اس تجویز پر اظہار رائے کرتے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

"میں ریاست کا وزیراعظم اور نیشنل کانفرنس کا صدر ہوں اور مجلس عاملہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم نیشنل کانفرنس کی نمائندہ جماعت ہے اس لئے میں مجلس عاملہ کے منتخب افراد کی سفارش کروں گا۔"

اس طرح مجلس عاملہ نے شیخ محمد عبداللہ، مولانا محمد سعید مسعودی، مرزا محمد افضل بیگ اور موتی رام بینگرہ کے نام تجویز کئے، اور وہ منتخب ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ کے ان ہی غیر دانشمندانہ، جلدبازانہ، بے اصولانہ حرکتوں اور اقدامات سے نہ صرف مسئلہ کشمیر سلجھانے میں الجھنیں پیدا ہوئیں بلکہ اہل ریاست فی الوقت جس سیاسی اقتصادی بدحالی اور تذبذب سے دوچار ہیں اس کی کلی و تمام تر ذمہ داری اس ناعاقبت اندیش سیاست کا ثمر ہے۔

۱۶ جون ۱۹۴۹ء کو پارلیمنٹ میں نیشنل کانفرنس کے منتخب ممبران نے آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ ان کا تالیوں کی گونج میں استقبال کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کو مسکہ لگاتے ہوئے وزیراعظم ہند نے انہیں اپنی بغل کی نشست پر بٹھایا۔ اسی دوران آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ مجلس دستور ساز نے پاس کی لیکن دانشمندان کشمیر نے اس موقعے پر اپنی منقار کھولے بنا صرف تالیاں بجا کر اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کیا۔

دفعہ ۳۷۰

قبل اس کے کہ دفعہ ۳۷۰ کے تحت ریاست جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت

اور امتیازی پوزیشن کی وضاحت کی جائے، یہ بتانا لازمی ہے کہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندوستان کا جدید آئین ہند پر نافذ ہوتے ہی ہند عوامی جمہوریہ کہلانے لگا۔

۲۲ جنوری ۱۹۵۰ء کو مجلس دستور سازیہ کے سیکریٹری ایچ ڈی آر آئینگر نے ڈاکٹر راجندر پرشاد[19] کو جمہوریہ ہند کا پہلا صدر منتخب ہونے کا اعلان کیا۔

ہندوستان کے جدید دستور میں ریاست جموّں وکشمیر کی انفرادی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے امتیازی حیثیت دفعہ ۳۷۰ کے تحت دی گئی۔ لیکن ایسی دفعات بھی رکھی گئیں جو ریاست جموّں وکشمیر کی اس منفرد حیثیت کو بھی "بہ تقاضائے انصاف آسودہ" کر سکیں۔ جدید دستور میں ریاست جموّں وکشمیر کو اوّل شیڈول کے حصّہ (ب) کی صف میں رکھا گیا جس میں حیدر آباد، مدھیہ بھارت، میسور، پٹیالہ اور یونین اور ریاست ہائے مشرقی پنجاب راجستھان، سوراشٹر، ٹراونکور، کوچین اور مدھیہ پردیش کی ریاستیں شامل ہیں، لیکن دفعہ ۳۷۰ صرف ریاست جموّں وکشمیر کے خصوصی حالات کے متعلق ہے۔ دفعہ ۳۷۰ (۱) اس دستور میں جو کچھ ہے اس کے باوجود (الف) دفعہ ۳۷۰ کے احکام ریاست جموّں وکشمیر کے سلسلے میں چسپاں نہیں ہوگا (ب) ریاست مذکور کے لئے پارلیمنٹ کا اختیار آئین سازی تک محدود رہے گا — (اوّل) یونین لسٹ اور کانکرنٹ لسٹ (متصل فہرست) کے ان امور تک جو ریاستی حکومت کے مشورے سے صدر جمہوریہ کی جانب سے ان امور کے مماثل قرار دے دیئے جائیں جن کی ڈومینین آف انڈیا میں ریاست جموّں وکشمیر کی شمولیت پر اثر انداز ہوتی ہوئی دستاویز شمولیت میں ان امور کی حیثیت سے صراحت کی گئی ہو جن کے بارے میں ڈومینین لیجسلیچر آئین وضع کرنے کی مجاز ہے اور (۳) اس دفعہ کے دوسرے احکام میں جو کچھ ہے اس کے باوجود

صدر جمہوریہ مجاز ہے کہ وہ بذریعہ سرکاری نوٹس یہ اعلان کر دے کہ اس دفعہ کا نفاذ موقوف ہو جائے گا یا وہ فلاں مستثنیات اور فلاں ترمیموں کے ساتھ فلاں تاریخ سے نافذ ہو گی جس کی وہ صراحت کر دے۔ شرط یہ ہے کہ صدر جمہوریہ کے ایسے اعلان کے اجرا سے قبل ریاست کی اس دستور ساز اسمبلی کی سفارش ضروری ہو گی جس کا حوالہ ضمن (۲) میں دیا گیا ہے۔

گوپال سوامی آئنگر نے مجلس دستور سازیہ میں اس دفعہ کی تحریک پیش کرتے اس کے اثرات کی وضاحت میں کہا۔ اس دفعہ کا اثر یہ ہو گا کہ ریاست کا ہندوستان کے جزو کی حیثیت سے رشتہ برقرار رہے گا اور یونین لیجسلیچر ان امور کے متعلق آئین سازی کا حق کا اختیار رکھے گا جن کی دستاویز شمولیت میں مابعد کو ریاستی حکومت کے اتفاق سے اضافہ کر کے صراحت کر دی گئی ہو۔ ریاستی دستور ساز اسمبلی کے فیصلوں پر صدر جمہوریہ یا تو دفعہ کو منسوخ کرے گا یا یہ ہدایت کر دے گا کہ اس کا نفاذ فلاں ترمیمات و مستثنیات کے ساتھ ہو گا جس کی دستور ساز اسمبلی سفارش کر دے گی شمولیت کا مفہوم یہ ہے کہ ریاست (جموں و کشمیر) سر دست اس فیڈرل اسٹیٹ کی ایک یونٹ ہے جو عرفِ عام میں ڈومنین آف انڈیا ہے۔ یہ ڈومنین ری پبلک میں تبدیل ہو رہی ہے جس کا افتتاح ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہو گا۔ نئی ری پبلک میں دستاویز ہائے شمولیت اوراقِ پارینہ بن جائیں گے لیکن کشمیر کے حالات مخصوص ہیں اور انکے ساتھ خصوصی سلوک کی ضرورت ہے۔

(دوم) مذکورہ فہرستوں میں ایسے امور جن کا صدر جمہوریہ ریاستی حکومت کے مشورے سے بذریعہ حکم صراحت کر دے۔

تشریح

اس دفعہ کے مقاصد کے لئے ریاستی حکومت سے مراد وہ شخص ہے جس کو

صدر نے سر دست جموّں و کشمیر کا مہاراجہ تسلیم کیا ہے جو مہاراجہ کے فرمان مورخہ ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کے اعلان کے تحت فی الوقت منصب وزارت پر مامور وزراء کی کونسل کے مشورے پر کام کرتا ہو۔

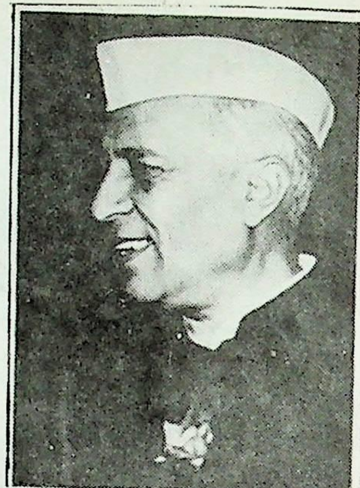
(ج) اس ریاست کے متعلق دفعہ (۱) اور اس دفعہ کے احکام چسپاں ہوں گے (د) اس ریاست پر اس دستور کے ایسے دیگر احکام بھی ایسی مستثنیات کے چسپاں تابع ہوں گے جن کی صراحت صدر جمہوریہ بذریعہ حکم کرے شرط یہ ہے کہ ایسا کوئی حکم جو ان امور سے متعلق ہے جن کی صراحت تحتی دفعہ (ب) کے پیراگراف (اوّل) میں حوالہ دی ہوئی دستاویز شمولیت میں کر دی گئی ہے؛ ریاستی حکومت کے مشورے کے بغیر جاری نہیں کیا جائے گا۔

(۲) :۔ اگر ضمن (۱) کی تحتی ضمن (ب) کے پیراگراف دوم میں یا اس ضمن کی تحتی ضمن (د) کی دوسری عبارت شرطی میں حوالہ دی ہوئی ریاستی حکومت کی رضامندی میں دستور ساز اسمبلی کی نشست سے پہلے دی جائے جو ریاست کا دستور مرتب کرنے کے لئے بلائی گئی ہو تو ایسی اسمبلی کے روبرو ایسے فیصلے کے لئے پیش کی جائے گی جو وہ اس کے متعلق کرے۔

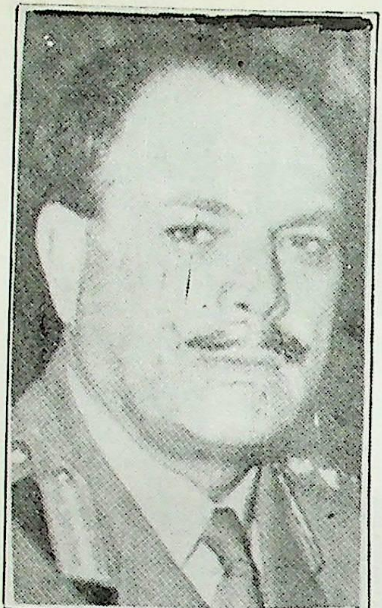
یہی وہ لمحات تھے جب شیخ محمد عبداللہ نے سرگوشی کرتے اپنے "فاضل" قانونی مشیر مرزا محمد افضل بیگ سے کہا ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ ریاست کو ہند میں ضم کرنے پر تُلے ہیں!..

کی میرے مرنے کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا تھا

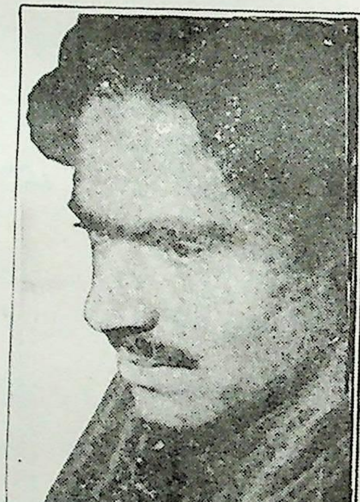
اس موقعہ پر اگر کشمیری شیخ مرزا بیگ سے کانا پھوسی کے بجائے جرأت رندانہ سے کام لے کر نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ سوپور ۱۹۴۵ء جس میں پنڈت جواہر لال نہرو بہ نفس نفیس موجود تھے اور اس پاس شدہ قرارداد کا ذکر کرتے



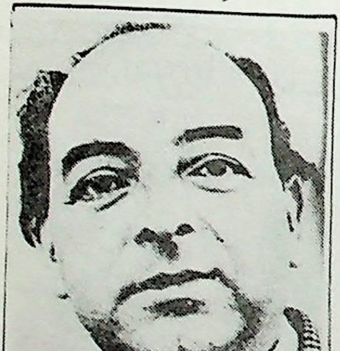
پنڈت جواہر لال نہرو



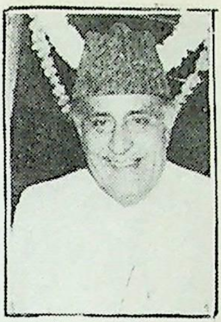
جنرل محمد ایوب خان



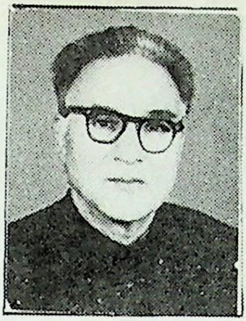
جناب علی محمد طارق



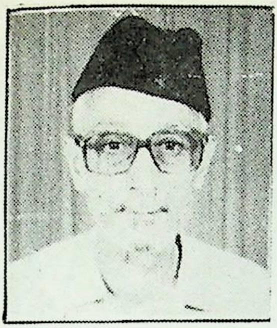
پنڈت ڈی پی دھر



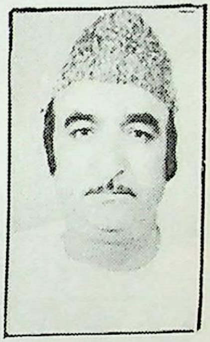
جناب حسام الدین بانڈے



شری رگھوناتھ ویشنوی



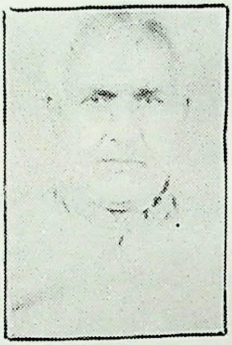
جناب عبدالغنی مست فریدی



جناب محمد اسمٰعیل



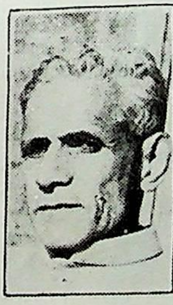
جناب غلام قادر بانڈے



جناب غلام قادر جانباز



جناب محمد عمر بٹ



پیر عبدالاحد شاہ



کامریڈ محمد شفیع

جس میں کہا گیا تھا: "ریاستوں کو کسی بھی ڈومینین میں شامل ہونے کے بعد اس سے الگ ہونے کا اختیار حاصل ہونا چاہیئے" تو یہ تصوّر کیا جاتا کہ کشمیری رہنما مصلحت اندیشی، طلسماتی جاہ و جلال اور نشۂ اقتدار میں مدہوش نہیں بلکہ سچ کی تلخی سے ماحول کو کہر آلودہ بنانے سے گریز نہیں کرتے ہیں۔ بہر کیف اگر صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو وہ بھولا نہیں کہلاتا۔ یہ بات شیخ محمد عبداللہؒ کے مزاج کو گراں گذری اور انہوں نے ۱۱ اگست ۱۹۵۲ء کو ریاستی آئین ساز اسمبلی کے چوتھے اجلاس منعقدہ سرینگر میں دہلی ایگریمنٹ پر بحث کے دوران دفعہ ۳۷۰ کی وضاحت میں کہا:

"یہ حقیقت ہے کہ دفعہ ۳۷۰ کا آئین میں ذکر بطور ایک عارضی حکم کے کیا گیا ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ یہ حکم یک طرفہ طور پر قابلِ تنسیخ، قابلِ ترمیم یا قابلِ تبدیل ہے۔ دراصل اس دفعہ کی عارضی نوعیت محض اس حقیقت سے معرضِ وجود میں آئی ہے کہ ریاست اور ہند یونین کے مابین آئینی شکل دینے کا اختیار خصوصی طور پر جموں و کشمیر آئین ساز اسمبلی کو حاصل ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ جو بھی ترمیم تغیر یا تبدل یا مستثنیات، جو آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ یا کسی دیگر دفعہ میں ریاست جموں و کشمیر پر اطلاق کی غرض سے ضروری نظر آئیں، تو وہ اس اعلٰی مقتدر جماعت کے فیصلہ جات کے تابع ہیں۔ چوں کہ بعض متعلقہ لوگ کافی حد تک بے ربط سوچ بچار اور غیر مستند تنقید کے گھٹاٹوپ میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ میں یہاں اس امر کے متعلق اشارہ کر دینا چاہتا ہوں کہ آئین ہند میں یونین کے اختیارات کا دائرہ دستاویزِ الحاق کی شرائط تک بدیں غرض شرطیہ محدود کر دیا گیا ہے کہ یہ دیگر ایسے معاملوں تک بھی وسعت پذیر ہو سکتے ہیں جن کا پریذیڈنٹ بذریعہ حکم بالاتفاق رائے جموں و کشمیر مجلسِ آئین ساز صراحت کر دے۔ خاص مسائل جن سے ریاست دوچار تھی اس طرح زیر غور لائے گی اور آئین کے تحت تعلقات اسی حد تک ارتقاء پذیر ہوئے جنکا

وجود دستاویز الحاق میں ہے۔ لہذا ہندیونین کے آئین میں جموں و کشمیر مجلس آئین ساز کے انعقاد کا صاف اظہار ہے جو ادارہ منتخب طور پر الحاق کے دائرہ کی نسبت ریاست کی آخری حیثیت کا تصفیہ کرنے کا مجاز ہوگا جو بحیثیت آئین میں احکام مستقلہ کی صورت اختیار کرے گی ''۔

چینی کمیونسٹوں کی پیش قدمی

یہ وہ ایام تھے جب چین میں مارشل چینگ کائی شک کی حکومت کمیونسٹوں کے ہاتھوں پے درپے شکستوں سے پامال ہو کر فارموسا تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ سنکیانگ جس کو چینی زبان میں "شن جان" کہتے ہیں اور یہ چین کا وہ سرحدی صوبہ ہے جس کی سرحدیں ہماری ریاست کے شمالی علاقوں گلگت اور چترال سے ملتی ہیں۔ اس صوبے میں دو بڑے قبائلی قبیلوں انگھنورا ور ازمنکوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی نے شدید اختلافات پیدا کئے جس سے طوائف الملوکی اور افراتفری نے اس تمام علاقے کو گھیر لیا۔ انگھنور قبائل سنکیانگ کو آزاد اور خود مختار ریاست کی شکل دینا چاہتے تھے جب کہ ازمنکوں اسے روسی ترکستان میں شامل کرنے کے متمنی تھے۔ سنکیانگ میں کمیونسٹ دباؤ بڑھنے کی وجہ سے امریکی قونصل خانہ کے پانچ ممبر سنکیانگ کی راجدھانی لاچی سے سترہ دن کا مسلسل پہاڑی سفر طے کر کے لداخ پہونچے۔ اس قافلے میں سنکیانگ کے گورنر سعید صابر کے دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی شامل تھی۔ امریکی نائب قونصل مسٹر ڈریسن نے ایک بیان میں مسعود صابر (گورنر کا بیٹا) کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے شبہ ظاہر کیا غالباً وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ بعد میں یہ جماعت ایک خصوصی طیارے کے ذریعے دہلی بھیجی گئی۔

چینی کمیونسٹوں کی وسط ایشیا میں پیش قدمی نے جو نئی فوجی حکمت عملی پیدا کی اس کے پس منظر میں حکومت ہند نے لداخ جیسے پسماندہ علاقہ کی سیاسی اور

اقتصادی حالات کا جائزہ لے کر اپنی دفاعی اور اس خطۂ ارض کی پسماندگی دور کرنے کی پالیسی پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔

دورۂ لداخ و کرگل

ان حالات نے وزیر اعظم ہند کو لداخ کا دورہ کرنے پر تیار کیا۔ ۲۱ جون ۱۹۴۹ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کی معیت میں لداخ کا دورہ کیا جب کہ لداخ کے بڑے لاما کوشک بکولہ نے لداخی بودھوں کی طرف سے ریاستی حکومت پر مکمل اعتماد اور نیشنل کانفرنس کا یونٹ قائم کرنے کا پہلے ہی اعلان کر دیا تھا۔ اس دورہ کے تقریباً ایک ماہ بعد جمعیت علماء کرگل نے عوامی جلسہ میں ایک قرارداد کے ذریعے کرگل پر پاکستانی قبضہ کے دوران اپنے مصائب کا تذکرہ کرتے مطالبہ کیا کہ بکرمی سال ۲۰۰۶ تا ۲۰۰۸ تک کا مالیہ معاف کیا جائے۔ شیخ محمد عبداللہ کو اپنا قائد تسلیم کیا۔ آغا سید مہدی نے ہند فوج کی طبی اور خوراک کے معاملے میں امداد بہم پہونچانے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

اس مسرور کن اعلان اور خبر سے شیخ محمد عبداللہ کا شادماں ہونا قدرتی امر تھا انہوں نے ناسازگار موسمی حالات کے باوجود کرگل کا رُخ کیا جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے کرگل میں ۹ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ایک عوامی اجتماع میں انہوں نے کہا!

> ”پاکستانی لیڈروں نے ہمارے وطن پر حملہ کر کے ایک خفتہ قوم کو بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے کا موقعہ فراہم کیا۔ پاکستانیوں نے اپنے اعمال و اقوال سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صحیح پیرو نہیں ہیں۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتہ اللعالمین کا لقب دیا گیا اور لفظ عالمین میں دنیا اور ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ درحقیقت ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کوئی ٹکر نہیں ہے ہم حق و صداقت کا دامن پکڑے ہیں اور بالآخر حق و صداقت کی فتح ہو گی۔

پاکستان نے اپنا معاملہ جھوٹ پر قائم کیا ہے اور اس کی شکست یقینی ہے "

کرگل واسیوں نے جواب میں ضرور ضرور کے فلک شگاف نعرے لگا کر شیخ محمد عبداللہ کی جھولی میں اپنی عقیدت خلوص اور وفاداری کے بے شمار پھول ڈالے جنہیں سمیٹ کر وہ خوش و خرم واپس سرینگر لوٹے۔

احتجاج کا انوکھا انداز

دہلی اور لداخ کے طوفانی دورے کے ساتھ ہی کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ اور مرکزی حکومت کے درمیان اختلافات کی دبی ہوئی چنگاریاں افواہوں کی گرم بازاری کی صورت میں وادی کے کوہ و دمن میں پھیلیں چنانچہ ان کی تصدیق اور مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی ایک خاصی تعداد نے آثار شریف حضرت بل کا رخ کیا جہاں شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں نہ قیام دہلی کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا اور نہ لداخ میں تاجداروں جیسے شاہانہ استقبال کا ذکر کیا بلکہ حسب معمول ہند سے کشمیر کے اخلاقی اور آئینی پہلوؤں کو لے کر دلائل و براہین سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی "ہند سے ریاست کا الحاق حال و مستقبل کے لئے ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے لیکن یہ سمجھنا اور یاد رکھنا ضروری ہے کہ حکومت ہند سے یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ ریاست اندرونی طور آزاد ہے۔ صرف امور خارجہ، رسل و رسائل اور دفاع ہند کے ساتھ وابستہ رہے گا۔ باقی دیگر مسائل و معاملات میں ہم اندرونی طور پر آزاد ہیں

ذہین اور زیرک کشمیریوں کے دلوں میں پیدا ہوئے اندیشوں اور وسوسوں کو اس تقریر نے بڑی تقویت پہونچائی اور یہ سمجھا جانے لگا کہ ہند سے الحاق کے بارے میں ان کا ذہن صاف نہیں ہے۔ وہ اپنے ہندوستانی دوستوں سے واضح یقین دہانی کی توقع رکھتے ہیں۔ لیکن عوام سے اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کے لئے اپنے تیئں ایک جرانٹ سیاستدان کی طرح پاکستان پر تابڑ توڑ زبانی بم داغ رہے ہیں۔ اس سے یقیناً

ان کی شخصیت کا رنگ پھیکا پڑا۔ انہیں دبی زبان میں بہروپی اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والا کہا جانے لگا۔ اس موقعہ پر یہ بتانا غیر مناسب نہ ہوگا کہ آثار شریف حضرت بل جہاں مذہبی تقریبات اور جمعہ اجتماعات میں لاکھوں کی تعداد میں فرزندان اسلام نماز اور ذکر الٰہی کے لئے حاضری دیتے ہیں، شیخ محمد عبداللہ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ ان مذہبی اجتماعات میں سیاسی تقریر کرتے تھے۔ آثار شریف حضرت بل میں یہ پہلا موقعہ تھا جب صف بند عوام الناس نے ان سے اپنی ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار کرتے تکبیر تکبیر کی آواز لگا کر اذان دی اور نماز قائم کی۔ کشمیریوں کے ذہن و فہم پر مکمل دسترس رکھنے والے قائد کو اس معنی خیز خاموش احتجاج کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ نماز کے بعد انہوں نے اپنی ادھوری تقریر کو ٹھوس شکل دینے کے لئے ریاست میں زرعی اصلاحات نافذ کرنے کے عمل کو چھیڑ کر اپنی ڈفلی[21] بند کی۔ یہ درست ہے کہ نیشنل کانفرنس زرعی اصلاحات کا مبہم اور غیر واضح نعرہ اقتدار سے قبل بھی دیتی تھی، جس کا تذکرہ آگے آئے گا، البتہ یہاں یہ بتانا لازمی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ نے عنان اقتدار سنبھالتے ہی اپنے تمام سیاسی و نظریاتی مخالفوں کے لئے ایسا ماحول تیار کیا جس سے خاص طور پر صوبہ کشمیر میں دہشت گردی، ہلڑ بازی اور سیاسی آمریت کے ایک ایسے دور نے جنم لیا جس میں کسی دوسرے سیاسی نظریہ کے پنپنے کی گنجائش تو درکنار، شریف اور سیدھے سادے لوگوں کی عزت و ناموس غیر محفوظ ہو کر رہ گئی۔ ذاتی عداوتوں اور رنجشوں کو سیاسی ملمع چڑھا کر عوام کو روندنا نیشنل کانفرنس کی ادا ٹھہری۔ ظلم و استبداد کے اس دور میں سکھا شاہی کے مظالم بھی منہ چھپا کر شرمانے لگے۔ اس دور میں مارے خوف و ہراس کے لوگوں نے جان کی اماں اس میں پائی کہ شادی بیاہ کے رقعوں پر بسم اللہ کے بجائے "نیا کشمیر زندہ باد" کا نعرہ لکھنا شروع کیا۔ غلام قادر گاندربلی کا "اذیت خانہ"

سپیشل سٹاف اسی دور کی یادگار ہے جہاں وہ محض شک اور وہم کی بنا پر اچھے اچھوں کی پگڑیاں جوتے کی نوک سے اچھال کر "قوم پرستی" کی آبرو برقرار رکھتا تھا۔ ریاستی جیل خانوں کے دروازے ہر اس شخص کے استقبال میں محو انتظار رہنے لگے جس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا تھا کہ اس نے قوم پرست قائد کا نام زبان پر لانے میں گستاخانہ لب و لہجہ اختیار کیا ہے، ریڈیو پاکستان کا سننا ناقابل معافی جرم تھا۔ اس جرم کے مرتکب فرد کے ساتھ اس کے ارباب خانہ، جن میں خواتین بھی شامل ہوا کرتی تھیں، فقط کالمی کہہ کر سزا کے مستوجب قرار پاتے تھے۔ ان حالات میں عصمت دری اور اغوا تخفیف سزا کی تعریف میں آتی تھیں۔ پولیس تھانوں میں ایسے سورماؤں کے خلاف رپورٹ درج کرنا پولیس آفیسروں کی نااہلیت قرار پاتی تھی۔ غلام قادر گاندربلی اپنے شبانہ گشت کے دوران جب وہ شراب کے نشے میں دھت ہوتا تھا ایسے معاملات پر رپورٹ درج کرنے والے پولیس افسروں کو گالیاں دیتا اور انکی پٹائی کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ قادر گاندربلی کی قابلیت کا یہی وہ اعلیٰ معیار تھا جس نے اس کو ایک معمولی سپاہی سے انسپکٹر جنرل پولیس کے اعلیٰ عہدے پر پہونچایا اور صدر جمہوریہ کے پولیس میڈل کا مستحق ٹھہرایا۔ بقول فیض احمد فیض!

شب وصال نہ عرضِ غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں
تیرے عہد میں دلِ زار کے سبھی اختیار چلے گئے

میر واعظ یوسف شاہ کا دورۂ مسلم ممالک

افواہوں کے اس عظیم الشان شہر کی باتیں شیخ محمد عبداللہ سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ ایسے لوگوں کے منہ میں ڈھیلی لگام کو کھینچنے اور اپنے حامیوں کی توجہ افواہوں سے ہٹانے کے لئے انہوں نے پاکستان کو صلواتیں سنانے اور مسلم کانفرنس کے حامیوں کو

بکرے کہہ کر دھمکانے کا عمل تیز تر کیا۔ چنانچہ ۱۳؍ جولائی ۱۹۴۹ء کو مزارِ شہداء پر تقریر کرتے پاکستان کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا:

"پاکستان کے ساتھ الحاق کر کے کشمیر کی آزادی قائم نہیں رہ سکتی ہے کیونکہ پاکستان کی ریاستوں قلات، چترال، سوات، امب اور بہاولپور میں فی زمانہ جو شخصی نظام اور استبداد قائم ہے وہ ہمارے لئے مشعلِ ہدایت ہے اس سے ہمیں معقول وجوہات دستیاب ہوتی ہیں، اگر کشمیر نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تو وہی حشر ہمارا بھی ہوگا۔ ظاہر ہے کشمیر کے لوگ پاکستان کی جھوٹی اسلام دوستی کے دھوکہ میں آکر ایسی غلطی نہیں کریں گے جس سے ان کی آئندہ کی زندگی تباہ اور برباد ہو جائے۔ لہٰذا پاکستان مذہبی نعرے بلند کر کے ہمیں زیرنگین نہیں بنا سکے گا۔ اس کا خواب قیامت تک پورا نہیں ہوگا۔"

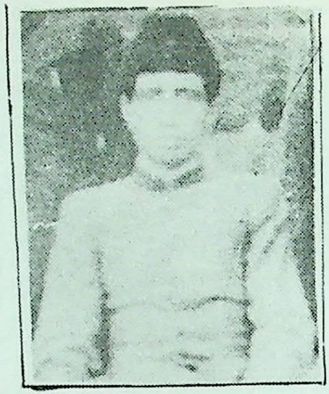
ان ہی دنوں بقول حکومت پاکستان، میرواعظ یوسف شاہ کی قیادت میں ریاستی مسلمانوں کا ایک معتبر وفد اسلامی ممالک بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کے موقف کی زیادہ سے زیادہ وضاحت اور حمایت حاصل کر سکیں۔ عرب ممالک میں لفظ مولوی کی نسبت مفتی زیادہ ماہر سیاست سمجھا جاتا ہے۔ حکومت پاکستان نے میرواعظ کی شخصیت اُجاگر کرنے کے لئے ریڈیو پاکستان اور اخبارات میں مفتئ کشمیر میرواعظ مولوی یوسف شاہ کی پبلسٹی دینی شروع کی۔ اس پر شیخ محمد عبداللہ کا پیچ و تاب کھانا غیر فطری بات نہیں تھی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مولوی یوسف شاہ نے قیامِ پاکستان کے بعد تاحیات کبھی بھی عوامی سطح پر شیخ محمد عبداللہ یا کسی دوسرے نیشنل کانفرنسی قائد کے بارے میں حرفِ غلط تک زبان پر نہیں لایا جب کہ مندرجہ صدر جلسہ میں شیخ محمد عبداللہ نے مولوی یوسف شاہ کو ایک ہی سانس میں جو کچھ کہہ ڈالا، مشتے از خروارے بطور نمونہ کلام سماعت فرمائیے:

"نیشنل کانفرنس کے قیام کے بعد مولوی یوسف شاہ اور ان کے حواریوں نے پھر مسلم کانفرنس کے نام پر ایک چھوٹی سی ٹولی قائم کر کے ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی اور اس ٹولی کو آج پاکستان سر پر چڑھا رہا ہے۔ جب ہم نے مسلم کانفرنس قائم کی تو اسی مولوی یوسف شاہ نے ہمارے ساتھ غداری کی۔ جب ہم گولیاں کھاتے اور ان کا مقابلہ کرتے تھے اس وقت مولوی یوسف شاہ ہنس رہا تھا اور آزادی کے دشمنوں کی حمایت کر رہا تھا لیکن اگر ایک بار چھوڑ کر سو بار (۱۰۰) اسے پاکستان سر چڑھائے اور اس کو مفتی کشمیر کے علاوہ اور کوئی بھی خطاب دے لیکن کشمیر کا بچہ بچہ یوسف شاہ کی غداریوں سے پوری طرح واقف ہے۔ آج اسی یوسف شاہ کو پاکستان کشمیر کے مفتی کے نام سے مشہور کر رہا ہے ممکن ہے اس سے ہندوستان یا پاکستان کے مسلمانوں کو دھوکہ لگ سکے لیکن کشمیر کے مسلمان دھوکہ نہیں کھا سکتے کیوں کہ ان کے سامنے یوسف شاہ کی غداریاں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ یوسف شاہ اور نیشنل کانفرنسی قیادت کے اعمال آپ کے سامنے ہیں اور آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ کس نے صحیح رہنمائی دی۔"

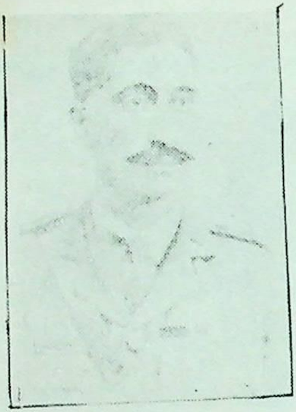
شیخ محمد عبداللہ کی تقریر کا آخری فقرہ یقیناً غور طلب ہے۔ اگر وہ آج (یعنی ۱۹۹۲ء میں) زندہ ہوتے تو انہیں اپنے اس مغالطہ پر ضرور تاسف ہوتا۔ غرض وزیر اعظم کشمیر کی تند اور شعلہ بار تقریر سے متاثر ہو کر ۲۲ جولائی ۱۹۴۹ء سنہ کو مولانا مسعودی نے ایک اخباری بیان میں اعلان کیا کہ سال ۱۹۵۰ء کے لئے شیخ محمد عبداللہ بلا مقابلہ نیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے حالانکہ انہیں بلا مقابلہ چننے کی بالکل ضرورت نہیں تھی جبکہ نیشنل کانفرنس کی ہر اوا بلا مقابلہ قبول عام کی سند حاصل کر رہی تھی۔

واہ کیمپ میں گولی

اسی دوران راولپنڈی کے واہ کیمپ میں ریاستی مہاجرین پر گولی چلی۔ ۲۸ جولائی ۱۹۵۰ء کو عید الفطر کی تقریب سعید پر شیخ محمد عبداللہ نے واہ کیمپ کا تذکرہ کرتے



جناب قریشی محمد یوسف



شری بلدیو سنگھ پٹھانیہ



جن کے نام
اِس جلد کے
جملہ حقوق
محفوظ ہیں۔
عزیزم دانش
مارشر جان
اور زبیر عالم
جان۔



۱۹۳۶ء کی ایک یادگار تصویر: دائیں طرف رائے زادہ چمن لال. قائد اعظم محمد علی جناح، سردار سمپورن سنگھ پیچھے مسٹر احمد یار خان دولتانہ

یہ تاثر دینے کی سعی کی کہ مہاجرین میں اکثریت ان کے نظریاتی ساتھیوں کی ہے جو حادثاتی طور واہ کیمپ میں پھنس گئے ہیں، جنہیں پاکستانی حکومت یہاں آنے سے روک رہی ہے جب کہ شیخ محمد عبداللہ کا یہ بیان حقائق سے کوسوں دور ہے۔

بات یوں ہے کہ جموں میں اگست ۱۹۴۷ء کے ہندو مسلم فسادات کے بعد وادی کشمیر سے حکمران جماعت کے جبر و استبداد اور جذبہ حُبِ پاکستان کے تحت فردانی حیثیت میں بہت سارے مسلمان پاکستان گئے جو راولپنڈی کے نزدیک واہ کیمپ میں بحیثیت مہاجر رہنے لگے جہاں انہیں ضروریاتِ زندگی کی کمیابی اور سیاسی اتھل پتھل کے باعث گوناگوں مصایب کا سامنا کرنا پڑا۔ جن سے چھٹکارا پانے کے لئے انہوں نے زوردار مہم شروع کی جو آگے چل کر ایجی ٹیشن کی صورت اختیار کر بیٹھی۔ اس سے پاکستان کی نئی حکومت کے لئے لاء اینڈ آرڈر کا شدید مسئلہ پیدا ہوا۔ نتیجہ کے طور پر واہ کیمپ میں گولی چلی ستولہ افراد اس حادثہ میں جان بحق اور پچاس کے قریب زخمی ہوئے۔

دراصل اس دردناک صورت حال کے پس منظر میں معاشی بدحالی سے کہیں زیادہ سیاسی رنجشیں اور جوڑ توڑ کا زبردست عمل دخل رہا۔ پاکستان مسلم لیگ کے اشارے پر اللہ رکھا ساغر کو مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا جس سے درون پردہ اختلافات رونما ہوئے۔ میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ وزیر تعلیم حکومت آزاد کشمیر، آغا شوکت علی جنرل سیکریٹری مسلم کانفرنس، محمد اسحاق قریشی، مولوی نورالدین، محمد یوسف صراف، چودھری غلام عباس خان مسلم کانفرنس سے مستعفی ہوئے۔ انہوں نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں جو روزنامہ زمیندار لاہور کے ۱۲ اگست ۱۹۴۹ء کے شمارے میں شائع ہوا، اپنے مستعفی ہونے کے وجوہات یوں بیان کئے۔

"کچھ عرصے سے مسلم کانفرنس کے اعلیٰ عہدیداروں میں مکروہ اور تکلیف دہ صورت حال رونما ہو چکی ہے مسلم کانفرنس سازشوں اور اقتدار کوشی کے جھگڑوں کی آماجگاہ بن گئی ہے

یگی لیڈروں نے جس غیر آئینی طریقے سے اللہ رکھا ساغر کو مسلم کانفرنس کا قائم مقام صدر مقرر کیا ہے اس سے صورت حال اور بھی نازک صورت حال اختیار کر چکی ہے۔ ہم انتہائی کوشش کرتے رہے کہ مسلم کانفرنس کی صفوں میں انتشار اور کشمکش ختم ہو لیکن ہماری کوشش ناکام رہی ان حالات میں ہمارے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ اس انجمن سے قطع تعلق کر کے علیحدگی اختیار کریں۔ مسلم کانفرنس ان حالات میں مسلمانوں کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتی ہے۔ اس کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ان پر خود غرضی اور جاہ طلبی کا بھوت سوار ہوا ہے۔ وہ صرف حصول اقتدار کے لئے کوشاں ہیں۔"

روزنامہ "نوائے وقت لاہور" نے اس انتشار اور مناقشے کو اپنا موضوع سخن بناتے مسلم کانفرنسی زعماؤں کی علیحدگی پر رائے ظاہر کرتے لکھا۔

"مسلم کانفرنسیوں کے موجودہ مناقشات کو اگر دور کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی تو مسلم کانفرنس ایک عضوِ معطل بن کے رہے گی۔"

ظاہر ہے کہ آزاد کشمیر مسلم کانفرنس جس باہمی رسہ کشی اختلافات اور بد اعتمادی کی فضا سے گذر رہی تھی لیکن اس کے باوجود یہ تمام الحاق کے معاملے میں پاکستان کے موقف کے حامی اور علمبردار رہیں۔ ۱۹۴۹ء کے آخر میں جب وزیر اعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان واہ کیمپ میں کشمیری مہاجرین کو دیکھنے آئے تو ان ریاستی باشندوں نے یک زبان ہو کر ریاست کا پاکستان سے الحاق کو جزو ایمان قرار دیا۔ لیاقت علی خان نے اپنی تقریر میں ترش زبان استعمال کرتے کہا۔

"ایک طرف پاکستان الکشمیر کی جنگ کی وجہ سے پریشان ہے اور دوسری طرف لاکھوں مہاجرین جموں و کشمیر کی کفالت کا بوجھ برداشت کر رہا ہے۔"

یہ بات چودھری غلام عباس[۲۲] کو ناگوار خاطر گذری اور انہوں نے اپنی تقریر میں نواب زادہ لیاقت علی خان کو اسی لمحہ اپنے مخصوص لہجے میں جواب دیتے کہا؛

"ہم پاکستان میں چار چھٹانک راشن لینے کے لئے نہیں آئے بلکہ پاکستان کے استحکام کی جنگ لڑ رہے ہیں"[1]

تغیرات

چنانچہ جنوری ۱۹۵۰ء کے پہلے ہفتے میں جب اللہ رکھا ساغر واہ کیمپ میں مہاجرین کو دیکھنے آئے تو کشمیری مہاجرین نے ان کے خلاف مظاہرہ کیا۔ حتیٰ کہ اس موقعہ پر لاٹھیوں کا آزادانہ استعمال ہوا جس سے کئی افراد زخمی ہوئے۔ پولیس نے دس[2] کشمیریوں کو گرفتار کیا۔ رد عمل کے طور پر صوبائی سیاست کی رقابتوں اور منافقتوں نے انہیں جموّی اور کشمیری مہاجرین کے نام پر تقسیم کیا۔ یہ کشمکش بعد ازاں سردار محمد ابراہیم خان اور چودھری غلام عباس کے درمیان بڑی دیر تک قائم رہی (چودھری غلام عباس نے اس مناقشے میں کشمیریوں کا ساتھ دیا) اس لئے شیخ محمد عبداللہ کا ان لوگوں کے لئے پریشاں ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جو نظریاتی طور پر اس قدر مضبوط اور مستحکم ہیں کہ گولیاں کھانے کے بعد بھی پاکستان کے حامی خیر خواہ اور شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی مخالف ہیں۔ پاکستان کے ساتھ انکی وفاداریاں شک و شبہ سے بالاتر ہیں لیکن شیخ محمد عبداللہ اس واقعہ کو سونے کی کان سمجھ کر سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے لگے تھے جو نفع و نقصان برابر والے مد کے تحت بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ وہاں جو کچھ ہوتا رہا اسے اقتدار کوشی کی جنگ کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ پاکستانی حکمرانوں کی مرضی اور خواہش سے آزاد کشمیر میں وقتاً فوقتاً تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ یکم جون ۱۹۵۰ء کو سردار محمد ابراہیم خان کی جگہ ان کے نائب کرنل سید علی احمد شاہ کو چودھری غلام عباس خان کے کہنے پر صدر کا عہدہ سونپا گیا اور اس برطرفی کو وزارت امور کشمیر کے مشورے اور تبدیلی کا نام دیا گیا۔ سردار ابراہیم خان بڑی دیر تک اسے غیر آئینی حرکت کہتے رہے۔ اپریل ۱۹۵۱ء میں آزاد کشمیر مسلم کانفرنس کی گروہ بندی کرنل شیر احمد خان اور چودھری غلام عباس

کی معرکہ آرائی سے منظر عام پر آئی، جس سے سردار ابراہیم خان کو گمان گذرا کہ اب کے چوہدری غلام عباس کی حمایت سے وہ دوبارہ برسر اقتدار آئیں گے۔ ان ہی دنوں کشمیری مہاجرین نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے غلام نبی گلکار کی قیادت اور میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ کی سرپرستی میں کشمیری بلاک کے نام سے اپنی ایک الگ تنظیم قائم کی اور حکومت پاکستان سے آزاد کشمیر کی نمائندگی کا حق کشمیریوں کو سونپنے کا مطالبہ کیا۔ اس تنظیم کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے پیش نظر اور چند دیگر وجوہات کی بنا پر چوہدری غلام عباس خان نے کسی کی حمایت کرنے کے بجائے مستعفی ہونا بہتر سمجھا۔ ان کی جگہ میر واعظ مولانا یوسف شاہ مسلم کانفرنس کے صدر مقرر ہوئے۔ آزاد کشمیر کی صدارت کے ضمن میں اس نکتے کو ذہن نشین رکھنا لازمی ہے کہ اس سے قبل وہاں جن حکومتوں نے کام کیا وہ حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے درمیان معاہدے کے تحت مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے جواب دہ ہوتی تھیں، ان کے وزراء نگران اعلیٰ کی اجازت سے برسر اقتدار رہتے تھے جسے مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی اختیار سونپتی تھی۔ بعد ازاں جب آزاد کشمیر اسمبلی وجود میں آئی، یہ اختیارات اسے تفویض ہوئے (معاہدہ کے لئے دیکھئے "تحریک حریت کشمیر"، جلد سوئم، صفحہ ۵۴۰-۵۳۱) اس تبدیلی کے بعد مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے نو (۹) ممبروں کی تائید سے میر واعظ یوسف شاہ یکم دسمبر ۱۹۵۱ء کو آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہوئے اور بظاہر کشمیری بلاک کا مطالبہ تسلیم کیا گیا۔ لیکن صرف تین (۳) ماہ بعد ان کے خلاف بھی محاذ آرائی کا بازار گرم ہوا اور راجہ محمد حیدر خان نے میر واعظ کو بارہ (۱۲) گھنٹوں کے اندر اندر مستعفی ہونے کا الٹی میٹم دیا، ورنہ متوازی حکومت قائم کرنے کی دھمکی دیتے لوگوں سے ٹیکس نہ دینے کی اپیل کی۔ حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن چلانے کے لئے قاری محمد یوسف بڈگامی، مولوی محمد عبداللہ کنل گدھی،

میاں محمد زمان خان، غلام نبی سوپوری، مرزا ایم لطیف راجوری، چودھری کریم بخش اور مرزا احمد بیگ آف بارہمولہ پر مشتمل جنگی کونسل ترتیب دی گئی جلسوں اور جلوسوں کا سلسلہ شروع ہوا مسلم کانفرنس کے اس متوازی گروپ نے قراردادوں کے ذریعے قومی دولت کے خرد برد کے مسئلہ پر تحقیقاتی کمیشن کو وجود میں لانے کا مطالبہ کیا جس میں سردار محمد ابراہیم خان اور سید علی احمد شاہ کے دور اقتدار میں پرامن کشمیریوں پر جو فائرنگ ہوئی تھی اس کی عدالتی تحقیقات کئے جانے کا مطالبہ شامل تھا۔ ایسے ہی ایک جلسہ میں میاں غلام حیدر خان بلتستانی نے حکومت پاکستان سے بلتستان اور گلگت کو آزاد کشمیر حکومت کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کی تائید وحمایت میں عزیز الدین کولگامی اور ڈاکٹر سلام الدین نے تقریریں کیں۔ اسی اجلاس میں غلام الدین اور چودھری محمد اکبر خان میرپوری نے حکومت پاکستان کی کشمیر پالیسی کی شدید نکتہ چینی کی۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین، وزیر امور کشمیر ڈاکٹر محمد حسین نے وزارت امور کشمیر کے ڈپٹی سیکرٹری آفتاب الرحمان کو راولپنڈی سے بصلاح ومشورے کے لئے کراچی طلب کیا اور طے پایا کہ میر واعظ کو آزاد کشمیر کے منصب صدارت سے سبکدوش کیا جائے۔ چنانچہ صدر پاکستان خواجہ ناظم الدین نے غیر جمہوری طریقے سے صدر آزاد کشمیر کو اقتدار سے الگ کرنے کی خاطر سیاسی دغابازی اور سفلہ پن کا حربہ استعمال کر کے میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ کو راولپنڈی بلا کر آزاد کشمیر کے بجٹ کاغذات پر ان سے دستخط لئے۔ ان ہی کاغذات میں ان کے رضا کارانہ مستعفی ہونے کا ٹائپ شدہ کاغذ بھی چھپا رکھا گیا جس پر انہوں نے غیر شعوری طور پر دستخط کر دیئے جب وہ راولپنڈی سے واپس مظفر آباد پہنچے تو اسی شام ریڈیو پاکستان کے نیوز بلٹن میں اپنے مستعفی ہونے کی خبر سن کر حیران وششدر رہ گئے۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ وقت گذرنے کے بعد خواجہ ناظم الدین بھی اسی گر سے ناپے گئے ——— ۲۲ رجون سنہ ۱۹۵۱ء

کو صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے کرنل شیر احمد خان کے نام کا اعلان ہوا۔ ان کی کابینہ میں چودھری حمید اللہ خان، چودھری نذیر حسین، پیر ضیاالدین اندرابی اور سردار محمد عبدالقیوم خان (صدر آزاد کشمیر ۱۹۹۲ء حال وزیر اعظم) شامل تھے ـــــ کرنل شیر احمد خان ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء تک بر سر اقتدار رہے۔

انکشافات

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ پاکستان میں کشمیری مہاجرین کی حالت ۱۹۵۲ء تک ابتر رہی۔ اس ضمن میں پاکستان میں مقیم کشمیری مفکر اور ممتاز دانشور سابق چیف جسٹس حکومت آزاد کشمیر محمد یوسف صراف کا ایک طویل مضمون جو حکومت پاکستان سے شکوہ اور رنج و ملال سے پر تھا۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز کے ۳۱ اگست ۱۹۵۲ء کے میگزین سیکشن میں "حکومت پاکستان کو وارننگ" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں انہوں نے کشمیری مہاجرین کے بارے میں لکھا۔

"پانچ سال ہوئے[5] کشمیری مہاجرین اپنے گھر بار اور کھڑی فصلوں کو چھوڑ کر آزادی کی تلاش میں نکلے۔ لیکن وہ آج واپس کشمیر جا رہے ہیں اور اس احساس کے ساتھ کہ پاکستان کے متعلق انہوں نے جو خواب دیکھے تھے وہ شرمندہ تعبیر نہیں ہوئے۔ وہ اب اس بات کو خوش بختی سمجھتے ہیں کہ انہیں پھر کشمیر جانے کی اجازت دی جائے۔ تا کہ وہ اپنی زندگی کے بقیہ ایام اپنے آبائی گھروں میں بسر کرنے کے قابل ہو سکیں"

جسٹس محمد یوسف صراف اس مایوسی کے وجوہات بیان کرتے رقمطراز ہیں:

(۱) حکومت پاکستان نے بحالیات کے متعلق جو پالیسی اختیار کی ہے وہ اس قدر ناقص ہے کہ مہاجرین خود اعتمادی کا جذبہ کھو بیٹھے ہیں

(۲) مہاجرین کیمپوں میں بد انتظامی انتہا کو پہونچی ہے۔ ان کیمپوں میں مقیم مہاجرین کو روزانہ[1] چار چھٹانگ فی کس کے حساب سے راشن ملتی ہے۔

۳۔ کیمپوں میں رہنے والے مہاجرین کے اخلاق بھی بگڑ گئے ہیں۔

۴۔ مہاجرین کو معلوم ہوا ہے کہ شیخ عبداللہ کی حکومت کے تحت انہیں واپس آنے پر زمین جائداد اور ہر وہ چیز دوبارہ مل سکتی ہے جو وہ پاکستان آتے وقت اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔

۵۔ شیخ عبداللہ کی حکومت نے زمین کی ملکیت کسانوں کو سونپ دی ہے اس لئے وہ پاکستان چھوڑ کر واپس جانے کے لئے بے قرار ہیں۔

جسٹس محمد یوسف صراف نے حکومت پاکستان کو مشورہ دیتے لکھا ہے — "اگر حکومت پاکستان ریاست جموں و کشمیر کے مہاجرین کے مسئلہ کو حل کرنے کی طرف فوری توجہ نہیں دے گی تو وہ آہستہ آہستہ سرحد پار کر کے واپس چلے جائیں گے،، دراصل پاکستان میں مقیم کشمیری مہاجرین کی ایک خاصی تعداد ناامیدی اور اکتاہٹ کی شکار ہو چکی ہے۔ چنانچہ مشہور مسلم کانفرنسی رہنما محمد یوسف قریشی نے مجھے ۱۹۶۷ء میں اپنے کئی خطوط میں لکھا، کہ میں یہاں اپنا سب کچھ چھوڑ کر واپس سرینگر آنا چاہتا ہوں میں نے انکی اس خواہش کا اظہار وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق سے کیا۔ انہوں نے معذوری ظاہر کی۔ بعدازاں جب میں ۱۹۶۸ء میں پریس انفارمیشن بیورو گورنمنٹ آف انڈیا کی دعوت پر پریس پارٹی کے ساتھ دہلی گیا۔ میں نے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور وزیر دفاع سردار سورن سنگھ سے ان خطوط کا تذکرہ کیا۔ دونوں نے انہیں واپس آنے کی اجازت دینے سے انکار کیا — حتیٰ کہ مسز گاندھی نے یہ بھی کہا۔ "اب پرانے راستے بند ہو چکے ہیں، کشمیر دہلی، راولپنڈی روڈ کھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ غرض یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اپنے افکار و بیانات پر کہاں تک قائم رہے۔

ناؤ بھنور میں

شیخ محمد عبداللہ کے متذکرہ صدر دعویٰ کے باوجود ان کی بے شمار تقاریر میں چند ایک کے اقتباس

پیش کرنے کا مدعا یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عوامی رابطے میں ہندوستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کو سب پر مقدم سمجھتے رہے اور ایک طویل عرصے تک یہ ان کا تکیہ کلام بنا رہا۔ لیکن بعد کے واقعات و مشاہدات نے یہ ثابت کیا جب وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے تھے تو ایک نئی سنجیدہ اور مستحکم آواز انہیں اپنا ضمیر ٹٹولنے پر مائل کرتی رہی اور جو ندا اکثر و بیشتر ایک ہوک بن کر بے اختیار انکے لبوں کو چھو کر انکی ترجمان بنتی رہی جس کے تحت وہ بھرے اجتماعات میں کہہ اٹھتے۔ "ابھی ہماری ناؤ منجدھار میں ہے"۔ یہی وہ آواز ہے جس نے رفتہ رفتہ انہیں اپنے سیاسی نظریات پر نظر ثانی کی تھپکیاں دیں۔ ان کے افکار و خیالات کے اس تضاد نے نہ صرف نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ میں رخنہ پیدا کیا بلکہ جماعت کے کارکنوں میں بھی تذبذب، مایوسی اور روارفتہ خیالی کی راہیں استوار کرنے میں مدد دی لیکن سخت دباؤ، تشدد، غنڈہ گردی اور شیخ محمد عبداللہ کی بلند قد و قامت شخصیت کے سامنے کسی کو دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ لازماً ساری جماعت کانا پھوسی اور وہم و وسوسہ کا شکار ہونے لگی۔ ہندوستانی لیڈرشپ اس عندیہ پر ڈٹی رہی کہ یہ کشتی ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست سے ہند کا الحاق ہونے کے بعد کنارے لگی ہے۔ البتہ شیخ محمد عبداللہ کے بیانات نے انہیں انتہائی رازداری سے ریاست کی لیڈرشپ میں تبدیلی لانے کے بارے میں اپنی فکر و فہم کو وسعت دینے پر ابھارا۔ لیکن ان کے بین الاقوامی وعدے، قول و قرار، آئینی اور قانونی تقاضے انہیں صبر و ضبط کے ساتھ خاموش رہنے پر مجبور کرتے رہے۔

شیخ محمد عبداللہ کی اس ڈھلمل سیاسی پالیسی کے نتیجے میں عوامی جوش و خروش، عقیدت و احترام میں جو اُن کی ذات اور قیادت سے وابستہ تھی اُس میں بھی نمایاں کمی واقع ہوئی۔ جو لوگ ہند سے الحاق کے حامی تھے، وہ بگڑنے لگے اور جو الحاق مخالف تھے وہ انہیں ناپختہ اور غیر ذمہ دار سیاستدان کہنے سے باز نہ رہے اس طرح کشمیر کی سیاست میں شیخ محمد عبداللہ کا کبھی نہ بیٹھنے والا بڑا

اور کبھی جوتا چھوٹا ہونے لگا اور کبھی جوتا بڑا اور پیر چھوٹا دکھائی دینے لگا۔ البتہ یہ بات مسلمہ ہے کہ اس تمام فکر بندی اور فکری تضاد کے باوجود اپنے موقف کی نہ وہ کوئی صحیح تشریح پیش کر سکے اور نہ کسی وضاحت کے محتاج رہے۔ کیونکہ ان کے بیانات ہمیشہ بذات خود ایک دوسرے کو اعانت مجرمانہ (جرم کرنے میں مدد دینے) اور بے اعتمادی سے گھور گھور کا تمسخر اڑاتے رہے ہیں

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان ہوں میں

بذات خود شیخ محمد عبداللہ نے اپنے بدلتے ہوئے نظریہ کی وجہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مسلم کش فسادات کو ٹھہرایا۔ چنانچہ اس خیال کی ترجمانی اور تائید کرتے سب سے پہلے سوشلسٹ لیڈر اشوک مہتہ نے ہفت روزہ "بلٹز" بمبئی میں ایک مضمون لکھا جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مسلم کش فسادات کے اعداد و شمار پیش کرتے مسلمانوں کے قتل عام، اثاثوں اور جائداد کو بے دردی سے نیست و نابود کرنے کے منظم اور منصوبہ بند عمل میں شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی لاچاری اور مظلومیت کو جائز قرار دیا۔ مضمون کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"اس ملک میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان سے عام طور پر جو تاثرات پیدا ہوئے ہیں ان کی طرف شیخ محمد عبداللہ نے ایک پریس کانفرنس میں چھپے ہوئے الفاظ میں رائے ظاہر کی ہے کہ میں اپنے لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بڑی جدوجہد کے بعد کشمیر میں سیکولر ڈیموکریسی کو جو کامیابی حاصل ہوئی تھی وہ بہت حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کے خلاف بے ہنگم کارروائیوں سے پارہ پارہ ہو گی"

غالباً اسی احساس نے صوبہ جات متحدہ کے وزیر اعلیٰ پنڈت گوبند ولبھ بھائی پنت کو شاہجہاں پور میں یہ کہنے پر مجبور کیا۔

"مشرقی بنگال کے مسلمانوں کی پوری طرح سے حفاظت کرو۔ مسلمانوں کا تحفظ

نہ ہوا تو کشمیر کا معاملہ کمزور ہو جائے گا۔ فسادیوں نے مذہب اور انسانیت کو پامال نہیں کیا بلکہ ہند کے قلب میں چھرا گھونپا ہے"

غرض ہندوستانی قائدین کی حق گوئیوں، یقین دہانیوں اور اعترافات نے شیخ محمد عبداللہ کے دل کی بے قراری کو تسکین و قرار بخش کر ان کے متزلزل نظریہ میں وقتی طور ثبات پیدا کرنے میں مدد دی اس طرح وہ بار بار تازہ دم ہو کر ریاست اور ہندوستان کے تعلقات بہتر بنانے کی مہم میں جانفشانی سے کام کرتے رہے۔

نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس

۱۹۴۵ء میں سوپور سالانہ اجلاس کے بعد ۲۵ ستمبر ۱۹۴۹ء کو نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس شیر کشمیر پارک سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ بھیم سین سچر۔ سردار کلبیر سنگھ اور سردار گورمکھ سنگھ مسافر نے شرکت کی۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت کے آغاز میں راجہ محمد اکبر خان میرپوری۔ ماسٹر عبدالعزیز مظفر آبادی۔ مولوی عبدالعزیز خوشی پورہ۔ سردار رنگیل سنگھ ہندوارہ۔ مقبول شیروانی بارہمولہ۔ محمد مقبول بیہقی۔ پنڈت جانکی ناتھ پسرو۔ عبدالرحیم ڈار سوپور جمعدار کپور سنگھ اور عبدالغنی ترہگامی کی وفات پر اظہار تاسف کرتے کہا کہ ان میں سے بعض قبائلیوں کے "دو قومی نظریہ" کے منافرت انگیز اسلحہ کے ہدف بنے خطبۂ صدارت میں تقسیم ہند کے نتائج کے پس منظر میں ریاستی اقتصادی ڈھانچے کی تباہی کی تفصیلات، منشور نیا کشمیر، کوئٹ کشمیر تحریک اور سوپور سالانہ اجلاس ۱۹۴۵ء میں حق خود ارادیت کی پاس شدہ قرارداد کے اصول کو اپنانے کی وضاحت اور اپنے عزائم کا اعادہ کرتے کہا:

"اقتدار عوام کو منتقل ہوئے بغیر آزادی ایک زندہ حقیقت نہیں بن

سکتی ہے ـــــ اپنے ملک کو غیر مذہبی جمہوریت کی حیثیت دینے کا جو فیصلہ ہم نے کیا ہے اس کو قائم رکھنے میں ہم کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے ـــــ ہمارا یہ فیصلہ کہ ہم اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کرنے کے مختار ہیں اس پر ہم آج بھی مستحکم بنیادوں پر قائم ہیں ۔ اس مسئلہ پر مفاہمت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا ہے، آزادی کی راہ پر سفر کرنے والا تھکاوٹ سے ناآشنا ہوتا ہے ،،[۱]

آپ نے ریاست کی سرحدی حیثیت پر بحث کرتے کہا۔" اس کی حدیں چین، ہندوستان اور پاکستان سے ملتی ہیں اور ہمارے سامنے تین[۳] راستے کھلے ہیں ان میں سے کسی ایک کو اپنانے کے روشن اور تاریک پہلو ہیں لیکن انہوں نے ان پہلوؤں کی وضاحت نہیں کی بلکہ قبائلی حملے کو اپنا موضوع سخن بناتے کہا:

" ہم نے الحاق سے پہلے آزادی کا نعرہ بلند کیا ۔ چند پاکستانی دوستوں نے مجھ سے سرینگر میں ملاقات کی اور میں نے اپنا زاویہ نظر ان کے سامنے رکھا۔ میں نے ان سے صاف الفاظ میں کہا کہ ہماری سابق تحریک آزادی میں پاکستان کا کچھ اور ہی رویہ کیوں نہ رہا ہو، اس سے ہمارے فیصلے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ ہم پر اس حقیقت کا کوئی اثر ہو سکتا ہے کہ میں پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کا دوست ہوں اور ہماری تحریک آزادی میں انہوں نے ہماری امداد کی ہے ـــــ پاکستانی دوستوں سے گفت وشنید کے دوران میں نے اپنے ایک رفیق کار[۲۲] کو لاہور روانہ کیا جہاں اس نے پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خان کے علاوہ حکومت مغربی پنجاب کے ذمہ دار اشخاص سے بات چیت کی ۔ اس نے ہمارا یہی نکتہ نظر پاکستانی زعما کے سامنے رکھا اور درخواست کی کہ ہمیں فیصلے کے لئے مجبور کرنے کے بجائے وہ سب سے پہلے ہمیں آزاد ہونے میں مدد دیں اور پھر ہمیں اس اہم سوال پر سوچ بچار

کرنے کا موقع دیں۔ یہ گفت و شنید جاری ہی تھی کہ ایک سہانی صبح کو مجھے یہ اطلاع ملی کہ حملہ آوروں نے پورے ساز و سامان کے ساتھ صوبہ کشمیر کے ایک سرحدی ضلع مظفر آباد پر دھاوا بول دیا ہے"۔ ۱۱

شیخ محمد عبداللہ اس راز سے بخوبی واقف اور باخبر تھے کہ وہ واقعات کو حقیقت کی محنت سے الگ اور توڑ مروڑ کر بیان کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود سامعین میں سے کسی ایک فرد میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ آنکھ کی پتلی جھپک سکے۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں وہم کو گمان کی سرحدوں میں دھکیلتے پنڈت نہرو کے تئیں رطب اللسان بن کر ان کے حق میں گلفشانی کرتے کہا ۔" جمہوریت پرست پنڈت جواہر لال نہرو نے ہمارا الحاق صرف ہمیں امداد دینے کے لئے منظور کیا اور اپنی وسیع القلبی کا ثبوت یہ کہہ کر دیا کہ اس عارضی الحاق کی توثیق کا حق کشمیری عوام کو حاصل ہے"۔ ہند اور پاکستان کے نقطہ ہائے خیال کا موازنہ کرتے اور ان کے درمیان فرق کی وضاحت بیان کرتے کہا۔

" ان دونوں نو آبادیات کے طریقہ کار میں اس سے زیادہ کوئی بات نمایاں نہیں کہ ایک نے نازک ترین لمحوں میں بھی مستقبل کے فیصلہ کا حق ہمارا اور صرف ہمارا تسلیم کیا اور دوسرے نے بزور شمشیر اپنی غلامی کا طوق ہمیں پہنانے کے لئے وہ چنگیزی حملہ کیا وہ انسانی تاریخ میں خونریزی کا گھناؤنا باب بن کر یادگار رہے گا۔ ۱۲

خطبۂ صدارت میں ہندوستانی افواج کو خراج تحسین پیش کرتے، ان کشمیری نوجوانوں کا خصوصیت سے ذکر کیا، جنہوں نے ۱۹۴۷ء میں سرینگر شہر کو حصار میں بدل کر فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھی تھی وزراء اعظم ہند و پاک کے نام امریکی صدر ٹرومین اور برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی کی اس اپیل پر حیرت کا اظہار کیا کہ وہ امن عالم کے نام پر کشمیر میں عارضی صلح کی شرائط کو طے کرنے کے لئے ثالثی کی تقرری

کی تجویز قبول کرنے پر زور دے رہے ہیں، آپ نے اس تجویز کو رد کرتے کہا:

”ہم اپنے مقدس نصب العین اور اعلیٰ مقصد کے ساتھ غداری کریں گے۔ اگر ہم کوئی ایسا فارمولہ تسلیم کرینگے جس سے عوام کی حق خودارادیت کو زک پہونچنے کا اندیشہ ہو۔“

شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندوستان کے وعدوں کو دہراتے واضح کیا کہ الحاق کی بنیاد دستاویز الحاق میں درج تین مدوں پر قائم ہے اور باقی معاملات میں ہم خود مختار ہیں

”جب پاکستان نے ہم پر حملہ کیا تو ہمارا الحاق اس شرط پر منظور کیا گیا کہ ہم مستقل الحاق کے فیصلہ میں مجاز ہونگے اور ہم کشمیری عوام سے رائے طلبی کرائیں گے۔ اب جبکہ ہماری آئین ساز اسمبلی میں شمولیت کا سوال پیدا ہوا آپ سب جانتے ہیں ہندوستان نے ہماری حیثیت کا احترام کرتے ہوئے ہمارے حق خود ارادیت کو پھر تسلیم کیا ہے۔ اس طرح ہمارا الحاق ہندوستان کے ساتھ صرف تین یعنی امور تک محدود رہا جو وفاقی حیثیت میں بہت اہم ہیں۔ امور رسل و رسائل دفاع اور خارجی تعلقات۔ ہمارے حقوق کا احترام اس طرح سے بھی کیا گیا کہ ہم اپنی ایک خود مختار اسمبلی کے ذریعہ اپنے مسائل کا آپ فیصلہ کریں۔ اس اسمبلی کو یہ حق بھی حاصل ہوگا وہ جموں و کشمیر کے حکمران خاندان کے مستقبل کا بھی فیصلہ کرے۔“

ریاستی وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کے اس سالانہ اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں ریاست کی شدید اقتصادی بدحالی عام لوگوں کی بیروزگاری، بے کاری، قحط سالی، سیاحت کی صنعت کی تباہی رسل و رسائل کے ذرائع کی بحالی اور دیگر عوامی مسائل پر حرف علت تک اپنی زبان پر نہیں لایا جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ ان مسائل کے لئے ان کے پاس زبانی جمع خرچ کے لئے بھی الفاظ کا قحط تھا یا انہوں نے اپنی بے بسی اور لاچاری کے باعث ان مسائل پر کچھ کہنے سے دریغ کیا۔ بہر کیف سالانہ اجلاس کے اختتام پر اسکی آخری نشست میں چند قراردادیں پاس کی گئیں جن میں سے ایک ریاست کی اقتصادی حالت سنوارنے کے لئے بھی تھی۔ قرارداد کا اختصار ملاحظہ فرمائیں:[۲۵]

(۱) موہن داس کرم چند گاندھی اور مقبول شیروانی کے قتل پر انہیں خراج عقیدت۔

سلامتی کونسل کی جانب سے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے ثالثی کی جو تجویز پیش ہوئی ہے اور جس کی حمایت امریکہ کے صدر مسٹر ٹرومین اور برطانوی

وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے کی ہے، اسے رد کرتے قرار داد میں کہا گیا:

۲۔ نیشنل کانفرنس اس تجویز کو بڑی گہری تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور غیر مبہم الفاظ میں ریاست جموں وکشمیر کے چالیس (۴۰) لاکھ عوام کی قسمت کی امانت دار ہونے کی حیثیت میں کسی بھی صورت میں عوام کے حق خود ارادیت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں اور وہ کشمیریوں کی زندگی اور موت کے مسائل اندھے پن اور جوا بازی سے حل کرنے کی حمایت کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔"

۳۔ ملک کی اقتصادی حالت سدھارنے کے لئے فی الفور ایک نیشنل پلاننگ کمیشن کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ اس قرار داد میں دس (۱۰) نکات پر مشتمل ایک لائحہ عمل تیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی سفارش کی گئی جس کی رو سے زمین کسانوں کے حوالے کرنے، کواپریٹو تحریک کو ترویج دینے، مزدوروں کی بہتری کے لئے کارخانے قائم کرنے، عوام کی حالت سدھارنے اور ریاست کو اپنی ضرورت کے بارے میں خود کفیل ہونے کی تجاویز شامل ہیں۔

۴۔ نیشنل کانفرنس صوبہ سرحد (پاکستان) کے حریت پسندوں کی جدوجہد آزادی سے اظہار ہمدردی کرتی ہے۔

لیکن نیشنل کانفرنس اس اجلاس میں ہندوستان کے اندر وقتاً فوقتاً رونما ہونے والے ان مسلم کش فسادات پر مکمل طور سے مہر بہ لب رہی جن کی بنا پر ماضی قریب میں شیخ محمد عبداللہ کا سیاسی اعتقاد غلطاں نظر آرہا تھا۔

نیشنل ملیشیا اور سازش کیس

سالانہ اجلاس کی گہما گہمی کے اختتام کے ساتھ ہی نیشنل ملیشیا پر سازش کیس کی صدائے بازگشت نے ریاست کے سیاسی افق پر خاصی گرمی پیدا کی۔

سلامتی فوج اور نیشنل ملیشیا کا تذکرہ "تحریکِ حریت کشمیر" جلد سوئم میں کیا گیا ہے۔

یہاں اس کا اعادہ سازش کیس کو سمجھنے کے لئے لازم ہے ۔ سلامتی فوج میں ستر (۷۰)
فی صد کے قریب نیشنل کانفرنس کے کارکن اور تیس (۳۰) فی صد کے لگ بھگ وہ اخلاقی
قیدی بھرتی ہوئے تھے جنہوں نے کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران جیل خانوں میں
سیاسی قیدیوں کی خدمت کی تھی ۔ اکتوبر ۴۷ ۱۹ء کے انقلاب نے ان سب لوگوں کی
رہائی کا سامان پیدا کیا ۔ انہوں نے اپنی عافیت سلامتی فوج میں بھرتی ہونے
میں جانی ۔ دسمبر ۴۷ ۱۹ء میں اس فوج کی بٹالینیں ترتیب دی گئیں جو کسی خاص
فوجی نظام کے تحت نہیں تھیں ۔ البتہ اس کے پس منظر میں ایک جذبہ کارفرما تھا۔ اس
نیم فوجی تنظیم کے خدوخال سنوارنے کے لئے وادی میں مقیم غیر ریاستی کمیونسٹ
مسٹر اینڈ مسز بیدی، راج بنس، سوری، شیر جنگ اور پروفیسر ہربنس
سنگھ گارڈن کالج راولپنڈی کا دماغ کارفرما تھا۔ یہی لوگ اونچی سطح پر
اس کی پالیسیاں ترتیب دے رہے تھے جب خواجہ غلام محمد صادق اس کے چیف
مقرر ہوئے ۔ انہوں نے سید ضمیر علی احمد عرف شیام جی ۔ کرنل عدالت خان (۲۹) جو بعد
میں ڈائریکٹر آف فوڈ اینڈ سپلائز مقرر ہوئے اور اللہ داد خان کو جو انڈین
آرمی کے کشمیری جوان تھے پیغام بھیجا کہ اپنے تجربہ سے ہمیں مستفید ہونے کا موقع
دیں ۔ انہوں نے امکان بھر اس کے پیک سنوارے اور اس کی تجدید جدید کی لیکن کمیونسٹ انداز فکر
یہاں بھی کارفرما رہا ۔ ہر بٹالین کو ایک فوجی اور ایک سیاسی کمانڈر کے ماتحت
رکھا گیا اور دونوں کی تنخواہیں یکساں یعنی تیس (۳۰) روپے ماہوار مقرر ہوئی ۔
اس فوج کی زبردست پبلسٹی کی گئی ۔ نتیجتاً انڈین آرمی کے جنرل آفیسر کمانڈنگ
ویسٹرن کمانڈ، جنرل کری آپا نے اس فوج کا جائزہ لیا ۔ چاندماری
سرینگر میں سلامتی فوج نے انہیں سلامی دی — اس موقعہ پر سرخ رنگ کی درانتی اور ہتھوڑا
نشان کمیونسٹ جھنڈا لہرایا گیا ۔ جنرل نے اس جھنڈے کے لہرانے پر اعتراض کرتے اپنی شدید

ناراضگی کا اظہار کیا۔ ردِعمل کے طور پر مستقبل میں یہ جھنڈا کہیں نظر نہ آیا۔ سلامتی فوج کو زیادہ موثر بنانے کے لئے ایک سرکاری حکم کے تحت اسے جے اینڈ کے ملیشیا میں مدغم کیا گیا، سلامتی فوج کا ہر تنومند جوان ملیشیا میں سپاہی اور اپنے تجربے کی بنا پر جمعدار تا صوبیدار اور صوبیدار میجر کے عہدے پر متعین کیا گیا، لیکن ان کی لوکل رینک برقرار رکھی گئی جس کے تحت جمعدار سیکنڈ لیفٹیننٹ، صوبیدار لیفٹیننٹ اور صوبیدار میجر کیپٹن کہلانے لگا۔ ان سے بالا افسران انڈین آرمی سے لئے گئے۔ اس طرح کُل بارہ (۱۲) بٹالین تیار ہوئیں۔ جن میں ایک لداخ۔ پانچ جموں اور سات (۷) کشمیری جوانوں پر مشتمل تھیں اور وہ ہتھیار جو مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج کے مسلم سپاہیوں سے چھین لئے گئے تھے، ملیشیا کی تحویل میں دیئے گئے۔ ملیشیا کو باقاعدہ طور پر بریگیڈیر بلموریہ کی کمان میں دیا گیا۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں اللہ داد خان بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سرینگر میں ایڈ جوائنٹ اینڈ کوارٹر ماسٹر کے عہدے پر تعینات تھے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے مسلم فوجی افسران اور اس دور کے پڑھے لکھے مقامی لوگوں کے باہمی تعلقات نے انہیں سیاسی صورت حال کے اتار چڑھاو پر تنقید و تبصرہ کا عادی بنا دیا تھا، یہ لوگ اکثر و بیشتر نجی محفلوں میں جہاں مہاراجہ کی مخالفت کرتے تھے وہاں نیشنل کانفرنس کے قائد شیخ محمد عبداللہ کے طرزِ نظام اور سیاسی حکمت عملی کی نکتہ چینی کرنے سے بھی عار نہیں کرتے تھے۔ مقامی لوگوں میں ڈاکٹر نذیر الاسلام عربی پروفیسر ایس پی کالج راجہ محمد اکبر فزیکل ڈائریکٹر، ایس پی کالج ان محفلوں کی جان تھے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ دونوں بااثر اصحاب نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے انکا عندیہ تھا کہ ریاست جموں و کشمیر میں ایک ایسی عسکری جماعت تیار کی جائے جو ہندوستانی افواج کی نقل و حمل میں رخنہ اور رکاوٹیں پیدا کرے اور انہیں چین سے رہنے نہ دے۔ عسکری تنظیم تو یہ ترتیب نہیں دے سکے البتہ اُنکے عزائم اور حوصلوں سے حکومت باخبر ہوئی۔ لازماً ان کی گرفتاری کے احکام صادر

ہوئے۔ ڈی پی در ان کی گرفتاری میں خاصی دلچسپی لینے لگے انہوں نے یہاں تک کہا کہ اگر یہ لوگ صفحہ ہستی سے نابود بھی ہو جائیں تو بھی کوئی مضایقہ نہیں۔ اس خبر کو سنتے ہی دونوں سرحد پار کر گئے اور ڈی پی در نے اپنے ظن کے گھوڑے کی لگام یہ سوچ کر مضبوطی سے پکڑی کہ ہو نہ ہو ملیشیا کے جوانوں نے انہیں فرار ہونے میں مدد دی ہوگی لیکن عدم ثبوت کے باوجود وہم وگمان کے اس پھوڑے کو اپنے دل کے تہہ خانہ میں پالنے کے ساتھ اس کی کڑیاں جوڑتے رہے۔

ابھی کشمیر کے محاذ پر جنگ جاری تھی وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے ترنگ میں آکر ایک بیان میں کہا کہ ۲ مئی ۱۹۴۹ء کو ہماری فوجیں مظفر آباد میں ہوں گی — وزیر اعظم کے اس بیان پر صوبہ کشمیر میں انڈین آرمی کے کمانڈنگ بریگیڈیر ہربخش سنگھ نے سرینگر میں دریائے جہلم کے کنارے ہیڈ پوسٹ آفس کے سامنے ایک ہاؤس بوٹ میں فوجی آفیسروں کی میٹنگ طلب کی جہاں پہرے پر ملیشیا کے فوجی جوان رکھے گئے تھے۔ میٹنگ کے دوران ہی یہ افواہ اڑائی گئی کہ ملیشیا کے جوانوں نے فوجی آفیسران کو ٹھکانے لگانے کا پلان ترتیب دیا ہے۔ میٹنگ بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئی لیکن کچھ عرصہ بعد اللہ داد خان بحیثیت چیف ملزم صدر، افواہ کی پاداشت میں گرفتار کئے گئے ان کے ساتھ دیگر دس افراد ۱۔ احسان الحق ۲۔ غلام محمد خان ۳۔ اسد اللہ ۴۔ عبد الرحمان خان ۵۔ محمد جبار، جو بعد ازاں گواہ سلطانی بنا ۶۔ نواب شاہ ۷۔ گلہ خان ۸۔ محمد علی ۹۔ احمد خان اور جان محمد حراست میں لئے گئے۔ گرفتاری کے وقت فوجی ہیڈکوارٹر میں کرنل پوری، میجر کرشن لال، ڈی آئی جی پولیس اور ڈی پی در موجود تھے گرفتار شدہ فوجیوں میں ایک غیر فوجی باعزت شہری جنہیں اس دور میں بڑی سیاسی اہمیت حاصل تھی یعنی چرار شریف کے حاجی جلال الدین کو بھی اس مبینہ سازش میں شامل کیا گیا جنہوں نے ۲ سال قبل نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد کو لال چوک سرینگر میں ڈرایا دھمکایا تھا

یادامی باغ کی فوجی چھاونی میں تیرہ (۱۳) ماہ تک مقدمہ کی سماعت ہونے کے بعد اللہ داد خان، احسان الحق غلام محمد خان محمد علی، اسد اللہ میر اور راحمد خان کو سات (۷) سات سال قید کی سزا ہوئی۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں بخشی غلام محمد کی حکومت میں انہیں تقریباً چھ (۶) سال قید کاٹنے کے بعد رہا کیا گیا۔ بعد کی تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ سب ایک سیاسی تناو اور رسہ کشی کا ردعمل تھا جو بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے درمیان جاری تھی اس مبینہ سازش کے نام پر غلام محمد صادق سے ملیشیا کا چارج چھین لیا گیا۔

یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ دستاویز الحاق کے تحت ریاستی محکمہ دفاع مرکزی حکومت کی تحویل میں دینا طے شدہ بات تھی، لیکن قبائلی حملے نے اس میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ملیشیا کے وجود پر مرکزی حکومت سے شکایت کرتے اسے ہتھیار سپلائی کرنے پر اپنی تشویش کا بار بار اظہار کیا اب جب جنگ کے بجائے صرف جنگی ماحول باقی رہ گیا تھا مرکزی حکومت نے ریاستی فوج اور ملیشیا کے بارے میں تفصیلات طے کرنے کے لئے اگست ۱۹۴۹ء کے پہلے ہفتہ میں وی پی مینن کو سری نگر بھیجا اور یہ طے پایا کہ آیندہ حکومت ہند ریاستی افواج کے جملہ اخراجات برداشت کرے گی۔ اس فیصلہ کے بعد ریاستی افواج کو حکومت ہند کے کنٹرول میں دینے کے عمل پر مہر تصدیق ثبت کی گئی جس کا اعلان شیخ محمد عبداللہ نے ۱۷ اگست ۱۹۴۹ء کو جموں اینڈ کشمیر نیشنل ملیشیا کے ہیڈ کوارٹر پر جوانوں سے خطاب کرتے کہا کہ ملیشیا پر وقتی طور ریاستی حکومت کا ہی کنٹرول رہے گا۔ لیکن اسکی حیثیت پیرا ملٹری فورسز کی سی رہے گی۔ بعد ازاں مرکزی حکومت نے اسے دفاعی افواج میں مدغم کیا۔

بم کیس

اوائل ۱۹۴۸ء میں کشمیر پولیس نے وادی کے مختلف علاقوں سے دو سو (۲۰۰)

کے قریب افراد گرفتار کئے اور یہ کہہ کر تہلکہ مچایا کہ یہ لوگ شیخ محمد عبداللہ کی بیٹی کی شادی کی برات کے موقعہ پر پاکستان سے درآمد شدہ اسلحہ و گولہ بارود سے حملہ کر کے تقریب میں مدعو جملہ مہمانوں کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں۔ کچھ مدت بعد ان میں سے بارسوخ اشخاص کو رہا کر کے سینتیس (۳۷) افراد پر اینمی ایجنٹس آرڈی ننیس قانون کے تحت سرکار بنام (مفرور چیف ملزم) معراج الدین پنڈت کے زیر عنوان سری نگر سنٹرل جیل میں باجلاس سپیشل جج ان کیمرہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران کئی ملزم بری کئے گئے اور جنہیں مختلف جرائم کے پاداشت میں مختلف میعاد کی سزا ہوئی مندرجہ ذیل ہیں (۱) علی محمد بٹ وکیل ایم اے ایل ایل بی (۲) غلام نقی ایم اے گرفتاری کے وقت ان کے مکان سے ایک سٹین گن اور چند ہینڈ گرینیڈ ضبط کئے گئے (۳) ماسٹر پیر غلام حسن (۴) غلام نبی گرگڈی محلہ (۵) عبدالرشید (۶) محمد اقبال (۵-۶ دونوں جموں سے تعلق رکھتے تھے) (۷) افتخار احمد انسپکٹر جنرل کسٹمز (۸) ڈاکٹر عبدالمجید اسلام آباد (۹) راجہ عطاء اللہ زچلڈارہ (۱۰) راجہ احسان زیلدار زچلڈارہ (۱۱) غلام احمد کرنائی (اس نے پولیس تفتیش کے دوران بارہ مولہ کے کسی گاؤں میں اسلحہ ذخیرہ کرنے کا اقرار کیا اور جب پولیس انہیں نشاندہی کے لئے وہاں لے گئی پولیس حراست سے فرار ہو کر سرحد پار کر لی) (۱۲) نظام الدین پنڈت (۱۳) غلام محی الدین سوپور (۱۴) غلام محمد کار سوپور (۱۵) غلام محمد پختہ سوپور (۱۶) محمد حسین دگواہ سلطانی معراج الدین پنڈت کا گماشتہ اسی کی مخبری پر یہ گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں اور اسلحہ ضبط کیا گیا جس کے عوض مقدمہ کے اختتام پر اسکو محکمہ جنگلات میں رینجر بنایا گیا۔

پولیس کے فرد جرم میں ثوابت پیش کرنے پر عدالت نے ۱۵ ہاڑ ۲۰۰۶ بکرمی بمطابق ۲۰ جون ۱۹۴۹ء ملزموں کو حکم سزا سناتے اپنے فیصلہ میں لکھا مذکورہ سازش نہ صرف گواہوں کے بیانات سے ثابت ہوئی ہے بلکہ اس کی سچائی کی مہر تصدیق ملزموں کے قبضہ سے اسلحہ برآمد کرنے سے بھی ہوئی ہے اور ثابت ہوا ہے کہ ملزموں نے موجودہ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی تھی اس لئے عدالت ملزم نمبر ایک علی محمد وکیل ولد محمد صابر بٹ ساکن مائسمہ بازار سرینگر کو بجرم اینمی ایجنٹس آرڈی ننیس دس (۱۰) سال سزائے قید (۲) بجرم زیر دفعہ ۶ امادہ ۵ آتشگیر ایکٹ پانچ (۵) سال قید سخت (۳) بجرم زیر دفعہ

(۵)

۴، مادہ آتشگیر ایکٹ پانچ سال قید سخت (۴) بجرم زیر دفعہ ۱۲۰ ب رنبیر پینل کوڈ تین (۳) سال قید سخت اور ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا کا مستوجب قرار دیتی ہے ۔ اسی روز غلام نقی ایم اے ولد کاظم علی علمگیری بازار سری نگر کو امنی ایجنسی آرڈی نینس کے تحت تین (۳) سال قید سخت (۲) بجرم زیر دفعہ ۶، مادہ آتشگیر ایکٹ تین (۳) سال قید سخت (۴) بجرم زیر دفعہ ۱۲۰ ب رنبیر پینل کوڈ تین (۳) سال قید سخت و ایک ہزار روپے جرمانہ کا مستوجب قرار دیتی ہے ۔ ماباقی ملزموں کو تین تین (۳) سال قید بامشقت کی سزا دی گئی جو اختتام میعاد قید پر رہا کئے گئے ۔

جیل حکام نے ان چار (۴) ملزموں کو خطرناک تصور کر کے جیل احاطہ میں سب سے محفوظ مقام پریس بلڈنگ میں مینجر پریس کے دو (۲) کمروں میں مقید رکھا ۔ ایک کمرے میں علی محمد وکیل اور غلام نقی اور دوسرے میں ماسٹر پیر غلام حسن اور غلام نبی گرگٹی محلہ جو اب غلام نبی مہارازہ کہلاتا تھا قید کئے ۔ مہارازہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے ان کو عین اس وقت پولیس نے گرفتار کیا جب وہ جامہ عروسی پہن کر گھوڑے پر سوار براتیوں کے ساتھ اپنی دلہن لینے سسرال جا رہے تھے اسی نسبت سے یہ دولہا (مہارازہ) معروف ہوئے بعد ازاں ماسٹر پیر غلام حسن اور غلام نبی مہارازہ دونوں قیدیوں کے تبادلہ میں پاکستان بھیجے گئے ۔

۷، بیساکھ ۲۰۰۸ بکرمی بمطابق ۱۹ اپریل ۱۹۵۱ء سپرنٹنڈنٹ جیل شیخ فیروزالدین نے پولیس تھانہ رینا واری میں رپورٹ درج کرائی کہ ۶ اور ۷ بیساکھ ۲۰۰۸ بکرمی کی درمیانی شب میں سرینگر سنٹرل جیل کے حراست جائزہ سے دو (۲) قیدی علی محمد وکیل اور غلام نقی جو متدرجہ صدر جرائم کی پاداش میں سزا کاٹ رہے تھے فرار ہو گئے ہیں ۔ اس واقعہ کے فوراً بعد پولیس کسی آئی ڈی اور دیگر سراغرساں ایجنسیوں نے قیدیوں کی زور و شور سے تلاش شروع کی سنٹرل جیل کے ارد گرد تمام محلوں میں کرفیو نافذ کیا گیا ۔ گھر گھر تلاشیاں لی گئیں کئی مشتبہ افراد اور فرار شدہ قیدیوں کے دوست احباب رشتہ داروں کی گرفتاری کے علاوہ ملزموں کی اعانت اور اغتشاء کے شبہ میں جیل حکام نے محمد صدیق خان وارڈر غلام مصطفیٰ سٹور کیپر عبدالصمد وارڈر غلام رسول وارڈر عرف دمہ خان ۔ عبدالصمد وارڈر اور کئی دیگر جیل اہلکاروں کو حراست میں لے کر شدید جسمانی اذیتوں کا شکار بنایا

ان میں محمد صدیق خان وارڈر (جو مائیسمہ بازار کا رہنے والا تھا علی محمد وکیل کے ساتھ) اور غلام مصطفیٰ سٹور کیپر (جو غلام نبی کا رشتہ دار تھا) کو ملزموں کے ساتھ ساز باز کرنے کے شبہ میں بے انتہا مصائب کا شکار بنایا گیا۔ لیکن ان کے مسلسل انکار پر محمد صدیق خان کو ملازمت سے برطرف کیا گیا ۱۹۵۲ء میں جب بخشی غلام محمد برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اسے سی آئی ڈی میں ملازم رکھا غرض کچھ عرصہ بعد تھانہ رینا واری نے فسٹ ایڈیشنل منصف سری نگر کو توال ٹیک چند کی عدالت میں چالان پیش کیا جہاں پنڈت رام چند رائے ایس پی سری نگر جس نے معاملے کی تحقیقات کی تھی بطور گواہ اپنی تحقیقی رپورٹ پیش کی۔ دیگر گواہوں میں شیخ فیروز الدین سپرنٹنڈنٹ جیل۔ پنڈت رادھا کرشن سب انسپکٹر غلام نبی ہیڈ وارڈر۔ محمد شیخ چیف ہیڈ وارڈر۔ تریلوکی ناتھ کلرک سنٹرل جیل، سلطان بٹ ہیڈ وارڈر شامل تھے۔ ان تمام گواہوں نے تقریباً ایک ہی نوعیت کا بیان دیا جس کا اختصار مطابق مثل ۹ ب فیصلہ عدالت مورخہ ۵، اسوج ۲۰۰۸ بکرمی بمطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۵۱ء یوں ہے۔

ملزم سپیشل کلاس کے قیدی تھے ان کے مفرور ہونے کی اطلاع ہیڈ وارڈر غلام نبی نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو دی۔ ڈی۔ آئی۔ جی پولیس۔ گورنر کشمیر۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ موقعہ پر آئے بارک کا قفل کھلا تھا اور اس میں چابی تھی جب کہ اس کی چابی جیل کی دیگر بارکوں کی چابیوں کے گچھے میں موجود تھی جس کو بارک بندی کے بعد ایک بکس میں رکھا جاتا ہے۔ اس بکس کی چابی گارڈ آفیسر کے پاس ہوتی ہے۔ چیف وارڈر کی ڈیوٹی جنرل نگرانی ہے۔ شام کو تمام قیدی شمار کر کے بارک میں بند کئے جاتے ہیں اور ان کا اندراج EXPR میں کیا جاتا ہے۔ پہرا ہر تین گھنٹے بعد تبدیل کیا جاتا ہے۔ چیف ہیڈ وارڈر پہرا کا ذمہ وار ہے پہرے کی تبدیلی کے وقت ایک ہیڈ وارڈر دوسرے ہیڈ وارڈر کو چارج دیتا ہے۔ چارج کا لین دین زبانی ہوتا ہے۔ شب میں پڑتال کرنے کوئی جیل افیسر نہیں آتا اور نہ بارکیں کھولی جاتی ہیں۔ ۶، ۷ اور ۸ بیساکھ کی درمیانی رات کو ۶ بجے سے ۹ بجے تک جودھ سنگھ ہیڈ وارڈر کی ڈیوٹی تھی۔ ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک غلام نبی ہیڈ وارڈر کی ڈیوٹی تھی ۱۲ بجے سے ۳ بجے تک تارا چند ہیڈ وارڈر کی ڈیوٹی تھی جو اس رات ڈیوٹی پر نہیں آیا تھا اس کی جگہ صمد خان

ڈیوٹی دے رہا تھا رات ۲. بجے سے ۶. بجے تک سلطان بٹ ہیڈ وارڈر کی ڈیوٹی تھی اس نے صمد خان سے قیدی شمار کئے بغیر حسب دستور چارج لیا اور اس رات گیٹ کیپر بھی غیر حاضر تھا۔ گواہوں کے مندرجہ صدر بیان کے بعد عدالت نے جو فیصلہ دیا اس کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"لہذا بہ ثبوت جرم زیر دفعہ ۲۲۴ رنبیر پینل کوڈ ملزمان کے خلاف وارنٹ گرفتاری عام بمنشاء دفعہ ۵۱۲ ضابطہ فوجداری جاری کی جاتی ہے ملازمین پولیس جموں و کشمیر ملزموں کو جہاں بھی وہ اندر حدود ریاست دستیاب ہوں گرفتار کرکے پیش عدالت کریں۔ ایک اشتہار گورنمنٹ گزٹ میں بھی بدایں مقصد شایع کیا جائے ڈی آئی جی پولیس کشمیر اور ڈی آئی جی پولیس جموں وارنٹ گرفتاری عام اجراء کریں۔ مثل بعد تکمیل داخل دفتر کی جائے اور ضبط شدہ رجسٹر و قفل سنٹرل جیل کو واپس کیا جائے ـــــ حکم سنایا گیا۔

دستخط و مہر

تحریرہ ۵. اسوج ۲۰۰۸ بکری　　　　کوتوال ٹیک چند

(مطابق ، استمبر ۱۹۵۱ء)　　　　فسٹ ایڈیشنل منصف سری نگر

غلام محمد صادق کے دورِ حکومت میں جب محمد مقبول بٹ اور انکے دو[۲] ساتھی سنٹرل جیل سرینگر کی فصیل میں چھید کر کے فرار ہوئے علی محمد وکیل اور غلام نقی کی مفروری دوبارہ عام لوگوں کا موضوع سخن بنا اور کہا گیا کہ وہ دونوں جیل حکام سے ساز و باز کر کے جیل کے مین گیٹ سے نکلے۔ جھیل ڈل کے کنارے ایک کشتی جو ان کے انتظار میں کھڑی تھی جس میں سوار ہو کر جڈی بل میں غلام نقی کے کسی رشتہ دار کے ہاں روپوش ہوئے اور کچھ عرصہ بعد سرحد پار کر لی۔ لیکن مجھے طویل تحقیق اور مصدقہ اطلاعات کے مطابق معلوم ہوا کہ ان کے فرار ہونے میں کسی جیل حاکم یا گرفتار شدہ جیل ملازم کا ہاتھ نہیں تھا۔ سارا منصوبہ انھوں نے خود ہی ترتیب دیا اور خود ہی اس کو پایہ تکمیل تک پہونچایا۔ البتہ جیل کے لوہار خانے میں کام کرنے والے قیدیوں کی ان سے اعتنا و اعانت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قفس میں اپنے جوان ۶. ائم اور پُر شباب

زندگی کے لیل و نہار نذر زنداں کرتے بیٹھے بیٹھے انہیں فرار ہونے کی سوجھی۔ منصوبے کے مطابق انہوں نے جیل کے جولاہا خانے سے ایک بیڈ شیٹ حاصل کی۔ سمیتھی ورکشاپ کے قیدیوں سے یارانہ گانٹھ کر لوہے کی سلاخ کا مضبوط کانٹا اور بارک کے تالے کی ڈپلی کیٹ چابی بنوائی، بیڈ شیٹ کاٹ کر اس کی رسی بنائی اس میں کانٹا جوڑ کر کمند تیار کی جس رات انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ان کی بارک کا دروازہ لمبے آہنی سلاخوں کا تھا۔ سلاخوں کی درمیانی جگہ سے ہاتھ نکال کر قفل کھولا اور دیوار پر کمند پھینکی، دونوں دیوار پر چڑھ گئے۔ جیل سے باہر نکل کر کمند اپنے ساتھ لے کر جڈی بل میں معروف عالم دین اور نظریہ پاکستان کے زبردست حامی الحاج آغا سید حسین رضوی کے ہاں پہونچے انہوں نے تقریباً چالیس دن تک انہیں اپنی پناہ میں رکھنے کے دوش بدوش ان کو سرحد پار کرانے کے لئے سید علی رضوی، سید صفدر رضوی، سید حسن رضوی، غلام رسول عالمگیر، خواجہ عبدالصمد پنڈت سوپور، محکمہ بجلی کا انسپکٹر محمد عبداللہ میر کو اعتماد میں لے کر منصوبہ مرتب کیا جس کے تحت الحاج آغا سید احمد رضوی نے اپنے معتقدین سے درگاہ جناب سید حسین قمی رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ مبارک واقع سید پورہ زینہ گیر پر حاضری دینے کا اظہار عزم کیا۔ ٹانگہ منگوایا گیا۔ زمانے کے دستور کے مطابق ٹانگے کی پچھلی نشست پردہ نشین خواتین کی خاطر چادر سے ڈھکی گئی، آغا صاحب کی بیگم، ہمشیرہ، علی محمد وکیل اور غلام نقی برقعہ پہن کر سوار ہو گئے، سامنے کی نشست پر آغا سید احمد رضوی اور سید حسن رضوی سوار ہوئے۔ آستانہ مبارک پر نذر چڑھانے کے لئے ایک بھیڑ بھی ساتھ رکھا گیا۔ چھتہ بل میں ٹانگہ بان کو رخصت کیا گیا جہاں پروگرام کے مطابق خواجہ عبدالغنی کباڑی اپنی سٹیشن ویگن لے کر انتظار میں چشم براہ تھے۔ جوں ہی یہ لوگ زینہ گیر پہونچے، علاقہ کے لوگ آغا صاحب کو دیکھتے ہی ان کے گرد منڈلانے لگے۔ راز فاش ہونے کے اندیشہ

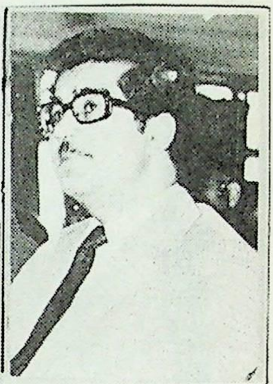
سے سید حسن رضوی اور محمد عبداللہ پیر نے اجتماع سے کہا۔ آپ جانتے ہیں آغا صاحب ایک عظیم روحانی پیشوا ہیں۔ انہیں رویا میں آستانہ مبارک پر حاضری دینے کا حکم ہوا ہے اس لئے آپ تمام اپنے گھروں کو واپس لوٹ جایئے۔ جوں ہی انہیں اپنی ریاضت سے فراغت ہوگی آپ لوگوں سے فرداً فرداً ملیں گے فی الحال انہیں اور ان کی فیملی کو تنہا چھوڑیئے۔ لوگوں کے چلے جانے کے بعد غلام نقی اور علی محمد وکیل نے اسی درگاہ میں گوجروں کا لباس زیب تن کیا اور خواجہ عبدالصمد پنڈت کے فراہم کردہ گائیڈ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر آغا سید احمد رضوی سے رخصت ہوئے۔ گائیڈ نے انہیں کشن گنگا پل کے پاس چھوڑا جس کے ایک جانب ہندوستانی فوج اور دوسری طرف پاکستانی آرمی پہرے پر تھی۔ شش و پنج کے اسی عالم میں انکی ملاقات پل پار کرتے ایک گڈریا سے ہوئی۔ اسے اپنی روئیداد بیان کی اور کہا کسی طرح ہمیں پل کے اس پار پہونچاؤ۔ دونوں اس کی مدد سے سرحد پار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے ایک ہفتہ بعد آزاد کشمیر ریڈیو نے کشمیر پولیس کا تمسخر اڑاتے ان کی بخیر و خوبی آمد کی اطلاع نشر کی۔ سری نگر سنٹرل جیل سے سیاسی قیدیوں کے مفرور ہونے کا یہ پہلا واقعہ ہے اور بم کیس کے نام سے مشہور ہے۔ اس حادثہ کے بعد ریاستی حکومت نے سنٹرل جیل سری نگر کی فصیل مزید چھ فٹ اونچی کی جس سے گمان گزرتا ہے کہ حکومت کو متذکرہ قیدیوں کا دیوار پھاند کر بھاگنے کا پتہ چلا ہوگا۔

حیدری کالم

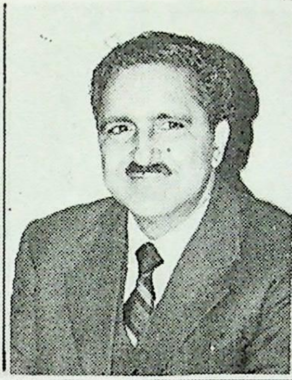
ہتھیار حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ ہتھیار کو استعمال کرنا اہمیت کا حامل ہے جس کے لئے باضابطہ ٹریننگ حاصل کرنی لازمی ہے۔ علی محمد وکیل اور غلام نقی کے مقدمہ میں یہ پہلو نظرانداز کیا گیا۔ جن ضبط شدہ ہتھیاروں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ دراصل کیپٹن منشا خان



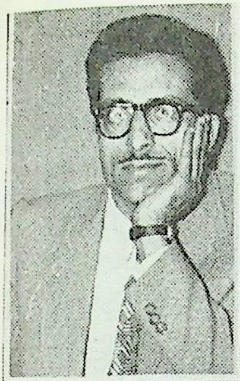
صدرِ ریاست
ڈاکٹر کرن
سنگھ نئی
کابینہ کے
وزراء سے
حلف لے
رہے ہیں



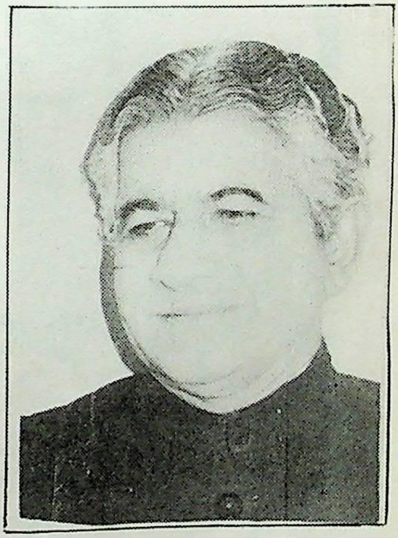
جناب شمیم احمد شمیم



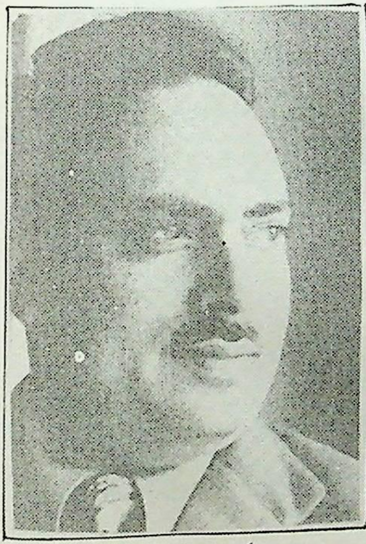
جناب محمد یوسف ٹینگ



جناب پیر حفیظ اللہ مخدومی



جناب شیخ عبدالرحمان



جناب حکیم منظور

کی زیر قیادت خفیہ عسکری تنظیم حیدری کالم کے لئے سرحد پار سے راجہ احسان اور راجہ عطاء اللہ آف زچلڈارہ کی وساطت سے وادی میں در آمد کئے گئے تھے اور یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ علی محمد بٹ وکیل اور ان کے ہم خیالوں کو کیپٹن منشا خان سے گہرا رابطہ تھا۔ کیپٹن منشا خان تراڑ کھل پونچھ کا باشندہ تھا اور فورتھ کشمیر انفنٹری میں کیپٹن تھا۔ جب ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی صبح کو فورتھ انفنٹری نے مظفر آباد سے قبائیلیوں کے دوش بدوش یلغار کی۔ کیپٹن منشا خان اور کئی دیگر مسلم آفیسر بادامی باغ سرینگر کی فوجی چھاؤنی میں متعین تھے جنہیں کشمیر ملیشیا کی تشکیل کے بعد اس سے منسلک کیا گیا جہاں کیپٹن منشا خان نے حیدری کالم نام سے خفیہ عسکری تنظیم قائم کی جس کے ذریعہ پاکستانی نظریہ کے حامی کشمیری جوانوں کو عسکری تربیت دینی مطلوب تھی۔ کیپٹن نے اپنے منصوبے کو وسیع پیمانے پر روبعمل لانے کے لئے کئی سابق مسلم فوجی جوانوں سے بھی رابطہ قائم کرنے کی پہل کی چنانچہ اپنے ایک سابق ساتھی نائیک سلیم جہانگیر خان، باغ مہتاب کو تنظیم کا ممبر بنایا جو ۱۹۴۵ء میں فوجی ملازمت ترک کر کے اپنے زراعت کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ ابتداء میں سلیم جہانگیر خان کی مصروفیات نے انہیں تنظیم کی سرگرمیوں سے بے تعلق رکھا اور وہ محض نام کے ممبر بنے رہے۔ اسی دوران منشا خان کا بھائی جلال فوجی ملازمت چھوڑ کر آیا اور رنگر مل باغ سری نگر میں اپنے بھائی کے ساتھ رہنے لگا۔ کیپٹن نے اسے کشمیری جوانوں کو فوجی تربیت دینے کے لئے ان پر انسٹرکٹر مقرر کیا۔ اس طرح علی محمد وکیل اور انکے دوسرے ساتھیوں نے ابتدائی فوجی تربیت حاصل کی اور یہ بھی طے پایا چونکہ عسکری تربیت یافتہ جملہ افراد کشمیری شباب کا ماحصل ہیں اسلئے علی محمد وکیل اور غلام نبی کو جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پرجوش کشمیری جوان ہیں اس عسکری تنظیم کے بالترتیب بعہم عہدوں کے اعزاز سے نوازا جائے۔

خفیہ تنظیم ابھی یہ بھی طے نہیں کر پائی تھی کہ کہاں کس وقت کب اور کس طرح اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا جائے۔ زچلڈارہ میں کشمیر پولیس کی سراغ رساں ایجنسی کو محمد حسین کی وساطت سے پتہ چلا کر زچلڈارہ کے ذیلدار نے علاقہ میں درآمد شدہ اسلحہ کے انبار لگائے ہیں۔ پولیس چھاپہ کے دوران راجہ احسان اور راجہ عطاء اللہ گرفتار کئے گئے۔ پولیس کو خفیہ ہتھیاروں کے ساتھ کئی اہم دستاویز بھی ہاتھ لگے جن سے علی محمد وکیل اور غلام نبی کی سرگرمیوں کا پتہ چلا اور رہا کھل دودھ پتھری میں واقع بریگیڈیر رحمت اللہ خان کے بنگلے میں چھپائے ہوئے ہتھیاروں کا سراغ ملا۔ علی محمد وکیل اور غلام نبی کی گرفتاری سے کیپٹن منشا خان کو یہ احساس لاحق ہوا، پولیس تفتیش کے دوران علی محمد وکیل غلام نبی یا انکے ساتھیوں میں سے کسی نے حیدری کالم کا انکشاف یا اس کی سرگرمیوں کا راز افشا کیا تو جلال کی گرفتاری کا مطلب یہ ہوگا کہ تنظیم کے تمام سربستہ پروگرام طشت ازبام ہو جائینگے اور مزید وابستہ افراد بھی پکڑے جائیں گے۔ موقع کی نزاکت سمجھ کر انہوں نے سلیم جہانگیر کے نام مکتوب لکھ کر جلال کو ان کے پاس بھیجا۔ نوشتہ میں ہدایت کی گئی تھی کہ کسی بھی حالت میں اسے سرحد پار کرنے میں مدد دی جائے۔ یاری نبھانے کے ناطے سلیم جہانگیر خان نے جلال کو جنگ بندی لائن پار کرنے میں مدد دی جہاں آزاد کشمیر فوج کے سپاہیوں نے انہیں حراست میں لیکر سابق انڈین نیشنل آرمی کے بریگیڈیر تجمل حسین کے پاس پہونچایا جو آزاد کشمیر آرمی میں اسی رینک اور عہدے پر کام کر رہے تھے۔ جلال نے بریگیڈیر تجمل حسین سے اپنا تعارف کر کے حیدری کالم کی تمام روئیداد بیان کی جسکے نتیجہ میں بریگیڈیر نے سلیم جہانگیر خان سے شکرانہ لب و لہجہ میں اپنی شگفتہ گوئی کا مظاہرہ کرتے کہا جب آپ واپس سرینگر پہونچیں گے، ان کے دوسرے ساتھیوں کو یہاں آنے میں رہبری کیجئے گا۔ واپسی پر جہانگیر خان نے کیپٹن کو اپنی سرگزشت سنائی — انہوں نے جواب میں کہا حرج ہی کیا ہے چند اور ساتھی ہیں انہیں بھی سرحد

پار دھکیل آؤ۔ غرض جس دن پولیس ہاکہ کھل دُودھ بھری تلاشی لینے پہونچی سلیم جہانگیر خان اور اس خفیہ عسکری تنظیم کا ایک اور سرگرم رکن معراج الدین پنڈت اس وقت وہیں تھے۔ اچانک انہیں پولیس پارٹی پر نظر پڑی جو قدم پھونک پھونک کر بریگیڈیر رحمت اللہ خان کے بنگلے کی طرف بڑھ رہی تھی ـــــ ان دونوں نے محفوظ مقام پر پناہ لی اور پولیس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتے رہے پولیس نے بنگلے کا گھیراؤ کیا۔ دونوں نے بھاگنے کی ٹھان لی اور وہاں گھاس کے ایک بڑے انبار میں چھپ گئے تقریباً بارہ "(۱۲)" گھنٹے تک پولیس کارروائی کے بعد سرحد پار کرکے آزاد کشمیر میں پناہ لی۔ یہی وہ ہتھیار تھے جن کا اقرار علی محمد وکیل اور ان کے ساتھیوں نے عدالت میں کیا۔ ان کی سعی ناکام وادی کے عوامی حلقوں میں پہلی ہتھیار بند شورش سے معروف ہے

پریشاں ہے ہر اک شاخِ سمن زنجیرِ سنبل پر
چمن والو! چمن میں انقلاب ایسے بھی ہوتے ہیں

رفتہ رفتہ حیدری کالم سے وابستہ تمام سرکردہ ممبران ایک ایک کرکے جنگ بندی سرحد عبور کر گئے اور اس تنظیم کے نام کو بطور یادگار وادی میں چھوڑ گئے۔ کیپٹن منشا خان نے راولپنڈی پہونچکر ایک اخباری بیان میں تنظیم کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے اسکی ناکامی کے اسباب بیان کرتے مخفی الفاظ میں آزاد کشمیر کے حکام کے تساہل کو ذمہ وار ٹھہرایا۔ سلیم جہانگیر اسکے بعد کئی بار جنگ بندی لائن کے اس پار آئے، گرفتار ہوئے مقدمات کے دور سے گزرے اور فی زمانہ سیاست سے بیگانہ ہو کر ایک خاموش تماشائی کی پُرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کرنل جوئن سنگھ جسن والیہ

یہ وہ زمانہ تھا جب نیشنل کانفرنسی زعماء ریاست میں رونما ہونے والی ہر بات کے لئے پاکستان کو قصوروار ٹھہرانے کا جتن کر رہے تھے اور وہ اس دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں بڑھ چڑھ کر بولنے کے عادی بن گئے تھے جبکہ نیشنل کانفرنسی لیڈروں کے اس طرزِ عمل نے بعض مختلف تصورات سے متاثر ہونے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نظریاتی رابطے قائم کرنے کی گنجائش مفقود کر دی تھی

بذاتِ خود ہندوستانی قائدین کشمیر کی انفرادیت کے چرچے کرتے رہے جسکو روبعمل لانے کی آڑ میں ریاست میں مختلف عوامی ادارے اور تنظیمیں تشکیل دینے اور نظریاتی ہم آہنگی استوار کرنے میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ اِس طرزِ سیاست سے ہندوستانی نظریہ کشمیری سماج کی معاشی اور سیاسی زندگی کے دکھ کے درد کا مداوا نہ بن سکا کیونکہ اسکے پس منظر میں ایک آمرانہ اور غیر جمہوری سیاسی دباؤ کا احساس اندھے طوفان کے مانند جاگزین ہوا جسکے تحت نہ تو کسی دوسرے سیاسی نظریہ کی ترویج و تبلیغ کی اجازت تھی اور نہ نیشنل کانفرنس کی مرغی کی ایک ٹانگ والی سیاست سے اختلافِ رائے کی گنجائش تھی۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی بدگمانیاں بڑھتی گئیں اور انہوں نے خاموش احتجاج کے طور پر نیشنل کانفرنس کے پبلک جلسوں اور محفلوں سے کنارہ کشی اختیار کی جبکہ مرکزی حکومت اِس سے خائف ہوئی اور سنجیدگی سے اسکا نوٹس لیتی رہی۔

ان ہی دنوں مرکزی حکومت نے وادیٔ کشمیر میں انٹلی جنس بیورو کا یونٹ سیٹھ متھرا داس کے بنگلہ واقع گپکار سری نگر میں کرنل جوہن سنگھ حسن والیہ کی سرکردگی میں قائم کیا۔ کرنل جوہن سنگھ حسن والیہ سکھ تھا۔ انٹلی جنس بیورو کے اِس یونٹ کے پلک سنوارنے اور اسکو مستحکم اور محکم بنانے کے لئے مرکزی حکومت نے ریاستی پولیس سے انسپکٹر سورج پرکاش سنت کو مستعار لیکر اپنا معاون بنایا تھوڑے ہی عرصہ کے اندر انٹلی جنس بیورو نے تمام ریاست کو اپنے دائرہ نظر میں رکھنے کیلئے اپنے عملے کو پھیلایا جسکی ریاستی حکومت نے ابتداء میں کوئی نوٹس نہیں لی وہ یہ سمجھتی رہی کہ یہ محکمہ اسکی امداد کیلئے وجود میں لایا گیا ہے اور ریاستی حکومت کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دے گا لیکن یہ خوش فہمی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی بلکہ ریاستی حکومت اس سے گلو خلاصی پانے کی تدبیریں سوچنے لگی۔

کرنل حسن والیہ نے ریاستی حکومت کے استحکام، سیاسی نظریہ کی مقبولیت اور عوام کے سیاسی افتادِ طبع کے بارے میں ایک خفیہ رپورٹ مرتب کرکے مرکزی

وزارتِ داخلہ کو بھیجی۔ رپورٹ میں نیشنل کانفرنس کی عوامی ساکھ کا تجزیہ کرتے اسے مفلوج ومفقود قرار دیا اور لکھا کہ اسکی طوطی محض اقتدار کے بل بوتے پر بول رہی ہے، رپورٹ میں بتایا گیا کہ اس جماعت کے لیڈر مفاد پرستوں، سیاسی جعلسازوں، چاپلوسوں، طالع آزماؤں اور ان سے وابستہ غنڈوں کے سہارے زندہ ہیں۔ اگر انکو اقتدار سے الگ کیا جائے تو احتمال ہے کہ انکے اپنے ہی حامی ان کیلئے باعثِ تشویش بن جائینگے۔ زرعی اصلاحات کے نافذ العمل کو خفیہ رپورٹ میں اِن اصلاحات پر ریاستی ہندوؤں کے شک وشبہات تشویش اور طریقہ کار کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے اسے مسلمانوں کو فائدہ پہونچانے کا ایک عمدہ وسیلہ قرار دیا گیا تھا۔ رپورٹ میں مندرج نقطوں کا بخشی غلام محمد کو اپنے ذرائع سے پتہ چلا۔ انہوں نے ریاستی وزیر اعظم کو اس سے باخبر کیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اِس پر رائے زنی کرتے اسے شرانگیز اور مداخلت بے جا قرار دے کر اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔

اِسی دوران انٹلی جنس بیورو نے جموں میں جنگ بندی سرحد کے قریب چھاپہ مار کر پاکستانی ساخت کے بندوق، پستول، ریوالوروں اور دستی بموں سے لیس ۳ پیٹیاں برآمد کر کے ضبط کیں اور کئی گرفتاریاں عمل میں لائیں ایک سچے ہندوستانی کی حیثیت میں شیخ محمد عبداللہ پر بظاہر یہ لازم تھا کہ انٹلی جنس بیورو حکام کو آتشیں اسلحہ ضبط کرنے پر داد دیتے (جبکہ انکے برافروختہ ہونے کو غیر معقول نہیں ٹھہرایا جاسکتا کیونکہ مرکزی خفیہ ایجنسی کیلئے یہ شرط لازمی ہے کہ ضبطی اور گرفتاری علاقائی پولیس تھانے کی وساطت سے عمل میں لائی جائے) لیکن انہوں نے اِس طریقہ کار کو ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت بیجا کا نام دیکر اپنے شدید رنج وملال کا اظہار کیا جس میں تذکرہ صدر خفیہ رپورٹ بھیجنے پر ناراضگی کا عنصر بھی شامل تھا سردار جوگندر سنگھ جسن والیہ کو چوبیس ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر ریاست جموں وکشمیر سے باہر نکل جانے کا حکم یہ کہہ کر جاری کیا چونکہ ریاست اندرونی طور خودمختار ہے۔ مرکزی حکومت کو خفیہ ایجنسی قائم کرنے کی عارضیتاً اجازت دی گئی ہے۔ اِس قماش کے لوگوں کی عجیب وغریب

حرکتوں سے حکومتِ ہند اور ریاست جموں و کشمیر کے تعلقات بگڑنے کا قطعی احتمال ہے۔

ریاستی حکومت کے اس حکم کے خلاف سب سے پہلے سوشلسٹ لیڈر رام منوہر لوہیا اور مدھو لمیا نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ریاستی حکومت کو اپنا حکم واپس لینے کو کہا۔ انہوں نے "ریاست میں کمیونسٹ راج" کے نام سے ایک پمفلٹ بھی جاری کیا جس میں شیخ محمد عبداللہ کی حکومت اور ان کی جماعت نیشنل کانفرنس کی تانا شاہی کا پوسٹ مارٹم لیا گیا۔

اس حکم کو مرکزی وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کسی چیلنج سے کم نہیں سمجھا، ردِ عمل کے طور پر وزیر اعظم کشمیر معہ کابینہ وزراء کے دہلی طلب کیے گئے جہاں دلائل کے طویل تبادلہ کے بعد ریاستی وزیر اعظم نے ناک رگڑ کر حکم واپس لینے میں ہی اپنی خیر جانی جو شیخ محمد عبداللہ کی پہلی ہار تھی جس کو سیاسی حلقوں میں شیخ محمد عبداللہ کی پہلی شکست سے تعبیر کیا گیا اور کہا گیا کہ اس سرزنش سے آیندہ وہ مرکزی حکومت کی منشا کے بغیر ایسے احکامات جاری کرنے میں محتاط رویہ اختیار کرے گا جن کے اجراء کرنے میں وہ اپنی استحقاق سے زیادہ طاقت کا مظاہرہ کرنے کا مرتکب ہوا ہے۔

اس چشمک نے شیخ محمد عبداللہ کے جنونِ خود فریبی کو اپنی نگاہ اور عوامی سطح پر دھچکا دیا جب کہ وقتی مصلحتوں کے باعث وہ خاموش رہے لیکن افہام و شعور کی مخفی حس نے یہ حقیقت ان پر منکشف کرنے میں کسی رو رعایت سے عار نہیں کیا کہ مستقبل کے خاکوں کی تم جو لکیریں کھینچ رہے ہو، ان حالات میں شرمندۂ تعبیر ہونی ممکن نہیں۔

صبح دم یہ سوچ کر خوش تھے کہ اجلے ہو گئے
دوپہر تک پھر ہمارے جسم کالے ہو گئے

(۳)

زرعی اصلاحات

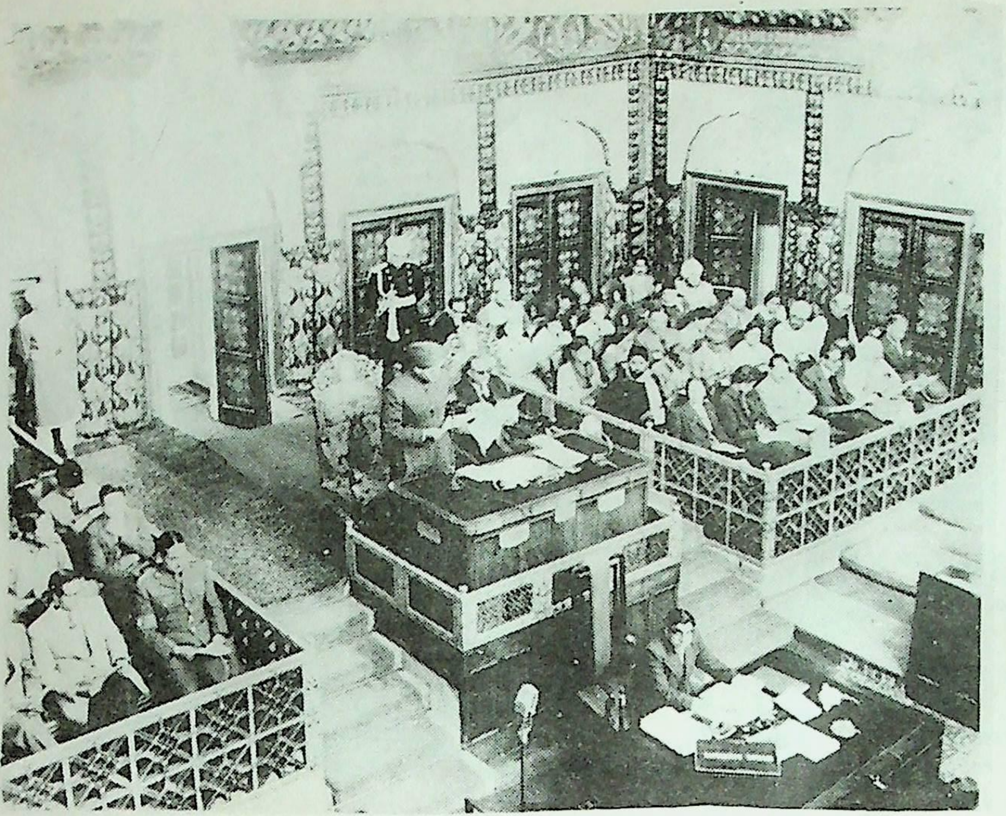
وہ ایک لفظ کی خوشبو نہ رکھ سکا محفوظ
میں اس کے ہاتھ میں ساری کتاب کیا دیتا

سیاسی واقعات کے تجزیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگرچہ ، ریاستی سیاستدان اپنے فن میں پختہ کار اور سلجھے ہوئے ذہنوں کے مالک نہیں تھے لیکن اتنے بھی ناداں نہ تھے کہ وہ عوامی سطح پر اپنی سیاسی ساکھ کی عصمت لوٹتے دیکھنے کی حِس سے محروم تھے۔ کرنل حسن والیہ کے سروے رپورٹ اور عوامی عدم تعاون نے ان کے احساس کو جھنجھوڑا ۔ انہوں نے اس معنی خیز خاموشی کو توڑنے کے لئے ذہین اور زرخیز دماغوں کی رفعتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے لب و لہجے میں تبدیلی پیدا کی ۔ وہ جانتے تھے کہ سماجی زندگی کا اصل عنصر محنت ہے جس کا مقصد مادی فوائد اور سہولیات کی تخلیق ہے انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ سماج کا وجود اس کی بقاء اور ارتقاء کی بنیادیں متعین کرنے کے لئے ریاست کی ۹۶ فی صد آبادی جو کسانوں اور کاشتکاروں پر مشتمل ہے جب تک نہ ان کی بنیادی ضرورتوں اور حقوق کی حفاظت کے لئے ٹھوس

اقدام کیے جائیں حالات بہتر نہیں ہو سکتے ہیں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شہری عوام کی معنی خیز خاموشی کے ساتھ ساتھ انکا عدم اشتراک ہماری فضا کی نوائے جرس ہو گی۔ انہوں نے نوشتہ دیوار پڑھ کر زرعی اصلاحات نافذ کرنے کا اعلان کیا۔ جیسا کہ آپ آگے پڑھ چکے ہیں کہ اقتدار سنبھالنے سے قبل بھی نیشنل کانفرنس لیڈر شپ زرعی اصلاحات کا غیر واضح اور مبہم تذکرہ کرتے رہے۔

لینڈ ریفارم کمیٹی کا قیام

چنانچہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۹ء کو اس ضمن میں حکومت نے واضح اعلان کیا اور ۱۲ اپریل ۱۹۴۹ء کو اس اعلان کے تحت مرزا محمد افضل بیگ۔ وزیر مال کی قیادت میں لینڈ ریفارم کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ممبران وزیر ترقیات غلام محمد صادق، وزیر خزانہ گردھاری لال ڈوگرہ۔ ٹھاکر کرتار سنگھ اور سلر کے ذیلدار غلام محمد میر نامزد کیے گئے۔ سیکریٹری کے فرائض آر سی رینہ کو تفویض ہوئے۔ کمیٹی کے فرائض میں بڑے بڑے زمینداروں اور چکداروں سے زمین حاصل کر کے کسانوں اور کاشتکاروں میں تقسیم کرنا مقصود قرار پایا۔ کمیٹی مستحق لوگوں میں زمین تقسیم کرنے کے معاملات اور اس کے تمام قانونی، آئینی اور اقتصادی پہلوؤں پر غور کر کے رپورٹ مرتب کرنے کی مجاز قرار پائی کمیٹی نے زمین حاصل کرنے اور کسانوں میں تقسیم کرنے کے لئے ایک طویل سوالنامہ مرتب کر کے شائع کیا۔ چکداروں اور جاگیرداروں کو اپنی شکایات اور تجاویز پیش کرنے کے لئے ۲۸ مئی ۱۹۴۹ء تک کی مہلت دی گئی ساتھ ہی خالی اور خالصہ زمین کو بھی زیر کاشت لانے کا اعلان کیا گیا جس میں شاہی محلات کے قریب مہاراجہ ہری سنگھ کے دو ہزار کنال رقبہ اراضی کو بلا معاوضہ کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کا پروگرام شامل تھا۔ اعلان کے صرف ایک ماہ بعد چشمہ شاہی کے آس پاس زینتھ یار، تھید اور وریاغ میں مہاراجہ ہری سنگھ کی دو ہزار کنال ذاتی زمین "زیادہ اناج اگاؤ" کے نام پر مقامی لوگوں میں بغیر کسی (۲)



راج گڈھ سری نگر
کی نذرِ آتش شدہ
قانون ساز
اسمبلی کا اندرونی
منظر ۔



جناب آیت اللہ سید احمد رضوی



شری پریتمبر ناتھ درفانی



جناب چودھری حمید اللہ



جناب سیف الدین کچلو



جناب منشی محمد اسحاق



جناب سردار محمد عبد القیوم خان

قانونی ضابطہ کے مفت بانٹی گئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی ذات سے لاکھ عداوت بجا سہی لیکن حکمرانی کے قرینے اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ اپنے غصے کی پیاس مخالف کے خون سے بجھائی جائے۔ یہی وہ بنیادی خامیاں ہیں جنہوں نے ریاست کی سیاسی و معاشی عمارت کی بنیادیں ٹیڑھی کھڑی کیں۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج　　تا ثریا مے رود دیوار کج

اعلان میں رقبہ ہائے شاملات پر ان لوگوں کے حق کو تسلیم کرنے کا وعدہ دیا گیا جن کے پاس زمین یا تو سرے سے ہی نہ ہو یا اگر ہو تو بہت کم۔

دادرساں مقروضاں

درحقیقت اس دور میں ریاستی کسان عام طور پر اور خصوصاً صوبۂ کشمیر میں ہندو ساہوکاروں کے قرضے کے بوجھ تلے دبے تھے۔ معمولی رقم جو سود در سود کے دائرے میں آکر پردادا سے شروع ہو کر پڑپوتے تک ان کی گردن پر ایک نہ ٹوٹنے والا عذاب بنا تھا۔ قرین انصاف اور وقت کا تقاضا تھا کہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے مثبت اقدام کئے جائیں۔ چنانچہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۹ء کو منسوخی قرضہ جات کے سلسلے میں آرڈیننس دادرساں مقروضاں جاری ہوا۔ سرکاری طور بتائے گئے ایک اندازے کے مطابق اس سے تین (۳) ارب روپے تک کے قرضے جو سود در سود سے واجب الادا ہیں، منسوخ ہونگے۔ اس آرڈیننس کے تحت قرضہ جات کی وصولی کے لئے کسی عدالت میں مقدمہ، اپیل، درخواست یا کوئی اور کارروائی چھ (۶) ماہ کے لئے ملتوی رکھنے کا حکم جاری کیا گیا۔ بعدازاں اس آرڈیننس نے قانونی شکل اختیار کی اور اس کے تحت ہر اس قرض خواہ کا دعویٰ منسوخ کیا گیا جس نے مقروض سے اصل زر کا ڈیڑھ گنا وصول کیا ہو۔ بصورتِ دیگر اگر کسی مقروض نے ڈیڑھ گنا یا اس سے کم قرض ادا کیا ہو، قرض خواہ کو باقی رقم کی وصولی کے لئے ڈگری دینے کی

گنجائش رکھی گئی بعینہ اسی طرح ڈیڑھ گنا سے زیادہ رقم وصول کرنے کی صورت میں قرضدار کو بھی زائد رقم کی واپسی کے لئے ڈگری دینے کی گنجائش پیدا کی گئی جسکی ادائیگی کا پابند قرض خواہ کو قرار دیا گیا۔ لیکن ایسے مقدمات شاذ ہی نظر آئے۔

بازرفتگی جائداد مرہونہ

اکثر و بیشتر اوقات ساہوکاروں نے اپنی سودکاری کو محفوظ بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے مقروضان کی زمینوں، مکانوں، ہاؤس بوٹوں اور دوسری املاک و جائداد کو اپنے نام پر رہن کرانے کے کئی انوکھے طریقے ایجاد کئے تھے۔ ان حربوں سے نجات دلانے کے لئے آرڈیننس بازیافتگی جائداد مرہونہ کا نفاذ عمل میں لایا گیا جس کے تحت اگر مرتہن جائداد رہن سے اس قدر فائدہ اٹھا چکا ہو جو زر رہن سے بڑھ گیا ہو تو ایسے رہن منسوخ قرار دے گئے۔ نئے آرڈیننس کی موشگافیوں سے یقیناً سود اور اس سے وابستہ مصائب میں مبتلا لوگوں کو راحت پہونچانے میں مدد ملی۔

قانونِ مزارعاں

اس موقعہ پر قانون مزارعاں ریاست ۱۹۸۰ بکرمی کا تذکرہ بعید از معلومات نہ ہوگا۔ اس قانون کے تحت چند امور مستقل کاشتکاروں کی بے دخلی ممنوع قرار دی گئی۔ اس طرح غیر مستقل کاشتکاروں کی بے دخلی بھی عدالت مالیات میں دفعہ ۵۰ کے تحت نوٹس دینے اور مقدمہ دائر کئے بغیر ممکن نہیں تھا اور یہ ان مالکان زمین تک محدود تھا جو ۱۲ کنال زمین آبی اور ۲۴ کنال خشکی تک کی زمین کو خود زیر کاشت لانا چاہتے ہوں لیکن مالکان زمین کسانوں اور کاشتکاروں سے جب اور جس وقت چاہتے تھے زمینوں سے بغیر کسی قاعدہ قانون کے بے دخل کیا کرتے تھے۔ اس قانون کی آڑ لے کر جاگیردار، چکدار اور منجملہ دیگر لوگوں نے بیدخلی کی اپیلیں دائر کرنی شروع کیں اس نئی صورت حال کو قابو میں

لانے کے لئے حکومت نے ایسی اپیلوں کی شنوائی معرضِ التواء میں رکھنے کا حکم جاری کیا۔

یہاں اس قانونی حوالے کا تذکرہ اسلئے لازمی ہے چونکہ ۱۹۴۷ء میں صوبہ جموں میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان جان بچانے کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر سرحد عبور کرکے پاکستان چلے گئے ان میں سے جو کوئی واپس آیا اس کی زمین اس کی نہیں رہی تھی۔ سینکڑوں ریاستی اور غیر ریاستی باشندوں نے ایسی اراضیات پر قبضہ جماکر اصلی مالک کو انگوٹھا دکھانا شروع کیا جس سے ایک نئی تشویشناک صورت حال پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس کے سدباب کے لئے وزیر مال مرزا محمد افضل بیگ نے قانون مزارعاں کا حوالہ دے کر ایسے لوگوں کو انتباہ کیا۔

"قانون مزارعاں کسی بھی کاشتکار کو ایسی زمین پر مستقل کاشتکاری کا حق نہیں دیتا جس پر کاشتکار کا قبضہ، پاکستانی حملہ یا فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے ہوا ہو۔ امن کے دور میں جو پناہ گزین واپس اپنے گھر آکر اپنی زمین کو دوبارہ زیر کاشت لانا چاہتا ہو، وہ ایسا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ایسے حالات میں موجودہ قابض کی حیثیت عارضی تصوّر کی گئی ہے اور قانون کی رو سے زمین پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا اسے کوئی حق نہیں ہوگا"

وزیر مال کی اس قانونی تشریح نے یہ بات واضح کی کہ جن لوگوں نے ریاستی باشندوں کی اراضیات یا جائداد پر قبضہ جمالیا ہے انہیں جلد یا بدیر ایسے قبضوں سے بے دخل ہونا پڑے گا۔ یہی قرینِ انصاف اور قانون کی زبان ہے اور اگر کسی ایسے قبضہ کو قانونی شکل دے کر مستقبل میں جائز بھی قرار دیا جائے تو بادی النظر میں ایسا قانون لوٹ مار، غارت گری، ڈاکہ زنی اور مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کا قانون کہلائے گا۔

غرض ان حالات کے پیش نظر ریاستی حکومت نے زرعی اصلاحات کا قانون

نافذ ہونے تک کسانوں کو بڑے زمینداروں سے محفوظ رکھنے کے لئے ۳/۴ کا آرڈی ننس نافذ کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل زمین مالک اور کاشتکاروں کے درمیان حاصل شدہ پیداوار دو برابر حصوں میں تقسیم ہوتی تھی۔ اس قانون کے نفاذ سے اب مالکِ زمین پیداوار کے صرف ایک چوتھائی کا حقدار قرار پایا لیکن اس عمل کو ناکارہ بنانے کیلئے حکومت نے کاشتکاروں کو یہ خفیہ ہدایت دی جب مالکِ زمین حصہ لینے آئے تو اسے پیداوار کا حصہ دینے کے بجائے اسکی مار پیٹ کر کے ہڈی پسلی ایک کی جائے جس سے یہ آرڈیننس مذاق بن کے رہ گیا۔ ان اصلاحاتی اقدامات کے اعلان نے یقیناً ایک انقلابی ماحول کو جنم دیا۔ ریاست کے اندر اور باہر ہر جگہ ہر محفل میں اسکی مخالفت و موافقت میں تنقید اور تبصرے ہوئے ایک محدود لیکن با اثر طبقے جن کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی، نے ہندوستان میں ان اقدام کے خلاف رائے عامہ منظم کرنے میں بڑی چالاکی سے کام لیا حتیٰ کہ پنڈت جواہر لال نہرو جیسے جمہور نواز اور اشتراکی مزاج کے مالک نے بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ریاستی حکومت کو دوبارہ سنجیدگی سے غور کرنے کا زوردار مشورہ دیا۔ ملک کے فرقہ پرستوں نے ریاستی حکومت کے اس اقدام کو کمیونسٹ طرز عمل کہنے کے علاوہ ہندوؤں کو کنگال اور مسلمانوں کو آسودہ حال بنانے کا فارمولہ کہا۔ چنانچہ اسکی تردید کرتے وزیر مال مرزا محمد افضل بیگ نے امرتسر میں ۳۰ اپریل کو ایک پریس کانفرنس میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں کہا:

> "حکومتِ کشمیر نے زمین کے متعلق جو چند اصلاحات نافذ کر دی ہیں اس کی وجہ سے استحصالی عناصر کو ناجائز منافع خوری سے ہاتھ دھونا پڑا ہے جس کی بناء پر وہ ریاست اور اس سے باہر فرقہ پرستی کی آگ اگل رہے ہیں"

بذاتِ خود ریاستی مسلمانوں کا ایک طبقہ ان اصلاحاتی اقدامات کو قبل از وقت قرار دینے لگا۔ ان کے عندیہ میں ایسے اقدامات ریاست میں اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن کے تحت ہونیوالی رائے شماری کے بعد مناسب تھے۔ انکی دلیل یہ تھی کہ

حقِ خود ارادیت کے نتیجے میں اگر ریاست پاکستان میں شامل ہوتی ہے تو جاگیردار جو تقریباً تمام کے تمام ہندو ہیں، زمینیں چھوڑ کر چلے جائیں گے اور کسان بغیر کسی زحمت کے زمینوں کے مالک بن جائیں گے۔ بصورتِ دیگر رائے شماری کے نتیجہ میں اگر ریاست ہندوستان میں ہی شامل ہوئی تو ایسے قوانین کا نفاذ ہندوستانی جمہوریت کی دین کے مستحق قرار پائیں گے۔ ریاست کا پڑھا لکھا طبقہ جن میں زمینداروں کا ایک ایسا گروہ بھی شامل تھا جنہوں نے وقتاً فوقتاً تحریکِ آزادی کی آبیاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا تھا، ان اقدام کے مخالف تو نہیں تھے البتہ وہ اراضیات کا اگر پورا نہ سہی لیکن کم سے کم معاوضہ حاصل کرنے کے متمنی تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ چک اور جاگیریں ان کے بزرگوں کو کوئی معجزہ دکھانے سے نہیں ملی بلکہ انہوں نے رائج الوقت حکمرانوں سے اپنی محنت اور کارگزاری کے صلہ میں پائی ہے۔ برسبیلِ دلیل اگر انہیں زمینیں مفت بھی حاصل ہوئی ہوں تو بھی موجودہ زمانے میں جو لوگ ان کے مالک ہیں، رواں حالات میں ان کی بسر اوقات ان زمینوں کی آمدنی پر منحصر ہے وہ معاوضہ حاصل کئے بغیر اپنے لئے کسی مناسب پیشہ کو اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ اس ٹھوس اور وزن دار دلیل کے سامنے حکومت بے بس ہونے کے باوجود اپنے موقف پر اَڑی رہی اور مرکزی حکومت کو یہ باور کراتی رہی کہ زمین کسانوں میں مفت تقسیم کرنے سے رائے شماری کے موقع پر ان سے ہندوستان کے حق میں ووٹ حاصل کرنے میں آسانی ہوگی مزید یہ کہنے سے گریز نہیں کیا گیا۔ چوں کہ آئینِ ہند کے باب (۳) بنیادی حقوق کی دفعہ (۳) کا اطلاق ریاست جموں و کشمیر پر نہیں ہوتا، ریاست اندرونی طور خود مختار ہے، حکومتِ ہند کو ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ کہنے کے باوجود مرکزی حکومت کو قائل کرنے کی خاطر یہ دہلی کی لمبی دوڑ لگاتے رہے اور جب شیخ محمد عبداللہ

مرکز کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے معہ اراکین کابینہ دہلی گئے تو طویل گفت وشنید کے بعد مرکزی حکومت نے اس عمل کی بجاآوری کی حامی بھری۔

یہی وہ مقام ہے جب وزیر اعظم ہند کی نظر انتخاب نے ریاست میں متبادل لیڈرشپ کے لئے بخشی غلام محمد کو چن لیا۔ اس کے اعتراف اور حوصلہ افزائی کے لئے ریاستی وزیر اعظم کے نام اپنے مکتوبات کی کاپیاں اسے بھیجنی شروع کیں جس پر شیخ محمد عبداللہ نے زوردار احتجاج کیا ؎

محدود محبت کسی صورت پہ نہیں ہے
نظریں جسے چن لیں وہ حسینوں سے حسین ہے

اس عمل سے بخشی غلام محمد کو بھی اپنی اہمیت اور دوغلے سیاسی حسن کردار کی عظمت کا احساس ہوا۔ زرعی اصلاحات کی عمل آوری پر اپنے نظریے کی فتح یابی پر شادماں ہو کر شیخ محمد عبداللہ واپس سرینگر لوٹے۔ غلام محمد صادق گردوں کے آپریشن اور بخشی غلام محمد نجی کام سے بمبئی روانہ ہوئے جہاں دونوں نے ایک ہی ہوٹل میں قیام کیا۔ ایک شب بخشی غلام محمد رات گئے شراب کے نشہ میں دھت ہو کر غلام محمد صادق کے کمرے میں آئے اور انہیں کشمیری زبان میں مخاطب ہو کر کہا:

"صادق میرا ساتھ دو، میں نے اس لمبے کا دہلی میں پتہ کاٹ لیا ہے۔ یہ ہمیں انگلیوں پر نچا رہا ہے۔ میں اس کو چھٹی کا دودھ یاد دلاؤں گا" اگلی صبح شراب کا نشہ ہرن ہوتے ہی بخشی غلام محمد کو یہ احساس ستانے لگا کہ کہیں غلام محمد صادق راز فاش نہ کردے انہوں نے غلام محمد صادق کو اسلوب لفاظیت کے مختلف زاویوں سے شب گزشتہ کی باتوں کو کریدا۔ غلام محمد صادق بھانپ گئے اور انجان بن کر بخشی غلام محمد کے نئے انداز بیان کی داد دیتے رہے۔ اس پر بخشی غلام محمد نے اطمینان کی سانس لی اور اسے اپنا واہمہ سمجھ کر بھول گئے۔

اپریل ۱۹۵۱ء میں ان دونوں کے مابین سیاسی چپقلش بام عروج کو پہونچی۔ غلام محمد صادق نے انہیں نیچا دکھلانے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کو مندرجہ بالا واقعہ بتایا۔ انہوں نے جواب میں بخشی غلام محمد کے سامنے واقعہ دہرانے کی ہدایت کی۔ اسی دوران بخشی غلام محمد کو اپنے ذرائع سے اس کی اطلاع ملی تھی۔ انہوں نے وقت مقررہ پر اپنے اکلوتے نابالغ بیٹے بخشی بشیر کو ساتھ لایا اور اس کی قسمیں کھا کھا کر غلام محمد صادق کو جھٹلایا۔ غلام محمد صادق کی خاموشی کو ان کے مکر جانے کے مترادف سمجھ کر شیخ محمد عبداللہ ان پر سخت برہم ہوئے اور کہا "تم دونوں بھائی (غلام محی الدین قرہ، غلام محمد صادق) پارٹی میں فتنے جگا کر قوم کو غرق کرنے پر تُلے ہو۔ تم دونوں نے سازشوں اور چغل خوری کو اپنا پیشہ بنایا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ۲، اپریل ۱۹۵۱ء کو کیبنٹ میں تخفیف کے بہانے غلام محمد صادق کے ساتھ پیر محمد خان کو کابینہ سے مستعفی ہونا پڑا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں بخشی غلام محمد کی سفارش اور حمایت سے غلام محمد صادق، قانون سازیہ کے سپیکر منتخب ہوئے۔ اس طرح بخشی غلام محمد نے غلام محمد صادق کو اپنی سیاسی بساط اور ریاستی وزیر اعظم پر اپنی گرفت کا لوہا منوانے کا ثبوت فراہم کیا۔ اس دور میں مرزا محمد افضل بیگ جب بھی زرعی اصلاحات کا ذکر کرتے تھے تو ان کا تکیہ کلام تھا "اگر اصلاحات نافذ کرنے میں کسی قسم کی مداخلت کی گئی تو ہندوستان سے الحاق کے معاملے میں ہمیں دوبارہ غور کرنا ہوگا"

نیشنل کانفرنس ورکنگ کمیٹی کی قرارداد

۱۰، جولائی ۱۹۵۰ء کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ لیا کہ جن زمینداروں کے پاس ایک ہزار کنال سے زائد زمین ہے ان کے پاس ۱۶۰ کنال زمین مستثنیٰ رکھ کر باقی ماندہ اراضی کسانوں اور کاشتکاروں میں مفت تقسیم کی جائے گی۔ قرارداد کا متن ملاحظہ کیجئے۔

"وہ تمام چکدار جن کی ملکیت میں ایک ہزار کنال رقبہ سے زیادہ اراضی موجود ہو ان کی تمام مزروعہ وغیر مزروعہ زمین باستثنائے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کنال رقبہ مزروعہ ان کی ملکیت سے خارج متصور ہوگا اور اس میں سے مزروعہ رقبہ اس زمین پر ہل چلانے والے کاشتکاروں کی ملکیت بلا معاوضہ قرار دی جائے گی۔ البتہ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کنال مزروعہ رقبہ جس کو مالک زمین بذاتِ خود کاشت کرنے کے لئے منتخب کرے اسکا وہ مالک متصور ہوگا۔"

خاتمۂ چکداری کا اعلان

قرارداد پاس ہونے کے بعد وزیر اعظم کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ۱۳ر جولائی ۱۹۵۰ء کی صبح (۹) نو بجے لال چوک سرینگر میں ایک برائے نام عوامی جلسہ سے جو درحقیقت پولیس، نیشنل میلیشیا، ہوم گارڈ اور پیس بریگیڈ کے رضاکاروں اور جوانوں پر مشتمل تھا، خاتمہ چکداری کا اعلان کیا اور اسی شام خواجہ بازار میں مزارِ شہدا پر اسی بیان کو دوہرانے مزید کہا:

"نیشنل کانفرنس نے ۱۹۳۸ء میں (۲۷) غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ کرنے اور زمین کسانوں کی ملکیت قرار دینے کا اصول تسلیم کیا ہے۔ اس اصول کے پیشِ نظر زمینوں کی کاغذی ملکیت کو برداشت نہیں کیا جاسکتا ——— وقت کا تقاضا ہے کہ کسانوں کی بہبودی اور خوشحالی کا سامان پیدا کیا جائے چنانچہ ہم نے جاگیرداری اور چکداری کا خاتمہ کرنے کے علاوہ کسانوں کو قرضداری سے نجات دلانے کے لئے قانون دادرسی مقروضان اور بازیافتگی املاک و جائیداد مرہونہ وغیرہ منظور کیا ہے

زرعی اصلاحات کا اعلان بحیثیت مجموعی ساری ریاست پر حاوی ہے اس میں دشمن کے مقبوضہ علاقے بھی شامل ہیں۔ اودھمپور کی ان رکھوں کو جو وہاں کا

کسانوں سے چھینی گئی ہیں ہم نے واگزار کیا ہے اور مالیہ بھی کسانوں کو واپس کیا۔ ۱۹۳۱ء میں پونچھ کے کسانوں کو مکان کی زمینوں پر حق ملکیت عطا کرنے کا سوال اُٹھایا گیا تھا۔ آج ہم نے وہ حق ملکیت بھی وہاں کے کسانوں کو عطا کیا اور اب پونچھ کے کسان زمینوں کے مالک بن گئے ہیں "

اس دور میں آزاد کشمیر کے لیڈروں کو للکارنا شیخ محمد عبداللہ اپنی تقریر کا اہم جزو تصور کرتے تھے ورنہ انہیں اپنی تقریر بڑی پھیکی لگتی تھی۔ بھلا ایسے نادر موقع پر وہ ایسا کرنے سے کیوں کر باز رہتے۔ آپ نے کہا:

" میں ان ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے والوں سے کہوں گا کہ پاکستان کسی بھی صورت میں ہمارا ہمدرد نہیں بن سکتا ہے۔ اس مملکت میں نوابوں اور جاگیرداروں کی عملداری ہے۔ ہماری دوستی صرف ہندوستان سے نبھ سکتی ہے اور وہیں ہمارے پروگرام کامیاب ہو سکتے ہیں کیوں کہ ہند میں جمہوری طاقتیں زیادہ مضبوط ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر آزاد کشمیر کی رٹ لگانا ترک کر دیں اور ہمارے ساتھ ہاتھ ملا کر تمام ریاست کو حقیقی معنوں میں آزاد کرائیں "

شیخ محمد عبداللہ نے دوران تقریر نیشنل کانفرنس کے فاسسٹ نعرہ "ایک لیڈر، ایک تنظیم اور ایک پروگرام کو سختی سے اپنانے پر زور دیا۔ زرعی اصلاحات کو انڈین نیشنل کانگریس کے پروگرام سے مطابقت دیتے کمار آپا کمیٹی کا بھی ذکر کیا، جو کسی زمانے میں کانگریس نے زرعی اصلاحات تجویز کرنے کے لئے تشکیل دی تھی۔ زمینداروں کو معاوضہ نہ دینے کے بارے میں غیر مبہم الفاظ میں کہا:

" کافی غور و خوض کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ جن لوگوں کے پاس ایک ہزار کنال سے زیادہ اراضی ہے۔ انہیں معاوضہ دینا جائز نہیں۔ ماضی میں انہوں

نے اراضیات سے کافی فائدے حاصل کئے ہیں اور حکومت کی مالی حالت اس پر سوچنے کی اجازت نہیں دیتی "

معاوضہ نہیں دینے کے بارے میں مرکزی حکومت سے اختلافِ رائے کے ضمن میں کہا:

"ہم نے انکے ساتھ جب صورتحال پر تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ یہ ریاست کا اندرونی معاملہ ہے ہم جیسے چاہیں اس کو حل کر سکتے ہیں۔ جدید انقلاب کی زد میں آئے ہوئے لوگوں نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا ہے کہ ہم کمیونسٹ ہیں اور روسی پروگرام پر عمل کر رہے ہیں۔ اس رجعت پسندانہ پروپیگنڈے سے گھبرا کر ہم اپنے ارادوں سے باز نہیں آئیں گے۔ ہمارے پروگرام کو کمیونسٹ پالیسی یا روسی نظریہ سے کوئی تعلق نہیں ہے"،

وزیر اعظم کشمیر نے اپنی تقریر میں فاتحانہ انداز میں زرعی اصلاحات کی قلابیں عالمی اقتصادی نظام سے جوڑتے ہوئے اسے بر اعظم ایشیا میں دولت کی غیر مساویانہ تقسیم اور امن کی بالادستی کے لئے لازمی قرار دیتے انتباہ کیا، " ورنہ انقلاب کی چنگاریاں بھڑکتی رہیں گی۔ چین کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ امریکہ نے پانی کی طرح ڈالر بہائے اور دل کھول کر مارشل چنگ کائی شک کی امداد کی لیکن بڑی زمینداریاں ختم نہیں کیں۔ مارشل کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہی حال کوریا کا ہے۔ جنوبی کوریا پر امریکہ قابض ہے اور شمالی حصہ روس کے قبضہ میں ہے جہاں دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ختم کی گئی ہے ——— شمالی کوریا کی فوج میدان پر میدان مارتے آگے بڑھ رہی ہے" شیخ محمد عبداللہ کے اس تجزیہ سے کلام نہیں، البتہ وہ یہ بتلانا بھول گئے کہ ان کا روئے سخن ہندوستان اور امریکہ [۲] دو میں سے کس کی جانب ہے۔ کیوں کہ دونوں ممالک میں تا حال وہاں کی حکومتوں نے ایک کی پگڑی دوسرے کے سر باندھنے والے قسم کی زرعی اصلاحات نافذ نہیں کئے اور نہ انقلاب کی چنگاریاں [۲۵] شعلہ ہی بھڑکیں۔

انہوں نے زرعی اصلاحات کو فرقہ پرستی کے گز سے ناپنے والوں کو انتباہ کرتے کہا:

"مفادِ خصوصی کے مالک ہمارے اقدامات کو ہندو مسلم رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ جب فرقہ وارانہ اتحاد و اتفاق کے امتحان کا وقت آیا، ہم کامیاب و کامران نکلے۔ اگر ہم فرقہ پرست ہوتے تو دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کے ساتھ ملنے سے روک نہیں سکتی تھی"۔

اسی موضوع کو لے کر ۱۴ جولائی ۱۹۵۰ء کو آپ نے جامع مسجد سرینگر میں نمازیوں کے اجتماع میں چھیڑا اور ۱۳ جولائی کی تقریر دہراتے مزید کہا:

"ایسے زمینداروں کی تعداد پونے چار سو (۴۰۰) کے قریب ہے جن میں چھینی کا راجہ، پنڈت بلہ کاک در، سلام شاہ نقشبندی، میر مقبول گیلانی، دیوان بدری ناتھ کی بیوہ شریمتی ودیاوتی، وزیر رام سرن داس، وزیر تیج رام، سردار کشن سنگھ، دیوان دھنپت رائے، اننت رام، چہل سنگھ، چوہدری غلام مصطفےٰ، ہیندر کشن کول، لداخ کے گمپا اور زیارتِ پیر دستگیر کی خانقاہ قابلِ ذکر ہے۔ ہمیں زیارت پیر دستگیر سے بے حد عقیدت ہے لیکن اظہارِ عقیدت کا طریقہ یہ نہیں کہ ہم اس زیارت کے نام پر کسانوں کی محنت کا استحصال کریں۔ اگر کسی کو فی الواقعی اس زیارت سے عقیدت ہے تو وہ اپنے حصہ کی غذا زیارت کی نذر کرسکتا ہے"۔

یہ وہ زمانہ تھا جب شیخ محمد عبداللہ کی شخصیت کے نیچے بظاہر ریاستی سیاست دب کر دم توڑ چکی تھی۔ انکے گرانڈیل ساتھی ان کی گرج سے کانپ اٹھتے تھے اور ہندوستانی سیاستدان خاموشی سے حالات کا مشاہدہ کر کے مستقبل کے خاکے بنا رہے تھے۔ ۱۷ جولائی کو عید الفطر کی تقریب سعید تھی۔ عید گاہ سرینگر میں انہوں نے اشاروں میں زرعی اصلاحات کے بارے میں ہندوستانی لیڈروں کی افسردگی اور ناپسندیدگی پر تبصرہ کرتے انکے شبہات کو وہم سے تعبیر کیا پھر ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا تصور پیش کرتے کہا یہی وہ ادارہ ہوگا جو جاگیردارانہ نظام کے مستقبل کا حتمی فیصلہ کرے گا اور کہا

"ہمارے نیا کشمیر پروگرام پر عمل کرنے سے ہندوستان یا کشمیر میں کسی جماعت کو ناراض نہیں ہونا چاہیئے ــــ اگر ان میں سے کسی کو یہ خیال ہے کہ وہ ہندوستان کی کسی جماعت سے مل کر ہماری راہ میں رکاوٹیں ڈال سکتا ہے تو وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہے ــــ یہاں کے لوگوں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ شاہی خاندان کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ لیکن دشمن کے مقبوضہ علاقوں کے برخود غلط رہنما کہتے ہیں کہ شیخ عبداللہ ہری سنگھ کا غلام بن گیا ہے۔ میں انہیں یاد دلانا چاہتا ہوں جن دنوں وہ ہری سنگھ کو ظل اللہ کہتے تھے، میں نے کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ بلند کیا تھا۔ مجھے اس مہاراجہ کا غلام کہا جاتا ہے جس کو اب ریاست میں آنے کا کوئی حق نہیں ہے ــــ نیشنل کانفرنس نے یہ مسئلہ حکومتِ ہند سے طے کیا ہے کہ یہاں کے لوگوں کو اپنی تشکیل دی ہوئی آئین ساز اسمبلی میں اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ شاہی خاندان کو قائم رکھیں گے یا نہیں ــــ مفاد پرست اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ زرعی اصلاحات کے نفاذ پر ابھی یوراج کرن سنگھ نے دستخط نہیں کیے یہ لوگ بھول رہے ہیں کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں، کرن سنگھ نہیں"۔

نیشنل کانفرنس جنرل کونسل کی تصدیق

ان ہی دنوں نیشنل کانفرنس جنرل کونسل کا اجلاس گاندربل میں شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں ۲۸ جولائی ۱۹۵۰ء کو منعقد ہوا۔ جس میں ورکنگ کمیٹی کی اس پاس شدہ قرار داد کی تصدیق کرتے ہوئے زرعی اصلاحات کے ضمن میں مزید کئی اہم فیصلے لئے گئے۔ جنرل کونسل نے ان ریاستی باشندوں کے املاک پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے جو اپنی مرضی سے یا جبراً پاکستان چلے گئے تھے، درج ذیل قرار داد پاس کی۔

"ان ایجنسٹس چاہے وہ ہزار کنال سے زیادہ رقبے کے مالک ہوں یا تھوڑے۔ اور چاہے ان کی زمین کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ باستثنائے

باغات، بیدار، سفید زار، ایڈہاک ان کے زرِ وعہ رقبات کو ہل چلانے والا کاشتکاروں کی ملکیت بغیر کسی شرط و شرائط اور بغیر کسی معاوضہ کے قرار دیا جائے گا"۔

دراصل یہ قرارداد بر وزنِ شعر تھی۔ اسکا مدعا ان لوگوں کا منہ بند کرنا تھا جو گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے کہ زرعی اصلاحات کا نفاذ غیر مسلموں کو محتاج اور کشمیر سے بھگانے کی سوچی سمجھی چال ہے۔ مندرجہ صدر قرارداد سے انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا بھی مقصود تھا کہ نیشنل کانفرنس اس معاملہ میں غیر مسلموں سے کہیں زیادہ ان مسلمانوں کے بارے میں سخت اقدام اٹھا رہی ہے جو بقول ان کے انمی ایجنٹس کہلاتے ہیں لیکن یہ سیاسی بھرم زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا۔ "انمی ایجنٹوں" کی تمام منقولہ و غیر منقولہ املاک و جائداد کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے کسٹوڈین کا محکمہ قائم کیا گیا جو آج بھی خوش اسلوبی اور تندہی سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔

درمیانی مدت میں نیشنل کانفرنسی لیڈروں کو اس امر کا اندازہ ہوا کہ ایک ہزار کنال(۱۰۰۰) سے زائد اراضی کے مالک زمینداروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور اس سے کسانوں کے ایک محدود طبقہ کو ہی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ورکنگ کمیٹی کے سامنے ایک ہزار کنال کی تجویز درگا پرشاد در اور کامریڈ دھنونتری نے اپنے اشتراکی افتاد جس کے پس پردہ جاگیرداروں کے مفاد کا تحفظ مطلوب تھا پیش کی تھی۔ ایک ہزار کنال کی گرہ کھولنے میں مولانا محمد سعید مسعودی اور بخشی غلام محمد کے زیرِ رہنمائی جنرل کونسل کے رواں اجلاس میں ماسٹر روشن لال کے ذریعے ایسی قرارداد پیش کرائی جو کثرتِ رائے سے پاس ہوئی جبکہ ماسٹر روشن لال اس ڈرامہ کے ایک ایکٹ کے ایکسٹرا ثابت ہوئے۔ قرارداد درج ذیل ہے:

"یہ اجلاس رائے رکھتا ہے کہ زمین کاشتکاروں کی ملکیت قرار دینے کے لئے ایک ہزار کنال کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس کو نیچے لایا جائے اور قرار دیا

جائے کہ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کنال رقبہ زرعی کو مستثنیٰ رکھ کر اس سے زائد جس مالک زمین کے پاس جو زرعی رقبہ ہو وہ ان کاشتکاروں کی ملکیت تصور ہوگا جو اس وقت اس پر کاشت کرتے ہیں ۶؎

علم سیاسیات میں ایسی سیاست کو گھٹیا درجہ حاصل ہے جب کسی مفاد کو حاصل کرنے کی غرض سے اسی قوم کے فرد کو بطور شطرنج کے پیادے کے استعمال کیا جائے، ایسے افراد عوام اور جماعتی لحاظ سے ابن الوقت کہلاتے ہیں کشمیری پنڈتوں نے مرکزی حکومت کے ارباب حل و عقد کو حسب روایت تاروں، میمورنڈموں اور وفود کی صورت میں ان اصلاحات کو روکنے کی مہم بام عروج پر پہونچائی۔ اس پر تشویش ظاہر کرتے شیخ محمد عبداللہ نے کہا کہ اقلیتوں میں ایک ایسا عنصر موجود ہے جو زرعی اصلاحات کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوششوں میں مصروف ہے اور انہوں نے کانا پھوسی (WHISPERING COMAIGH) کی مہم شروع کی ہے اور کہتے ہیں زرعی اصلاحات کی ترویج اس لئے عمل میں آئی ہے تاکہ اکثریت کو اقلیت کی قیمت پر فائدہ پہونچایا جائے۔ اس بات کا پروپیگنڈا بسوں، دوکانوں، عبادت گاہوں غرض ہر جگہ ہو رہا ہے کشمیری ہندوؤں کے اس طرز عمل سے خفا ہو کر وزیر مال مرزا محمد افضل بیگ نے اننت ناگ میں کہا۔ "جو ہندو اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہند کے ساتھ الحاق قائم کرنے سے کشمیر میں ہندوؤں کا غلبہ رہے گا وہ غلطی پر ہیں۔" بعد کے واقعات نے مرزا محمد افضل بیگ کی یہ غلط فہمی دور کی جس کا وہ بار بار اعتراف کرتے رہے۔

غرض یہ طے پایا کہ ریاست میں غیر حاضر زمینداروں کی ملکیت میں ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کنال اراضی کے علاوہ مزید دس کنال بید زار یا سفید زار کے لئے، آٹھ (۸) کنال صحن کے لئے اور چار (۴) کنال مکان وغیرہ بنانے کے لئے رہیں گے جس سے وہ ۱۸۲ کنال زمین کے مالک قرار دیئے گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں تحصیلداروں کی ایک خاصی فوج جمع کی گئی

جنہوں نے زمینداروں کی خواہش اور منشا کے مطابق منتخب زمین ان کے نام پر مخصوص کی اور تبدیلی ملکیت بحق کاشتکار کے فرائض انجام دینے لگے

اندیشہ ہائے گوناگوں

غیر حاضر زمینداریاں ختم کرنے کے سلسلے میں ہندوستانی اخبارات نے ریاستی حکومت کو اپنی نگارشات میں ہدفِ ملامت بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ مجبوراً ریاستی حکومت کو اس بے تکی نکتہ چینی کے جواب میں ایک بیان جاری کرنا پڑا جس کا اختصار درج ذیل ہے۔

"غیر حاضر زمینداری ختم کرنے کے متعلق حکومتِ کشمیر کی پالیسی بالکل واضح ہے۔ اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس سے سماج میں انتشار پھیلنے کا مطلق کوئی اندیشہ نہیں بلکہ یہ اقدام سماج کُش رجحانات کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار کا کام دے گا ـــــ اخبارات کے تبصرے غلط اور من گھڑت اندیشوں پر منحصر ہیں۔ آئینی نکتہ نظر سے حکومتِ کشمیر کے اقدام کی مناسبت پر جن دو مفروضات کی بنا پر شک کیا گیا ہے وہ قطعی غلط ہیں۔ ہندیونین کے متعلق ریاستِ جموں وکشمیر کا درجہ ٹھیک وہی ہے جو وہ پہلے بھی یا رہا ہے اور ابھی ہے"

مذکورہ صدر بیان میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کے مجلس دستور سازیہ میں تقریر کا حوالہ بھی دیا گیا جو انگریزی روزنامہ "ہندوستان ٹائمز" مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔

"حکومت جموں وکشمیر جن خاص مسائل سے دوچار ہے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے موجودہ بنیادوں پر ریاست اور ہند کے مابین آئینی رشتے کو بنائے رکھنے کے لئے خاص انتظام کیا ہے"

بیان میں ۱۸ اکتوبر کو مجلس دستور سازیہ میں گوپال سوامی آئنگر کے بیان کا حوالہ بھی دیا گیا جو روزنامہ ہندوستان ٹائمز میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۹ء کی

اشاعت میں شائع ہوا ہے اور جس میں کہا گیا ہے:

"حکومتِ ہند نے بعض امور کے سلسلے میں کشمیر کے عوام سے کچھ وعدے کئے ہیں جن میں کشمیری عوام کو موقعہ دیا جائے گا کہ وہ ہندیونین کے ساتھ اپنا الحاق برقرار رکھیں یا اس سے قطع تعلق کریں۔ حکومتِ ہندیہ وعدہ کر چکی ہے کہ آزادانہ استصواب رائے عامہ کے ذریعے الحاق کا ردِّ عمل کشمیری عوام سے معلوم کیا جائے بشرطیکہ ریاست کے اندر حالات پُرامن بن جائیں جن میں آزادانہ رائے طلبی کی ضمانت مل سکے اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ریاستِ جموں وکشمیر کا آئین وہاں کے لوگوں کی رضی کے مطابق مجلس دستور سازیہ کے ذریعہ بنایا جائے گا اور یہی ادارہ اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ حکومتِ ہند کو ریاست پر کیا اختیارات حاصل ہونگے"

متذکرۂ صدر بیانات کے دائرے میں ریاستی حکومت نے یہ واضح کیا!

"ان دو بیانات سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہند کے آئین میں کشمیر کو ایک خاص درجہ دیا گیا ہے جس کی رُو سے اندرونی معاملوں میں اس کی ملکی خود مختاری کو برقرار رکھنے کی ضمانت دی گئی ہے"

اخبارات کی نکتہ چینی کے دیگر مفروضات کی وضاحت میں کہا گیا کہ

"آئینِ ہند کی دفعہ (۳۱) ریاست جموں وکشمیر پر حاوی نہیں ہے۔ حق تو یہ ہے کہ آئین کی صرف وہ دفعات جو معاہدہ الحاق میں مندرج کسی معاملے سے تعلق رکھتی ہوں ریاست جموں وکشمیر پر حاوی ہیں۔ آئین کی بہت سی دفعات جن میں باب (۳) بنیادی حقوق بھی شامل ہے اور جس کی دفعہ ۳۱، ریاست جموں وکشمیر پر حاوی نہیں ہوتی ہے اسلئے آئین ہند کی خلاف ورزی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کشمیر کا گھریلو معاملہ ہے"

بیان میں بڑے زمینداروں کو معاوضہ دینے سے قطعی انکار کرتے ہوئے دہلی کے دباؤ کے تحت ریاستی حکومت نے صرف اس قدر کہا ___ "چھوٹے زمیندار جن کا ذریعہ معاش زمین کے سوا اور کچھ نہ ہو ان کے لئے حکومت ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں لا رہی ہے جو مستحق اشخاص کا جائزہ لے کر ان کے گزارہ الاؤنس کی سفارش کرے گی،، لیکن یہ وعدہ، وعدہ جانال سے کچھ کم ثابت نہ ہوا۔ نہ نومن تیل جلا نہ رادھا ناچی! البتہ ریاستی حکومت زرعی اصلاحات کی خوبیوں کی سودمندی کو اجاگر کرانے کے سلسلے میں کئی ہندوستانی اخبارات کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہوئی۔ خاتمہ جاگیرداری کے حق میں صوبہ جموں سے بلراج پوری اور مسٹر مینگی نے ایک مشترکہ بیان داغ کر زرعی اصلاحات کے مفید اثرات کا ڈنکا بجایا۔ یہ اور بات ہے کہ صوبہ جموں میں جن کسانوں کو مفت کی زمینیں ہاتھ آئیں ان میں بھی کسی ایک نے حرفِ تحسین زبان پر نہیں لایا۔[۲۹]

درختوں کو کاٹنے پر پابندی

ان توبہ شکن حالات میں زمینداروں نے اپنی اراضیات میں جو تا حال معجزاتی طور پر ان کی تحویل میں تھیں ہرے بھرے درختوں کی کٹائی شروع کی تا کہ ان سے جو بھی رقم حاصل ہو بھاگتے چور کا لنگوٹا سمجھ کر بٹور لیں۔ حکومت کے اعلانات اور روش سے قابض کسانوں کے مزاج کو مالکانہ نزلے نے زمینداروں کی تقلید کرنے پر یہ سوچ کر ابھارا کہ بن مانگے موتیوں کے ساتھ درختوں کی کٹائی ان کے قبضہ کی دلیل متصور ہوگی۔ اس نقصان دہ اور پریشان کن صورتِ حال سے خلاصی پانے کے لئے حکومت نے ۔۔ کے ڈیفنس رولز کی دفعہ (۶۵) کے تحت درخت کاٹنے پر پابندی عائد کی۔

تنسیخ زمینداری کے احکام

اس طرح ریاستی حکومت نے بڑی عجلت اور چابکدستی سے ۱۸ اگست ۱۹۵۰ء کو غیر حاضر

زمینداری کی تنسیخ کے مطابق احکام صادر کرتے ہوئے غیر حاضر زمینداروں کو ہدایت کی۔

"ہر وہ زمیندار جو بیس[2] ایکڑ ۲۲ کنال زمین (ماسوائے باغات) کا مالک ہو، اس اعلان کے گورنمنٹ گزٹ میں شائع ہونے کے تین[3] ہفتوں کے اندر متعلقہ تحصیلدار کے پاس اپنی اراضی کا نقشہ پیش کرے۔ اس کی نقل سپیشل سیکرٹری ریونیو کو دے۔ جس میں رقبہ جات کی تفصیل، گاؤں کا نام، زمیندار کے کنبے کے افراد کے نام، نمبرات خسرہ و رقبہ دیا گیا ہو"۔

غیر حاضر زمینداروں نے زرعی اصلاحات کے نفاذ پر یہ اہم اور معقول نقطہ اٹھایا کہ انہیں کاشتکاروں کی ضرورت نہیں ہے جس نے شیخ محمد عبداللہ کو بے حد پریشان کیا لیکن وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور کہا ایسا نہیں ہو سکتا ہے اگر اس شاطرانہ مطالبے پر عمل کیا جائے تو سینکڑوں کسان بے کار ہو جائیں گے اور ہمارا مقصد ہی فوت ہو گا۔ خود کاشت کرنے والے زمینداروں کو کسانوں سمیت اپنی اراضی کاشت کرنی ہو گی۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان، اس نادر شاہی حکم نے زرعی اصلاحات کی پول کھول دی اور اس طرح حکومت کے قول و فعل، کا تضاد برہنہ ہو کر رہ گیا۔

کشمیری پنڈتوں کو مسکہ

زرعی اصلاحات کے نفاذ پر کشمیری پنڈتوں کی چھوٹی سی اقلیت نے نہ صرف اپنی مایوسی کا اظہار کیا، بلکہ وہ ان اقدام کو وادی سے اقلیتوں کے خروج سے تعبیر کرنے کی دلیل تک وکالت کرنے لگے۔ ہندوستان کی فرقہ پرست جماعتوں نے پہلے ہی ریاستی حکومت کے طور طریقوں کو اپنا ہدف بنا کر باضابطہ مہم شروع کر رکھی تھی۔ کہیں اسے کمیونسٹوں کی پناہ گاہ اور کہیں کٹر مسلمانوں کا مسکن بتا کر دھتکارا جانے لگا۔ انکی نظر میں شیخ محمد عبداللہ کا سیکولر کردار ہر زاویہ نگاہ سے داغدار اور فریب کارانہ تھا اور وہ انہیں ہر قیمت پر زک پہونچانے کی سعی میں مشغول رہے حتی کہ انہیں وزارت عظمیٰ سے برطرف کرنے کی باتیں بھی کرنے لگے۔ اس مہم کو آگے بڑھانے میں کشمیری پنڈتوں

کی خفیہ اطلاعات (جو اکثر و بیشتر بے بنیاد ہوا کرتی تھیں) سمّ قاتل سے کم نہ تھیں۔ شیخ محمد عبداللہ اور انکے ساتھی کا ناپھوسی کی اس مہم سے سہم گئے تھے جبکہ انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے نادر موقعہ جنم اشٹمی سیلبریشن کمیٹی نے فراہم کیا۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۰ء کو کمیٹی نے انہیں جنم اشٹمی کی تقریب میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا شیتل ناتھ سرینگر کے اس جلسہ میں ریاستی وزیر اعظم نے اپنی تقریر کا آغاز پاکستان کو غیر جمہوری اور غیر اسلامی ملک قرار دیتے کہا۔ کشمیری ہندوؤں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ نیشنل کانفرنس نے ''دو قومی نظریہ'' کو رد کیا ہے اور ہم ریاست میں غیر مذہبی جمہوری نظام قائم کرنے پر کمر بستہ ہوئے ہیں ہم آپ کو دھوکہ نہیں دیں گے۔ نیشنل کانفرنس کے منشور کے مطابق بڑی زمینداریاں ختم کرنے کا مطلب کسی بھی صورت میں یہ نہیں ہے کہ ہم کسی خاص فرقہ یا طبقے کے مفادات کو زیاں پہونچانا چاہتے ہیں اور نہ عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ اقدام عوام الناس کے فائدے میں اٹھا رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں پنڈت نہرو نے بارہا اعلان کیا کہ کشمیر کو بچانے کے لئے وہ اپنے ننگ و ناموس کی بازی لگانے سے گریز نہیں کریں گے۔ ان حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ ہم کوئی ایسا قدم اٹھا سکتے ہیں جو پنڈت جی کی پالیسیوں پروگراموں اور مرضی کے متضاد ہو۔ زرعی اصلاحات کے نفاذ سے ریاست کے چند ہندوؤں کے دوش بدوش مسلمان جاگیردار بھی متاثر ہوئے ہیں لیکن اس اصلاحی پروگرام میں ریاست کی بہبودی و فلاح کا راز پنہاں ہے۔ اس لحاظ سے اس مسئلے پر صبر و تحمل اور ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنا چاہیئے۔ بخشی غلام محمد نے اپنی تقریر میں کشمیری پنڈتوں کو مخاطب کرتے انہیں مشورہ دیا ''وقت کا تقاضا ہے کہ آپ شیخ محمد عبداللہ کی وفاداری کا حلف لیں اور انہیں اپنا اعتماد دیں یہی وہ عمل ہے جس سے آپ کی ناؤ کنارے لگے گی اور آپکو شیخ صاحب کی قائدانہ صلاحیتوں سے مستفید ہونے کا موقعہ ملے گا''۔ لیکن کشمیری پنڈتوں پر نیشنل کانفرنسی لیڈروں کی گرم سانسوں کی نرم گفتاری نے کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑا اور نہ بخشی غلام محمد کی ناصحانہ ہدایت پر عمل پیرا ہوئے (جبکہ بخشی غلام محمد نے صرف تین سال بعد یعنی ۹ اگست ۱۹۵۳ء سے چند روز قبل اپنے حلف وفاداری کا نادر نمونہ پیش کرتے شیخ محمد عبداللہ کو اپنے ایمان کا چھٹا رکن کہہ کر کشمیر کی سیاسی تاریخ میں اعتماد کی فولادی دیوار کو گرانے کا داغ اپنے

ماسے تھے پر لگوایا) جلسہ گاہ میں مرزا محمد افضل بیگ نے کشمیری پنڈتوں پر اپنے اُپدیش کے موتی بکھیرتے انہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کا اہل قرار دیکر فہمائیش کرتے ہندو دھرم کی پشتکوں کے حوالے سے کہا ہمیں بھگوان کرشن کی تعلیمات زیرِ نظر رکھ کر اپنے مُلک کی لاج رکھنے کے لئے کمر بستہ ہونا چاہیئے کشمیری پنڈت تعلیم یافتہ اور روشن دماغ ہیں۔ ان میں اتنی قابلیت ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اپنے آپ کو بدلتے ہیں۔ لہذا موجودہ بدلتے ہوئے حالات میں انہیں اپنے آپکو بدلنا ہوگا"

بلا معاوضہ اراضی کا انتقال

۱۵ نومبر ۱۹۵۰ء کو یُوراج کرن سنگھ نے جاگیرداریاں ختم کرنے کے فیصلے پر دستخط کیئے جب کہ یکم نومبر ۱۹۴۹ء کو قانون خاتمہ حکیداری کے تحت اراضیات کسانوں میں تقسیم ہونے کا عمل درآمد شروع ہوا تھا۔ اس ضمن میں شریمتی دیاوتی بیوہ دیوان بدری ناتھ کی جاگیر متی پورہ بارہمولہ سے اس کا افتتاح خالق وازہ ولد کمال وازہ کی زیر کاشت پانچ (۵) کنال گیارہ مرلہ زمین اسکو منتقل کرنے سے ہوا شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیت وزیر اعظم موقع پر جاکر انتقال کے دستاویز پر دستخط کیئے اور یہ بھی طے پایا کہ ہر تحصیل میں خاتمہ حکیداری قانون کے تحت پہلا دستخط وزیر اعظم خود کیا کریں گے۔ اس طرح سے ریاست میں زرعی اصلاحات پر عملدرآمد ہوا۔

شیخ محمد عبداللہ دوبارہ لیک سیکس میں

ان اقدامات سے مرکزی حکومت اور کانگریس پارٹی کے لیڈروں کی بد گمانیاں یقین میں بدلیں اور انہیں یہ سوچنے کا موقعہ ملا کہ اگر شیخ محمد عبداللہ کی بے لگام ضد اور من مانیوں کو بروقت قابو میں نہ لایا گیا تو وہ کسی بھی وقت ایسی پریشان کن صورتِ حال اختیار کرے گا جس سے تمام ملک کرب سے بلبلا اٹھے گا۔ لیکن انہیں اپنی بھی کئی مجبوریاں درپیش تھیں جن میں تقاضائے وقت کے مطابق سلامتی کونسل میں شیخ محمد عبداللہ کو ریاستی عوام کا واحد قابلِ اعتماد قائد کی حیثیت

میں پاکستان کے مدمقابل پیش کرنا مطلوب تھا۔ چنانچہ مسلہ کشمیر پر بحث میں حصہ لینے کے لئے ہندوستانی وفد میں انہیں بھی شامل کیا گیا۔ لیک سکیس جانے سے قبل انہوں نے آثار شریف حضرت بل سرینگر میں عوامی اجتماع اور نئی دہلی میں منعقدہ طلبائے کے جلسہ سے خطاب کرتے اپنے سابق خیالات کا اعادہ کرتے کہا:

"کشمیر کے مسلمان ایک اصولی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگر ہند غیر مذہبی حکومت قائم کرنے کی دعاوی سے منہ موڑے گا تو اس صورت میں کشمیر کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنا پڑے گا۔ یہ ایک برہنہ حقیقت ہے کہ ہند کے وزیر اعظم اور ان کی حکومت نے مسلہ الحاق کو عارضی قرار دیا ہے اور عارضی الحاق کو مستقل الحاق کی صورت جب ہی دی جائے گی جب کشمیر کے باشندے اس فیصلہ کی تصدیق کریں گے"۔

متذکرہ صدر بیان میں شیخ محمد عبداللہ نے نہ صرف اپنے دلی شبہات کو بیان کرتے ان کی وضاحت کی بلکہ حکومت ہند کے دعدوں کو دہراتے عارضی الحاق کو مستقل شکل دینے کے لئے کشمیری باشندوں کی تصدیق حتمی قرار دے کر یہ باور کرانے کی بھی سعی کی کہ رائے شماری کی صورت میں بہر حال ریاستی باشندے ہند کے غیر مذہبی نظام کا ساتھ دیں گے چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو قاہرہ کی ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے ہند کے طرز نظام اور بین الاقوامی امن کے موقف کی وضاحت کرتے پاکستان کی شدید نکتہ چینی کی اور ہندوستان کی طرف راغب ہونے کے مندرجہ ذیل وجوہات بیان کئے۔

(۱) ہندوستانی قائدین نے کشمیر کی جنگ آزادی میں بھر پور حمایت کی ہے (۲) ہندوستان کا جمہوری ڈھانچہ غیر مذہبی اساس پر قائم ہے اور ہم بھی ریاست میں غیر مذہبی جمہوری نظام قائم کرنا چاہتے ہیں (۳) پاکستان کے اس پروپیگنڈے کی مذمت کی کہ ہندوستان کشمیر میں رائے شماری کرانے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے (۴) حکومت ہند نے بارہا یہ اعلان کیا ہے کہ کشمیر کے مستقبل کا حتمی فیصلہ کشمیریوں کی رائے طلبی سے کیا جائے گا۔ لیکن اس سے قبل پاکستان کی باقاعدہ و بے قاعدہ افواج اور رنگرو ٹوں

کو ریاست سے نکالنا ہوگا اور تمام پاکستانی مقبوضہ علاقوں کو ریاستی انتظامیہ کی تحویل میں دینا ہوگا جس کا سربراہ میں ہوں ایسا کئے بغیر ریاست میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سلامتی کونسل میں کشمیر کمیشن کی رپورٹ پر بحث کے دوران شیخ محمد عبداللہ کو رائے زنی کا موقعہ فراہم نہیں کیا گیا۔ انہوں نے کشمیر کمیشن کی رپورٹ مشتہر ہوتے ہی ایک اخباری بیان داغ ڈالا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا "جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے پاکستان کی حیثیت ایک جابر کی سی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ جابر ہے یا نہیں یہ سوال ہند و پاکستان کے درمیان فیصلہ طلب ہے ہند کو کشمیر میں قانونی پوزیشن حاصل ہے اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ کشمیر کے عوام کو موقعہ فراہم کیا جائیگا کہ وہ الحاق سے متعلق اپنی آزادانہ رائے ظاہر کریں جب کہ پاکستان کو کشمیر میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے"

شیخ محمد عبداللہ کے بیان کی سیاہی اخبارات کے کالموں میں ابھی سوکھ بھی نہیں پائی تھی کہ انہیں واپس دہلی جانے کا یہ کہہ کر اعلان کرنا پڑا۔ ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہند کا نیا آئین نافذ ہو رہا ہے۔ اس تقریب میں شرکت اور آئین ہند پر اپنے دستخط ثبت کرنے کے لئے میرا دہلی میں موجود ہونا اشد ضروری ہے۔ لیک سکس سے واپسی پر ان کی شگفتہ گوئی پر ہندوستان کے تقریباً جملہ سیاست کاروں نے مدح سرائی کرتے انہیں بالغ النظر سیاستدان اور عظیم محب وطن کہا اور انکے اعزاز میں استقبالی جلسہ کیا گیا جس میں انہوں نے ہند سے اپنی وفاداری کا اعادہ کرتے پاکستان کو مسئلہ کشمیر میں بحیثیتِ فریق تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ دہلی میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے اپنے چھتیس گھنٹے محض اس خیال سے ہندی زبان میں اپنا نام لکھنے کی کوشش میں صرف کئے تاکہ ہند پر نافذ ہونے والے آئین پر مرقوم انکا دستخط نمایاں حیثیت حاصل کرے (لطف کی بات تو یہ ہے جب ۱۹۵۳ء کے بعد ہندوستانی لیڈروں اور شیخ محمد عبداللہ کے مابین مناقشے نے انتہائی صورت اختیار کی تو مرکزی حکومت کے محکمہ اطلاعات نے آئین ہند پر انکے مرقوم دستخط کا عکسی فوٹو بارہا اخبارات کو فراہم کرکے اُس کی نمائش کی)۔

غرض شیخ محمد عبداللہ کے اس طرز عمل نے جہاں ہندوستانی رائے عامّہ کو مغالطہ میں مبتلا کیا وہاں ایک اردو اور انگریزی خواندہ نے ہندی علیہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں

نہ صرف چاپلوسی کے تمام ریکارڈ مات کئے بلکہ لسانی وقار کی آبروریزی بھی کی۔ جبکہ لیک سکیس سے واپسی پر بمبئی میں انہوں نے ایک اخباری بیان میں اپنی کارگزاری اور مسئلہ کشمیر پر رائے زنی کرتے کہا:

"میں نے مختلف ممالک میں لوگوں اور نمائندوں کے سامنے کشمیر کے اصل واقعات رکھنے کی سعی کی ہے اور ان پر واضح کیا کہ رائے شماری کشمیر کا اندرونی معاملہ ہے جس میں پاکستان کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ جب تک ریاست کے تمام علاقے حکومتِ کشمیر کے زیرِ نگرانی نہیں آتے اس وقت تک رائے عامہ کا سوال بے معنی بات ہے۔ کشمیر کا فیصلہ لیک سکیس میں نہیں بلکہ ریاست میں لوگوں کے ہاتھوں طے پائے گا۔ جنرل میگناٹن نے جو تجویز پیش کی ہے وہ کسی بھی صورت میں منظور نہیں کی جاسکتی۔ تجویز کشمیریوں کی خواہشات کے خلاف ہے۔ انہوں نے سلامتی کونسل کے سامنے جو تجویز رکھی ہے در اصل وہی جھگڑے کی جڑ ہے کشمیر کمیشن نے ہند و پاک دونوں کو علیحدہ علیحدہ طور پر راضی کرنے کی کوشش کی ہے۔"

یہ درست ہے کہ میگناٹن تجاویز میں ہند و پاک کے مفادات مکمل طور پر محفوظ نظر نہیں آتے البتہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے اور کشمیری عوام غیر یقینیت کی صلیب پر پھانسی کی جس سی کو اپنی شہ رگ سے قریب تر محسوس کرتے ہیں اُس کے مداوا کا کیمیائی نسخے کا راز اس میں پنہاں ہے مگر شیخ محمد عبداللہ کی سادہ لوحی کو کیا کہیے کہ کمیشن کی رپوٹ کو جھگڑے کی جڑ کہہ رہے ہیں یہ چھوٹے منہ سے بڑی بات ہوئی اگر بادی النظر سے دیکھا جائے تو ایک ذہین درمیانہ دار اور مصلحت کنندہ فریقین کو علیحدہ علیحدہ راضی کرکے ہی انکی مشترکہ رضامندی حاصل کرتا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ اس رمز سے بڑی دیر تک ناآشنا ہے شاید ایسے ہی کسی حادثہ سے متاثر ہو کر شاہد ناگپوری نے کہا ہے اور خوب کہا ہے ؎

اسی خطا پہ تو اے دوست مار جائے گا　　　غریب ہو کر تو انگر دکھائی دیتا ہے

(۸)

نامعتبر زمانہ

خوشیاں تمام غیروں نے آپس میں بانٹ لیں
میں اپنے غم کا بوجھ اٹھانے میں رہ گیا

۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کشمیر کمیشن نے سلامتی کونسل کو اپنی آخری اور تیسری رپورٹ پیش کی جس میں اعتراف کیا گیا کہ ہند و پاک کے مابین سخت سیاسی، اقتصادی، مذہبی زیر سطح مخالفانہ جذبات کی وجہ سے مسئلہ کشمیر کا حل سامنے نہیں آیا۔ اس لئے کونسل کو چاہیئے کہ مسئلے کو حل کرنے کے لئے کسی بااختیار شخص کو مصالحت کنندہ نامزد کرے۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو سلامتی کونسل نے کینڈا کے میجر جنرل میگناٹن کو، جو کونسل کے صدر بھی تھے یہ اختیار دیا کہ وہ ہند اور پاکستان کے نمائندوں سے تبادلہ خیال کر کے اپنی تجاویز پیش کرے۔ انہوں نے نہایت ہی صبر و متانت سے ہند و پاک کے نمائندوں کے خیالات سن کر اپنی رائے قائم کی اور ۲۹ دسمبر کو کونسل کے سامنے اپنی تجاویز پیش کیں جنہیں ہندوستانی نمائندے نے کونسل کے اجلاس ۷ فروری ۱۹۵۰ء میں ناقابل قبول قرار

دیا اور پاکستانی نمائندے نے منظور کیا۔ ۲۶ فروری ۱۹۵۰ء کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعہ امریکہ کے ایڈمرل چیسٹر نیمٹز کو کشمیر میں استصواب رائے عامہ کا ناظم مقرر کرنے کی تجویز پاس کی۔ ۲۶ مارچ کو ہی سلامتی کونسل نے مصالحت کنندہ کے لئے آسٹریلیا کے ممتاز ماہر قانون سر اوون ڈکسن کا انتخاب کیا اور کشمیر کمیشن کو توڑ دیا۔

سلامتی کونسل میں مصالحت کنندہ کی تقرری پر حکومتِ ہند کا لب و لہجہ اور تیور دیکھ کر نیشنل کانفرنس نے جموں میں ۱۹ اپریل ۱۹۵۰ء کو خصوصی اجلاس طلب کیا جس کو بعد ازاں سالانہ اجلاس کا متبادل قرار دیا گیا۔ اجلاس میں تنظیمی کارکردگی کو مؤثر بنانے کے لئے کئی قراردادیں پاس ہوئیں لیکن مندرجہ ذیل کو بڑی اہمیت دی گئی:

> "کشمیر کمیشن کی ناکامیوں کو زیر نظر رکھ کر اصل وجوہات دریافت کر کے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی جانب توجہ دیجائے حکومتِ جموں و کشمیر کا اقتدار ریاست کے تمام علاقوں پر جن میں شمالی علاقے بھی شامل ہیں بحال کیا جائے۔"

سر اوون ڈکسن کی تقرری کے ساتھ ہی ہندوستان بھر میں ان قیاس آرائیوں نے شدّت اختیار کی، کیا کشمیر میں رائے شماری کی صورت میں ہندوستان کے حق میں نتائج برآمد ہوں گے؟ اس طرز فکر کے پس منظر میں ریاست کی مسلم آبادی کے علاوہ شیخ محمد عبداللہ کے وہ بیانات اور تقاریر زیر بحث تھیں جن میں انہوں نے ہندو غلبہ کو ریاست کی اندرونی آزادی پر مسلط ہونے کا خدشہ ظاہر کیا تھا اور جن میں سردار پٹیل کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ جو ہندی مسلمانوں کے سامنے ہندو سیاسی دیوتا کی صورت میں مافوق الفطرۃ بن کر انہیں

دائمی خطرے کا احساس دلا رہے تھے۔

ہندوستانی رائے عامہ کے ان اندیشوں، وسوسوں اور شبہات کو جو ریاستی مسلمانوں کی نیت اور اعتماد کو ٹھیس پہونچانے کی غرض سے ظاہر کئے گئے تھے، شیخ محمد عبداللہ نے گواہِ سلطانی بن کر دور کرنے کی پیش قدمی کی، حالاں کہ ان ہی دنوں ہندو مہا سبھا کے جنرل سیکریٹری مہنت ڈگ وجے نے سبھا کی مجلس عاملہ میں تقریر کرتے کہا تھا۔

"مسلمان ہندوستان میں شوق سے رہیں لیکن اس حاکمانہ طریق زندگی کا کلچر اختیار کریں جس کو ہندو مہاسبھا پسند کرتی ہے۔ اگر ہندو مہاسبھا برسر اقتدار آئی تو جب تک مسلمان حکومت کو یہ یقین نہ دلائیں گے کہ وہ ہندوستان کے وفاداران ازلیوں میں ہیں، انہیں دس (۱۰) سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک حقوق رائے دہی سے محروم کردے گی"

اس سے قبل جنوری ۱۹۵۰ء کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں ہندو مہاسبھا نے ایک قرارداد میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا تھا کہ "کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کی حکومت ختم کرکے حیدرآباد کی طرح وہاں بھی ملٹری گورنر مقرر کیا جائے" ایک جانب ہندو فرقہ پرستوں کے یہ دم خم تھے اور دوسری جانب قوم پرست مسلمانوں کی زبوں حالی کا یہ عالم تھا کہ مولانا حفیظ الرحمان ناظمِ اعلیٰ جمعیت العلمائے ہند، پنڈت نہرو سے التجائیں کر رہا تھا کہ ریاست پٹیالہ اور مشرقی پنجاب کے دس ہزار مسلمان جنہیں جبر و تشدد سے ہندو بنایا گیا ہے، ان پر عائد شدہ دباؤ دور کیا جائے۔ شیخ محمد عبداللہ نے دھمکیوں، انکساری اور التجاؤں کے اس یاس انگیز اور تذبذب بھرے ماحول میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں بیانات دے کر ان اندیشوں کو لغو اور باطل قرار دینے کی پہل کی اور کہتے رہے!

"ہند نے کشمیر میں اپنے بہادر سپوت بھیج کر کشمیری عوام کو حملہ آوروں اور پاکستانی فوج کے مظالم سے جس دلیری سے بچایا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس خیال کی کیا وقعت ہو سکتی ہے کہ اگر رائے شماری ہوئی تو ہند کے خلاف کوئی غیر مناسب فیصلہ ہوگا، ہند کے لوگوں کو کبھی یہ خیال ذہن میں نہیں لانا چاہیئے کہ ہم ان کے عظیم ہیرو پنڈت نہرو کو دھوکہ دیں گے۔ اگر رائے شماری کے بارے میں ہماری حیثیت ذرّہ بھر بھی متزلزل ہوتی تو میں نے پنڈت جی کو اس کی اطّلاع دی ہوتی"۔

مولانا مسعودی کی ہند نوازی

ان کی دیکھا دیکھی، مولانا محمد سعید مسعودی نے سیاسی طالع آزماؤں کی طرح شیخ محمد عبداللہ کی تقاریر پر گرہ لگاتے پاکستان پر جو لفظی بم برسائے انکا خفیف سا اندازہ لگانے کے لئے ان کی تقریر کا مندرجہ اقتباس اس لحاظ سے بڑی اہمیّت کا حامل ہے کیونکہ مولانا نے بعد کی (۲) دو دہائیوں میں رائے شماری کے فلک شگاف نعرے لگانے میں پاکستان کی جو منطقی حمایت کی ہے وہ انہیں طفلِ مکتبِ سیاست یا پیشہ ور سیاسی گداگروں کا ماخذ قرار دینے کے جواز میں کافی سے زیادہ ہے۔

"پاکستان کی طرف سے مسلسل پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اس لئے اس کا الحاق پاکستان سے ہی ہونا چاہیئے اور اب تک جو دلائل پیش کئے گئے، ان میں مذہبی یگانگت۔ اسلامی کلچر کی حفاظت اور ان فوائد پر زور دیا جا رہا ہے جو پاکستانیوں کے بیان کے مطابق کشمیری مسلمانوں کو پاکستان میں شامل ہو کر حاصل ہو سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جو مسلمانوں کو خود مختاری اور آزادی دلانے کے لئے قائم ہوئی ہے۔ اسلئے اگر کشمیری ہندوستان

میں شامل ہو گئے تو انہیں خود اختیاری اور آزادی کی نعمت سے تا قیامت محروم رہنا پڑے گا اور وادئ کشمیر میں اسلامی کلچر تباہ ہو جائے گا۔ کشمیری عوام کو یہ بات ذہن نشین کرانے کی سعی کی گئی ہے کہ تمہارے سیاسی، اقتصادی اور مذہبی مفاد پاکستان کے ساتھ وابستہ ہیں اور وہی انکی حفاظت کر سکتا ہے۔"

مولانا نے اپنے اس خود ساختہ استفسار کے جواب میں کہا:

"کیا کشمیر کے سیدھے سادے نیک مسلمان مذہبی یگانگت کے چکر میں آکر ان باتوں پر اعتبار کرینگے اور پاکستان کے دامِ فریب میں پھنس کر اپنا مستقبل ان لوگوں کے حوالے کریں گے جو خداوند تعالیٰ کے نام پر کشمیر کو ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کو یہی فریب دے کر تباہ کیا جا چکا ہے لیکن پاکستان کی یہ سکیم یہاں کارگر ثابت نہ ہوئی۔ شیطانی مشینری کتنی ہی دلفریب کیوں نہ ہو وہ حق و صداقت کی ایک ضرب بھی برداشت نہیں کر سکتی پاکستان کے مذہب پرست مسلمان شور مچا رہے ہیں۔ پاکستان میں شرعی اور قرآنی حکومت ہے لیکن اسلام اسلام کا یہ ڈھنڈورہ محض دھوکہ ہے۔ مقتدر علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ پاکستانی طرز حکومت قطعاً غیر اسلامی ہے چونکہ اب پاکستان کو یقین ہو چکا ہے کہ وہ یگانگت اور اقتصادی فوائد کی بنا پر کشمیریوں کو دھوکہ نہیں دے سکتا اور کشمیری عوام پاکستان کے سبز باغوں سے اچھی طرح سے واقف ہیں اسلئے پاکستانی لیڈر اب بالکل عریاں ہو کر سامنے آ رہے ہیں۔ پاکستانی اسلامی کلچر اور مذہب کی حفاظت یا کشمیریوں کے سیاسی اور اقتصادی فوائد کے لئے کشمیر کو اپنے ساتھ ملانا نہیں چاہتے بلکہ وہ کشمیری عوام کو لوٹ کھسوٹ کر اپنی توندیں بھرنا چاہتے ہیں۔ اب پاکستانی فریب کی قلعی کھول کر نواب گرمانی نے صاف کہہ دیا ہے، کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ پاکستان کے دریا کشمیر سے آتے ہیں اور کشمیر کے قدرتی ذرائع پاکستان کی اقتصادی

زندگی کے لئے ضروری ہیں ۔ گویا اسلام اور اسلامی کلچر برائے نام ہے
حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستانی کشمیری عوام کو غلام بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں"

بیان بازی کی اس دوڑ میں مرزا محمد افضل بیگ، بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق کسی سے پیچھے نہیں تھے ۔ لیکن ان کا اپروچ ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ تھا ان مختلف الاقسام خیالات سے یہ حقیقت بھی عیاں ہونے لگی کہ نیشنل کانفرنس کی جڑیں عوامی سطح سے کٹ کر ایک محدود با اقتدار حلقہ اثر میں سمٹ کر رہ گئی ہے نیشنل کانفرنس کا سیاسی دباؤ اور غنڈہ گردی عام لوگوں کو اس کے لیڈروں کی بھانت بھانت کی بولیوں کے مفہوم پر کھلے بندوں تنقید و تبصرہ کرنے میں مانع تھی ۔ وہ اپنے لب سی کر گونگوں اور بہروں کی طرح حالات کے مشاہدہ پر قناعت کر کے کشمیر کی بدبختی پر آنسو بہانے لگے ۔

نہرو لیاقت معاہدہ

افراتفری کے اسی عالم میں مارچ ۱۹۵۰ء کے پہلے ہفتے میں وزیر اعظم حیدر آباد میر لائق علی جو پولیس ایکشن کے بعد اپنے ہی بنگلہ میں نظر بند تھے بال بچوں سمیت فرار ہو کر پاکستان پہونچے جس نے ہندوستانی رائے عامہ کو مسلمانوں کی غیر وفاداری اور سازشوں میں ملوث ہونے کے گمان کو یقین میں بدلا، کشیدہ ماحول میں تناؤ پیدا ہونا لازمی تھا ۔ خانہ جنگی کی کیفیت اور ہندو مسلم خون آشامیوں کے اس دور میں بڑے بڑے سیاسی عابدوں کے ہاتھوں تناؤ کشیدگی اور فرقہ پرستی کے شعلوں کو آنچ لگی اور انہوں نے قوم پرستی کی تسبیح گرا کے اس کے دانے بکھیرنے میں کلیدی رول ادا کیا ۔

ہندوپاک کے وزراء اعظم نے اس دم گھٹنے والے ماحول میں خطرات کا احساس اور اپنی بالغ نظری کا ثبوت دیتے اس کے انسداد و ازالہ کے لئے

قدام اُٹھانے کا قابلِ تحسین کام کیا۔ چنانچہ نئی دہلی میں ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ کا اہتمام ہوا جو ۲ سے ۸ اپریل ۱۹۵۰ء تک جاری رہی جس میں پاکستان کے وزیر اعظم کے علاوہ سیکریٹری جنرل پاکستان محمد علی اور نائب وزیر داخلہ شیخ اکرام اللہ نے شرکت کی۔ میٹنگ میں مسئلہ کشمیر اور کئی دوسرے درپیش مسائل اور معاملات زیر غور لا کر ان پر تبادلہ خیال ہوا۔ ۵ اپریل ۱۹۵۰ء کو اقلیتوں کے بارے میں ایک معاہدہ جو عرفِ عام میں "نہرو لیاقت معاہدہ" کے نام سے مشہور ہے طے پایا جس کے تحت مشرقی بنگال و مغربی بنگال آسام اور تری پورہ کے لوگوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں نقل و حمل کی مکمل آزادی کا اعلان کیا گیا۔ جس کے مطابق انہیں راستے میں جانی اور مالی حفاظت کے انتظامات بہم کئے جائیں گے کسٹم وغیرہ کے سلسلے میں ہر ممکن سہولیت دی جائے گی۔ ان لوگوں کو اپنے کام کاج کی چیزیں اور زیورات وغیرہ ساتھ لینے کی مکمل آزادی ہوگی۔ ہر بالغ اپنے ساتھ ۱۵۰ روپے اور بچہ ۷۵ روپے لے جا سکے گا۔ زیورات کو اگر وہ چاہیں بنکوں میں بطور امانت جمع کر کے منتقل کر سکتے ہیں۔ غیر منقولہ جائداد پر ان کا حقِ ملکیت باقی رہے گا جو اپنے علاقوں سے ہجرت کر چکے ہوں۔ اگر وہ واپس آنا چاہیں تو ان کی جائداد واپس دی جائے گی۔ ہجرت کرنے والے اپنی غیر منقولہ جائداد فروخت کر سکتے ہیں یا دوسروں کے نام منتقل کر سکتے ہیں یا بین الملکی ادل بدلی سے ان کا تصفیہ کر دیا جائے گا اور اس قسم کی جائداد کا کرایہ فی الحال سرکاری طور وصول کیا جائے گا۔ غرض اس معاہدے سے ایک شب قبل ہند و پاک کے مابین جو قطبین کا تضاد تھا اور یہی گمان کیا جاتا تھا کہ مشرق و مغرب کا ملنا ممکن ہے لیکن ہند و پاک میں صلح و صفائی ہونی ناممکن ہے لیکن دونوں وزرائے اعظم کی نیک نیتی نے چٹکی میں اس تضاد کو ختم کیا اور مندرجہ ذیل سات نکات پر مشتمل معاہدہ طے پایا۔

۱۔ اقلیتوں کے تحفظ کا پورا پورا بندوبست کیا جائے گا۔
۲۔ پناہ گزینوں کو ہر قسم کی امداد دے کر پھر سے آباد کرنے کی کوشش کی جائیگی۔
۳۔ لوٹے ہوئے مال و جائداد کی پوری پوری تلاش کی جائیگی۔ اور رغنڈہ عنصر کی سرکوبی کی جائے گی۔
۴۔ نقصان اٹھانے والوں کو معاوضہ دیا جائے گا۔
۵۔ اغوا کی ہوئی عورتوں کی واپسی کا مکمل بندوبست کیا جائے گا۔
۶۔ جبری تبدیلی مذہب کو منسوخ کیا جائے گا۔
۷۔ افواہیں پھیلانے والوں کو سزا دی جائیگی (یہ دفعہ تشویش پھیلانے والے اخبارات پر بھی لاگو ہوگی)

معاہدے پر ہند و پاک کے جملہ ذی ہوش عوام اور قائدین نے اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا۔ دونوں وزرائے اعظم نے اپنے اپنے اختتامی بیان میں اس معاہدے پر فوری عملدرآمد کا اعلان و اطمینان دلاتے اسے برصغیر ہند و پاک کے لئے ایک اچھی علامت اور خیرسگالی کی جانب پیش قدمی قرار دیا۔

یہ دورہ اس قدر دوستانہ رہا کہ لیاقت علی خان خوشی خوشی کراچی لوٹے۔ ۲۶ اپریل کو وزیر اعظم ہند خیرسگالی کے جذبے کے تحت پاکستان کے دورے پر گئے۔ ان کے ہمراہ فیروز گاندھی اور مسز اندرا گاندھی تھیں۔ کراچی کے موری پور ہوائی اڈے پر ان کا استقبال کرنے والوں میں وزیر اعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان، چودھری ظفر اللہ خان، ہندوستان کے ہائی کمشنر مقیم کراچی لارنس سمتھ، ہند میں پاکستان کے ہائی کمشنر مقیم نئی دہلی محمد اسماعیل پاکستان کے سیکریٹری جنرل محمد علی، بیرونی ممالک کے سفرا اور اعلیٰ حکام تھے۔ پنڈت نہرو نے اپنے قیام کے دوران گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین، پاکستان

مسلم لیگ کے صدر چودھری خلیق الزماں۔ پاکستان میں مقیم ہندوؤں کے مختلف وفود، ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے تین ڈائریکٹروں الطاف حسین آف "ڈان" علی محمد راشدی، ملک تاج الدین اور مس فاطمہ جناح سے ملاقاتیں کیں اور نیویارک ٹائمز" کے نمائندہ کو بیان دیتے کہا:

"دونوں ممالک میں اقلیتوں کا نکاس آہستہ آہستہ کم ہوجائیگا اور بھاگے ہوئے لوگ پھر سے اپنے اپنے وطن واپس چلے جائیں گے۔ بات چیت کے دوران مسئلہ کشمیر، متروکہ جائیداد اور نہری پانی جیسے مسائل پر غور ہوا، اگرچہ ان معاملات پر کوئی فیصلہ نہیں لیا گیا لیکن گفت وشنید بڑی صاف دلی سے ہوئی۔ البتہ جموں وکشمیر کے جنگی قیدیوں کے فوری تبادلوں کی تجویز منظور کی گئی۔"

وزرائے اعظم کی باہمی ملاقات کا ایک خوش گوار نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اغوا شدہ خواتین کی ایک بڑی تعداد برآمد کی گئی۔ چنانچہ ہند کے نائب وزیر خارجہ بی۔ وی کیسکر نے پارلیمنٹ میں کہا کہ نہرو لیاقت معاہدے کے تحت اپریل ۱۹۵۱ء تک چودہ ہزار[۱۴] مغویہ خواتین برآمد کر کے پاکستان بھیج گئیں اس سے عوام کے خیر خواہوں اور خصوصاً کشمیری عوام میں یہ امید پیدا ہوئی کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی راہیں استوار ہوئیں لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ یہ ساری ڈپلومیسی ایک دوسرے کو اپنے اپنے نظریہ پر قائل کرنے کا بہانہ تھا۔ پنچوں کا فیصلہ سر آنکھوں پر لیکن پرنالہ اپنی جگہ رہے گا۔ پنڈت نہرو کی واپسی پر نواب زادہ لیاقت علی خان امریکہ کے دورے پر گئے، جہاں انہوں نے سلامتی کونسل کے ممبروں سے خطاب کرتے کہا کہ ہندوپاک کے مابین تمام اختلافی مسئلوں کو بات چیت، مصالحت اور ثالثی کے ذریعہ حل کرانے کے لئے ہم تیار ہیں۔ سر اوون ڈکسن کی تقرری

سے کشمیر میں رائے شماری کے لئے راستہ صاف ہو گا۔ کشمیر جغرافیائی، اقتصادی اور فوجی اعتبار سے پاکستان کے زیادہ نزدیک و قریب ہے۔

نہرو سرینگر میں

مئی ۱۹۵۰ء کے تیسرے ہفتے میں وزیر اعظم ہند سرینگر آئے۔ ان کا گرمجوشی سے استقبال کرنے والوں میں سرفہرست مولانا محمد سعید مسعودی، غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد اور میجر جنرل مہادیو سنگھ تھے شالامار باغ میں پنڈت نہرو نے نیشنل کانفرنس کی کارکنوں کے سامنے تقریر کرتے رائے شماری کا وعدہ دہراتے کہا:

"ہم نے خود ہی پاکستان کا قیام منظور کیا ہے لہذا ہمارے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم پاکستان کو ختم کرنے یا اس کے ساتھ جنگ کرنے کی کوشش کریں" اس موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ نے اپنے قول کو ایک بار پھر دہرایا اور کہا:

> "ہم نے جو عہد و پیماں ہندوستان سے کیا ہے ہم اس سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ کشمیر نے مہاتما گاندھی کے سنہرے اصولوں کو اپنایا ہے اور ان اصولوں کو ہر کشمیری اپنا جزوِ ایمان سمجھتا ہے"

اس کے بعد پنڈت جی شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ پہلگام گئے جہاں انہوں نے ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا انہیں مشورہ دیا۔ پہلگام سے واپسی پر کشمیر ملیشیا کے ہیڈ کوارٹر کا معائنہ کیا۔ جہاں شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعظم ہند سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

> "کشمیر پر پاکستان کی جانب سے جو تجاویز پیش کی جا رہی ہیں وہ مضحکہ خیز اور احمقانہ ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ جن علاقوں پر انکا اس وقت کنٹرول ہے وہ بدستور ان کے قبضہ میں رہیں اور پھر رائے شماری ہو۔ اس طرح وہ کشمیر کے مختلف حصوں پر ناجائز

قبضہ جما کر اسے قانونی شکل دینا چاہتے ہیں اور نام نہاد آزاد کشمیر حکومت کو جس کی قانونی اعتبار سے کوئی وقعت نہیں ہے اسے تسلیم کرانا چاہتے ہیں۔ لیکن ہمارا نظریہ ہے کہ ملک کا ایک ایک چپہ پاکستان کے قبضہ سے آزاد ہونا چاہیئے اور آزاد کشمیر کی حکومت بالکل ختم ہونی چاہیئے ملک کے ہر حصے پر ہماری سرداری تسلیم کی جانی چاہیئے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی شیریں بیانی عزم کی پختگی یقین دہانی اور توقعات سے کہیں زیادہ اعتماد کے وعدے سے سرشار ہو کر پنڈت جواہر لال نہرو مطمئن ہو کر دہلی واپس لوٹے۔

بھانت بھانت کی بولیاں

اسی اثناء میں سلامتی کونسل کے مصالحت کنندہ سر اوون ڈکسن نے اپنی رپورٹ کونسل کے سامنے پیش کی جس میں انہوں نے تمام ریاست میں رائے شماری علاقائی رائے شماری اور وہ تمام علاقے جن کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ تسلیم کیا جائے کہ استصواب رائے کی صورت میں ہندوستان یا پاکستان کے حق میں لوگ ووٹ دیں گے۔ بغیر رائے شماری کے ہندو پاک میں شامل کئے جائیں اور وادی کشمیر میں رائے شماری کر کے اس کا تصفیہ کیا جائے یا اسے آزاد اور خود مختار رکھا جائے۔ سر ڈکسن کی سر توڑ کوششوں کے باوجود ہر دو مملکت کے وزرائے اعظم کسی ایک بات پر متفق نہیں ہو سکے جس تجویز پر پاکستان نے حامی بھری اُسے ہندوستان نے ناقابلِ قبول کہا اور جو تجویز ہندوستان کو مرغوب نظر آئی پاکستان نے اُسے رد کیا۔ رپورٹ کے اختتام پر انہوں نے اپنی رائے ظاہر کرتے کہا:

"بدقسمتی سے وادی کشمیر کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا" یہ وہ علاقہ ہے جس پر دونوں فریق اپنا دعویٰ کرتے ہیں۔ پاکستان نہ صرف اس لئے کہ وادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس میں دریائے جہلم بہتا

ہے۔ ہندوستان بھی اپنے دعویٰ پر قائم ہے اور اس کا قبضہ فائدہ ہے وادیٔ کشمیر کو ایک یا دوسرے فریق کو دیا جانا تقسیم کے کسی بھی منصوبے کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے ،،

غرض مسئلہ کو باہمی رضامندی سے حل کرنے کے لئے دونوں وزرائے اعظم نے ڈکسن کی پیش کردہ تجاویز سے اتفاق نہیں کیا اور وادی کے حق دعویٰ سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہوئے۔ ڈکسن ناکام ہو کر ۲۳ اگست کو کراچی ہوتے ہوئے امریکہ پہونچے۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۰ء کو انہوں نے اپنی رپورٹ معہ سفارشات کے صدر سلامتی کونسل کو پیش کی جس میں انہوں نے اپنی حتمی رائے ظاہر کرتے تجویز رکھی۔

" بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے فریقین پر چھوڑا جائے کہ وہ کس طرح اس مسئلہ کو حل کرتے ہیں۔ میں سیکورٹی کونسل سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ فریقین سے کہے کہ وہ اپنی افواج میں کمی کرے جو جنگ بندی لائن کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہ کمی اس حد تک ہونی چاہیئے جیسا کہ معمول کے حالات میں حفاظت کے لئے کئے جاتے ہیں ،،

قطع نظر اس کے رپورٹ شائع ہوتے ہی ہند و پاک مابین الزام اور جوابی الزام کی لفاظی جنگ شروع ہوئی۔ اقوام متحدہ کی جانب سے ڈکسن مشن کی ناکامی کا اعلان ہونے کے فوراً بعد لندن ٹائمز نے تبصرہ کرتے لکھا

" ہندوستان فوجیں توڑنے کا مطلب یہ لیتا ہے کہ پاکستانی فوجوں کو واپس بھیجا جائے اور شیخ عبداللہ کا اقتدار تمام علاقہ پر تسلیم کیا جائے۔ پاکستان کا کہنا ہے' ان باتوں کا مطلب یہ ہوگا کہ رائے شماری ایک ڈھونگ بن کر رہ جائے گی، خصوصاً اگر شیخ عبداللہ کی حمایت میں ہندوستان کی کافی فوج کشمیر میں ٹھہری رہے۔ پاکستان چاہتا ہے کہ فریقین کی باقاعدہ فوجیں واپس بھیج دی جائیں اور شیخ عبداللہ اور آزاد کشمیر کے

اختیارات اقوام متحدہ کے ناظم ایڈمرل چسٹر نمٹز کے حوالے کر دیئے جائیں،،

سری لنکا کے اخبار "سیلون آبزرور" نے ڈکسن کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے رائے دی

"ہند و پاک کے درمیان سمجھوتہ ناممکن ہے اسلیئے مزید گفت وشنید سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ سلامتی کونسل مسئلہ حل کرنے کے لئے راست کاروائی کرے"

ڈکسن رپورٹ پر دنیا بھر کے تمام سرکردہ اخبارات میں تنقید و تبصرے شائع ہوئے البتہ دولت مشترکہ کے بیشتر اخباروں نے یہ رپورٹ اس حاشیہ کے ساتھ شائع کی۔

"برطانیہ اور ہند کے مابین سرحدوں کے تعین کے متعلق ایک خفیہ سمجھوتہ ہوا تھا کہ بٹوارہ کی لائن کچھ اس طرح سے کھینچی جائے کہ ہندوستان کو کشمیر تک پہونچنے کا راستہ مل جائے۔ چنانچہ بونڈری کمیشن کے صدر لارڈ ریڈکلف نے ابتداء میں جو مسودہ تیار کیا تھا اس میں ضلع گرداسپور کو پاکستان میں شامل رکھا گیا تھا۔ لیکن بعد میں ہند اور برطانیہ کی مشترکہ ترغیب پر ریڈکلف نے اپنا ارادہ بدلا،،

بددیانتی کی اس خبر کی شدت نے ریڈکلف کو تردید کرنے پر مجبور کیا چنانچہ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۰ء کو انہوں نے ایک تردیدی بیان جاری کرتے واضح کیا "اس خبر میں کوئی صداقت نہیں ہے بلکہ یہ محض مجھے بدنام کرنے کے لئے گڑھی گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے میں نے ایک ثالث کی حیثیت سے اپنے فرائض نہایت ہی ذمہ داری سے انجام دیئے ہیں"۔

وزیر اعظم پاکستان

ڈکسن مشن کی ناکامی کا اعلان ہوتے ہی پاکستان بھر میں جہاد اور منا قشے کے زوروار نعرے بلند ہوئے۔ ایسا محسوس ہونے لگا کسی بھی لمحہ دوبارہ جنگ چھڑ جائے گی۔ پاکستان کی ایماء پر عالمی مسلم کانفرنس نے اقوام متحدہ پر دباؤ ڈالنے کی خاطر دس (۱۰) لاکھ دستخطوں سے ایک یادداشت سیکریٹری جنرل کو بھیجی

بس میں مسئلہ کشمیر پر فوری توجہ دینے اور انصاف کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ نواب زادہ لیاقت علی خان نے پاکستانی پارلیمنٹ میں ڈکسن کی ناکامی پر تبصرہ کرتے کہا:

"ہندوستان کی ہٹ دھرمی اور خود غرضی سے ڈکسن ناکام ہوا اور اس کی تمام تر ذمہ داری ہند پر عائد ہوتی ہے۔ ڈکسن کی یہ سفارش کہ قضیہ کشمیر کا حل فریقین پر چھوڑ دیا جائے مایوس کن حقیقت ہے مجلس تحفظ اپنی ذمہ داریوں کے پیش نظر جو قیام امن کے متعلق اس پر عائد ہوتی ہیں، اس مسئلہ سے انحراف نہیں کر سکتی۔ مجلس تحفظ کا فرض واضح ہے۔ اس بارے میں ہند و پاک کے مابین سلامتی کونسل کے بغیر کوئی سمجھوتہ ناممکن ہے"

وزیر اعظم ہند

پنڈت جواہر لال نہرو نے پاکستان کے جوش و خروش کے پس منظر میں مسئلہ کشمیر پر ہند کی پالیسی واضح کرتے ۳ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو اپنے بیان میں کہا:

"کشمیر میں جو پالیسی ہند نے اختیار کی ہے، اگر پاکستان کے پروپیگنڈا باز یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جہاد، جنگ اور مذہبی جنون کی باتیں کر کے ہمیں مرعوب کریں گے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ ڈکسن رپورٹ شائع ہوتے ہی پاکستان میں جہاد کا نعرہ بلند ہوا اور جس مذہبی جنون کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اس پر پاکستان کا حق فائق ہو گیا غلط ہے، اسے کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ڈکسن کی یہ سفارش منظور کی جا سکتی ہے کہ استصواب رائے عامہ کو روبعمل لانے کے لئے چھ ماہ تک ریاست جموں و کشمیر کا نظم و نسق اتحادی سبھا کے حوالے کر دیا جائے"

جے پرکاش نرائن

سوشلسٹ لیڈر جے پرکاش نرائن نے پٹنہ سے جاری کردہ اپنے ایک بیان میں کہا:

"اب وقت آگیا ہے کہ مسئلہ کشمیر کو ہر قیمت پر حل کیا جائے۔ اگر کشمیر کی تقسیم ناگزیر ہو تو اسے قبول کرنا چاہیئے تا کہ ملک تعمیری کاموں میں مصروف ہو سکے۔"

مولانا محمد سعید مسعودی

مولانا مسعودی جو مولوی کم اور سیاستدان زیادہ تھے، نے ڈکسن پلان کو حقائق کے دُور رس نتائج پر پرکھنے اور جانچنے کے بجائے بنیئے کے سود و زیاں کی ترازو میں ڈال کر اپنی رائے یوں ظاہر کی:

"نیشنل کانفرنس اصولی طور پر کشمیر کی تقسیم کے خلاف ہے۔ میں ڈکسن رپورٹ کو اپنے حق میں نہیں کہہ سکتا ہوں، اس نے زیادہ زور اس امر پر دیا کہ شیخ محمد عبداللہ کی ایڈمنسٹریشن نہیں رہنی چاہیئے اور جو یہ کہا ہے کہ پاکستان نے بین الاقوامی معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے صرف وزن برقرار رکھنے اور ہمارے خلاف کہی گئی باتوں کا اثر کم ظاہر کرنے کے لئے ہی کہا۔"

مرزا محمد افضل بیگ

مرزا محمد افضل بیگ جو بعد ازاں اٹھارہ (۱۸) سال تک نہ صرف محاذ رائے شماری کے صدر رہے بلکہ وادیٔ کشمیر میں پاکستان کے حق میں پروپیگنڈا کرتے رہے اور سب سے بڑے بلیغ النظر مبلغ اور حامی کہلانے لگے، نے ڈکسن پلان کے شائع ہونے سے کچھ عرصہ قبل، ۱۳ اگست ۱۹۵۰ء کو ترہگام کے جلسہ عام میں کہا:

"حکومتِ ہند اگر پاکستان کو خوش کرنے پر تلی ہے تو وہ اس کے لئے دوسرے راستے اختیار کرے۔ کشمیر کے عوام اس سرزمین کی ایک انچ زمین بھی پاکستان کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوں گے۔"

بخشی غلام محمد

بیان داغنے کی اس رُت میں بخشی غلام محمد نے ٹھیٹ ہندوستانی لب و لہجہ اختیار کرتے کہا:

"رائے شماری کی تجویز سب سے پہلے ھندوستان نے پیش کی لیکن تجویز پیش کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے اندرونی معاملات میں کسی غیر کو دخل اندازی کی اجازت دیں۔ رائے شماری کرانا ہمارا ذاتی اور اندرونی مسئلہ ہے"[۱۱]

خواجہ غلام محمد صادق

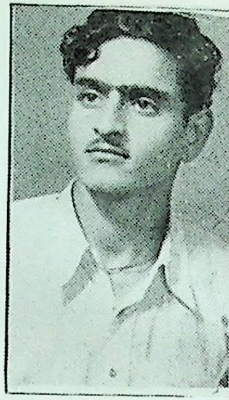
ریاستی کابینہ سے مستعفی ہونے کے بعد غلام محمد صادقؔ عدالت میں پریکٹس کرنے کے بجائے اپنا بیشتر وقت کلچرل کانگریس کے آفس میں گزارنے لگے جہاں ادبی سرگرمیوں کی آڑ میں اشتراکیت کی تبلیغ اور سوویت روس کے خلاف جنگ نہ ہونے دینے کے نعرے کی دھوم مچی تھی اور دستخطی مہم زوروں پر جاری تھی اُن دنوں روس کے پاس ایٹم بم نہیں تھا اس لئے غلام محمد صادق روس کو امن پسند اور امریکہ کو جنگ باز تصوّر کرتے تھے۔ ڈکسن مشن کی ناکامی پر کلچرل کانگریس سے وابستہ امن کمیٹی نے مرزا غلام حسن بیگ عارفؔ کی صدارت میں جلسہ کیا جس میں غلام محمد صادقؔ نے تقریر کرتے مہاراجہ ہری سنگھ کے آزاد اور خودمختار کشمیر کے عندیہ سے لے کر ڈکسن پلان تک ہر اہم واقعہ کو سامراجی سازش کہہ کر رد کرتے اسے عوامی مفاد اور تحریک آزادی کے مقاصد کے خلاف قرار دیا۔ ویسے غلام محمد صادق واحد نیشنل کانفرنسی لیڈر ہیں جنہوں نے بعد ازاں اپنی تقریروں میں اشاروں اور کنایوں سے ڈکسن پلان کی حمایت کی۔ اس نکتہ پر یہاں بحث کی کوئی گنجائش نہیں کہ خواجہ غلام محمد صادقؔ بعد ازاں بخشی غلام محمد کے وقتی دوست اور دست بدست کیسے بنے اور ہند کشمیر الحاق کے حامیوں کے زمرہ میں کیسے سر فہرست آئے؟

شیخ محمد عبداللہ

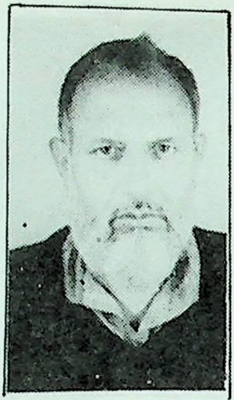
یہ عیاں حقیقت ہے کہ اس دور میں مسئلہ کشمیر ایک سلگتا ہوا بین الاقوامی

معاملہ تھا اور دنیا والوں کی نظریں کشمیر اور کشمیری لیڈروں پر جمی ہوئی تھیں، ڈکسن مشن کی ناکامی کے فوراً بعد امریکی میگزین "لک" کے نامہ نگار نے تازہ صورتِ حال پر شیخ محمد عبداللہ کے تاثرات اور خیالات جاننے کے لئے ان سے پانچ مختلف موضوعات پر سوال کئے (۱) ڈکسن مشن کی ناکامی کے پیشِ نظر کیا آپ ابھی کبھی محسوس کرتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر کا کوئی حل پیش کیا جا سکتا ہے۔ (۲) استصواب رائے عامہ کے لئے جو طریقے آج تک واضح کئے گئے ہیں، ان میں آپ کس طریقہ کی حمایت کرتے ہیں (۳) کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ ڈکسن کی ناکامی سے ریاست میں کمیونسٹوں کی سرگرمیاں تیز ہوئی ہیں (۴) کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی الجھن کی وجہ سے آپ ان منصوبوں کو بروئے کار نہیں لا سکتے ہیں جو آپ کی حکومت سماجی، معاشی اور دیگر سطحوں پر ریاست کی حالت سدھارنے کے لئے روبعمل لانا چاہتی ہے (۵) آپ کے خیال میں زرعی اصلاحات کی ترویج کا کام کس حد تک آگے بڑھ رہا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ نے ان وسیع المقاصد اور دوررس سوالات پر تفصیل سے اپنا نقطہ نظر ہندوستان کے حق میں پیش کیا۔ جس کا اختصار درج ذیل ہے۔

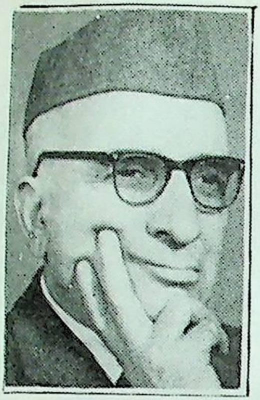
"پنڈت جی نے اس ضمن میں جو بیان دیا ہے اس میں کوئی بھی ان کہی بات نہیں چھوڑی گئی ہے۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ استصوابِ رائے عامہ کے لئے لازم ہے کہ تمام ریاست پر قانونی حکومت کا اقتدار بحال کیا جائے، رائے عامہ کرانا حکومت ہند اور ریاست کے درمیان ایک گھریلو معاملہ ہے۔ پاکستان رائے عامہ کرانے میں صرف اس لحاظ سے ایک فریق کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ رائے عامہ کے امکانات کو ناممکن بنا رہا ہے۔ پاکستانی حکومت اور لیڈر ریاستی لوگوں سے حکومت کی باگ ڈور چھین کر غیروں کے حوالے



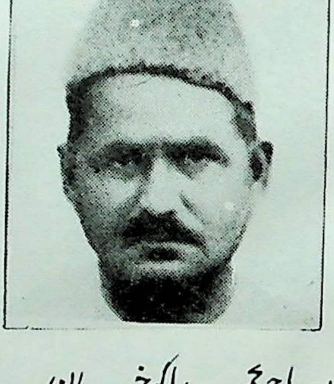
شری رشی کمار کوشل



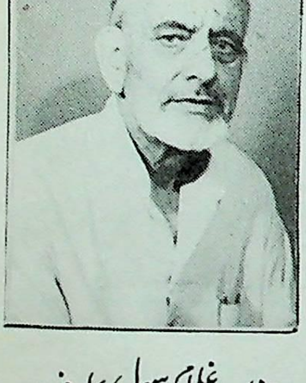
جناب شیخ عبدالرحمان بھدرواہی



پنڈت پریم ناتھ بزاز



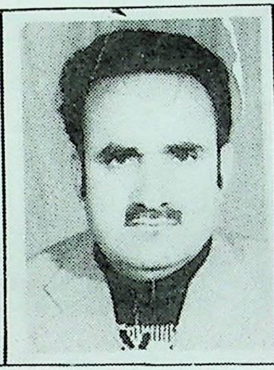
جناب راجہ محمد اکبر خان



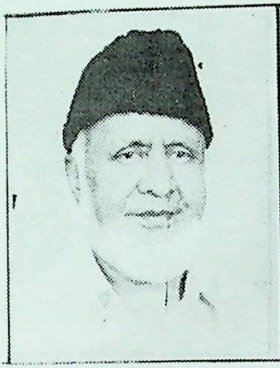
جناب غلام رسول عارف



جناب غلام محمد میر راجپوری



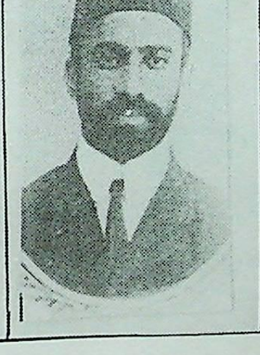
جناب عبدالصمد وانی
مدیر "کشیر" راولپنڈی



جناب غلام حسن بیگ عارف



شری شیام لال صراف



جناب عبدالسلام رفیقی



جناب نذیر احمد سمنانی

کرنے میں مسرت محسوس کر رہی ہے ۔ اگر سیکورٹی کونسل مستقبل قریب میں ریاست کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکی تو ریاستی باشندے اپنا حق خود ارادیت منوانے اور موجودہ متزلزل غیر یقینی صورت حال کو ختم کرنے کے لئے قانون ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے خود ہی ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے ۔ کمیونسٹ سرگرمیاں غریبی اور عوام کی بے چینی سے تعلق رکھتی ہیں ہم نے اس کی پیش بندی کے لئے زرعی اصلاحات کی ترویج عمل میں لائی اور ان اصلاحات سے کسانوں کا زاویہ نگاہ ہی بدل گیا ہے ۔"

صوفی محمد اکبر

۲ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو بانڈی پور تحصیل نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے صوفی محمد اکبر نے اور باتوں کے علاوہ کہا ۔ "نیشنل کانفرنس کا یہ عقیدہ ہے کہ ریاست کے لئے جو راستہ شیخ محمد عبداللہ نے متعین کیا ہے وہ درست اور بہتر ہے ۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی شہ رگ کاٹ کر پاکستان کی سانس بحال کریں"!

نیشنل کانفرنس کی سرگرمیاں

اس دوران ریاست میں سرکاری اور نیم سرکاری سطح پر جو سرگرمیاں رونما ہوئیں ان میں کرن سنگھ وولن ملز مزدور یونین کے صدر پیر محمد یحییٰ شاہ صدیقی کے ذریعہ نیشنل کانفرنس نے مینجمنٹ اور مزدوروں کے درمیان ایسی خلیج پیدا کی جس کے نتیجہ میں وولن مل پر حکومت کا تسلط قائم ہوا ۔

۸ اگست ۱۹۵۰ء کو نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری نے سال ۱۹۵۰ء ـ ۵۱ کے لئے شیخ محمد عبداللہ کو بلا مقابلہ صدر منتخب ہونے کا اعلان کیا اور تحصیل سرینگر کے لئے مندرجہ ذیل ممبران منتخب قرار پائے ۔ بخشی عبدالرشید صدر

ڈاکٹر جی این چکتو نائب صدر، عبدالرحیم آہنگر سیکریٹری۔ کامریڈ سومیشور جوائنٹ سیکریٹری حاجی محمد سبحان بٹ خزانچی۔ ممبران، حکیم غلام محی الدین۔ پیر محمد یحییٰ شاہ صدیقی۔ عبدالرحمان میر بحری۔ پیر محمد افضل مخدومی۔ پیر سیف الدین مخدومی۔ غلام قادر خان۔ عبدالعزیز گابرو۔ اور عبدالاحد لون عقلیمر خانیار منتخب ہوئے۔ سری نگر سے جنرل کونسل کے لئے شیخ محمد عبداللہ۔ بخشی غلام محمد۔ مولانا محمد سعید مسعودی۔ غلام محمد شاہ۔ غلام محمد السبنت باغ، بخشی عبدالرشید اور پنڈت پرتھوی ناتھ کول چنے گئے۔

حق تو یہ ہے کہ اس دور میں ریاستی سیاسی حکمرانوں کے پاس عام لوگوں کو دینے کے لئے جذباتی بے اثر تقریروں، جبر و تشدد، زور زبردستی اور سیاسی ہلڑ بازی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے اس سے معاشرے کا ایک محدود طبقہ مسرور ہوتا ہو لیکن عام لوگ روٹی اور روزگار کے متلاشی ہوتے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ اس رمز سے ناآشنا نہیں تھے لیکن وہ مشہور فوجیوں کے اصول کے مانند جب مدافعت کی کوئی راہ باقی نہ رہے تو عام ہلہ بول دیا جائے اور جب سیاستدان اس اصول کے تحت عمل کرتا ہے تو انتشار اور افراتفری اس کی قسمت بنتی ہے۔ ریاست میں سیاسی ابتری ڈیرا ڈالے ہوئی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ بے کاری اور بیروزگاری نے عام انسان کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ ان حالات میں وزیر اعظم نے ۲۔ اگست ۱۹۵۰ء کو ایک کیبنٹ حکم کے ذریعہ ایجوکیشنل ری آرگنائزیشن کمیٹی قائم کی جس کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ مروج تعلیمی نظام میں اصلاح کی جائے۔ اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ اساتذہ کی تنخواہوں اور سکول گرانٹ پر نظر ثانی کی جائے۔ اس نیک اور بے ضرر عندیہ کی آڑ میں حکومت نے پہلی ضرب ان امدادی مدارس کی گرانٹ بند کر کے یہ کہہ کر لگا دی کیونکہ یہ مدارس مذہبی ناموں پر قائم ہیں۔ اس لئے حکومت ایسے سکولوں کی گرانٹ بند کرنے میں حق بجانب ہے۔ اس حکم سے وادی کے علمی ادبی تعلیمی اور سماجی حلقوں میں تشویش اور

ناراضگی پھیلی امدادی مدارس کے اساتذہ نے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لئے وزیر اعظم کو کشمیری سماج سے وابستہ مختلف الخیال لوگوں کے ایک لاکھ دستخطوں کی اپیل اس استدعا کے ساتھ پیش کی کہ یہ سکیم ناقص اور ناقابلِ عمل ہے حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس پر عملدرآمد کرنے سے قبل سرکردہ ماہر تعلیم ڈاکٹر تاراچند۔ ڈاکٹر ذاکر حسین۔ خواجہ غلام السیدین اور ڈاکٹر رام ناتھ جہا کی رائے حاصل کرے۔ اپیل میں مزید کہا گیا کہ ۶۴ فی صد طلباء امدادی مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں جن کے نتائج مقابلتاً زیادہ شاندار ہوتے ہیں۔ گرانٹ بند ہو جانے سے چار سو سے زائد اساتذہ بے کار ہو جائیں گے۔ لیکن حکومت پر اس اپیل کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو سفارشات منظور کی گئیں جس کے نتیجہ میں امامیہ ہائی سکول جڈی بل ہمدانیہ ہائی سکول خانقاہ معلی اور اسلامیہ ہائی سکول گوجوارہ اس حواس باختہ قوم پرست نظریہ کے شکار ہوئے۔ لیکن انجمن نصرۃ الاسلام سرینگر نے یہ ضرب برداشت کی اور اسلامیہ ہائی سکول کو سرکاری گرانٹ کے بغیر زندہ رکھا۔ (یہ سلسلہ ۱۹۵۶ء تک جاری رہا۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں اسلامیہ ہائی سکول کی عمارت نذرِ آتش ہوئی۔ آتشزدگی کی وجوہات ہنوز معمہ ہیں۔ البتہ وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے سیاسی رابطے استوار کرنے کی غرض سے سرکاری سطح پر سکول بلڈنگ ـــــــ دوبارہ تعمیر کرائی اور گرانٹ بھی بحال کی) اس طرح شیخ محمد عبداللہ کی تعلیمی اصلاحی کمیٹی غیر اصلاحی قدم اٹھا کر دم توڑ بیٹھی۔ ۱۹۵۰ء کے اختتام پر دبے کچلے کشمیری عوام کی رہی سہی کسر سیلاب کی تباہ کاریوں نے پوری کی حکومت نے اپنے مفقود ذرائع آمدنی کا نزلہ عوام پر گراتے سیلاب ٹیکس عائد کر کے اپنی غیر دانشمندی کا ایک اور ثبوت فراہم کیا جس سے لوگوں کی خستہ اقتصادی حالت مجروح ہو کر رہ گئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مقرر شدہ دی جانے والی راشن میں کمی کر کے انکو دانے دانے کا محتاج بنا دیا گیا۔

ناجنگ اعلان

۱۹۵۰ء کے ابتدائی ایام میں مشرقی اور مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ فسادات سے ہندو پاک کے درمیان جنگ چھڑ جانے کا خطرہ محسوس کیا گیا۔ وزیر اعظم ہند نے وزیر اعظم پاکستان کے سامنے تجویز رکھی کہ دونوں وزرائے اعظم ایک ایسے ناجنگ معاہدے پر دستخط کریں جو اس امر کی دلالت کرے، چاہے دونوں حکومتوں کے درمیان اختلافات کتنے ہی پیچیدہ کیوں نہ ہوں انہیں دور کرنے کے لئے کسی بھی صورتحال میں جنگ نہیں کی جائے گی۔ اس بارے میں دونوں وزرائے اعظم کے مابین طویل خط و کتابت ہوئی جس کا ماحصل یوں ہے۔

وزیر اعظم پاکستان نے ناجنگ اعلانیہ کو ان شرائط کا پابند بنانا چاہا کہ ہندو پاک کے مابین چار[۴] اہم متنازعہ مسئلوں (الف) مسئلہ کشمیر (ب) متروکہ جائداد (ج) نہری پانی کا تنازعہ (د) سکّوں کا شرح تبادلہ جیسے مسئلوں پر تصفیہ کے طریق کار کے متعلق دو[۲] مہینے تک باہمی گفت و شنید ہو۔ اس کے بعد دو[۲] مہینے ثالثی کے لئے دے جائیں اور اگر پھر بھی مسئلہ طے نہ ہو پائے تو اسے کسی حَکَم کے سپرد کر دیا جائے۔ کیونکہ حکومتوں کے درمیان جھگڑے چکانے کے لئے یہی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں اور اقوام متحدہ کے چارٹر میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

حکومتِ ہند کا نظریہ یہ تھا کہ نہری پانی کی تقسیم اور انخلائے کنندگان کی جائداد کے تصفیہ کے متعلق چار[۴] ججوں کی عدالت مقرر کی جائے جس میں دو[۲] ہند اور دو[۲] پاکستان کے ہوں گے۔ عدالت کے فیصلہ پر دونوں حکومتیں لازماً کاربند رہیں گی۔ امریکہ اور کینیڈا میں بھی ماضی میں کئی ایسے جھگڑے کشاکش کے سبب بنے رہے۔ دونوں حکومتوں نے ان کے تصفیہ کے لئے تین[۳] تین[۳] جج مقرر کئے جنہوں نے معاملوں کا تصفیہ کیا۔ اگر ہندوستان اور پاکستان ایک

دوسرے سے لڑتا یا ہر معاملے میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانا نہیں چاہتے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ طریقہ یہاں کامیاب نہ ہو۔ جہاں تک "حکم" کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا تعلق ہے اس کا نتیجہ ہمیشہ خوش گوار نہیں ہوتا جیسا کہ پاکستانی اور ہندوستانی سرحدوں کے متعلق ریڈکلف فیصلے سے ظاہر ہو چکا ہے۔ اس کی تلخی ہند و پاک کے ذہن میں اب بھی باقی ہے۔ اس طریقہ پر تکیہ کرنا اور سب سے پہلے یہ فرض کر لینا کہ ہر تنازعہ "حکم" کے پاس بھیجا ہوگا مناسب نہیں ہے کشمیر کا تنازعہ سیاسی نوعیت کا مسئلہ ہے اسے دونوں حکومتیں باہمی گفت و شنید سے حل کر سکتی ہیں۔ مزید یہ سلامتی کونسل کے سامنے زیر غور ہے۔ اس لئے بھی ثالث کے سپرد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جہاں تک دونوں ملکوں کے سکوں کی شرح تبادلہ کا تعلق ہے یہ معاملہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے سامنے زیر غور ہے اس پر جلد بازی کی ضرورت نہیں۔

غرض دونوں وزرائے اعظم اپنے اپنے زاویہ نگاہ کو منوانے پر مصر ہے اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں وزیر اعظم ہند نے جملہ خط و کتابت پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی، اس طرح نا جنگ معاہدہ سرد خانے کی نذر ہوا۔ ۱۶ اکتوبر کو وزیر اعظم ہند نے ایک پریس کانفرنس میں اپنے موقف کا اعادہ کرتے اعلان کیا ہم اپنے سارے متنازعہ مسائل کو جنگ سے نہیں بلکہ امن کے ذرائع سے حل کرینگے۔ ایک سوال کے جواب میں پاکستان کے سابق وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل کی اس رائے سے[31] اتفاق نہیں کیا کہ دونوں بنگالوں کو پھر سے ایک کیا جائے یا مشرقی بنگال سے ہندوؤں کو نکال کر ہند میں بسایا جائے۔

دسمبر ۱۹۵۰ء اور جنوری ۱۹۵۱ء کے مہینوں میں ریاستی اور بین الاقوامی سطح پر دو[32] اہم واقعات رونما ہوئے۔ ان میں ریاستی مجلس قانون ساز یہ کا قیام اور دولتِ مشترکہ وزرائے اعظم کانفرنس میں مسئلہ کشمیر پر بحث ! ہی

اہمیت کے لحاظ سے دُور رس نتائج کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں پہلے کامن ویلتھ کانفرنس میں مسئلہ کشمیر پر غیر رسمی بات چیت کا تذکرہ کرنا مناسب ہے۔

کامن ویلتھ کانفرنس

اس موقع پر برصغیر ہند و پاک کے گرد و نواح کے ماحول اور عالمی ردِعمل[۳۱] کے پس منظر کا سرسری جائزہ لینا لازمی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب چین میں کمیونسٹوں نے چینگ کائی شک کو شکست دے کر تبت کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ دلائی لاما کے بھائی سونڈوپ نے نائی پی میں ۲۴ مئی ۱۹۵۱ء کو امریکہ سے امداد کی اپیل کی جس کی صدائے بازگشت غیر اشتراکی ممالک میں بڑی دیر تک سنائی دی گئی۔ حکومت ہند نے اس حملہ کے خلاف سُرخ چین کو ایک یادداشت بھیجی جس کو چین نے تحکمانہ انداز میں ردّ کرتے کہا: ہند کو ہمارے معاملات میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں۔ کچھ عرصہ بعد دلائی لاما جنگلوں اور دریاؤں کو عبور کر کے خفیہ راستوں سے ہند میں داخل ہوئے اور تاحال پناہ گزین کی زندگی[۳۲] بسر کر رہے ہیں۔ اس سے قبل ۱۹۵۰ء میں کوریا میں امریکہ اور روس کے درمیان نظریاتی اور جنگی قوت کی رسہ کشی شروع ہوئی تھی۔ رہی سہی کسر نیپال میں نیپالی کانگریس اور کمیونسٹوں کے اشتراک نے مہاراجہ نیپال کے خلاف بغاوت کر کے پوری کی۔ بذاتِ خود ہندوستان کے اندر پرتگیزی اور فرانسیسی نوآبادیاں کچھ کم دردِ سر نہ تھیں۔ جہاں فرانسیسی[۳] حکومت اعتدال پسندی کا ثبوت دے کر چندر نگر اور ماہی میں رائے شماری پر غور کرنے پر آمادہ ہوئی تھی وہاں پرتگیزی ہند میں اپنے مقبوضات پر قبضہ ختم کرنے پر کسی قسم کی بات چیت کرنے پر تیار نہیں تھے۔ ہند و پاک کے گرد و نواح میں جنگی ماحول اور عالمی امن میں خلل کے ان واقعات نے برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی کو وزیر اعظم پاکستان اور پنڈت جواہر لال نہرو کے نام دو نہ

مشورہ کا پیغام بھیجنے پر آمادہ کیا۔

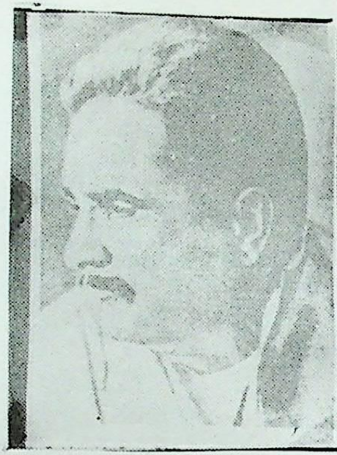
"اگر سر دست مسئلہ کشمیر کا کوئی مستقل حل ممکن نہ ہو تو اس کا کوئی عارضی حل تلاش کیا جائے جس سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں ایشیا کے ڈیفنس کے لئے تمام ایشیائی ممالک خصوصاً ہند و پاک کے مشترکہ دفاع کا انتظام ہو سکے۔"

۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو لندن میں کامن ویلتھ کانفرنس ہونے والی تھی۔ پاکستان نے کانفرنس میں شرکت کے لئے مسئلہ کشمیر کو اس کے ایجنڈے پر شامل کرنے سے وابستہ کیا۔ وزیر اعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان نے کہا بصورتِ دیگر میں لندن سیر سپاٹے کے لئے نہیں جانا چاہتا ہوں تناؤ کو دور کرنے کے لئے لندن اور کراچی کے درمیان مراسلات کا تبادلہ بھی ہوا۔ برطانوی وزیر برائے اُمورِ دولتِ مشترکہ مسٹر گورڈن دوگر نے لندن میں پاکستان اور ہندوستان کے ہائی کمشنروں سے اس معاملے کو سلجھانے کے لئے طویل گفت و شنید کی۔ بالآخر آسٹریلیا کے وزیر اعظم مسٹر رابرٹ مینزیز کی تجویز پر طے پایا کہ مسئلہ کشمیر پر غیر رسمی بات چیت کی جائے۔ چنانچہ ۳ جنوری کو پنڈت نہرو کے لندن پہونچنے کے تھوڑی دیر بعد برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی اور وزیر اعظم ہند نے نواب زادہ لیاقت علی خان کو کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے مشترکہ تار بھیجا۔ وزیر اعظم پاکستان نے پاکستانی پارلیمنٹ میں ٹیلی گرام پر غور کیا اور سردار عبدالرب نشتر سے خصوصی صلاح و مشورہ کر کے ۶ جنوری کو لندن روانہ ہوئے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو مسٹر ایٹلی کی سرکاری قیام گاہ ۱۰، ڈاؤننگ اسٹریٹ پر دو گھنٹے تک مسئلہ کشمیر پر غیر رسمی بات چیت ہوئی۔ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تین نشستیں ہوئیں۔ آخری نشست ۱۶ جنوری ۱۹۵۱ء کو آسٹریلیوی وزیر اعظم رابرٹ مینزیز کی علالت کے باعث ان کے ہوٹل میں منعقد ہوئی۔ جس میں برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، سری لنکا اور ہندوپاک کے وزرائے اعظم

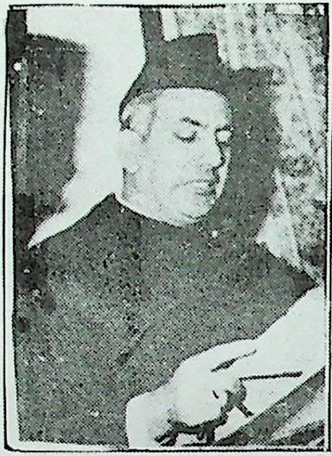
نے شرکت کی ۔ آسٹریلیا کے وزیر اعظم نے مسئلہ کو حل کرنے کی ضرورت کا احساس دلاتے خیال ظاہر کیا کہ شاید ہم دیگر تجاویز پر بھی غور کر سکیں ۔ میں تین تجاویز پیش کرتا ہوں (۱) ریاستی حکومت کو ہاتھ لگائے بغیر یعنی وہ رائے شماری میں مداخلت کئے بغیر اپنا معمول کا کام کرتی رہے گی (۲) رائے شماری کے لئے دولت مشترکہ سیکورٹی فورس فراہم کرے اور اس کے لئے اگر ہندو پاک کے وزرائے اعظم چاہیں تو آسٹریلیا امن عالم کی بقا کے لئے فورسز فراہم کرنے کے لئے تیار ہے (۳) رائے شماری مختلف علاقوں میں کرائی جائے یعنی مجموعی رائے شماری کے بجائے محدود رائے شماری بہتر رہے گی ۔

دوران گفتگو مسٹر اٹیلی نے پنڈت جواہر لال نہرو کے دعوی کی تردید کرتے کہا ہندوستان کی تقسیم مذہب کی بنیاد اور اصول پر ہوئی ہے ۔ لیاقت علی خان نے مجموعی رائے شماری پر زبردست دلائل دیئے ۔ پنڈت نہرو نے دو نقطے ابھارتے ہوئے کہا (۱) ہند و پاک کے درمیان اگر کوئی غلط اقدام اٹھایا گیا تو اس سے برصغیر میں لوگوں کے جذبات مشتعل ہوں گے اور نئے مسائل پیدا ہونگے ۔ (۲) کشمیر اور دہلی میں اپنے دوستوں سے مشورے کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا ہوں ۔ جہاں تک ہند کا تعلق ہے ہم کشمیر میں آئینی طور پر قائم کی گئی حکومت جو وہاں کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی نے قائم کی ہے ، کی دعوت پر وہاں گئے ہیں ۔ ہماری ذمہ داریاں دفاع ، امور خارجہ اور مواصلات تک محدود ہیں ، باقی امور کے بارے میں ریاستی حکومت خود ذمہ دار ہے اور ہم ریاستی حکومت کے کسی بھی فیصلے میں مداخلت نہیں کر سکتے ہیں البتہ مشورہ دے سکتے ہیں اور ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ریاستی حکومت سے مشورہ کئے بغیر کوئی فیصلہ لے سکیں ۔

وزیر اعظم پاکستان نے وزیر اعظم ہند کے دوسرے نقطے کے جواب میں کہا مذکورہ ریاستی حکومت مسٹر نہرو کی مقرر کردہ ایک کٹھ پتلی حکومت ہے جس کو وہ کسی بھی وقت



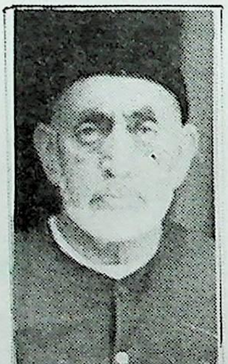
علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال



جناب جسٹس محمد یوسف صراف



نواب زادہ لیاقت علی خان



جناب صوفی محمد اکبر



جناب چودھری غلام عباس



وادی کے صحافیوں کی ایک یادگار
تصویر۔ دائیں سے بائیں!..
پرتھوی ناتھ رینہ، مدیر مادرِ کشمیر
رشید تاثیر، مدیر "محافظ"
جناب مقبول حسین جرنلسٹ
جناب غلام محمد بٹ، مدیر "پیامِ انقلاب"
جناب غلام محی الدین صوفی، مدیر
"شہمیر"۔

ہٹا یا تبدیل کر سکتے ہیں۔ آخری نشست ـــــ طویل بحث و تمحیص کے بعد رات دس (۱۰) بجے بغیر کوئی فیصلہ لئے ختم ہوئی۔ دونوں وزرائے اعظم میں سے کسی نے آئندہ میٹنگ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی اور نہ دولتِ مشترکہ فورسز کے بارے میں کوئی سوال پوچھا۔ اس طرح یہ کانفرنس مسئلہ کشمیر پر سخن سازی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ میٹنگ کے اختتام پر برطانوی وزیر اعظم نے اپنے بیان میں کہا:

"کشمیر کی گتھی کو سلجھانے کے لئے کئی تجاویز پیش کی گئیں لیکن کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ گو غیر رسمی بات چیت کے نتیجہ میں کشمیر کا مسئلہ حتمی طور حل کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی لیکن اختلافات کافی حد تک کم ہوئے ہا"

مسئلہ کشمیر پر کامن ویلتھ کانفرنس کی غیر رسمی گفت و شنید پر آسٹریلوی وزیر اعظم مسٹر رابرٹ مینزیز نے انگلینڈ کے آسٹریلوی کلب میں اخبار نویسوں کے سوالات کے جواب میں اظہار خیال کرتے کہا:

"ہند و پاک کی حکومتوں کو مسئلہ کشمیر فوری طور حل کرنا چاہیئے کیونکہ انہیں ایک دوسرے سے جنگ کے خطرے کے باعث اپنی آمدن کا نصف ۳۶ دفاعی اخراجات پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ہند و پاک اس اصول کو تسلیم کر چکے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ وہاں کے عوام کی مرضی سے حل کیا جائے گا اسلئے اس کو کسی بھی صورت میں لاحل نہیں کہا جا سکتا۔ یہ مسئلہ امن عالم کے لئے ایک خطرہ ہے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حکومت آسٹریلیا ہر ممکن امداد دینے کے لئے تیار ہے ہا"

وزیر اعظم کینیڈا مسٹر سینٹ لوی موران نے مسئلہ کشمیر پر رائے زنی کرنے سے انحراف کرتے دولتِ مشترکہ بریگیڈ کی وضاحت تک ہی اپنے تئیں محدود رکھا اور کہا۔

"کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے فورسز کو کشمیر میں تعینات کرنے کی تجویز وزیر اعظم آسٹریلیا مسٹر رابرٹ مینزیز نے پیش کی ہے۔ یہ تجویز اس لئے پیش کی گئی کیونکہ کشمیر میں فوجیں رکھنے کے سوال پر جو کشیدگی پائی جاتی ہے وہ ختم ہو جائے۔ اس بریگیڈ

میں کینیڈا کی فوجیں شامل کرنے کے امکانات پر بھی بات چیت ہوئی "
مسئلہ کشمیر پر غیر رسمی بات چیت کے دوران سری لنکا کے وزیر اعظم ڈاکٹر سینانائیکے نے اپنے لب تک نہیں کھولے۔ گوتم بدھ کے مجسمہ کی طرح خاموش بیٹھے رہے لیکن کانفرنس کی ناکامی پر اپنے تاثرات یوں بیان کئے۔

"پاکستان نے دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی تجاویز مان کر ہند کو عجیب و غریب پوزیشن میں ڈالا۔ نہرو کی بے نتیجہ اور بے معنی بحث رائے عامہ ہموار کرنے کی سعی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ہند کا رویہ قانونی اور آئینی حیثیت سے درست ہے مگر سیاسی مسائل حل کرنے میں محض آئین اور قانون کام نہیں دیتا۔"

مسئلہ کشمیر پر کامن ویلتھ کانفرنس کی ناکامی پر تبصرہ کرتے لندن ٹائمز نے اپنے اداریے میں لکھا ریاست میں غیر جانبدارانہ رائے شماری کے لئے ہند و پاک کی افواج کی واپسی لازمی ہے

"مسئلہ کشمیر کے اچھے یا برے پہلو چاہے کچھ بھی ہوں، جب تک دونوں طرف کی فوجیں واپس نہیں بلائی جائیں کشمیری اپنی خواہش کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے"

"نیو یارک پوسٹ" نے اپنے تبصرے میں پنڈت نہرو کو مورد الزام ٹھہراتے لکھا

"پنڈت نہرو کشمیر کو ہندوستان میں شامل کرنے کی کوشش میں ہندوستانی عوام کو بھوکوں مار رہے ہیں"

لندن میں دولت مشترکہ کانفرنس کی غیر رسمی بات چیت میں زیر بحث تمام باتوں کو صیغہ راز میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن وزیر اعظم پاکستان نے مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کی ناکامی کی تمام تر ذمہ داری وزیر اعظم ہند پر عائد کرتے کانفرنس کے دوران تمام بحث و تمحیص کو طشت از بام کرتے کہا۔ [۳۱]

"غیر رسمی بات چیت میں تین تجویزیں پیش کی گئیں۔ ایک تجویز میں

کہا گیا تھا کہ استصواب رائے عامہ سے پہلے اور استصواب رائے کے دوران کشمیر میں دولتِ مشترکہ کا ایک بریگیڈ رکھا جائے۔ دوسری تجویز میں کہا گیا تھا کہ ہند اور پاکستان کی بے قاعدہ اور باقاعدہ فوجیں کشمیر کی ریاست سے ہٹا دی جائیں۔ تیسری تجویز یہ تھی کہ کشمیر میں استصواب رائے کے نگران ایڈمنسٹریٹر کے تحفظ اور اجتماعی سلامتی کے لئے مقامی فوج بنائی جائے اور دوسری فوجیں مثلاً کشمیر ملیشیا اور آزاد کشمیر فوجیں ہٹا دی جائیں یا توڑ دی جائیں لیکن کسی بھی تجویز پر اتفاقِ رائے نہیں ہو سکا۔ اب پاکستان کے سامنے "دو ہی راستے کھلے ہیں۔ ایک سلامتی کونسل میں مسئلہ کا جلد از جلد فیصلہ کرنا۔ دوسرا راستہ میں سر دست ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔"

لیکن دوسرے راستے کی گرہ صوبہ سرحد کے وزیر اعظم عبد القیوم خان نے یہ دھمکی دیکر کھول دی۔" اگر ہندوستان نے کشمیر میں رائے شماری ناممکن بنا دی تو ہم نتائج کی پرواہ کئے بغیر ایک خوفناک جنگ میں کود پڑیں گے"۔ سردار محمد ابراہیم خان نے بھی اپنے ایک بیان میں کہا۔ "کشمیر کے مسئلہ پر دنیا کی کوئی طاقت پاکستانی عوام کو انقلابی اقدام اٹھانے سے باز نہیں رکھ سکتی"۔ وزیر اعظم ہند نے غیر رسمی بات چیت پر لندن اور پیرس کی پریس کانفرنسوں میں ہند کے مؤقف کی وضاحت کرنے نیا انداز اختیار کیا اور مبہم الفاظ میں ریاست جموں و کشمیر میں رائے شماری کو ناقابل عمل قرار دیا۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"لندن کی غیر رسمی بات چیت میں زیادہ تر بحث اس نقطے پر ہوئی کہ کشمیر میں رائے شماری کن حالات میں ہونی چاہیئے۔ ہندوستان کو کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ حملہ آوروں کو خوش کرنے کے لئے کشمیر کی آئینی اور قانونی حکومت کو توڑ دیا جائے اور کشمیر کے لاکھوں عوام کو حملہ آور کے رحم و کرم

پر چھوڑا جائے ۔ ہند کشمیر سے اپنی فوجوں کو نکالنے پر تیار ہے بشرطیکہ کشمیر کی نمائندہ حکومت اور عوام ہندوستانی فوجوں کو کشمیر چھوڑ دینے کو کہیں، کیوں کہ ہند نے ان ہی کے بلاوے پر ریاست میں اپنی فوجیں بھیج دی ہیں۔ کشمیر کا معاملہ مذہبی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ سیاسی اور اقتصادی نوعیت کا ہے۔ کشمیر میں رجعت پسند اور ترقی پسند مسلمانوں کے درمیان اصولوں کی لڑائی ہے اور ہند کشمیر کے ترقی پسند مسلمانوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ میں اس بات کو پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ کشمیری عوام کریں گے لیکن پاکستانی اخبارات کا مخالفانہ پروپیگنڈا عام قسم کا نہیں ہے یہ اخبارات جہاد کا ڈھنڈورہ پیٹ کر پاکستانی عوام کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں ایسے ماحول میں کشمیر کے معاملے پر پُرامن سمجھوتہ ہونا ممکن نہیں ہے ؎؎

لندن کی کامن ویلتھ کانفرنس کی غیر رسمی بات چیت کی ناکامی پر شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ردِّ عمل کا یوں اظہار کیا:

"کامن ویلتھ کانفرنس کی تجاویز ناقابلِ عمل، ناقابلِ قبول اور ذلیل تر ہیں۔ اس سے ہماری ریاست اینگلو امریکی منصوبے کے تحت ایک فوجی اڈے میں تبدیل ہو کر رہ جائے گی ۔ سوویت روس اور سُرخ چین کے خلاف استعمال ہونے کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔"

۲۳ر جنوری کو آثار شریف حضرت بل میں شیخ محمد عبداللہ نے دولتِ مشترکہ کانفرنس کو اپنا موضوعِ سخن بناتے پاکستان کو پانی پی پی کر کوسا۔ اس موقعہ پر مولانا محمد سعید مسعودی نے پنڈت نہرو کے نام مبارکبادی کا تار بدیں مضمون ارسال کیا۔

"آپ نے کامن ویلتھ کانفرنس میں کشمیری عوام کی حقیقی ترجمانی کی ہے۔ دولتِ مشترکہ

کا بریگیڈ کشمیری عوام کو کسی بھی قیمت پہ قابلِ قبول نہیں۔"

اس واقعہ کے چند دن بعد مولانا محمد سعید مسعودی جموں گئے اور چھمب کے ایک جلسۂ عام میں وزیر اعظم ہند سے روبہ سخن ہو کر دل کی گہرائیوں سے مطالبہ کیا "ریاست کے اُن علاقوں کو آزاد کرانے پر زور دیا جائے جو اس وقت دشمن کے قبضہ میں ہیں" مرزا محمد افضل بیگ نے مولانا مسعودی کے لب و لہجہ سے ہم آہنگ ہو کر اپنے ضمیر کے دریچوں کو کھول کر اننت ناگ کے پبلک جلسہ میں کہا "ہند اور کشمیر کا الحاق ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور یہ ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ ریاست کے لاکھوں لوگوں کو ہند کے جمہوری آئین پر فخر ہے" غلام محمد صادق کے زیرِ اثر نیم سیاسی و ثقافتی انجمنیں قومی کلچرل کانگریس انجمن ترقی پسند تھیٹرز انجمن ترقی پسند مصنفین اور انجمن ترقی پسند مصورین نے قراردادیں پاس کرکے کامن ویلتھ کانفرنس کی غیر رسمی میٹنگ میں جملہ گفت و شنید اور اس میں زیرِ غور تجاویز کی مذمت کرتے انہیں رد کیا جبکہ اس دور میں نیشنل کانفرنسی ارباب سیاست نے عام لوگوں کی رائے سلب کی تھی۔ وادی کے اکثر و بیشتر پبلک اجتماعات کی جگہوں ہوٹلوں، دکانوں، بسوں، سینما گھروں حتیٰ کہ مسجدوں کی دیواروں پر "سیاسی گفتگو کرنا منع ہے" کے بورڈ آویزاں کئے گئے تھے۔ مگر عام لوگ نجی محفلوں میں دبی زبان سے اس نوعیت کی قراردادوں کو سیاسی مزدوروں کی اپنے آقاؤں کے تئیں وفاداری کا اعلان نامہ قرار دیکر ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے تھے۔ ان ہی دنوں دہلی میں سیاستدانوں کا ایک ایسا طبقہ منظرِ عام پر آیا جس نے وزیر اعظم ہند کی کشمیر پالیسی سے برملا اختلاف رائے ظاہر کی۔ چنانچہ اُنکی پشت پناہی کرتے وزیر قانون ڈاکٹر بھیم راؤ امبیدکر نے پارلیمنٹ میں دولت مشترکہ کانفرنس کی غیر رسمی گفتگو پر وزیر اعظم ہند کے بیان اور ان کی کشمیر پالیسی پر نکتہ چینی کرتے کشمیر کو تقسیم کرنے کی تجویز کی حمایت کی پھر وزیر اعظم کے غضبناک تیور دیکھ کر ایوان سے واک آؤٹ کیا لیکن وزیر اعظم ہند اپنے نظریہ پر قائم رہے اور اس سوچ کی مخالفت کرتے رہے۔

(۵)

رفعتوں کی پستی

لوگ تو معصوم تھے اک معجزے کے منتظر تھے اور وہ
چڑھ گیا اونچی پہاڑی پر سمجھ بیٹھا کہ پیغمبر بنا

ذکر و فکر کی منزلوں کو ذوق و شوق کی سربلندیوں سے ہمکنار کرنے کی خاطر نیشنل کانفرنسی رہنماؤں نے ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا عندیہ ظاہر کیا اور اسے ٹھوس بنیادوں پر منظر عام پر لانے کے عزم و استحکام سے پارٹی کے سالانہ اجلاس کی تیاریاں شروع کیں۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے تحت گول باغ، جو کبھی گاندھی پارک اور فی زمانہ ہائی کورٹ کمپلیکس کہلاتا ہے، میں یکم جون تا ۳ جون ۱۹۵۰ء کو منعقد کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ سالانہ اجلاس کو کامیاب اور جاذب نظر بنانے کے لئے مندرجہ ذیل سب کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔

مرکزی استقبالیہ کمیٹی۔ صدر بخشی غلام محمد۔ سیکریٹری، غلام محی الدین ہمدانی۔ خزانچی، غلام محمد شاہ۔ مالی کمیٹی کنوینر، جے ڈی لو۔ ممبران، حبیب اللہ زرگر۔ غلام محمد شاہ۔ سردار گوربچن سنگھ۔ غلام حسن خان۔ بخشی عبدالرشید۔

پنڈال کمیٹی کنوینر، بخشی عبدالرشید۔ ممبران، غلام محمد میٹھا، غلام محمد شاہ، غلام قادر خان، صوفی غلام احمد، حبیب اللہ زرگر، محمد سلطان بخار، شیام لال کول عرف واٹ، عبدالعزیز نقاش، نند لال، شیام لال صراف سردار دیدار سنگھ، محمد سکندر، محمد عبداللہ لون، غلام محمد پنجو۔ پروپیگنڈا کمیٹی۔ کنوینر، محمد سلطان وانٹ، ممبران، حکیم غلام محی الدین، پیر محمد افضل مخدومی، سردار گوربچن سنگھ، عبدالغنی وڈیرہ، جیالال تعمیری۔ رضاکار کمیٹی کنوینر، شیخ علی محمد، ممبران۔ عبدالعزیز گابرو، پیر غیاث الدین، محمد یوسف، عبدالمجید، محمد یاسین، غلام قادر ہوا باز، پیر عبدالغنی، بخشی غلام حسین۔ انکوائری کمیٹی، کنوینر، پرتھوی ناتھ کول۔ ممبران، سردار منوہر سنگھ، محمد سلطان بخار، حسام الدین بانڈے، عبدالصمد کوترو۔ صحت وصفائی کمیٹی۔ کنوینر، جی این چکتو۔ ممبران، ڈاکٹر نورالدین ہیلتھ آفیسر، نند لال، علی محمد بٹ، غلام رسول صراف۔ تواضع کمیٹی۔ کنوینر، پیر سیف الدین مخدومی۔ ممبران حکیم علیم اللہ۔ صوفی نورالدین، غلام نبی وانی، پیر محمد یحییٰ شاہ صدیقی، غلام رسول چھتہ بلی، شیام سندر لال، عبدالرحیم ماگرے

۱۸ مئی کو مجاہد منزل میں بخشی غلام محمد نے نیشنل کانفرنس کے ورکروں کے اجتماع میں تقریر کرتے سالانہ اجلاس کے غرض وغائیت بیان کرتے کہا۔ اجلاس کے فوراً بعد آئین ساز اسمبلی کے ممبروں کا انتخاب ہو گا اور ڈاکٹر گراہم کی آمد پر ان سے تعاون یا عدم تعاون کے بارے میں فیصلہ لیا جائے گا۔ جب کہ حکومت ہند پہلے ہی یہ فیصلہ لے چکی ہے کہ ڈاکٹر گراہم بحیثیت سیاح یہاں آسکتے ہیں۔ سلامتی کونسل کے ممبر کی حیثیت میں ان کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سلامتی کونسل نے ڈکسن مشن کی ناکامی کے بعد ڈاکٹر فرینک

گر اہم کو ریاست میں ہندوپاک کے مابین افواج کی تعداد مقرر کرنے پر مجبور کیا تھا جس کی مکمل تفصیلات تحریکِ حریّت کشمیر (حصّہ پنجم میں درج ہیں) اجتماع میں غلام محی الدین ہمدانی نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے ۲۴ مئی کو ایک اور ایسے ہی جلسہ میں سالانہ اجلاس کی تیاریوں کو اپنا موضوع سخن بناتے دیگر باتوں کے علاوہ آئین ساز اسمبلی کے بارے میں کہا:

"آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کے لئے پروگرام اور طریق عمل مرتب کیا جائے گا۔ وہ وقت دور نہیں جب تمام دنیا کو اس اسمبلی کے فیصلے قطعی اور اٹل تسلیم کرنے ہونگے[۳]"

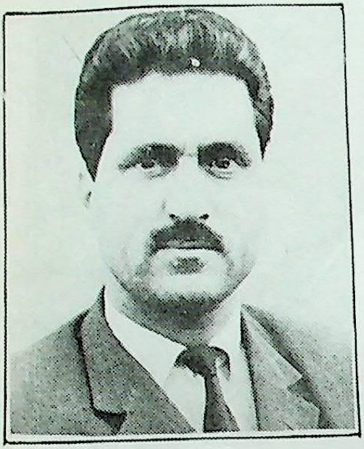
اس طرح نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ نے آئین ساز اسمبلی کے قیام کے بارے میں اپنے عزم واستقلال کے اظہار کی عمل آوری میں جلسوں اور بیان بازیوں سے اپنی جماعت کی صف بندی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا۔ اس سے قبل ۳ مئی کو لداخ کے میرواعظ مولوی سید محمد سعید شاہ نے سرینگر میں لداخیوں کی ترجمانی کرتے آئین ساز اسمبلی کے قیام کی حمایت میں کہا:

"نیشنل کانفرنس نے آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کے متعلق جو فیصلہ لیا ہے میں اس انقلابی اقدام کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ یہ پہلا موقعہ ہوگا جب لداخ کی بالغ آبادی کو عام انتخابات کے ذریعہ اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیجنے کا موقعہ ملے گا۔

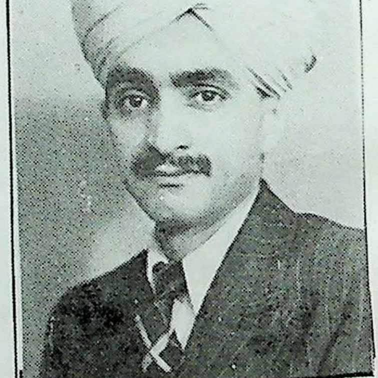
غرض یکم جون کو سالانہ اجلاس کے پہلے دن کوئی غیر معمولی بات ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ البتہ جب ۲ جون کی صبح ۹ بجے بذریعہ ہوائی جہاز اجلاس میں شرکت کرنے کی غرض سے پنڈت جواہر لال نہرو آئے تو بڑی ہلچل دیکھنے میں آئی۔ آپ کے ہمراہ سائینس اور قدرتی ذرائع کے وزیر سری پرکاش، وزیر اطلاعات، آر آر دیواکر، وزیر خزانہ، مہاویر تیاگی اور فیروز گاندھی تھے۔



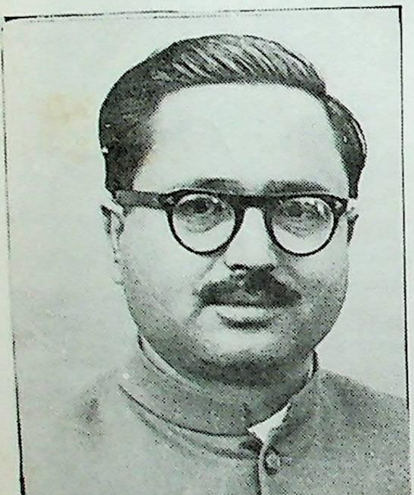
جناب فیض احمد فیض



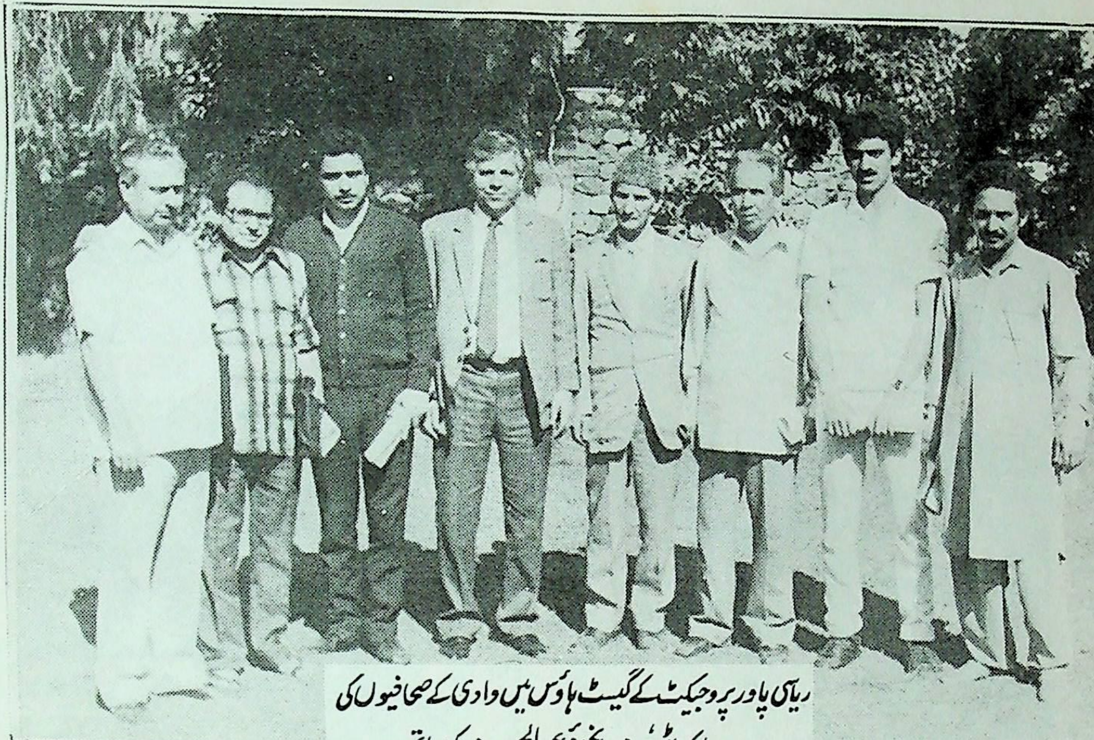
خواجہ عبدالغنی لون



شری بلدیو پرشاد شرما



جناب محمد ایوب خان



ریاسی پاور پروجیکٹ کے گیسٹ ہاؤس میں وادی کے صحافیوں کی
ایک ٹیم چیف انجینئر عبدالحمید رینہ کے ساتھ

ہوائی اڈے پر استقبال کرنے والوں میں شیخ محمد عبداللہ، مولانا محمد سعید مسعودی، مرزا محمد افضل بیگ، بخشی غلام محمد اور شیام لال صراف کے علاوہ ہند فوج کے جنرل آفیسر کمانڈنگ، میجر جنرل مہادیو سنگھ، نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبران اور یوراج کرن سنگھ شامل تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو جے کے نیشنل ملیشیا کے ہیڈ کوارٹر گئے جہاں ملیشیا کے کمانڈر بریگیڈیئر بلموریہ نے سلامی دی۔ ۳ر جون کو نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ کا استقبالی جلوس نکالا گیا۔ جلوس سرینگر شہر کا گشت لگا کر گول باغ میں اختتام پذیر ہوا۔ جلوس کی گزرگاہ میں مندرجہ ذیل نعروں کے بینر جگہ جگہ دیواروں اور محرابوں پر لٹکائے گئے تھے (۱) حملہ آور کو ناکام کرو (۲) کشمیری خود اپنے مستقبل کے معمار ہیں (۳) ہم ثالثی کے ذریعہ اپنی قسمت کا فیصلہ نہیں ہونے دیں گے (۴) انجمن اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کو اُلجھا رہی ہے (۵) اینگلو امریکی قرارداد مردہ باد (۶) ڈاکٹر گراہم، کشمیر میں آپ کا سواگت نہیں ہوگا (۷) اٹھو بیدار ہو جاؤ اور تب تک دم نہ لو جب تک تم اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے (۸) مجلس دستور ساز یہ ہمارا مطالبہ ہے (۹) کشمیر نہرو کا ساتھ دے گا جنگ بازوں کا نہیں (۱۰) ہم سامراجی چالوں کی مذمت کرتے ہیں (۱۱) کشمیر میں غیر ملکی فوجوں کو قدم دھرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی (۱۲) ثالثی عوام کی رائے کو کچلتی ہے (۱۳) پاکستانی حملے کا جواب دستور ساز اسمبلی ہے (۱۴) قومی مشکلات کا علاج دستور ساز اسمبلی ہے (۱۵) زرعی اصلاحات پر مہر تصدیق ہونے کا ذریعہ دستور ساز اسمبلی ہے (۱۶) دستور ساز اسمبلی ہی موجودہ تعطّل کو ختم کر سکتی ہے۔

خطبۂ استقبالیہ

۳ر جون کو کھلے اجلاس میں بخشی غلام محمد نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں

نیشنل کانفرنس کی تاریخ دہراتے ، ۱۹۴۷ء کے قبائلی حملہ کی پاداش میں ریاستی دستکاروں کی معاشی بدحالی کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ زرعی اصلاحات کے فوائد بیان کرتے پنڈت جواہر لال نہرو کی بیدار مغزی اور امن پسندی کو اپنا موضوع سخن بنایا اور سلامتی کونسل سے شکوہ کیا کہ مسئلہ کشمیر گذشتہ تین برسوں سے روز اوّل کی حالت میں ہے اور ہم اس ادارے سے انصاف کی توقع رکھنے میں مایوس ہو چکے ہیں۔ ہمیں ایک آزاد اور باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کی ضمانت دے کر بے یقینی اور تباہ کن کشاکش میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔

بخشی غلام محمد نے اپنے خطبہ میں سلامتی کونسل کی ثالثی پر نکتہ چینی کرتے کہا:

"اگر سلامتی کونسل کا مدعا واقعی یہ ہے کہ دو قومیں پُرامن طریقے پر رہ کر اچھے ہمسایہ بنیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ سلامتی کونسل کا فرض ہے کہ وہ ناقابل عمل اور نامناسب حل تجویز کرنے کے بجائے اس قسم کے مضر اور خطرناک طریق کار کے خلاف اقدام کرے۔"

اس طرح بخشی غلام محمد نے اپنے شوق کی بلندیوں کا اظہار تو کیا لیکن اس کی تہہ میں سیاسی نعمتوں کی سیڑھیوں کا تجزیہ کرنے سے قاصر رہے جبکہ انکی ذمہ داریوں میں ایسا کرنا شامل تھا کہ وہ سلامتی کونسل کی پاس کردہ قراردادوں کو رد کرنے کے حق کی رائے کو استعمال کرنے کے عوض متبادل تجاویز پیش کرنے کی زحمت کرتے جو انکی فہمیدگی اور سیاسی پختگی کی دلیل تصور کی جاتی لیکن ننگی نہائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا جسکے ظرف میں جتنا ہو گا اتنا ہی وہ بانٹے گا۔ بہرکیف دھواں دھار تقریروں کے اس موسم میں تالیاں بجانے والوں نے انہیں داد دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

شیخ محمد عبداللہ

نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں بغیر کسی لگی لپٹی اور تمہید کے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں سلامتی کونسل کی ناکامی اور اسے جانبداری کا مرتکب ٹھہراتے کہا کہ اس مسئلے کو حل کرتے

کے لئے کشمیری عوام کو خود ہی کوئی قدم اُٹھانا چاہیئے اور اس کے لئے بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر اسمبلی قائم کی جائے تاکہ وہ اپنے مستقبل کے خوابوں کا تعین کر سکیں۔ انہوں نے اس بارے میں کہا:

"آیئن ساز اسمبلی کے آنے والے انتخابات میں ہم اپنی پالیسی عوام کے سامنے رکھ دیں گے اور جو فیصلے ہم نے کئے ہیں ان پر عوام سے مہر تصدیق ثبت کرالیں گے"

حق تو یہ ہے کہ آیئن ساز اسمبلی جس غیر آیئنی اور غیر جمہوری ڈھنگ سے قائم ہوئی وہ عوام سے اس پر مہر تصدیق ثبت کرانے کے بجائے حق حقوق کے لئے بلامقابلہ کامیابی کی موزون راہ تلاش کرنے کی ضامن بنی۔ آپ نے ہندوستان سے تعلقات قائم کرنے کی بڑی وجہ یہ بتائی۔

"ہندوستان نے ہماری آزادی کے جذبات اور حق خود ارادی کا ہمیشہ احترام کیا اور ہمیں آیئنی حقوق کے ذریعہ اپنی پالیسی مُرتّب کرنے کی پوری آزادی دی۔ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے اس کا حاصل کرنا ممکن نہ ہوتا اگر ہمارا رشتہ ہندوستان کے ساتھ نہ ہوتا۔ ہمارے لئے ہندوستان کے بغیر اپنے بنیادی حقوق اور آزادی کو قائم رکھنا مشکل تھا۔ کسی دوسرے ملک میں ہمیں غیر مذہبی جمہوریت کے اصولوں کی نشرواشاعت کی اجازت نہ ملتی۔ ہمارا اور ہندوستان کا سیاسی مزاج بالکل ایک جیسا ہے اور اسی وحدت فکر نے اس دوستی کے تعلّق کو حق بجانب ثابت کیا جو کشمیر اور ہندوستان کے درمیان قائم ہے"

اجلاس میں شیخ محمد عبداللہ کی فرمائش پر غلام محمد صادق نے نیشنل کانفرنس کے مینی فیسٹو کے مطابق ریاست میں غیر مذہبی انتظامیہ قائم کرنے کی قرارداد پیش کی جس کی تائید

صوفی محمد اکبر نے کی۔

پنڈت نہرو

نیشنل کانفرنس کے کھلے اجلاس میں وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریر میں زرعی اصلاحات اور اینگلو امریکی قرارداد پر اپنی رائے ظاہر کرتے کہا:

"کشمیر میں جو سب سے بڑا اصلاحی قدم اٹھایا گیا وہ زمین اور زرعی امور سے تعلّق رکھتا ہے۔ بڑی زمینداریوں کو ختم کرنے کے کام کو یہاں بڑی سرعت سے انجام دیا گیا ہے ——— سلامتی کونسل کی آخری قرارداد حکومت ہند کے استحقاق پر براہ راست حملہ ہے اور بعض صورتوں میں ان شرائط اور ضمانتوں کے خلاف ہے جو سلامتی کونسل نے اس وقت ہند کو دی ہیں، بنابریں ہمارے لئے اس قرارداد کو منظور کرنا ناممکن ہے۔ ہم اس پر عملدرآمد کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہیں ——— دریں اثنا پاکستان میں ہند کے خلاف جہاد شروع کرنے کا پروپیگنڈا زور وشور سے ہو تا رہا ہے۔ باوجودیکہ حکومت ہند نے بارہا اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی توجہ اس خطرناک پروپیگنڈا کی طرف مبذول کی، لیکن انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کسی قسم کی ناراضگی ظاہر کی۔ برعکس اس کے حکومت ہند کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اس نے ریاست جموّں وکشمیر میں آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لانے کے لئے تیاریاں کرنے کی اجازت کیوں دی ہے۔ مسئلہ کشمیر کے متعلق سلامتی کونسل کی اس جانبدارانہ روش کی منطق اور معقولیت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے جس کے تحت نہ صرف بنیادی مسائل کو نظر انداز کیا جارہا ہے بلکہ روزمرہ کے واقعات اور کھلی حقیقتوں سے آنکھیں بند کی جارہی ہیں۔ ریاستی حکومت آئین ساز اسمبلی کا قیام حکومت ہند کی تائید اور حمایت کے ساتھ عمل میں لارہی ہے۔ کشمیر میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے

کا حملہ نیا نہیں بلکہ تقسیم ہند سے پہلے کا ہے اور اگر ریاست پر تقسیم ہند کے بعد حملہ نہ کیا گیا ہوتا تو اس خیال پر کب کا عملدرآمد ہوا ہوتا۔ ۱۹۴۸ء میں بھی یہ خیال پیش کیا گیا لیکن اس وقت کے حالات میں اسکو عملی جامہ پہنانا مشکل تھا حکومت کشمیر کو ایسا کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے اور حکومت ہند اس فیصلے کو منظور کرنے میں حق بجانب ہے۔ اس میں کسی حکومت یا ادارے کو مداخلت کرنے اور ایک داخلی معاملے میں حق سرداری کے استعمال پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"

سیاسی قرارداد

نیشنل کانفرنس کے اس سالانہ اجلاس میں کئی قراردادیں پاس کی گئیں لیکن سیاسی قرارداد کو بڑی اہمیت دی گئی اور اس قرارداد کا بعد ازاں کئی مرتبہ ہندوستانی نمائندے نے سلامتی کونسل میں ذکر بھی کیا۔ دراصل سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ نیشنل کانفرنس کے ذریعہ ایک ایسی قرارداد معرض وجود میں لائی جائے جس سے سلامتی کونسل میں ہندوستانی موقف کی حرف بحرف تائید وحمایت کی گئی ہو اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے جو سیاسی قرارداد نیشنل کانفرنس کے اس سالانہ اجلاس میں پاس کی گئی اسکا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"سلامتی کونسل کے پاس ریاست پر پاکستانی حملے کے یقینی ثبوت ہوتے ہوئے اس پر یہ فرض عاید ہوتا تھا کہ وہ حملہ کو ختم کرائے اور اس سے پیدا شدہ نتائج کا سد باب کرے۔ کونسل کا فرض تھا کہ پاکستان کو حکم دے (الف) وہ اپنی باقاعدہ فوجیں ریاست جموں وکشمیر سے فوراً واپس بلائے (ب) اور جن بے قاعدہ فوجیوں اور کرائے کے کٹھ پتلیوں کو اس نے مسلح کیا ہے یا وہ جن شرپسندوں کی پیٹھ ٹھونکتا ہے انکو غیر مسلح کرکے منتشر کرے۔ اگر سلامتی کونسل اس صحیح راستے پر چلتی تو ریاست کے علاقوں کی وحدت اور سرداری برقرار رہتی اور پاکستان کے قبضہ مخالفانہ میں ریاست جموں وکشمیر کے جو علاقے پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ واپس کشمیر کی قانونی اور آئینی حکومت کے نظام میں منسلک ہوتے"۔

سیاسی قرارداد میں ہندوستانی موقف اور پالیسی کے عین مطابق سلامتی کونسل کو یہ یاد کرانا بھی مقصود تھا کہ ریاستی حکومت اور ہندوستانی نظریہ میں کس قدر ہم آہنگی اور یگانگت ہے اسلئے سیاسی قرارداد میں سلامتی کونسل کی جانب سے ڈاکٹر فرینک گراہم کو مصالحت کنندہ بنانے پر جو اعتراض حکومت ہند نے کیا تھا اسکی تائید قرارداد میں یوں کی گئی

ونیشنل کانفرنس کی رائے میں ثالثی کا اصول رائج کرنے کی یہ تازہ کوشش تو سلامتی کونسل نے فوری حل کے طور پر ٹھونسنی چاہی ہے جو اسکی ناکامیوں کے سلسلہ درازیوں کی ایک نئی کڑی ہے ــــــ تاریخ عالم ثالثوں کی ناکامیوں کے تذکروں سے لبریز ہے، نہ جانے کیوں سلامتی کونسل ایک ظالم اور ایک مظلوم کے درمیان اور ایک لٹیرے اور لوٹے ہوئے کے درمیان ثالثی فیصلہ کی تجویز پیش کرنے کا دھبا برداشت کر لینے پر آمادہ ہوگئی ہے۔ نیشنل کانفرنس کا یہ اجلاس کسی لگی لپٹی کے بغیر یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ وہ حفاظتی کونسل کی اینگلو امریکی تجویز اہل کشمیر کے لئے از سر تا پا ناقابل قبول تصور کرتی ہے اور یہ اجلاس اپنے اس پختہ عزم کا اعادہ کرتا ہے کہ کوئی ایسا حل قبول نہیں کیا جا سکتا جس سے عوام کے حق خود ارادیت پر ذرا سی آنچ آنے کا بھی خدشہ ہو۔ یہی ہے ہمارا موقف اور حکومت ہند جس نے اینگلو امریکی قرارداد کو غیر مشتبہ الفاظ میں نامنظور اور رد کر ڈالا ہے، کا مقصد بھی یہی ہے "

مذکورہ صد قرارداد میں آئین ساز اسمبلی کی وجہ جواز پیش کرتے کہا گیا۔

"برابر تین سال تک کشمیر کے عوام اقوام عالم کی اس شاندار جماعت سے انصاف کی امیدیں لگائے انتظار کرتے رہے، لیکن بے سود، اس تھکا دینے والے طریقہ کار سے جو کچھ ملا، وہ پاکستان کے ظلم اور عذاب کے سوا اور کچھ نہ ملا اس عرصہ میں برابر ہمارے اس حق سے انکار کیا جاتا رہا کہ ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکتے ہیں اور ہم اپنی قسمت کو خود اپنی پسند کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔ اس صورت حال سے کشمیری عوام مسلسل غیر یقینی زندگی کا شکار ہو رہے ہیں اب یہ ضروری بن گیا ہے کہ اس غیر یقینی صورت حال کا

خاتمہ ہو جس نے کشمیری عوام کو مایوس بنا ڈالا ہے اور جس کی وجہ سے باعزت قوم کی طرح زندہ رہنے کی ساری تمنائیں مرجھا گئیں ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر کے باشندگان کی حریت اور آزادی کی علمبردار جماعت ہونے کی حیثیت میں نیشنل کانفرنس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ خاموشی سے ان حالات کا تماشہ دیکھے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھی رہے۔ چنانچہ اس نے عوام کو دعوت دی کہ وہ پیش قدمی کر کے اس مایوس کن اور غیر یقینی حالات کا خاتمہ کرنے کے لئے معاملہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیں اور اپنی طرز پر ایک دستور ساز اسمبلی قائم کر کے آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرے''

انوکھی بات

اس قرارداد کی تائید میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے یہ انوکھی بات کہی۔

''ہم ووٹ ڈالنے کو لازمی قرار دیں گے۔ اگر کسی حلقہ سے چار امیدوار کھڑے ہونگے تو کم از کم وہ (ووٹر) ایک کے حق میں تو ہوگا۔ اگر وہ کسی کے حق میں نہیں ہوگا تو ووٹر اپنی پرچی پر لکھ سکتا ہے کہ وہ کسی کو قابل تصور نہیں کرتا ہے مگر یہ بات کبھی گوارا نہیں کی جائے گی اور نہ اجازت دی جائے گی کہ کوئی شخص گھر پر بیٹھے اور ووٹ کا استعمال نہ کرے''

شیخ محمد عبداللہ کی یہ سوچ ان کے اناڑی پن اور انتخاب کے طور طریقوں سے ناشناس ہونے کی غمازی کرتا ہے، بہر کیف مطلق العنان لیڈروں کی حماقتوں کو وقت کے بہاؤ نے ہمیشہ درگزر کیا سالانہ اجلاس کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے این سی ورکنگ کمیٹی کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب کے ناموں کا اعلان کیا۔ نائب صدر بخشی غلام محمد جنرل سیکرٹری مولانا محمد سعید مسعودی۔ خزانچی پنڈت شیام لال صراف، ممبران، سردار بدھ سنگھ، صوفی محمد اکبر، مرزا محمد افضل بیگ، غلام محمد صادق،

غلام نبی عرف نبہ جی، غلام قادر باندے، موتی رام بیگڑہ، غلام محی الدین ہمدانی رام پیارا صراف، گردھاری لال ڈوگرہ اور عبدالغنی گونی۔

نیشنل کانفرنس کے اس اجلاس میں جماعتی سطح پر ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا فیصلہ قراردادوں، قائدین کی تقریروں، پنڈت نہرو کی حمایت اور مرکزی حکومت کی منشأ سے لایا گیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نیشنل کانفرنسی لیڈروں نے آئین ساز اسمبلی کا قیام، رائے شماری کا نعم البدل قرار دیا۔ اجلاس میں حسب سابق رائے شماری کی جانب ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا، بلکہ حق خودارادیت کا معنی و مفہوم آئین ساز اسمبلی کا قیام قرار دیا۔

پاکستانی اعتراض

اس نئی صورت حال سے پاکستان کا پریشان ہونا لازمی تھا۔ اس سے تمام پاکستان میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف جہاد کے نعرے بلند ہونے لگے۔ وزیر خارجہ پاکستان سر ظفر اللہ خان نے سلامتی کونسل سے درخواست کی کہ مزید وقت ضائع کئے بغیر کونسل کا اجلاس مسئلہ کشمیر کو فوری طور زیر بحث لانے کے لئے بلایا جائے کیونکہ حکومت کشمیر نے ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا اعلان کیا ہے اور اس کی تائید حکومت ہند کر چکی ہے۔ یہ قدم مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں انجمن اقوام متحدہ کی قراردادوں کے منافی ہے۔ وزیر خارجہ پاکستان کے مطالبہ پر گرہ لگاتے امریکی روزنامہ اخبار "ورلڈ ٹیلی گراف" نے اپنے ایک اداریہ میں اس پر تبصرہ کرتے لکھا۔

"شیخ محمد عبداللہ کی حکومت میں نہرو عبداللہ سکیم کے ماتحت جو انتخابات کرانے کی مہم جاری ہے وہ بالکل ایسے ہیں جیسے ہٹلر نے ہنگری میں عام انتخابات کرائے تھے۔ اس سکیم کے تحت صرف ایسے لوگوں کو لیا جائے گا جو کشمیر کو ہندوستان میں شامل کرانے کے حق میں ہیں کیوں کہ شیخ عبداللہ کے سیاسی



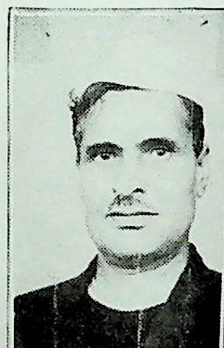
شری لالہ ملک راج صراف



خواجہ غلام نبی گلکار



جناب میر مقبول گیلانی



ماسٹر روشن لال
مدیر "سچ" جموں



جناب غلام محمد بٹ
مدیر "پیامِ انقلاب" سرینگر



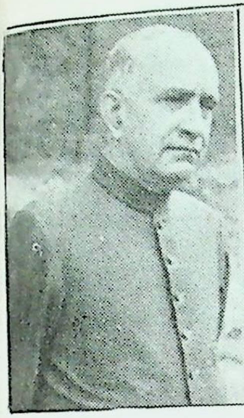
جناب عبدالاحد لون



جناب غلام رسول رینزو



جناب عبدالسلام دلال



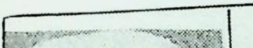
خواجہ غلام محی الدین قرہ



جناب محمد مقبول شیروانی



پنڈت شیو نرائن فوطیدار



سردار ولبھ بھائی پٹیل

مخالف یا تو جلا وطن کئے گئے ہیں یا جیلوں میں قید ہیں"۔

این سی جنرل کونسل کی قرار داد

آئین ساز اسمبلی کے قیام کی تجویز کے تناظر میں یہ جاننا برمحل ہے کہ مئی ۱۹۵۰ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے قیام سرینگر کے دوران پہلگام میں شیخ محمد عبداللہ کو ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ حالاں کہ اس سے قبل ہندوستان کی مجلس آئین سازیہ کے اجلاس میں جب شیخ محمد عبداللہ نے ریاست میں دستور ساز اسمبلی قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی حکومت ہند کے وزیر امور کشمیر سرگوپال سوامی آئنگر نے اس خیال کو مسترد کرتے کہا تھا" جب تک ریاست حملہ آوروں سے مکمل طور آزاد نہیں ہوتی ریاستی آئین سازیہ کا عمل احمقانہ فعل ہوگا"۔ اب چونکہ ریاست کے بارے میں ہندوستانی عندیہ میں تبدیلی آئی تھی، شیخ محمد عبداللہ نے بغیر سوچے سمجھے تعمیل حکم کی حامی بھرلی اور اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے ۲۵۔ ۲۶، اور ۲۷، اکتوبر ۱۹۵۰ء کو نیشنل کانفرنس کی نئی جنرل کونسل کا مجاہد منزل سرینگر میں اجلاس طلب کیا جس میں مولانا محمد سعید مسعودی کی تحریر کردہ قرار داد جس کی بخشی غلام محمد اور مرزا محمد افضل بیگ نے حمایت وتائید کی پاس ہوئی۔ قرار داد کے بارے میں مولانا مسعودی نے اپنے تمہیدی کلمات میں وضاحتاً کہا کہ آپکی پاس کردہ اس قرار داد کی نقل سلامتی کونسل میں ہندوستانی نمایندے کی معرفت کونسل کے صدر کو بھیجی جائے گی تاکہ وہ انجمن اقوام متحدہ کو بتا سکیں کہ مسئلہ کشمیر کے متعلق کشمیریوں کے خیالات کیا ہیں۔ جنرل کونسل میں قرار داد پر بحث و تمحیص ابھی جاری ہی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ نے مداخلت کرتے کہا میں نے فرنچایز آفیسر کو حکم دیا ہے کہ وہ اگلے سال موسم بہار میں دستور سازیہ کے انتخابات عمل میں لانے کے سلسلے میں رائے دہندگان کی مکمل فہرستیں مرتب کریں تاکہ دستور ساز اسمبلی کے انتخابات

عمل میں لائے جائیں۔ اس طرح شیخ محمد عبداللہ کے آمرانہ طرز و طریقے نے غیر شعوری طور پر مسئلہ کشمیر کے بارے میں حکومت ہند کے بدلتے ہوئے موقف کی شعوری طور پر نہ صرف حمایت کی بلکہ اسے عملی شکل دینے کے لئے جن حربوں کو استعمال کیا ان سے مجموعی طور پر سیکولر جمہوری نظریہ سے لوگوں کا اعتبار اٹھ گیا۔

غرض اس طویل قرارداد میں ڈکسن رپورٹ کو رد کرتے اسے اقوام متحدہ کے منشور کے بنیادی اصولوں اور موقف کیخلاف قرار دے کر ہند کے عوام اور لیڈروں کو داد تحسین دیتے یہ اعتراف کیا گیا کہ انہوں نے ہماری جدوجہد آزادی اور نظریہ کی تائید کی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس پاکستان کے مسلم لیگی لیڈروں نے ہمارے جمہوری حقوق کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کرتے فرقہ وارانہ جنون اور تشدد کا ہتھیار استعمال کر کے ہم پر جارحانہ حملہ کیا۔ کشمیری عوام نے اپنی قومی یک جہتی کی حفاظت کے لئے ہند سے امداد مانگی۔ اس کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست اور ہند کے درمیان ایک قانونی اور آئینی رابطہ پیدا ہوا کیونکہ اس رابطے کے بغیر حکومت ہند ریاست میں اپنی فوجیں نہیں بھیج سکتی تھی۔ قرارداد میں نیشنل کانفرنسی سیاست کے مختلف ادوار کا جائزہ پیش کرتے ڈکسن پلان کو مسترد کر کے اسے بزائے ذرائع تجویز کا ناقابل عمل مسودہ قرار دیا گیا۔ ہندوستان سے الحاق کو آئینی اور قانونی لحاظ سے قطعی اور ناقابل تنسیخ قرار دیتے کہا گیا کہ حکومت ہند نے اپنے جمہوری اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کشمیری عوام کو ضمانت دی ہے کہ وہ معمول کے حالات بحال ہونے کے بعد الحاق کے فیصلہ کی آزادانہ طور پر اپنی رائے سے تصدیق کر سکیں گے۔ قرارداد میں حکومت ہند کے اس موقف کو وضاحتاً دہرایا گیا جو اس نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ میں اختیار کیا ہے۔ ہندوستان نے اپنی سیاسی و نظریاتی ہم آہنگی اور یک جہتی پر فخر و افتخار محسوس کرتے پاکستان کے وجود

مسلم لیگی لیڈروں کے طریقہ کار اور دو قومی نظریہ کی مخالفت کی گئی۔ ریاست میں آئین ساز اسمبلی کے قیام کو مسئلہ کشمیر کا ممکنہ حل تجویز کیا گیا

اس طرح ہندوستانی سیاسی حلقوں میں اس قرارداد نے جہاں نیشنل کانفرنس کو سیاہی مائل شفق کی رونق بخشی وہاں اس نے نیشنل کانفرنس کے لئے بے محل بے ثبات سیاسی معراج کا باب بھی کھولا۔ یہ حقیقت بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس قرارداد نے ہندو پاک اور سلامتی کونسل میں تہلکہ مچا دیا جس سے مسرور ہو کر وزیر اعظم ہند نیشنل کانفرنسی لیڈروں کو شاباش دینے بہ نفس نفیس صدر جمہوریہ ہند کے ہمراہ سرینگر تشریف لائے۔ متذکرہ قرارداد کا مندرجہ ذیل اقتباس اہم اور غور طلب ہے، ملاحظہ کیجئے:۔

"آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل اس ریاست کے عوام کے ساتھ روا رکھی گئی بے انصافی کی تلافی کرنے میں انجمن اقوام متحدہ کی مسلسل خاموشی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے جن کے وہ اس وقت بھی شکار ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ کونسل کی رائے میں اس ناکامی کی وجہ وہ رعایات ہیں جو پاکستان کو اس کی بے جی ضد کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنے کی صورت میں دی جا رہی ہے انجمن اقوام متحدہ کے اس غیر فیصلہ کن اور حقایق ناپسندانہ طریق کار سے ریاست کے عوام تکلیف دہ غیر یقینی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس اس پر گہری تشویش کا اظہار کرتی ہے اور اس مشکوک اور مایوس کن صورت حال کو مزید عرصہ کے لئے نظر انداز نہیں کر سکتی ہے، اندرون حالات جنرل کونسل کی رائے میں وقت آیا ہے جب عوام کو اس غیر فیصلہ کن اور غیر متعین صورت حال کو ختم کرنے کے لئے پہل کرنی چاہیئے۔ جنرل کونسل عوام کی سپریم نیشنل ایگزیکیٹو سے سفارش کرتی ہے کہ حق رائے دہندگی بالغان کے اصول پر مجلس دستور سازیہ کا قیام عمل میں لایا جائے

جو ریاست کے تمام فرقوں اور تمام علاقوں پر حاوی ہو۔ اس با اقتدار ادارے کے ذریعہ ہم اپنے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک ایسا آئین مرتب کریں گے۔ جو ہماری جدوجہد آزادی کی روایات کے شایانِ شان ہو اور نیا کشمیر کے اصولوں کے مطابق ہو"

نہرو مجاہد منزل میں

۲۸ راکتوبر ۱۹۵۰ء کو کشمیر یونیورسٹی کے دوسرے سالانہ کانووکیشن کے تقسیم اسناد کی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد سری نگر آئے جیسا کہ آگے بتایا گیا ہے کہ پنڈت نہرو بھی انکے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجاہد منزل میں جنرل کونسل سے خطاب کرتے متذکرہ" قرارداد پر رائے زنی کرتے کہا:

" میں نے سرسری طور اس قرارداد کا مطالعہ کیا۔ میری رائے میں یہ قرارداد کشمیری عوام کے جذبات کی ترجمانی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ آہنی ارادے کے ساتھ اس پر ثابت قدم رہیں۔ جس قدر جلد یہاں مجلس دستور ساز کا قیام عمل میں لایا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ اس سے بہت سی مشکلات دور اور معاملات حل ہو سکتے ہیں اور آئندہ کام کے لئے بھی سہولتیں پیدا ہوں گی۔ مجلس دستور ساز قائم کرنے کے متعلق آپ کے خیالات پر دنیا کے کچھ لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ ابھی جب کشمیر کا حل طلب مسئلہ قطعی طور حل نہیں ہوا ہے ایسا قدم کیوں اٹھایا جا رہا ہے یہ ایک نرالی منطق ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کشمیر کے مسئلہ کو طول دیا جا رہا ہے۔ کیا اسکا مدعا و مطلب یہ ہے کہ کشمیر کے لوگ سانس روک کر کھڑے رہیں۔ بہر حال انتخابات عمل میں لانے سے آپ ہر لحاظ سے مضبوط ہو جائیں گے اور کئی قسم کی الجھنیں دور ہو جائیں گی"۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ہند سے کشمیر کے الحاق پر امریکہ اور روس کے باؤ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

"کشمیر ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ پچھلے تین (۳) سال کے اندر ہندوستانیوں کے دلوں میں کشمیر کے لئے ایک محبت پیدا ہوئی ہے اور ہندوستانی کبھی یہ برداشت نہیں کریں گے کہ کشمیر کا فیصلہ غلط طریقے سے کیا جائے کشمیر کی بہتری سودمندی اور بہبودی اسی میں ہے کہ یہ ہندوستان کا اٹوٹ حصہ بنا رہے۔ اپنی رائے قائم کرتے وقت ہم اس بات کا مطلق کوئی خیال نہیں کرتے کہ روس کیا کہتا ہے اور امریکہ کے تاثرات کیا ہیں چنانچہ آج سے کچھ عرصہ قبل یورپ اور امریکہ کے جو اخبارات اور لیڈر ہندوستان کو بہتر رہنما خیال کرتے تھے ان ہی کی نظر اور عندیہ میں آج میری عقل غائب ہے اور میں نکما آدمی بن گیا ہوں ——— بہر حال مجھے اس بات کی چنداں پرواہ نہیں کہ دنیا کے اخبارات اور لیڈر میرے متعلق کیا کہتے ہیں فکر ہے تو صرف اس بات اور مسئلہ کی جو فیصلہ ہم کرتے ہیں وہ صحیح ہو اور دنیا کے دانشمند حلقے اسے بہتر اور حق بجانب خیال کریں۔ میں ان لوگوں میں اپنے آپکو شمار نہیں کرتا جو کسی ملک کی پالیسیوں اور مشوروں پر آنکھیں بند کرکے چلیں"

آپ نے سلامتی کونسل، اور پاکستان کی پالیسیوں اور طریقہ کار کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا:

"کشمیر کا مسئلہ تین سال سے سلامتی کونسل کے زیر غور ہے لیکن اسے صحیح طور پر حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ ارکان کونسل اپنی مصلحتوں اور ملکی خارجہ پالیسیوں کے پیش نظر اس بارے میں کارروائیاں کرتے رہے۔ پاکستان کے رویہ اور تجربے سے ہم نے یہ بات سیکھی کہ لمبی چوڑی باتیں کرنی طاقت کا نہیں بلکہ کمزوری کی نشانی ہے"

۳۰ ر اکتوبر کو دہلی واپس جانے سے قبل وزیر اعظم ہند نے نیشنل کانفرنسی ورکروں کے اجتماع میں مسئلہ کشمیر پر حکومت ہند کی پالیسی کو دہراتے ہوئے پنڈت پریم ناتھ بزاز کے انگریزی پمفلٹ "TRUTH[۳۹] ABOUT KASHMIR" (کشمیر کے بارے میں سچائی) پر تنقید کرتے پریم ناتھ بزاز کو غداری کا مرتکب ٹھہراتے کہا۔

"گو اس شخص کی کارروائی سراسر غداری ہے تاہم حکومت نے اسکی گرفتاری

کا حکم نہیں دیا کیوں کہ وہ آزادی تحریر پر چھاپہ مارنے کے خلاف ہے"

عالمی دباؤ کے تحت

ریاست میں مجلس آئین سازیہ قائم کرنے پر دنیا کے مختلف ممالک نے اسے غیر منصفانہ اور ناپسندیدہ عمل قرار دیا جس سے ہندپر خاصا دباؤ پڑا اور اس کے سدباب و تلافی کیلئے پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو رائیٹر خبر رساں ایجنسی کو انٹرویو دیتے کہا:

"حکومت کشمیر کا پہلے ہی سے یہ ارادہ تھا کہ ملک میں مجلس دستور سازیہ کا قیام عمل میں لایا جائے جو منجملہ دیگر امور کے کشمیر کا جدید آئین مرتب کرکے ملک کا سیاسی مستقبل متعین کرے گی اور الحاق کے بارے میں عوامی رجحان کی نشاندہی کرے گی لیکن پاکستانی حملہ کی وجہ سے یہ منصوبہ بروئے کار لانا ممکن نہ تھا اب اگر کشمیر کے عوام ریاست کے اندر حالات معمول پر لانے کے خواہاں ہیں تو یہ بالکل مناسب اور موزون ہے اس سے انجمن اقوام متحدہ کو کشمیر کا مسئلہ حل کرنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ مجلس دستور سازیہ کے سلسلے میں جو انتخابات عمل میں لائے جائیں گے وہ ریاست کے صرف ان علاقوں تک محدود ہوں گے جو شیخ عبداللہ کی حکومت کے ماتحت ہیں۔ چونکہ یہ ریاست کی قانونی اور آئینی حکومت ہے اس لئے یہ بات قابل سمجھ ہے کہ یہ انتخابات ساری ریاست کے لئے جائز ہیں"

اسی انداز و لب و لہجہ میں کم و بیش ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کشمیر یونیورسٹی میں تقریر کرتے ریاستی آئین ساز اسمبلی کے قیام کا خیر مقدم کیا۔ ۱۲ر فروری ۱۹۵۱ء کو سر گوپال سوامی آئینگر نے ہند پارلیمنٹ میں کشمیر کی مجوزہ آئین ساز اسمبلی کے انتخابی حلقوں میں فی حلقہ ووٹروں کی تعداد (۴۰) چالیس ہزار بتائی۔ نومبر ۱۹۵۰ء کے تیسرے ہفتہ میں جبکہ ہند و پاک کے مابین سرد جنگ بام عروج پر پہونچی تھی۔ حالات کے گہرے مشاہدے اور ہندوستانی نقطہ نظر کے تحت پٹنہ، بہار

میں انڈین سوشلسٹ پارٹی کی میٹنگ جو آچاریہ نریندر دیو کی صدارت میں ہوئی پارٹی لیڈر جے پرکاش نرائن نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نظریہ کو زیر نظر رکھتے مسئلہ کشمیر پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے کہا:

"مسئلہ کشمیر کا واحد حل یہی ہے کہ کشمیر میں آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جو ریاست جموں و کشمیر کا ہند کے ساتھ حتمی الحاق کا فیصلہ کرے گی۔ اس طرح ہند سرکار اور کشمیر کے معاملے میں دلچسپی رکھنے والوں کو نہ کسی بڑی طاقت کی خوشامد کرنی پڑے گی اور نہ سلامتی کونسل کی طرف تکتے رہنے کی ضرورت پڑے گی"۔

سلامتی کونسل کی قرارداد

پاکستانی وزیر خارجہ سر محمد ظفر اللہ خان کی استدعا پر ۲۲ فروری ۱۹۵۱ء کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں امریکہ اور برطانیہ کی مشترکہ اینگلو امریکی قرارداد پاس ہوئی جس کے تحت مسئلہ کشمیر کا فوری حل تلاش کرنے کے لئے اقوام متحدہ کا ایک نمائندہ تجویز کیا گیا جو دونوں حکومتوں کو ریاست میں رائے شماری کے لوازمات پر متفق کرانے کی کوشش کرے گا۔ اختلاف یا اختلافات کی صورت میں ثالث یا ثالثوں کے ذریعہ معاملہ طے کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر ثالث یا ثالثوں کے فیصلے پر اختلاف رائے کی گنجائش باقی رہی تو مسئلے کو بین الاقوامی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ قرارداد میں یہ بھی کہا گیا کہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل کے فیصلے پر ریاست میں جو مجوزہ آئین ساز اسمبلی قائم کی جا رہی ہے وہ الحاق کے متعلق جو بھی فیصلہ کرے گی وہ ان اصولوں کے منافی ہوگا جن کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کو حل کرنا طے پایا ہے۔

لنگڑی ریاست

سلامتی کونسل میں اینگلو امریکی قرارداد پیش ہوتے ہی ہندوستان بھر میں اس کے خلاف خاصا ہنگامہ برپا ہوا۔ ہند پارلیمنٹ کے کئی ممبروں نے اس پر رائے زنی کرتے کہا کہ چونکہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے اس ریزولیوشن میں جو رائیں واضح کی گئیں ہیں

ان کے مطابق بنیادی اختلافات پہلے سے اور زیادہ سنگین ہوئے ہیں کشمیر میں مجوزہ آئین ساز اسمبلی کو روکنے کے لئے شاطرانہ سامراجی چال ہے جس پر کشمیری عوام نے اپنا جدید آئین مرتب کرنے کے لئے بلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سرینگر میں نیشنل کانفرنس لیڈروں نے اس کے خلاف باقاعدہ سٹیج قائم کرکے امریکہ اور برطانیہ کو پانی پی پی کر صلواتیں سنانی شروع کیں غرض جلسے ہوئے، جلوس نکلے سامراج مردہ باد کے نعرے لگے ان جلسوں اور جلوسوں میں غیر ملکی مداخلت اور جمہوری طرز نظام کے خون کا الزام برطانیہ اور امریکہ پر لگایا گیا۔ اس موقعہ پر یہ بات یاد دلانی بے جا نہ ہوگی کہ شیخ محمد عبداللہ جو پیشتر رائے شماری سے قبل پناہ گزینوں کی دوبارہ آبادکاری اور ریاست کی وحدت کو قائم کرنے پر زور دے رہے تھے یک بیک بدل گئے اور لنگڑی ریاست پر اکتفا و کفالت کرکے آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کے ضمن میں رائے عامہ کے شوشہ کی وکالت کرنے لگے اور حسب سابق اپنے مخصوص ڈھنگ میں مغلوں، افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں کا ذکر کرتے کہا کہ ان اقوام نے یہاں آکر ہمیں پامال کیا اب جبکہ ہم نے اپنی ہمت یا جہتی اور حوصلوں سے استحصالی قوتوں سے پنجہ لڑا کر انکی شکست کو یقینی بنایا کشمیر پر قبائلی حملے سے ایک نئی صورتحال پیدا ہوئی جس کے باعث مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا گیا جہاں بعض غرضمند طاقتوں نے اپنے مفادات کی خاطر ایسی روش اختیار کی جو ناقابل فہم اور ناقابل برداشت ہے جسکا جیتا جاگتا ثبوت سلامتی کونسل میں موجودہ اینگلو امریکی قرارداد ہے۔ شیخ محمد عبداللہ نے امریکی قرارداد پر تنقید کرتے کہا:

"ریاستی عوام اس غیر یقینی صورتحال سے اکتا گئے ہیں جو پاکستان کی ضد اور بعض غرض مند طاقتوں کی غیر ہمدردانہ اور جانبدارانہ روش کی پیداوار ہے۔ چونکہ ہم نے اپنے ملک اور اپنے مستقبل کو غیروں کی دخل اندازی سے بچانے کا تہیہ کرلیا ہے اس لئے آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا قطعی فیصلہ لیا ہے۔ اینگلو امریکی قرارداد میں جو رویہ آئین ساز اسمبلی کے متعلق اختیار کیا گیا ہے وہ ان ٹال مٹول کرنے والے طریقوں کی اذیت منجمل یاد کو تازہ کرتا ہے جن سے پاکستان کو غاصب کی سزا دینے میں تاخیر واقع ہو رہی ہے جس نے ہمارے ملک پر حملہ کیا ـــــ کشمیر کی موجودہ حکومت کی موجودگی میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کے سلسلے میں جتنا اعتراض کیا

کیا جاتا رہا ہے اتنا ہی آئین ساز اسمبلی کے قیام پر اعتراض کیا جاتا ہے جو لوگ یہ اعتراض پیش کرتے ہیں وہ آئین دانوں کی حیثیت میں بخوبی جانتے ہیں کہ اس قسم کا اعتراض اس حکومت اور جماعت کے اختیارات پر حملہ ہے جو عوام کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے جو ایک غیر جمہوری عمل ہے، پس کشمیری عوام اس نوعیت کی قرارداد کے متعلق مایوسی کا اظہار کرنے میں حق بجانب ہے"۔

نقطہ ہائے رنگین

اینگلو امریکی قرارداد پر ہندوستان بھر کے جملہ اخباروں نے اپنی ناراضگی کا شدید اظہار کیا جس میں اُنہوں نے خصوصی طور پر برطانوی نمایندہ سر گلبڈ رین جیب کو ہدفِ ملامت بنایا اور امریکہ پر الزام عائد کیا کہ اُس نے محض پاکستان کو خوش کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سلامتی کونسل میں ہند مخالف روش اختیار کی ہے جسکو ہندوستان کی حکومت اور عوام غیر دوستانہ او جانبدارانہ تصور کر رہے ہیں۔ اخباری آرا کی تفصیل سے اجتناب کرتے صرف ہندوستان ٹائمز اور نیوز کرانیکل کلکتہ کے اقتباس پیشِ خدمت ہیں۔ اینگلو امریکی قرارداد پر اخبار ہندوستان ٹائمز اپنی رائے ظاہر کرتے رقمطراز ہے:

"برطانوی نمائندہ سر گلیڈ رین جیب جو قرارداد پر تمہیدی بیان میں اپنے اختیارات سے تجاوز کر گیا ہے اس نے پاکستانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کو واضح الفاظ میں یہ یقین دلایا ہے کہ سلامتی کونسل کشمیر کی مجوزہ آئین ساز اسمبلی کے کسی بھی فیصلہ کو قبول نہیں کرے گی اسکا مطلب یہ ہے کہ سلامتی کونسل در اصل امریکہ اور برطانیہ کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں۔ امریکہ اور برطانیہ کی قرارداد یا انکے نمایندوں کے بیانات ریاست جموں و کشمیر کی نیشنل کانفرنس کے استقلال میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہیں کر سکتی حکومت جموں و کشمیر نے جو لائحہ عمل اختیار کیا ہے وہ ان دھمکیوں سے نہیں بدلے گا"!

نیوز کرانیکل کلکتہ نے اینگلو امریکی قرارداد پر اظہار خیال کرتے اپنے وثوق کا یوں اعادہ کیا:

"قرارداد کشمیر کے حملہ آوروں کی پشت پناہی کے مترادف ہے اور دنیا پر یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ اپنے مفاد کے بچاؤ کے لئے امریکہ اور برطانیہ کے سیاسی شاطر پاکستان کو خوش کرنے کی پالیسی پر کس طرح عمل پیرا ہے ہیں"۔

پنڈت نہرو کا بیان

سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر اینگلو امریکی قرارداد کے حق میں اینگلو امریکی اور پاکستانی اخبارات کی روش

کے اس طرح مشاعرے پر وزیر اعظم پنڈت نہرو نے ایک اخباری بیان میں کہا:

جب یہ کہا گیا کہ ہند سے کشمیر کا الحاق ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے تو میں چپ نہ رہ سکا۔ یہ بات سو فی صد جھوٹ ہے کہ کشمیر کو ہندوستان میں شامل کرنے کے لئے ایک گہری چال رچائی گئی۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں پاکستان نے کشمیر پر چڑھائی کی۔ اس سے پہلے مرکزی حکومت یا جنرل اسٹاف کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کشمیر میں ہندوستانی فوجیں بھیجنے کا کوئی امکان ہے —— کشمیر پر پاکستانی حملہ کے چھ ماہ بعد تک پاکستان کی حکومت برابر انکار کرتی رہی کہ اس کی فوجیں ریاست جموں و کشمیر میں موجود ہیں، لیکن پاکستان کی باتیں پھر خود بخود جھوٹ ثابت ہوئیں اور بعد ازاں پاکستان نے کشمیر میں اپنی فوجوں کے وجود کو تسلیم کیا۔ پاکستان نے اپنے جارحانہ حملے کے پردے کی آڑ میں چھپ کر ریاست جموں و کشمیر کو ہتھیانے کی خواہش میں فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دینے اور اس مقصد کے لئے مذہبی اور فرقہ وارانہ اشتعال بڑھانے کی کوشش کی اس طرح معاملے کو طے کرنے کے لئے سمجھوتہ کی بات چیت کا امکان ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا ضرورت ہے کہ اس معاملے سے متعلق بنیادی حقیقتوں کی وضاحت کی جائے۔ یہ الزامات ہماری توہین کے مترادف ہیں اور ہم اسے کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کریں گے۔ پچھلے کچھ مہینوں سے کشمیر کے بارے میں پاکستان میں جہاد کا زبردست پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور یہ سوچنا سلامتی کونسل کا کام ہے کہ جہاد کی یہ شیخیاں کہاں تک سفارشات اور قراردادوں کے عین مطابق ہیں جو سلامتی کونسل کی وساطت سے اس معاملے کے سلسلے میں تا حال طے پائی ہیں ہمارے لئے یہ معاملہ گہری سنجیدگی کا متقاضی ہے اور ہم نہیں سمجھتے کہ دھمکیوں اور جہاد کے نعروں کے پس منظر میں اس معاملہ پر کوئی بات چیت

ممکن ہے۔ ہم نے اس مسئلہ پر کشمیر کمیشن سے جو کچھ سمجھوتہ کیا ہے، اس کو پورا کرنے پر کاربند ہیں۔ ہم اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ کشمیر کے عوام کو آزادی کے ساتھ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن کے ساتھ کشمیر کے معاملے پر جو بھی بات چیت ہوئی یا سمجھوتہ طے پایا ہے وہ ساری باتیں صرف اس بنیاد پر ہوئی ہیں کہ کشمیر قانونی طور ہند کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ اب اگر کشمیر پر حملہ کیا گیا تو اسے ہند کے خلاف حملہ تصور کیا جائے گا،،

" اینگلو امریکی قرارداد کیخلاف وادی کشمیر میں ٹانگہ ڈرائیورز یونین نیشنل کانفرنس حلقہ کمیٹیوں اور فوڈ ورکرس یونین نے قراردادیں پاس کیں۔ مجاہد منزل میں غلام محی الدین ہمدانی، بخشی غلام محمد۔ مرزا محمد افضل بیگ اور غلام محمد صادق نے اپنی تقریروں میں اس قرارداد کی مخالفت کرتے اسے رد کیا۔ غلام محی الدین ہمدانی اور بخشی عبدالرشید کی قیادت میں ایک جلوس بھی نکالا گیا جس میں آزاد ہندوستان زندہ باد، غیرملکی مداخلت مردہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ جلوس میں چند گاڑیاں بھی تھیں جن پر پیکری رنجھ بٹھائے گئے اور ان کے گلے میں امریکہ اور برطانیہ کے خلاف کتبے آویزاں کئے گئے۔ ایک ٹرک پر صدر ٹرومین اور وزیر اعظم ایٹلی کے مٹی کے مجسمے تھے جن کے روبرو پاکستانی وزیر خارجہ کو ٹوڈی بنا کے جی حضوری ذہنیت کا منظر پیش کرتے دکھایا گیا تھا۔

۲۱ مارچ ۱۹۵۱ء کو سرکاری طور پر ہندوستان کے نمائندے نے سلامتی کونسل میں اینگلو امریکی قرارداد کو نامنظور کر دیا جس کے جواب میں ۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو امریکہ اور برطانیہ نے ایک اور ترمیم شدہ مشترکہ قرارداد سلامتی کونسل میں پیش کی جس میں ڈکسن تجاویز سے ہٹ کر کشمیر کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری

۱۹۴۹ء کی قراردادوں کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس امر کا اعادہ کیا گیا کہ ہند وپاک کی حکومتوں نے ریاست میں رائے شماری کرنی تسلیم کی ہے اور نیشنل کانفرنس نے جو آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا اعلان کیا ہے، جس علاقے میں یہ اسمبلی قائم کی جائے گی وہ اس ریاست کا ایک مخصوص حصہ ہے۔ سیکورٹی کونسل کی قراردادوں کے مطابق ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کا فیصلہ لوگوں کی آزادانہ طور پر رائے معلوم کر کے کیا جائے گا۔ اس لحاظ سے اسمبلی ریاست کے مستقبل کے بارے میں جو بھی کارروائی کرے گی، وہ متذکرہ بالا اصول کے مطابق تمام ریاست کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، جس کا تذکرہ یو این سی آئی پی کی قرارداد میں کیا گیا ہے۔ سلامتی کونسل کی ذمہ داری ہے کہ عالمی امن کو برقرار رکھنے کے لئے دونوں فریقوں پر زور دے کہ وہ اس مسئلہ کا قابل قبول حل تلاش کریں[۲۹]۔ اس موقعہ پر ہندوستانی نمایندہ سر بی این راؤ نے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر ہندوستانی نکتہ نظر کی وضاحت کرتے اور سابق اینگلو امریکی قرارداد کو رد کرتے ریاستی آئین ساز اسمبلی کے جواز کو اپنا موضوع سخن بناتے کہا:

"ریاست میں آئین ساز اسمبلی بلانے کا قانونی منصوبہ یہ ہے کہ ریاست کے عوام اپنے لئے نیا آئین مرتب کرنا چاہتے ہیں تاکہ ریاست کی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہوں، کشمیر میں آئین ساز اسمبلی بلانے سے سلامتی کونسل کی کارروائی پر کسی قسم کا برا اثر نہیں پڑے گا"

پنڈت جواہر لال نہرو نے ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء کو پارلیمنٹ میں بیان دیتے کشمیر کے متعلق اینگلو امریکی قرارداد کے ترمیم شدہ مسودے کو ثالثی کی مد پر مسترد کر دیا، کشمیر میں آئین ساز اسمبلی بلانے کی حمایت کی اور ترمیم شدہ قرارداد پر برطانوی نمائندہ گلیڈرین جیب کے خیالات پر سخت اظہار برہمی کرتے اسے جانبدارانہ اور پاکستان کو خوش کرنے کا موجب قرار دیا۔

ڈاکٹر فرینک گراہم

غرض سلامتی کونسل کے اندر اور باہر ہندو پاک کے نمائندوں اور وزرائے اعظم کے شعلہ بار بیانات کے درمیان انجمن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ڈاکٹر فرینک گراہم کو مسئلہ کشمیر کی گتھی سلجھانے کی خاطر نیا مصالحت کنندہ مقرر کیا جو ۳۰ جون ۱۹۵۱ء کو کراچی سے دہلی پہونچے۔ انہوں نے جولائی کے اوائل میں حکومت ہند کے خارجہ امور کے جنرل سیکریٹری گرجا شنکر باجپائی سے دہلی میں مسئلہ کشمیر پر تبادلہ خیال کیا۔ ۱۰ جولائی کو سرینگر آئے، ہوائی اڈے سے شہر کی جانب روانہ ہوتے ہی نیشنل کانفرنسی ورکروں نے ۲۶ جون ۱۹۵۱ء کے طے شدہ پروگرام کے تحت بخشی غلام محمد اور غلام محی الدین ہمدانی کی قیادت میں ان کے خلاف بھرپور مظاہرہ کیا اور ڈاکٹر گراہم یہ سب دیکھتا چلا گیا۔ ریاست میں بعد ازاں ظہور پذیر سیاسی اتھل پتھل پر رائے زنی کرتے بعض نیشنل کانفرنسی سیاست دانوں نے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر گراہم کے خلاف مظاہروں کی بڑی اور اہم وجہ یہ بتائی۔ چونکہ گراہم مشن کی کامیابی سے شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار سے محروم ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تھا اسلئے انہوں نے پیش پا ہو کر پیشبندی کے طور پر بخشی غلام محمد اور ان کے ساتھیوں کو اکسایا جنہوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھایا اور آوازیں گونجنے لگیں "چالیس(۴۰) لاکھ لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کوئی ثالث نہیں کر سکتا، سلامتی کونسل کی قرار دادیں یہاں کے لوگوں کو منظور نہیں، ہم کسی غیر ملکی ثالث کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں، گراہم واپس جاؤ"، ان نعروں کے موجدین نے بعد ازاں بائیس(۲۲) سال تک گراہم مشن کی اہمیت اور اسے مسئلہ کشمیر کو رائے شماری کے ذریعے طے کرانے کا کامیاب ترین منصوبہ قرار دے کر لاکھوں کشمیری نوجوانوں کے جذبات کا استحصال کر کے ذہنی آسودگی حاصل کرنے کا شغل

اختیار کیا۔ ماقبل سلامتی کونسل کی قراردادوں کو رد کرنے والوں نے اس طرح لگاتار دو دہائیوں تک ان ہی قراردادوں کو روبعمل لانے پر حتی الامکان زور لگایا۔ اس نئی سیاسی ہڑلونگ پر دنیا والوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی اور پھر جب انہیں دوبارہ اقتدار پر تسلط حاصل ہوا تو وہ اپنا پچھلا سب بھول بیٹھے۔ جب کہ یہ بدحواسی بجائے خود ان کے لئے بھی ناقابل فہم تھی۔ بہرکیف یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے۔ البتہ یہ بتانا دشوار ہے کہ بخشی غلام محمد اور غلام محی الدین ہمدانی کے منظم کردہ احتجاجی مظاہرہ سے ڈاکٹر گراہم کس قدر متاثر ہوئے لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے، مظاہرے کے مشاہدے کے بعد ڈاکٹر گراہم اسی دن شالامار باغ سرینگر میں وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ، یوراج کرن سنگھ اور ارکان کابینہ سے متعارف ہوئے۔ اس موقعہ پر انجمن اقوام متحدہ کے فوجی مبصر جنرل نیمو، ہند فوج کے ایریا کمانڈر میجر جنرل تارا سنگھ بہل بھی موجود تھے۔ رات کا کھانا گراہم نے وزیراعظم کے ساتھ کھایا اور مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا۔ ڈاکٹر گراہم کے وارد کشمیر ہونے سے قبل ریاستی حکومت نے ایک طویل بیان جاری کیا۔ جس میں کہا گیا کہ ڈاکٹر گراہم بحیثیت ایک سیاح کشمیر آسکتے ہیں مگر مصالحت کنندہ بن کر نہیں۔ ریاستی حکومت انہیں اپنی حدود میں ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کی اجازت نہیں دے گی اور حکومت ہند سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ گراہم سے مسئلہ کشمیر پر عدم تعاون کی پالیسی اپنائے گی ورنہ اس قسم کے مذاکرات سے یہ مطلب لیا جائے گا کہ حکومت ہند نے سلامتی کونسل کی پاس کردہ ۳۰ جون والی قرارداد کو بلاواسطہ طریقے سے قبولیت کا شرف بخشا ہے۔

۱۲ جولائی ۱۹۵۱ء کو ڈاکٹر گراہم جہلم ویلی روڈ سے راولپنڈی، پاکستانی لیڈروں سر ظفر اللہ خان اور امور کشمیر کے وزیر نواب مشتاق احمد گرمانی سے

تبادلہ خیال کرنے گئے، جانے سے قبل سرینگر میں اخبار نویسوں نے ان سے دریافت کیا۔ آیا معاہدہ جنگ بندی کے متعلق پاکستان کی خلاف ورزیاں آپ کی نوٹس میں آئی ہیں۔ انہوں نے کہا "اس قسم کے واقعات کی تحقیقات کرنا جنرل نمو کا کام ہے۔ وہی اس تعلق میں ایک سیکس میں ہیڈ کوارٹر کو براہ راست رپورٹ پیش کر سکتے ہیں"

سرحدی جھڑپیں

ڈاکٹر گراہم کی تقرری سے قبل پاکستان نے ہند پر دباؤ ڈالنے کی خاطر جنگ بندی سرحد پر فوجی جھڑپیں شروع کیں۔ جوابی کارروائی سے فریقین کے مابین فوجی جھڑپوں اور تصادم کا یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ ۴ جولائی ۱۹۵۱ء کو پاکستان کی طرف سے جنگ بندی سمجھوتہ کی مسلسل خلاف ورزیوں اور جھڑپوں کے بارے میں وزیراعظم ہند نے سلامتی کونسل کے صدر کو اپنے مکتوب میں احتجاج کرتے مطالبہ کیا کہ جنگ بندی سرحد پر اس قسم کی وارداتوں کی روک تھام کے لئے عملی تدابیر اختیار کی جائیں۔ کیونکہ اس کے پس منظر میں انتہا نہ اور تشدد آمیز پروپیگنڈا کار فرما ہے جو پاکستانی اخبارات میں لوگوں کے جذبات ابھارنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ پچھلے دو (۲) ہفتوں میں ایک ہی طرح کی سرحدی وارداتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ہو رہا ہے۔ کشمیر میں سرحدی حملوں کی ڈھیل اگر یوں ہی کھلی چھوڑ دی گئی اور ان کا زبردست نوٹس نہیں لیا گیا تو ایسے نازک حالات پیدا ہونے کا احتمال ہے جس کے نتیجہ میں دونوں ملکوں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے گی۔ جنگ بندی سرحدی سمجھوتہ کی شرائط کا احترام کرتے ہند نے اس وقت تک اپنا ہاتھ بالکل روک رکھا ہے۔ سلامتی کونسل پاکستان کو کڑے الفاظ میں خبردار کرے کہ وہ جنگ بندی معاہدہ کے تحت اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے میں پہلو تہی سے کام نہ لے۔ وزیراعظم ہند

نے اپنے مکتوب میں یہ رائے بھی ظاہر کی کہ پاکستان سے ہونے والے سرحدی حملوں کے بارے میں سیکورٹی کونسل کے ممبروں کی توجہ منعطف اور انہیں تازہ حالات سے روشناس کیا جائے۔ مکتوب کے ساتھ ہی سلامتی کونسل میں ہند کے نمائندہ سر بینگل نرسنگھ راؤ نے ایک پروٹسٹ نوٹ بھی پیش کیا جس میں ان وارداتوں کے دوران کئی ہندوستانی سپاہیوں کو گولی مار کر ہلاک کرنے کٹھوعہ سے مناور تک سرحد پر پاکستانیوں نے کہیں فوجی وردی میں اور کہیں عام شہریوں کے لباس میں دیہاتوں پر حملے کرنے کی تفصیلات بہم پہونچائیں۔

خطرناک نتائج

ان حالات کا بغور مطالعہ کرنے کے لئے ہندوستانی فوج کے چیف آف دی سٹاف جنرل کری آپا نے ریاست کے سرحدی علاقوں کا دورہ کیا اور ریڈیو کشمیر سری نگر سے اپنی نشری تقریر میں حملوں کا ذکر کرتے حکومت پاکستان کو انتباہ کیا۔ اگر ان حملوں کا انسداد نہ کیا گیا تو نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں جن کی تمام تر ذمہ داری پاکستان پر عائد ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ سرحد کے مختلف مقامات پر تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے یکساں نوعیت کے حملوں سے اخذ ہوتا ہے کہ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ منصوبہ بند منصوبے کا حصہ ہے۔ جس سے حکومت پاکستان کے ارباب اختیار بے خبر نہیں ہو سکتے۔ ایسا دو مقاصد کے پیش نظر کیا جا رہا ہے (۱) کشمیر میں خوف وہراس کی کیفیت پیدا کر کے عوام کی توجہ آئین ساز اسمبلی کے قیام سے ہٹائی جائے (۲) اس بات کا اندازہ لگایا جائے کہ حکومت ہند اس بارے میں کیا کر رہی ہے تاکہ اس کی تیاریوں کا صحیح صحیح اندازہ لگا کر اسے ہراساں کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا جائے۔ لیکن ایسا سمجھنا پاکستان کی نادانی ہے۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں

وزیر اعظم پاکستان کا برقیہ

دریں اثنا، وزیر اعظم پاکستان نے وزیر اعظم ہند کو ایک تار کے ذریعہ شکایت کی کہ پنجاب اور کشمیر کی سرحدوں پر ہندوستانی فوجوں کا زبردست اجتماع پایا جاتا ہے اور اندیشہ ظاہر کیا گیا کہ ہندوستان، پاکستان پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

وزیر اعظم ہند کا جواب

۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء کو وزیر اعظم ہند نے وزیر اعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان کے تار کے اس خدشہ کے جواب میں لکھا "پاکستان سے ملنے والی ہندوستانی سرحدوں پر وسیع پیمانے پر فوجیں اکٹھی کر لی گئی ہیں جس سے پاکستان کو اپنی سلامتی خطرے میں نظر آتی ہے،، پاکستان میں جنگ کا پروپیگنڈا بند کرنے سے یقیناً ان سرحدی قسم کے باہمی نزاعی معاملات کے باوجود ہند اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار ہونے میں مدد ملے گی۔ یہ کہنا کہ سرحدوں پر ہندوستانی فوجوں کے اجتماع سے پاکستان کی سلامتی اور بین الاقوامی امن خطرہ میں پڑا ہے بالکل بے معنی اور بے بنیاد دلیل ہے۔ ہند کی پالیسی شروع سے امن کی بقا اور جنگ کی روک تھام کی رہی ہے۔ اس کا بیّن ثبوت ہند نے اپنی فوجوں میں نمایاں کمی کر کے دیا ہے ہمیں امید تھی کہ پاکستان بھی ایسا ہی کریگا لیکن پاکستان نے فوجی تخفیف تو کُجا الٹا اسلحہ بندی کو فروغ دیا اور آج بھی اس کی مسلح افواج کو بڑھانے کی کوششیں برابر جاری ہیں جنہیں کثیر تعداد میں ہند کی سرحدوں پر تعیّنات کیا جا رہا ہے پاکستانی اخبارات ہند کے خلاف جہاد کا جو زہریلا پرچار کر رہے ہیں ہم نے اس جانب بارہا آپ کی حکومت کی توجّہ مبذول کروائی کہ گذشتہ پانچ ہفتوں سے جموّں و کشمیر کی جنگ بندی سرحد پر مسلسل خلاف ورزیاں ہوتی رہیں۔ جیسا کہ آپ بخوبی جانتے

ہیں ہند نے ان جھڑپوں کے ضمن میں اقوام متحدہ کو مطلع کیا ہے۔ آپ کے خدشات صحیح نہیں ہیں لیکن یہ صحیح ہے کہ ہند کی سرحدوں پر ہند فوج کی نقل و حرکت محض بچاؤ کا ایک جز ہے۔ جیسا کہ میں پہلے یقین دلا چکا ہوں کہ ہماری طرف سے کسی بھی قسم کی جارحانہ کارروائی میں پہل نہیں ہوگی لیکن اگر ہند پر کسی قسم کا جارحانہ حملہ ہوا تو اسکا پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا۔ میں آپ کے مکتوب کے اس جملے کے حوالے سے "پڑوسی ملک کے تعلقات اور ہمسایہ ہونے کے ناطے کا" جو آپ نے ذکر کیا ہے 'ہندوستان سے اچھے تعلقات پیدا کرنے کا خواہاں ہے' لیکن ان تعلقات کو استحکام دینے میں پاکستان کا اپنا معاندانہ اور دشمنانہ رویہ ہماری رکاوٹ کا سبب بنا ہے' جہاں تک کشمیر اور دوسرے حل طلب مسائل کا تعلق ہے ہند ان نزاعی امور کو پرامن ذرائع سے حل کرنے پر زور دیتا رہا ہے۔ باہمی چپقلش کی پیش بندی کے لئے ہی ہند نے مدت ہوئی جنگ نہ کرنے کے اعلان کی تجویز پیش کی تھی۔ پنڈت نہرو نے اپنے مکتوب میں خواہش ظاہر کی کہ پاکستان میں جہاد اور مناقشے کی سرگرمیوں کو روکنے سے دشمنانہ پروپیگنڈا بند ہو جائے گا کیوں کہ یہ طریقہ دونوں ملکوں کے تعلقات کو خوشگوار بنانے اور ان کے استحکام کے لئے دوسری باتوں سے زیادہ سودمند اور موثر ہو سکتا ہے۔ مکتوب کی کاپی سیکریٹری جنرل انجمن اقوام متحدہ اور صدر سلامتی کونسل کو بھی بھیجی گئی۔

وزیراعظم ہند کے متذکرہ خط کی روشنی میں یہ بات ذہن نشین کرنی ہوگی کہ مناقشے اور جہاد کی دھمکیوں کے پس منظر میں جہاں پاکستان کو ریاست میں آئین ساز اسمبلی کے قیام کو روکنا مقصود تھا وہاں ہند نے ڈاکٹر گراہم کی تقرری میں جس بے دلی کا مظاہرہ کیا تھا اس پر برہم ہو کر پاکستان نے اپنا لب و لہجہ تند و تیز کیا تھا حتیٰ کہ آزاد کشمیر سے سردار محمد ابراہیم خان اور صوبہ سرحد

خان عبدالقیوم خان کے علاوہ اس حمام میں چودھری سرظفر اللہ خان جیسے ممتاز سیاستدان اور دانشور نے بھی ڈبکی ماری۔ وزیراعظم ہند کے مکتوب پر تبصرہ کرتے وزیراعظم پاکستان نے کہا" سرحدوں پر ہندوستانی افواج کی وسیع بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک دستوں کے اجتماع سے ہم یہ سمجھ نہیں سکتے ہیں کہ حکومت ہند نے مدافعتی کار؟ ایوں کی پیش نظر سرحدوں پر فوج اکٹھی کرلی ہے"۔

پمفلٹ کی ڈپلومیسی

تناؤ شک وشبہ اور سیاسی آسیب سے پُر ماحول میں آسٹریلیا کے وزیراعظم مسٹر ابرٹ مینزیز نے اپنے ہائی کمشنر مقیم نئی دہلی کی معرفت ایک دستی مراسلہ وزیراعظم ہند کو بھیجا جس میں مسئلہ کشمیر پر آسٹریلیا کی مصالحت کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ پنڈت نہرو نے اسے یہ کہہ کر مسترد کیا" حکومت ہند کسی بھی معاملہ میں دوسروں کی مداخلت برداشت نہیں کرے گی" اس دوٹوک جواب کی گونج کا ارتعاش ابھی دنیا کی حکومتوں کے ایوانوں میں سنائی ہی دے رہی تھی کہ حکومت پاکستان نے نیویارک میں ایک پمفلٹ شائع کیا جس کی جلد پر انجمن اقوام متحدہ کی مہر اور نشان چھاپا گیا جو بقول ہندوستان امریکی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے مقصد سے ایسا کیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۴۶ء میں ایک قرارداد کے تحت اقوام متحدہ کا نشان استعمال کرنے کے لئے سیکریٹری جنرل کی اجازت حاصل کرنا لازمی قرار دیا ہے جب کہ پروپیگنڈا کے لئے اس نشان کا استعمال قطعاً ممنوع ہے۔

بلیک آؤٹ کی مشقیں

پاکستان نے اتنے پر قناعت نہیں کی بلکہ وزیراعظم پاکستان نے صوبائی وزرائے اعلیٰ کی میٹنگ طلب کی جس میں صورت حال پر غور کرنے کے بعد لاہور، لائل پور

کراچی۔ حیدر آباد اور دوسرے شہروں میں بلیک آؤٹ کی مشقیں شروع کروائیں۔ اس طرح دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم کے درمیان مراسلوں کا جو تبادلہ ہوا اس میں صلح و صفائی سے زیادہ شکایات اور تکرار کا پہلو نمایاں رہا۔

بھینچی ہوئی مُٹھی

جولائی ۱۹۵۱ء کے آخیری ہفتہ میں تمام پاکستان میں یوم بچاؤ منایا گیا۔ کراچی میں جلوس نکالا گیا۔ جب جلوس وزیر اعظم کی کوٹھی کے نزدیک پہونچا وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان اسے دیکھنے کے لئے برآمدے میں آئے اور اہل جلوس سے مخاطب ہو کر ہند کے خلاف شعلہ بار ہوئے۔ آپ نے جوش میں آکر اپنی مُٹھی بھینچی۔ مکہ دکھانے کے اس فعل نے اہل جلوس کے جذبات کو آنچ دی۔ انہوں نے ہندوستان کے خلاف اشتعال انگیز نعرے بلند کئے اور یہ سب کچھ وزیر اعظم لیاقت علی خان کی موجودگی میں ہوا۔ ہندوستانی سیاستدانوں نے اس واقعہ کی قلابیں مسولینی سے ملاتے کہا کہ لیاقت علی خان کے اس عمل سے اٹلی کے مسولینی کی یاد تازہ ہوئی ہے جو ٹھیک اسی طرح روم میں اپنے محل کے دالان میں اپنے مداحوں کو مخاطب کرتا تھا اور جوش میں آکر ساری دنیا کو اپنی بھینچی ہوئی مُٹھیاں دکھا کر مرعوب کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ڈاکٹر گراہم کی پہلی رپورٹ

ہند و پاک کی فوجوں کی سرحدوں پر نقل و حمل جہاد اور جنگ کی دھمکیوں کا یہ سلسلہ اکتوبر ۱۹۵۱ء تک جاری رہا۔ ڈاکٹر گراہم نے اپنی کارکردگی کی پہلی رپورٹ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو سلامتی کونسل اور متعلقہ ممالک کو پیش کی جس میں انہوں نے مصالحتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے مزید چھ ہفتوں کی مہلت مانگی۔ گراہم نے اپنی رپورٹ میں پاکستان کو جنگی پروپیگنڈے سے اجتناب کرنے اور باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کرنے

پر زور دیا۔ ہندوستان میں گراہم رپورٹ سے کوئی ناخوشگوار اثر نہیں ہوا سلامتی کونسل نے گراہم کی سفارش منظور کی اور ہندوپاک کے مابین پیرس میں گفت وشنید جاری رہی (ڈاکٹر گراہم کے جملہ مساعدت کے لئے مطالعہ کیجئے "تحریکِ حریت کشمیر جلد پنجم کشمیر اور سلامتی کونسل")

قول وفعل میں تضاد

اس زمانے میں کشمیری لیڈروں کی ستم ظریفی یہ رہی کہ وہ اپنی کسی بات پر مستحکم نہیں رہتے تھے نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پاس شدہ سیاسی قرارداد کا ارتعاش ابھی فضا میں گونج رہی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں تیسری بار شرکت کرنے فروری ۱۹۵۲ء کے دوسرے ہفتہ میں پیرس گئے۔ واپسی پر انہوں نے لندن میں بیان دیتے کہا "ہند نے ریاست کی نسبت تاحال جو قدم اٹھائے ہیں ان کی موزونیت پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس تعلق میں جو کچھ بھی کیا گیا وہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ اس میں کوشش کے باوجود کسی قسم کی غلطی نہیں پائی جاتی اور ۱۳ر فروری ۱۹۵۲ء کو دلی پہونچکر کہا۔

"جو لوگ سلامتی کونسل سے کشمیر کا کیس واپس لینے پر زور دے رہے ہیں، وہ محض جذبات سے کام لے کر اصل واقعات کو پس پشت ڈالتے ہیں اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو اصحاب اس بارے میں اظہار رائے کریں گے۔ انہیں ہر بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیئے کشمیر اور ہندوستان نے بار بار اس امر کا اعلان کیا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ مصالحت کے ذریعے ہی حل کرنا بہتر ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں صرف اپنے بنیادی اصولوں کو زیرنظر رکھنا ہوگا۔ اگر وہ متاثر ہوتے ہوں تو ہم مصالحت کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کریں گے۔ جب ڈاکٹر گراہم دوبارہ کشمیر آئیں گے، ہم

ان کو ہر ممکن امداد دیں گے۔ ہم ہر وقت ایسا کرتے آئے ہیں اور آئیندہ بھی ایسا کرتے رہیں گے۔ کشمیر سے فوجیں نکالنے کے مسئلہ پر غور کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ جنگ بندی سرحد کے اس پار کتنی فوجیں موجود ہیں۔ کشمیر کی سلامتی کا مسئلہ بھی درپیش ہے جس حد تک کشمیر کی سلامتی کو لاحق شدہ خطرہ کم ہوتا جائے گا، فوجوں کی تعداد بھی کم کی جاسکتی ہے۔"

دراصل یہی وہ ناپختہ طرز عمل قول و قرار اور متضاد بیانات ہیں جنکے مدوجزر نے نہ صرف نیشنل کانفرنس کی جملہ قیادت کو خود اپنے ضمیر کی تاریکیوں میں مقید کیا بلکہ انہوں نے اپنی حرکات اور سیاسی کم فہمی سے مسئلہ کشمیر کی الجھی ہوئی زلفوں کو بر فیصلے تو دوں کی گیند کی مانند تباہی کے دہانے پر پہونچا کر یہ ثابت کیا کہ دانائی کسی کی میراث نہیں اور نہ ذہین ہونا ہر ایک کے بس کی بات ہے۔ بلا سوچے سمجھے بیان بازی نے انہیں اس قدر وارفتہ خیال بنایا کہ وہ اپنے قول و فعل کی تردید کرنے میں بے شرمی کے مرتکب ہونے لگے۔

مؤتمر عالم اسلامی

غرض برصغیر ہند و پاک کی سیاسی فضا ہر دو ممالک کے لیڈروں کی شعلہ بیانی سے غیر یقینیت کے دور سے گزر رہی تھی۔ اسی دوران مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی پاکستان آئے جہاں ان کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا پاکستان کے مختلف شہروں میں ان کے استقبال کا خصوصی اہتمام کیا گیا اور پاکستانی ذرائع ابلاغ نے ان کی سرگرمیوں کو مشتہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ۱۹۵۱ء کے پہلے ہفتہ میں مفتی اعظم فلسطین کے زیر صدارت کراچی میں ایک روزہ کنونشن منعقد کیا گیا جس میں مقررین نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں پاکستانی موقف کی حمایت کے دوش بدوش ایک قرارداد میں کشمیر کو بلا شرکت غیرے پاکستان کا حصہ تسلیم کرتے مسئلہ کشمیر کو عالم اسلام کی حیات و ممات سے تشبیہہ دے کر جہاد فی سبیل اللہ کا فتویٰ صادر کیا۔

آل انڈیا مسلم کنونشن

پاکستان کی سیاسی چال کو مات دینے اور اس کے اثرات زائل کرنے کے لئے کلکتہ میں ۷ مئی ۱۹۵۱ء کو حکومت ہند کے اشارے پر آل انڈیا مسلم کنونشن کا دو روزہ اجلاس بلایا گیا جس میں مسلم ممبران پارلیمنٹ اور جملہ صوبائی اسمبلیوں کے مسلم ممبران نے حصہ لیا۔ اجلاس میں شیخ محمد عبداللہ اور مولانا حسین احمد مدنی کے نیک خواہشات کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔ اجلاس میں میرٹھ کے مسلم لیڈر عزیز حسین کی مندرجہ ذیل قرارداد اتفاقِ رائے سے پاس کی گئی۔

"کراچی میں ان ہی دنوں پاکستان کی حکومت کے اشارے پر بعض مسلم ممالک کے غیر سرکاری نمائندوں کی جو کانفرنس مؤتمر عالم اسلامی کے نام سے طلب کی گئی تھی اسے دنیائے اسلام کا کسی بھی صورت میں ترجمان نہیں ٹھہرایا جاسکتا جب کہ دنیا کے خاص اور اہم ممالک سوویت روس، جمہوریہ چین اور ہند کے کروڑوں مسلمانوں کا ایک بھی نمائندہ اس میں شامل نہیں تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کو جان بوجھ کر مؤتمر عالم اسلامی کے اس اجلاس میں شامل ہونے کی دعوت نہیں دی گئی کیونکہ ہندوستانی نمائندوں کے ہوتے ہوئے پاکستان کو اپنے نکتہ نظر سے کشمیر کے معاملہ سے متعلق قرارداد پاس کرانے، اور من مانی کارروائیاں کرنی مشکل ہو جاتا۔ کشمیر سے متعلق مؤتمر عالم اسلامی کی قرارداد معاملہ کو پُر امن ذرائع سے حل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ تباہی اور خرابی کا سامان پیدا کرنے کی موجب بن سکتی ہے۔ جبکہ کشمیر کے معاملہ کا حل ڈھونڈ نکالنے کے لئے "دو قومی نظریہ" پر تکیہ کیا گیا ہے جس کے اثرات سے ہند کے چار کروڑ مسلمان اچھی طرح سے روشناس ہیں۔

یہ اجلاس شیخ محمد عبداللہ، نیشنل کانفرنس اور کشمیر کے مسلمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے کشمیر کا الحاق ہند کے ساتھ کیا۔ اس الحاق سے ہند میں فرقہ

دارانہ رواداری اور میل ملاپ کے جذبہ کو تقویت مل چکی ہے اور ہندی مسلمانوں کو اس سے فائدہ ہوا ہے۔ کشمیر میں مجوزہ آئین ساز اسمبلی کا فیصلہ حتمی طور منظور ہونا چاہیئے اور اسے ریاستی عوام کی ترجمانی قرار دیا جانا چاہیئے۔"

قرارداد پیش کرنے والے اور پاس کرنے والے اصحاب غالباً اس رمز سے ناواقف ہیں کہ روس اور چین کی ملحد مملکتوں میں اسلام اور اسلامی نظریات پر جس قدر پابندیاں عائد ہیں اس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے ملک سے ملنی دشوار ہے۔ ان ممالک سے مسلمانوں کی نمائندگی تلاش کرنی بذات خود ان مسلمانوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے، البتہ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کا اگر عزیز حسین کو اعزاز بخشا گیا ہوتا تو کم از کم مندرجہ صدر قرارداد پاس نہیں کی جاتی۔ ہند سے الحاق کرنے پر شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے اگر وہ ڈاکٹر بھیم راوامبیدکر کا شکریہ ادا کرتے تو زیادہ بہتر رہتا، کیونکہ انہوں نے آئین ہند میں ہر قوم، ملت، فرد اور فرقہ کو یکساں حقوق کا سامان بہم کیا ہے۔ لیکن عزیز حسین کی قرارداد میں اس الحاق کو بنیئے کے گز سے ناپتے ہندی مسلمانوں کا فائدہ کہا گیا جب کہ اس کی تہہ میں بھا بنیئے سے اس ڈرا دھمکی کا اندازہ لگانا آسان ہوتا ہے جس میں فرقہ پرستوں نے ہندی مسلمانوں کی ضمانت کے طور پر کشمیریوں کو یرغمال ٹھہراتے کہا تھا ہندوستانی مسلمانوں کے تحفظ اور ضمانت کی حیثیت میں کشمیر کا ہند سے الحاق لازمی ہے جب کہ اس فکر سے ہندوستانی مسلمانوں اور آئین ہند دونوں کی توہین ہوتی ہے۔

اجلاس میں مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنی تقریر میں ریاست کے ماضی وحال کا نقشہ کھینچتے ہند سے کشمیر کے الحاق کو درخشاں مستقبل کا ضامن قرار دیا اور پاکستان کو انتباہ کرتے کہا کہ اسے مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔

اردو روزنامہ انقلاب، بمبئی نے مفتی امین الحسینی کے فتویٰ جہاد پر انہیں مخاطب کرتے لکھا:

"اگر واقعی جہاد کرنا ہے تو پہلے مراکش، فلسطین اور نہر سوئز کے محاذوں پر اسلام کے دشمنوں کو زیر کیجئے، ہمیں یقین ہے کہ وہاں کی مہم سر کرتے ہوئے کشمیر کا مسئلہ خود حل ہو جائے گا اور آپ کو تکلیف فرمانے کی ضرورت نہ ہوگی پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے اس قسم کی باتیں کرنی اور ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کے مفاد سے بالکل بے پرواہ ہو کر غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنی مفتی محمد امین الحسینی کو بالکل زیب نہیں دیتا اور نہ ان سے کچھ ہوتا ہے"

مفتی امین الحسینی کے بارے میں مشہور اخبار نویس سید جیلانی نے اپنے انگریزی ہفت روزہ "سپاٹ لائیٹس کلکتہ" میں لکھا۔ "یہ شخص جو مسلمانوں کا غمخوار کہلاتا ہے بدترین قسم کا غدار ہے اور سامراجیوں کے ہاتھوں کھیل رہا ہے۔ اس نے فلسطین میں مسلمانوں کی زمینیں یہودیوں کو فروخت کیں"۔ سید جیلانی کے مضمون کے اقتباس کئی بار ریڈیو کشمیر نے نشر کئے۔

ہری سنگھ کا اعلان

حکومت ہند حالات کا ابھی تجزیہ ہی کر رہی تھی کہ بمبئی سے مہاراجہ ہری سنگھ نے اعلان کیا کہ وہ اپنے اختیارات شاہی کشمیر دستور ساز اسمبلی کو منتقل کرنے کو تیار نہیں، دراصل اس اعلانیہ سے قبل مہاراجہ ہری سنگھ نے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کو ایک میمورنڈم بھیجا تھا جس میں ریاست میں بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ پیش کرتے ان یقین دہانیوں اور وعدوں کو دہرایا گیا تھا جن میں ہری سنگھ کے اقتدار کو نقصان پہونچائے بنا بحال رکھنے کا مصمم اقرار اور وعدہ تھا لیکن آئین ساز اسمبلی کے قیام، شیخ محمد عبداللہ کے عزائم اور مرکزی حکومت کے اس اعلان پر کہ آئین ساز اسمبلی حکمران موروثی خاندان کے

مستقبل کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہے مہاراجہ ہری سنگھ کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹ جانے کا باعث بنا اور اس کے اعلان نے وزیر اعظم ہند کو عجیب مخمصہ میں ڈالا۔ جس نے بڑی عجلت سے حکومت ہند کی امور ریاست کے سیکریٹری مسٹر سی ایس وینکٹا چار کو لونا مہاراجہ کو یہ پیغام دینے بھیجا کہ حالات کا یہی تقاضا ہے آپ اپنے بیٹے یوراج کرن سنگھ کے حق میں کشمیر کے تاج و تخت سے دستبردار ہو جائیں بصورت دیگر صدر جمہوریہ ہند آپ کو کشمیر کا حکمران تسلیم کرنے سے انکار کریں گے مسٹر وینکٹا چار نے مہاراجہ ہری سنگھ کو اپنے مستقبل سے متعلق فیصلہ لینے میں مدد دینے کی خاطر مسئلہ کشمیر کے تناظر میں بین الاقوامی سطح پر صورتحال اور یوراج کے ریجنٹ بننے کے بعد کشمیر میں رونما ہونے والے واقعات ذہن نشین کراتے وزیر اعظم ہند کی جانب سے مشورہ دیا کہ بہتری اسی میں ہے کہ وہ پہلی شرط کو قبول کریں۔ مہاراجہ کے تاثرات اور ردِ عمل سے قطع نظر ہو کر اخبار اسٹیٹسمین دہلی کے نمائندہ خصوصی نے ۱۲ ستمبر ۱۹۵۲ء کو اس پر تبصرہ کرتے لکھا "ہری سنگھ کے سامنے اب صرف دو[2] راستے ہیں یا تو انہیں تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑے گا یا صدر جمہوریہ انہیں کشمیر کا حکمران تسلیم کرنے سے انکار کرینگے"۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی لاچاری اور بے بسی نے انہیں یہ کڑوی ٹکیا حلق سے اتارنے پر مجبور کیا۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کو "ٹائمز آف انڈیا" کے نمائندے نے اطلاع دی کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے نہرو کا مشورہ مان لیا کہ انہیں اپنے بیٹے یوراج کرن سنگھ کے حق میں کشمیر کے تخت و تاج سے دستبردار ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی جموں پرجا پریشد کے رہنماؤں پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ، چودھری گیان چند اور شیو ناتھ نندہ نے مختلف مقامات پر جلسوں میں آئین ساز اسمبلی کے قیام کی مخالفت اور شیخ محمد عبداللہ کو دشنام طرازیوں اور سب و شتم کا ہدف بناتے منافرت انگیزی اور فرقہ پرستی کے شعلے بھڑکانے کا طویل سلسلہ شروع کیا۔ جموں کی علیحدگی کا اعلانیہ مطالبہ اور یوراج کرن سنگھ سے خفیہ ملاقاتیں شروع کیں۔ اسے شیشے میں اتارنے کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ کو محبِ وطن

اور آزادی پسند شخصیت قرار دے کر ریاست میں ان کے داخلہ پر عائد پابندی ختم کرنے پر زور دیا جانے لگا لیکن مہاراجہ ہری سنگھ نے تاج و تخت سے دست کشی کے بعد نہ تو کوئی سیاسی بیان دیا اور نہ ریاستی انتظامیہ میں مداخلت کی۔ بمبئی میں مہاراجہ ہری سنگھ گیارہ (۱۱) سال مکمل خاموش اور یک گونہ گوشہ نشیں ہو کر رہے اور کبھی واپس ریاست میں نہیں آئے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۶۱ء کی صبح تک آپ مکمل تندرست اور خوش و خرم تھے اچانک آپ کی طبیعت بگڑ گئی اور دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا آخری وقت پر نہ ان کی بیگم اور نہ بیٹا ان کے پاس تھا۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی آخری رسومات آریہ سماجی اصولوں اور قاعدوں کے تحت انجام دی گئیں۔ اس موقعے پر ریاست کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد مہاراشٹر کے گورنر سری پرکاش اور بمبئی کے سرکردہ شہری موجود تھے۔ مہاراجہ کی موت پر جموں میں تمام کاروباری تعلیمی اور سرکاری ادارے بند رہے۔ ریاستی جھنڈا سرنگوں کیا گیا۔ شام کے چار بجے شاہی محل سے ایک لاکھ افراد پر مشتمل جلوس "مہاراجہ ہری سنگھ امر رہے" کے فلک شگاف نعرے دیتے ہوئے نکلا جو پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کی تجویز پر شام کے ۷ بجے دریائے توی کے کنارے مذہبی رسوم انجام دے کر اختتام پذیر ہوا۔ شام کے ۷ بجے ہی مہاراجہ ہری سنگھ کا بمبئی کے شمشان گھاٹ کوینز روڈ پر داہ سنسکار کیا گیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی وصیت کے مطابق ان کی استھیاں سمندر میں بہا دی گئیں۔ استھیوں کی راکھ کا کچھ حصہ ہوائی جہاز کے ذریعہ جموں شہر پر بکھیرا گیا۔ وصیت میں اپنی ذاتی جائیداد کے بارے میں انہوں نے ڈی اے وی کالج جموں کی انتظامیہ کمیٹی کو اختیار دیا کہ وہ ان کی باقی جائیداد فروخت کر کے ان کے نام سے ایک فنڈ قائم کرے اور یہ رقم صرف صوبہ جموں میں تعلیم و تربیت کی سہولیات بڑھانے پر خرچ کی جائے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی وفات سے کشمیر کی تاریخ کا ایک ایسا باب اختتام پذیر ہوا

جس کی وجہ سے اسے کسی بھی صورت میں قبول نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب جو ترمیم شدہ قرارداد منظور کی گئی ہے، اس میں پہلی قرارداد کی نسبت غلط اندازے اور خامیاں کچھ کم ہیں لیکن با ایں ہمہ یہ ایک غلط منطق کا نتیجہ ہے۔ اب کے سلامتی کونسل نے جس نئی قرارداد کو منظور کیا ہے لیکن اس کے منظور ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر جو اعتراضات ہم نے پہلے کئے تھے ختم ہو گئے۔

پنڈت نہرو جموّں میں

دراصل پنڈت نہرو اب کے جموّں پرجا پریشد کے لیڈروں کو رام کرنے کے لئے آئے تھے۔ چنانچہ ۳۔ اپریل ۱۹۵۱ء کو جموّں کے طلبا نے ان کے اعزاز میں ایک جلوس نکالا جس میں اینگلو امریکی قرارداد کے خلاف بھرپور نعرے لگائے گئے۔ پنڈت نہرو نے پریڈ گراؤنڈ کے پبلک جلسے میں شیخ محمد عبداللہ کے عزم و ارادے کو داد و آفرین دیتے پرجا پریشد کے اٹھائے ہوئے نقطوں کے جواب میں کہا:

"کشمیری عوام نے واضح الفاظ میں ہند کو امداد کے لئے پکارا۔ اس لئے ہند کی فوجیں کشمیر میں اس وقت تک جمی رہیں گی جب تک کشمیر کے عوام کو ان کی ضرورت رہے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت یا ملک ہندوستانی فوجوں کو کشمیر کی آزادی اور تحفظ کے حق سے ہٹا نہیں سکتی۔ جموّں اور کشمیر ایک جسم کے دو حصّے ہیں۔ یہ دونوں حصے اس وقت تک ایک رہے ہیں اور آئندہ بھی ایک رہیں گے، انہیں جدا نہیں کیا جاسکتا۔ مہاراجہ کشمیر کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ واپس نہیں آسکتا ہے"

وزیر اعظم ہند کی تقریر سے جہاں عام لوگ متاثر ہوئے وہاں مہاراجہ ہری سنگھ کے حامیوں کو سخت مایوسی ہوئی البتہ پنڈت نہرو کے اس دورے سے اتنا ضرور ہوا کہ پرجا پریشد کے لیڈروں نے اپنے مطالبات کی موسیقی کی لے دھیمی کی اور انتخابات میں حصّہ لینے کے لئے اپنے

جو اپنے آمرانہ طور طریقوں اور لب ولہجہ سے ستمگرانہ اور ظالمانہ کہلاتا تھا۔ لیکن اس آمرانہ نظام کی بھی اپنی خوبیاں تھیں جنہیں ہمیشہ مجرمانہ طور پر نظر انداز کیا گیا

بہر صورت مہاراجہ ہری سنگھ کے آنکھیں موندتے ہی راجگان ڈوگرہ کی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ مہاراجہ ہری سنگھ اپنے آخری دور میں ایک انتہا پسند پُرعزم اور کٹر ہندو کے روپ میں اپنی رعایا کے سامنے جلوہ گر ہوئے انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق ہندو دھرم اور ہندوؤں کے لئے سب کچھ کیا جس کی بنا پر ریاست کی بد ظن اکثریت نے ان کی ثنا خوانی نہیں کی۔ اعمال کا جزا و سزا اللہ کے پاس ہے۔ اس نئے اپنے ڈھنگ کی اس عظیم شخصیت پر مزید کسی رائے زنی کے اس دفتر کو آخرت پر چھوڑنا ہی انکساری ہے ؎

آج ساحل پر اس کی لاش لاوارث ملی
جس کو کہتے ہیں زمانے کا بڑا تیراک تھا

غرض اس سے مہاراجہ ہری سنگھ کا انجام بتانا مقصود تھا۔ ان حالات نے شیخ محمد عبداللہ کی ڈوبتی ہوئی میں رہی سہی ساکھ کو دھکا لگایا۔ پنڈت نہرو کی منصوبہ بند سیاسی ناؤ ہندو فرقہ پرستی کے ان جھٹکوں سے بھنور میں پھنسنے لگی۔ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے فوجی اصطلاح کے مطابق جب مدافعت کی کوئی راہ باقی نہ ہے تو عام حملہ بول دو۔ وزیر اعظم کشمیر نے اپنا تیر و ترکش سنبھالا، یکم اپریل ۱۹۵۱ء کو پنڈت نہرو، مسز اندرا گاندھی، مس مردولا سارابھائی، وی کے کرشنا منین اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو ساتھ لیکر سرینگر آئے۔ ان کی آمد پر نیشنل کانفرنسی کارکنوں نے اینگلو امریکی قرارداد کے خلاف نعرے لگائے۔ پنڈت نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کی قیام گاہ پر انہیں خطاب کرتے کہا:

"برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے جب یہ قرارداد پہلی مرتبہ سلامتی کونسل میں پیش کی گئی تو مجھے یہ مضحکہ خیز اور حد درجہ قابل اعتراض دکھائی دی

پیپر توڑنے پر آمادگی کا اظہار کرنے لگے۔

جشن جمہور

غرض یکم مارچ ۱۹۵۱ء کو ریاستی حکومت نے ووٹر فہرستوں کو مکمل کرنے کی ہدایت جاری کی۔ ۳۰ اپریل کو یوراج کرن سنگھ نے حق رائے دہی کی بنیاد پر آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا فرمان جاری کیا۔ ۵ مئی کو انڈین نیشنل کانگریس کے خصوصی اجلاس میں حکومت ہند کی کشمیر پالیسی کی توثیق میں قرارداد پاس کی گئی جس میں کہا گیا۔ "سلامتی کونسل سے انصاف کی امید نہیں، ریاست میں آئین ساز اسمبلی ہی تمام مشکلات حل کر سکتی ہے" ۱۱ جولائی ۱۹۵۱ء کو ریاستی حکومت نے جسٹس مظفر احمد کشمیری کی صدارت میں آئین ساز اسمبلی کے حلقہ انتخابات مقرر کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل کمیٹی کا اعلان کیا۔ (۱) کنول نریندر سنگھ ڈپٹی کمشنر جموں (۲) پنڈت بلدیو چند ڈپٹی کمشنر کٹھوعہ (۳) محمد امین اندرابی ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈز اور (۴) محمد امین ڈپٹی کمشنر اننت ناگ۔ کمیٹی کو ہدایت دی گئی کہ کم از کم چالیس (۴۰) ہزار آبادی پر مشتمل ایک حلقہ مقرر کیا جائے جس کے تحت ایک سو (۱۰۰) حلقہ انتخاب بنائے جائیں ان حلقہ انتخاب میں پچیس (۲۵) نشستیں آزاد کشمیر کے لئے مخصوص رکھی گئیں۔ غرض ستمبر ۱۹۵۱ء میں آئین ساز اسمبلی کا ایسا ڈھونگ رچایا گیا جس کی مثال جمہوری دنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی ہے۔ اس موقعے پر امریکی اخبار "ورلڈ ٹیلیگرام" کے اس تبصرہ کا اعادہ چنداں ضروری نہیں جو ما قبل آپ "پاکستانی اعتراض" کے عنوان کے تحت پڑھ چکے ہیں جس میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران ہنگری پر نازی افواج کے قبضہ کے بعد وہاں ہٹلر نے انتخابات کروائے تھے۔ انکی یاد تازہ کرتے اخبار نے ریاست میں نظریاتی اور سیاسی آزادی کا تجزیہ کرتے شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں ہونے والے انتخابات کا موازنہ کرتے رائے ظاہر کی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ بھی اپنے حامیوں کو برسر اقتدار

لانے کے لئے ہٹلر کی تقلید میں وہی حربہ استعمال کرنے کا خواہشمند نظر آتا ہے۔

اس میں اختلاف رائے اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ لوگ جو بے لوثی اور بے خوفی سے سیاسی مشاہدات کے عادی ہوتے ہیں سیاسی شطرنج پر بکھری ہوئی ہر چال اور اس کے نتائج کے بارے میں حیرت انگیز اور منفرد پیش گوئیاں کر سکتے ہیں۔ امریکی صحافی نے ماضی میں یورپ کی سیاسی چالوں سے اخذ نتائج سے جو پیش گوئی کی وہ اس ترمیم کے ساتھ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ ہٹلر نے اگر ہنگری کے انتخاب میں اپنے حامیوں کو ووٹ کی پرچی دے کر جمہوریت کا مزاج قائم رکھا لیکن شیخ محمد عبداللہ نے اپنے حامیوں کو اس کی بھی زحمت نہیں دی۔ الیکشن کے نام پر مداری کا یہ تماشہ اب ہماری تاریخ کا باب بن چکا ہے جس کو شیخ محمد عبداللہ نے بیابان عدم سے بازار وجود میں لایا کاغذات نامزدگی کا داخلہ چھان بین اور پولنگ کی تاریخوں کا بھی اعلان کیا گیا لیکن جب وادی کے اس سحر زدہ ماحول میں چند منچلوں نے خواجہ غلام محی الدین قرہ کی پشت پناہی میں ڈیموکریٹک فرنٹ کے نام پر نامزدگی کے کاغذات داخل کئے، جن میں پیر غیاث الدین۔ محی الدین نور، عبدالرحمان راحت اور غلام احمد میر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام کے کاغذات نامزدگی تیکنیکی خامیوں کے بہانے رد کئے گئے۔ اس سے قبل غلام محمد بٹو اور غلام احمد بیگ عرف لون بیگ نے جامع مسجد سرینگر میں تقریر کرتے اسمبلی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ ان دونوں پر مسجد کے اندر ہی نیشنل کانفرنسی ورکروں نے حملہ کیا۔ لون بیگ ان کے ہاتھوں سے بچ کر نکلا اور آزاد کشمیر جا کے دم لیا بخشی غلام محمد کے دور حکومت میں واپس آیا۔ غلام محمد بٹو کو رضا کاروں نے پکڑ کر نوہٹہ حلقہ نیشنل کانفرنس میں لا کر خوب پیٹا۔ اس کے سر کے بال نوچ لئے گئے اور قادر

گاندربلی کے حوالے کیا گیا۔ شدید مارپیٹ اور تفتیش کے دوران انہوں نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام بتائے (۲) دو سو کے قریب گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں ۔ انہیں ناکردہ گناہوں کی پاداش میں اذیتوں کے علاوہ (۶) چھ ماہ حبس بے جا میں رکھا گیا۔ اس طرح نیشنل کانفرنس نے جن خوش بختوں کو امیدوار نامزد کیا وہ جوں ہی ریٹرننگ آفیسر کے سامنے کاغذات نامزدگی لیکر کھڑے ہوئے صرف (۲) دو منٹ میں آنریبل ممبر اسمبلی بن کر واپس لوٹے ۔ اس عمل کی پاداش میں نیشنل کانفرنس نے صوبہ کشمیر کی (۴۱) اکتالیس نشستوں پر بلا شرکت غیرے قبضہ کیا البتہ سری نگر میں پنڈت شیام لال صراف کے مقابلہ پر شیو نرائن فوطیدار اور بارہ مولہ میں نیشنل کانفرنسی امیدوار سردار ہربنس سنگھ آزاد کے مقابلے پر گیانی سنت سنگھ کے کاغذات نامزدگی معجزاتی طور پر درست پائے گئے۔ غالباً اس صورت حال نے نیشنل کانفرنسی قیادت کو عدم تحفظ کا احساس دلایا جبھی انہوں نے ان (۲) دو نشستوں کو حاصل کرنے کے لئے ہر وہ مکروہ حربہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا جو ریاست میں حق رائے دہی کی پیشانی پر ایک رستا ہوا ناسور قرار پایا۔ انہیں انتخابی اکھاڑے سے ہٹانے کے لئے خوف و دہشت، ہیبت غنڈہ گردی اور دھمکیوں کے تمام حربے آزمانے کے بعد پاکستانی ایجنٹوں کا خوبصورت نام دیا گیا اور کہا گیا کہ ان کو ووٹ دینے کا مطلب لیاقت علی خان اور ظفر اللہ خان کو ووٹ دینے کے برابر ہے۔ لیکن عوامی رجحان حکمران امیدواروں کے خلاف پاکر نیشنل کانفرنسی لیڈروں نے ہندو مسلم سکھ اتحاد کے نام پر انہیں رجعت پسند فرقہ پرست اور قومی غدار کے ہتک آمیز القاب سے اپنی مہم تیز تر کی۔ پولنگ سے چند دن قبل شیو نارائن فوطیدار نے برسر اقتدار جماعت سے سودا طے کرکے انتخابی اکھاڑے سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اس کے بعد نیشنل کانفرنس کے رہنماؤں

نے گیانی سنت سنگھ کے گیان کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کے لئے پولیس، ملیشیا رضاکاروں اور سرکاری اہلکاروں کو استعمال کیا لیکن گیانی ٹس سے مس نہیں ہوا ٹھیک پولنگ کے دن خوف و دہشت کو آنچ دے کر کرفیو جیسا ماحول تیار کیا گیا جس کی بنا پر ووٹروں نے گھروں کے دروازے بند کر کے اپنے ہی حصار میں مقید رہنا بہتر سمجھا۔ اس دہشتناک مہم جوئی نے گیانی سنت سنگھ کو اپنی بے بسی اور نامرادی کا احساس دلایا جس کی بنا پر اس نے پولنگ کے دن ایک بجے کے قریب اپنی دستکشی کا اعلان کیا۔ اس ہتک آمیز اور حسرتناک رویّہ کو مجاہد منزل میں جمہوریت کی فتح کا نام دے کر جشن جمہور منایا گیا۔ صوبہ جموں میں پرجا پریشد کے ساتھ اس سے بہتر سلوک نہیں کیا گیا جس کا تذکرہ آگے آنیوالا ہے یہ تھا شیخ محمد عبداللہ کا عوامی اعتماد حاصل کرنے کا انوکھا جمہوری طرز و طریقہ۔

آنریبل ممبران

جمہوریت کے اس ہتک آمیز مذاق میں جو خوش قسمت ریاست کی تقدیر سنوارنے کے لئے آنریبل ممبران قرار پائے ان کے اسمائے گرامی (۱) شیخ محمد عبداللہ (۲) بخشی غلام محمد (۳) مرزا محمد افضل بیگ (۴) گردھاری لال ڈوگرہ (۵) شیام لال صراف (۶) غلام محی الدین ہمدانی (۷) مرزا غلام محمد بیگ (۸) عبدالغنی ترالی (۹) سید علاؤالدین گیلانی (۱۰) شریمتی ایشر دیوی مینی (۱۱) شریمتی رام دلیوی (۱۲) مہاشہ ناہر سنگھ (۱۳) عبدالکبیر خان عرف جیل بابا (۱۴) کرشن دیو سیٹھی (۱۵) نورالدین ڈار (۱۶) میر واعظ غلام نبی ہمدانی (۱۷) رام چند کھجوریہ (۱۸) کوشک بکولا۔ (۱۹) سید ابراہیم شاہ (۲۰) رام پیارا صراف (۲۱) غلام رسول کار۔ (۲۲) اسداللہ میر (۲۳) موتی رام بیگڑہ (۲۴) سید میر قاسم (۲۵) درگا پرشاد در (۲۶) میجر پیارا سنگھ (۲۷) مبارک شاہ (۲۸) عبدالغنی گونی (۲۹) بخشی

عبدالرشید (۳۰) ہیم راج (۳۱) مولوی جمعیت علی شاہ (۳۲) وزیر رام سرن داس (۳۳) نورالدین صوفی (۳۴) من سکھ رائے (۳۵) مولانا محمد سعید مسعودی (۳۶) ساگر سنگھ (۳۷) جانکی ناتھ ککرو (۳۸) جمال الدین (۳۹) ثناء اللہ شیخ (۴۰) غلام قادر مصالحہ (۴۱) میاں نظام الدین (۴۲) غلام محمد صادق (۴۳) بھگت چھجو رام (۴۴) عبدالخالق بٹ (۴۵) سید عبدالقدوس آزاد (۴۶) عبدالعزیز شال (۴۷) غلام رسول (۴۸) مہنت رائے (۴۹) غلام محمد بٹ جالب (۵۰) غلام حسن ملک (۵۱) غلام حسن خان (۵۲) غلام احمد ڈلو (۵۳) سردار چیلا سنگھ (۵۴) محمد اکبر شیخ (۵۵) رام لال (۵۶) حکیم حبیب اللہ (۵۷) کوتوال چونی لال (۵۸) سردار ہربنس سنگھ آزاد (۵۹) بھگت رام شرما (۶۰) محمد ایوب خان (۶۱) پیرزادہ غلام جیلانی (۶۲) راجہ محمد افضل خان (۶۳) غلام رسول کرائیاک (۶۴) آغا سید علی شاہ (۶۵) پیر محمد مبارک شاہ (۶۶) غلام رسول شیخ (۶۷) غلام نبی وانی سوگامی (۶۸) غلام نبی وانی دہگامی (۶۹) غلام محی الدین خان (۷۰) پیر غلام محمد مسعودی (۷۱) غلام حسن بٹ (۷۲) رام رکھامل (۷۳) ماسٹر غلام احمد (۷۴) غلام احمد میر (۷۵) سردار کلبیر سنگھ۔

آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس

۳۱۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راج گڑھ سری نگر میں ریاستی آئین ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ہوا۔ ابتدائی کارروائی انجام دینے کے لئے اسمبلی کے سیکریٹری پنڈت ہیرانند رینہ نے ایجنڈا پڑھ کر سنایا جس کے تحت شیخ محمد عبداللہ کی تجویز اور بخشی غلام محمد کی تائید پر مولانا محمد سعید مسعودی عارضی سپیکر منتخب ہوئے۔ مولانا مسعودی نے نشست سنبھالنے کے فوراً بعد اپنی تقریر کا آغاز شیخ محمد عبداللہ کے حمد و ثنا سے شروع کرنے کے بعد ممبران اسمبلی کو مبارک باد دی اور ان سے توقع ظاہر کی کہ وہ نیا کشمیر کے جذبے کے تحت اپنے فرائض انجام دینگے۔ اسکے بعد آپ نے شیخ محمد عبداللہ کے اس پٹے پٹائے نعرے کو استعمال کرتے کہا کشمیر کی قسمت کا فیصلہ انجمن

اقوام متحدہ میں نہ دہلی میں اور نہ کراچی میں ہوگا۔ بلکہ یہ فیصلہ کشمیری عوام کو کرنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں آج آپ یہ فیصلہ کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ استصواب رائے عامہ کیلئے اقوام متحدہ کا تصور کچھ بھی ہو لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس ضمن میں اسے گزشتہ چار (۴) برسوں میں سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اسے اگر آج بھی کوئی قابل عمل حل نظر آئے ہم قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے لئے کچھ لازمی شرائط ہیں جن کو حکومت پاکستان آج تک پورا نہیں کر سکی اور یہ معاملہ ہوا میں لٹک رہا ہے۔ آخر کار اس الجھن کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ہونا ہے اور یہ طے کرنے کے لئے دستور ساز اسمبلی سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں۔ مولانا نے اپنے عارضی سپیکر بنانے پر ممبران کا شکریہ ادا کیا اور رجسٹر پر دستخط کئے۔

غلام محمد صادق بحیثیت سپیکر

اس کے بعد مرزا محمد افضل بیگ نے مستقل سپیکر کے لئے تحریک پیش کی۔ پنڈت شیام لال صراف نے تائید کی اور خواجہ غلام محمد صادق سپیکر منتخب ہوئے۔ اس موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ نے غلام محمد صادق کی کارکردگیوں کا اعادہ کرتے کہا۔

"عجیب اتفاق ہے کہ پچھلے دس (۱۰) بیس (۲۰) سال کے دوران جب کبھی کاروان آزادی کسی نئے موڑ پر آیا۔ اس وقت صادق صاحب کو اعزاز بخشا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں جب رہنمایان ملک نے تحریک کو وسعت دینے کی ضرورت محسوس کی۔ مطلب یہ کہ قوم کو فیصلہ لینا تھا کہ تحریک پرانے راستے پر چلائی جائے یا اس کو وسعت دے کر ایک مشترکہ راستہ اختیار کیا جائے اس وقت بھی رہنمائی کا بوجھ آپ کے کندھوں پر ڈالا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں تحریک آزادی ایک نئے موڑ پر آگئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان تقسیم ہوا۔ ہم حال حال ہی میں جیلوں سے رہا ہو کر آئے تھے۔ ہماری سرحدوں پر خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ ہمارے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ کس راستے کو اختیار کیا جائے نسلہ

بڑا پیچیدہ تھا۔ اگر اس کو خاطر خواہ طور پر حل نہ کیا جائے تو قوم اور ملک کی کشتی کو ڈوب جانے کا خطرہ تھا۔ اس نازک مرحلہ پر قوم نے صادق صاحب پر اعتماد کیا اور نگاہ انتخاب ان ہی پر پڑی اور انہیں یہ کام تفویض کیا گیا کہ وہ لاہور جا کر پاکستان کے لیڈروں سے بات چیت کریں اور ان پر کشمیر کے عوام کا نقطہ نگاہ واضح کریں۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور قابلیت کے ساتھ فرائض انجام دیئے۔ اب قدرت نے ایک اور اہم کام آپ کے سپرد کیا ہے"۔

قطع نظر مندرجہ بالا حوالے کے ریاستی وزیر اعظم نے مستقل سپیکر منتخب ہونے کے بعد اس نئی مخلوق کو عوام سے متعارف کرانے کی غرض سے اسمبلی ہال سے سیاہ رنگ کی اچکن اور سفید پاجامہ میں ملبوس وردی میں (ممبران اسمبلی کو ما قبل اس قسم کی وردی پہننے کی ہدایت دی گئی تھی۔ خواتین کے لئے سفید قمیض شلوار اور ڈوپٹہ تجویز کیا گیا تھا) جلوس کی شکل میں گول باغ تک قیادت کی جہاں تماشہ بین اور نیشنل کانفرنسی ورکر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اسطرح عام لوگوں کو آنریبل ممبران کی شناخت اور دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ اسکے چند دن بعد جموں میں پرجا پریشد کے لیڈر پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ نے اپنے ایک بیان میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ دستور ساز اسمبلی ہند سے ریاست کے الحاق کی توثیق کرے گی۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ پریشد اس وقت تک اپنی تحریک جاری رکھے گی جب تک نہ ہند کا سالم آئین ریاست پر نافذ ہوگا۔ بہر کیف غلام محمد صادق نے سپیکر کی ذمہ داری سنبھال کر اوائل ۱۹۵۳ء تک ریاستی وزیر اعظم کی نازبرداری اور انکی انگلیوں کے اشاروں پر ناچنا اپنا مطمح نظر بنایا اور جب دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے مابین مناقشے نے سنگین صورت اختیار کی غلام محمد صادق انکے مخالفین میں شامل ہو کر منیر نیازی کے اس شعر کی تفسیر بن گئے۔

اک اور دریا کا سامنا ہے منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

(۶)

شمعِ فروزاں

زمانہ کس کی رعونت پہ خاک ڈال گیا
یہ کون بول رہا تھا خدا کے لہجہ میں

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ریاست میں نوخیز مجلس آئین ساز یہ کے انتخاب کا ڈھونگ جس بد دیانتی اور دہشت کے ماحول میں رچایا گیا اسکی مثال جمہوریت کی تاریخ میں نہ کبھی پہلے سننے میں آئی ہے اور نہ مستقبل میں کبھی پیش کی جا سکتی ہے ۔ اس ڈرامے کے اہم اور بیشتر کردار وادی کشمیر کے پاسبان شیخ عبد شرعی نے ادا کیا ۔ انہوں نے وادی میں شہر خموشاں کا سکوت طاری کرکے ظلم و ستم کے ہر حربے کو لوگوں پر مسلّط کیا اور لوگ اسے قہر الٰہی جان کر سہتے رہے عوام کی امنگوں کو پامال اور پس پشت ڈال کر جب برسراقتدار لوگ عوام کی بھلائی کی بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں تو اس کا انجام معاشرے کی تباہی اور برسراقتدار لوگوں کے زوال کا سبب بنتا ہے ۔ لیکن صوبہ جموّں میں مسلمانوں کے انخلاء کے بعد ہندو اکثریت کو اس بیمانے سے ناپنے میں ان کے ہاتھ بندھے تھے ۔ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمّہ ہے کہ جموّں

کی ہندو اکثریت جہاں کشمیری لیڈر شپ کو ناپسند کرتی تھی، وہاں فرقہ پرستی کی آگ میں جھلس رہی تھی لیکن محض اس وجہ کی بنا پر انہیں جمہوری حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن انہیں انتخابی میدان سے مار بھگانے کے لئے یہ بہتان تراشا گیا چونکہ وہ انتخابی قواعد سے ناواقف ہیں اور ان کے کاغذات نامزدگی قاعدے کے مطابق نہیں ہیں۔ ان کے کاغذات نامزدگی میں چن چن کر مبینہ نقائص اور نقطے تلاش کر کے انہیں رد کرنے کا ہول سیل عمل بروئے کار لایا گیا۔ پرجا پریشد نے ۵۹ نشستوں پر اپنے امیدوار کھڑے کئے جن میں حکمران جماعت نے اپنی کامیابی یقینی بنانے کی حکمت عملی کے تحت ۴۴ کے کاغذات نامزدگی رد کئے۔ ہوا کا رخ پہچانتے اور نوشتہ دیوار پڑھ کر اس جماعت کے رہنماؤں نے بائیکاٹ کا اعلان کیا ابھی وہ اس چوٹ کو سہلا ہی رہے تھے اور اسکے دکھ کے درد پر آنسوں ہی بہا رہے تھے کہ غیر شعوری طور پر ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء کو گاندھی میموریل کالج کے طلبأ نے انہیں موقعہ فراہم کیا کہ وہ اپنی سیاسی بساط کا مظاہرہ کریں۔

۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء کو کالج کے احاطہ میں جموں شہر اور اس کے گرد ونواح کے کالجوں کے طلبأ کے جسمانی ورزشوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس تقریب میں یوراج کرن سنگھ نے طلبأ کے مارچ پاسٹ کی سلامی لی۔ اسی دوران گورنمنٹ کالج کے چند طلبأ نے ترنگے جھنڈے کے دوش بدوش نیشنل کانفرنسی جھنڈے کو لہرانے پر اعتراض کرتے مظاہرہ کیا۔ ۱۶ جنوری کو کالج کے پرنسپل نے کالج میں زیر تعلیم "دو لڑکوں وید مترا اور ریش پال سے ضابطہ شکنی کے پاداش میں جرمانہ اور نیک چلنی کی ضمانت طلب کی۔ ۲۷ جنوری کو طلبأ کی جانب سے پرنسپل کو الٹی میٹم دیا گیا کہ وہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر اپنے احکام واپس لے ورنہ ہم اس معاملے کی سنجیدگی سے نوٹس لیں گے۔ جس کے نتیجے میں اگر کوئی ناخوشگوار عمل ظہور پذیر ہوگا تو اس کی تمام تر

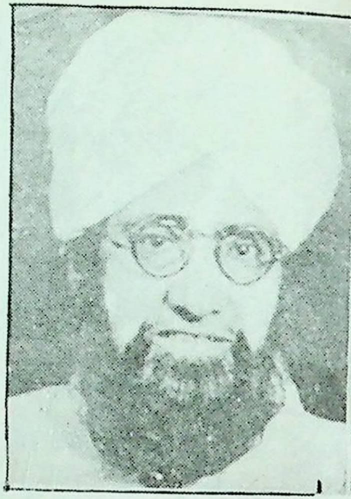
ذمہ داری حکام پر عائد ہوگی۔ ۲۹ جنوری کو کالج کے سات سو(۷۰۰) طلبا میں پانچ سو(۵۰۰)
نے مظاہروں میں شرکت کی اور کئی دوسرے کالجوں کے طلبا بھی ان کی حمایت کو آئے
ان سبھوں نے مل کر کالج کی لیبارٹری کو تہس نہس کر کے بھگدڑ مچائی۔ اسی دوران
گردھاری لال نندہ اور سردار تارا سنگھ کالج کے پرنسپل سے ملنے آئے۔ انکی ہدایت
پر طلبا منتشر ہوئے۔ انہوں نے کالج کے پرنسپل کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے فیصلہ پر
نظر ثانی کرے۔ کالج عملہ ابھی ان کی درخواست پر غور ہی کر رہا تھا کہ ۶ فروری ۱۹۵۲ء
کو جموں پرجا پریشد کے لیڈروں سنت رام بڈو، درگا داس اور بشیسر داس نے
پرنسپل کو غیر مشروط طور پر اپنے احکام واپس لینے کی وارننگ دی۔

۶ فروری کو ہی طلبا نے ایک مقامی سینما ہال پر ہلہ بول دیا اور راہ چلتی
گاڑیوں پر پتھراؤ کر کے تشدد آمیز کاروائیوں کا آغاز کیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت
کے خلاف نعرے بلند کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ودھان، ایک پردھان، ایک
نشان کے نعرے کو دوبارہ معرض وجود میں لایا۔ پرجا پریشد کے صدر پریم ناتھ ڈوگرہ
نے اپنے ایک بیان میں ہند کا آئین مکمل طور ریاست پر نافذ کرنے کا مطالبہ کیا
بگڑتے حالات پر قابو پانے کے لئے حکومت نے ڈیفنس رولز کا دفعہ ۵۰، جموں
شہر اور اس کے ارد گرد پانچ(۵) میل علاقے پر نافذ کیا۔ اس سے حالات سدھرنے کے
بجائے بے قابو ہوئے، جس کی بنا پر شہر کو فوج کے حوالے کر کے ۷۲ گھنٹے کا کرفیو
نافذ کیا گیا۔ پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ اور دوسرے پریشدی لیڈر گرفتار کئے گئے۔
تحریک کو آنچ لگی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے فرقہ پرست لیڈروں
نے اس کی حمایت میں بیانات داغنے شروع کئے اور مطالبہ کیا گیا کہ شیخ محمد
عبداللہ کو وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ جموں کو کشمیر سے الگ کیا جائے
اور مہاراجہ ہری سنگھ کو حسب سابقہ ریاست کا راج سونپا جائے۔

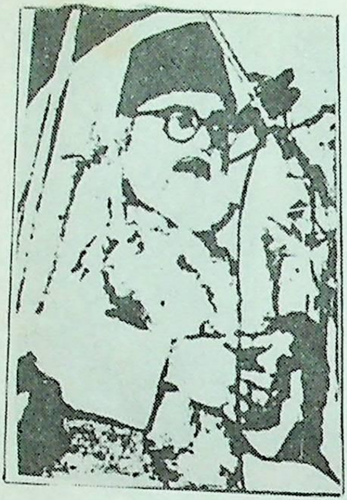
شیخ محمد عبداللہ پارلیمنٹ میں

ہندوستانی پارلیمنٹ میں بھی اس موضوع پر خاصا ہنگامہ ہوا۔ ہندو اکثریت نے وزیر اعظم ہند کو اپنے غم و غصے کا ہدف بنایا جس سے لرزہ براندام ہو کر انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو ۶ مارچ ۱۹۵۲ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرنے کی دعوت دی تاکہ ایوان کے ممبران صحیح حالات سے باخبر ہوں۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں ریاستی سیاست کا پس منظر اور جاگیردارانہ نظام کی برائیوں کو ایک ایک کر کے گن گن کر جموں کی پرجا پریشد کی تحریک کے مضر اثرات کو اپنا موضوع سخن بناتے انتہائی صبر و ضبط اور نرم لب و لہجے میں کہا "جموں میں حال ہی میں چند شر پسند عناصر کی انگیخت پر جن طلبائے افراتفری پھیلانے کی کوشش کی وہ اس وقت نظر بند ہیں لیکن مجھے انکی نظر بندی پر کوئی خوشی نہیں ہوئی ہم انکو کسی بھی وقت رہا کرنے پر تیار ہیں' بشرطیکہ ہمیں ان کی طرف سے یہ یقین دلایا جائے کہ آئندہ وہ کبھی ایسی ناجائز حرکت نہیں کرینگے چونکہ ہندوستان کے آئین میں ریاست کشمیر کو ایک امتیازی درجہ دیا گیا ہے' لہذا یہ بات ضروری ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کا امتیازی درجہ بدستور قائم رہے۔ جموں میں پرجا پریشد کے نام پر چند آدمی شور مچا رہے ہیں' وہ ریاست کی موجودہ صورت حال اور حالات کی نزاکت کو سمجھنے اور اس کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے ہیں پھر بھی انہیں آئینی طریقہ سے نیشنل کانفرنس کی مخالفت کرنے سے روکا نہیں جا سکتا ہے"

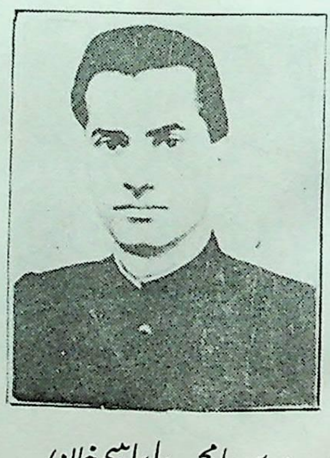
ہند پارلیمنٹ میں گھٹنے ٹیکنے کے بعد نئی دہلی سے واپسی پر جموں پہونچکر شیخ محمد عبداللہ نے ایک اور بیان دیا جس میں کہا گیا کہ حکومت نے با دل ناخواستہ پرجا پریشدی لیڈروں کو گرفتار کیا ہے جبکہ ریاستی حکومت کی خواہش ہے کہ ریاست میں امن و اماں کا ایسا ماحول ہو جس میں ہر فرد آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ ہلڑ بازی اور ہنگامہ خیزی سے نہ سیاسی مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں اور نہ عوام کا بھلا ہو سکتا ہے لیکن پریشدیوں نے اس بیان میں مخفی صلح و صفائی اور افہام و تفہیم کی پیشکش کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور نہ حالات میں کوئی تبدیلی آئی۔ تقریباً ایک ماہ بعد جموں کے بگڑتے حالات اور



جناب میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ



جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی



جناب سردار محمد ابراہیم خان



نہاراجہ ہری سنگھ



شری وید بھسین
ایڈیٹر "کشمیر ٹائمز" جموں



مولانا محمد سعید مسعودی



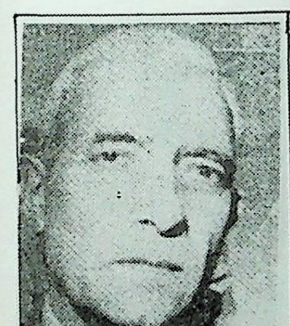
سر بی۔ این۔ راؤ



سر گوپال سوامی آئینگر



جناب محمد اقبال چاپری



خواجہ علی شاہ

ہندوستانی رائے عامّہ کا منہ بند کرنے کے لئے مرکزی وزیر امور کشمیر گوپال سوامی آینگر ۵ اپریل کو جموں آئے۔ ۶ اپریل کو ان کے اعزاز میں شہریوں کی جانب سے عصرانہ دیا گیا اور سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ عصرانہ کی پارٹی میں شیخ محمد عبداللہ نے ڈرامائی طور پہ اعلان کیا کہ پرجا پریشد کے گرفتار شدہ کارکنوں کو گوپال سوامی آینگر کی تشریف آوری کی خوشی میں رہا کیا جاتا ہے۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ شیخ محمد عبداللہ نے دانستہ طور مرکز کے دباؤ کو "تشریف آوری" کا خوبصورت نام دے کر حکم کی بجا آوری کی۔ گوپال سوامی آینگر نے سپاسنامہ کے جواب میں مختصر مگر معنی خیز تقریر کرتے کہا "ریاستی حکومت نے پرجا پریشدیوں کو رہا کرکے جو کارروائی کی ہے اس سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوتی ہے کہ حکومت ریاست کی تمام سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے کی خواہاں ہے۔ اس بات میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے کہ ریاستی حکومت نکتہ چینی کا احترام کرتی ہے لیکن نکتہ چینی کی آڑ میں ریاست کے امن و امان کو درہم برہم کرنے اور تخریبی کارروائیوں کی کوشش کو ناکام بنانا حکومت کا فرض ہے۔ گو اس عمل سے جموں میں قدرے سکون ہوا لیکن کدورتیں دلوں میں پلتی رہیں۔ چنانچہ ایک ودھان، ایک پردھان، ایک نشان نعرے کے حق میں دہلی کی حکمران جماعت میں بھی ایک بااثر طبقے نے اسے واجب اور وقت کی ضرورت کے عین مطابق کہہ کر دبی زبان میں اس کی تائید کرتے اپنے لب و لہجہ اور انداز گفتگو میں لچک پیدا کی جس سے نیشنل کانفرنسی لیڈرشپ حیران و ششدر ہو کر رہ گئی اور اس فکر و سوچ کے تدارک کی تدبیریں سوچنے پر مجبور ہوئی۔

جمہوریہ کے اندر جمہوریہ

اس طرح سیاسی مقاصد کی تبدیلیوں کے بدلتے ہوئے اس ناخوشگوار موسم میں سینما کی متحرک تصویروں کی طرح بیان بازیوں اور جوابی بیانوں کا جو نیا سلسلہ جاری ہوا

ان میں پرجاپریشدی مطالبات کو ہندوستان کے حق میں حیات بخش قرار دے کر تعریفیں کی گئیں بلکہ ان میں ریاست جموں و کشمیر کے وسیع تر مفادات کے اسم اعظم جتلا کر انکی تبلیغ و تشریح میں منہمک ہونیوالوں نے نیشنل کانفرنسی قیادت کو صبر و ضبط اور ٹھنڈے دل و دماغ سے غور و فکر کرنے کی فہمائش کے درس کو بھی شامل کیا گو کہ بیانات میں سیاسی حکمت عملی سے کہیں زیادہ ناصحانہ انداز تکلم روا رکھا گیا تھا لیکن اس لب و لہجہ نے یقیناً نیشنل کانفرنسی قیادت کو جھنجھوڑ کے چھوڑا چنانچہ یکم اپریل ۱۹۵۲ء کو مرزا محمد افضل بیگ (جو ریاست کی مجوزہ آئین ترتیب دینی والی کمیٹی کے صدر بھی تھے) نے جموں میں آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں مجوزہ آئین کا خاکہ پیش کرتے کہا:-

"کشمیر ہند یونین کے اندر ایک جمہوریہ ہوگا۔ جو آئین ساز اسمبلی قائم کی گئی ہے وہ اس بات کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی کہ ریاست کے جھنڈے کا نشان کیسا ہونا چاہیئے۔ اگرچہ اس وقت صورت یہ ہے کہ ریاست میں ہند یونین کے جھنڈے کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر بھی آئین ساز اسمبلی ہی اس بارے میں آخری فیصلہ کر سکتی ہے۔ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اس وقت ریاست جموں و کشمیر دفاع رسل و رسائل اور امور خارجہ کے معاملات میں ہند کے ساتھ ملحق ہے جبکہ مالی معاملوں میں بالکل آزاد ہے اور اس بات کا فیصلہ کرنے کی مجاز بھی ریاست کی دستور ساز اسمبلی ہے کہ ان مین انتظامی معاملات کے علاوہ دیگر کن معاملوں میں کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ الحاق ہونا چاہیئے۔ ویسے ریاستی آئین کے لحاظ سے جمہوریہ ہند کے اندر ہماری ریاست کی حیثیت ایک جمہوریہ کی سی ہوگی۔ جوڑے شدہ معاملوں کو چھوڑ کر ہر لحاظ سے آزاد اور خود مختار ہوگی"

بھکائے اور رخار کھائے ہوئے پرجاپریشدی مرزا محمد افضل بیگ کے بیان پر تلملا اٹھے اور جب ۷۔ اپریل ۱۹۵۲ء کو پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ اور ان کے ساتھی رہا کئے گئے انہوں نے اپنے سیاسی ڈھول کا سر تال ملانے کے لئے جہاں شیخ محمد عبداللہ اور ان کی

حکومت کو اپنی سبھاؤں میں ہدف عتاب بنایا، وہاں مرزا محمد افضل بیگ کے نظریۂ جمہوریہ کے خلاف مختلف ہندوستانی لیڈروں کے حرف تف والے بیانات میں کڑی وارننگ اور انتباہ کی تاکید کرتے اپنے بھرپور غصہ کا اظہار کیا اور کہا کہ مرزا محمد افضل بیگ دیوانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ پیش گوئیاں بھی کرنے لگے کہ جلد یا بدیر ریاست میں ہمارے طرز فکر کی حکومت قائم ہوگی۔ مرزا محمد افضل بیگ اور اسکے رہنما کو ہمارے نظریۂ فکر کے دائرے میں رہنا ہوگا۔

شک و شبہات سے بھرپور تقریر

صبر آزما ذہنی سکوت کو توڑنے میں ان توبہ شکن حالات نے شیخ محمد عبداللہ کے طیش کو آنچ دی اور انہوں نے پہلی بار ۱۰ اپریل ۱۹۵۲ء کو غیر مبہم الفاظ میں شک و شبہات سے بھرپور اپنی منقار رنبیر سنگھ پورہ جموں میں کھولی۔ یہ تقریر ہندوستانی سیاسی مزاج اور انکے ساتھ کئے قول و قرار اور توقعات کے خلاف ریاستی وزیر اعظم کی معنی خیز تقریر تھی جس کا دہلی میں بڑی سنجیدگی سے نوٹس لیا گیا حتیٰ کہ ریاستی حکومت میں شیخ محمد عبداللہ کے خیر خواہوں نے بعد از اں تقریر کو توڑ مروڑ کے اس کا ایک نیا متن بھی جاری کیا لیکن تیر نشانے پر بیٹھ چکا تھا اور جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ایک ایک نقطے کو دہراتا رہا۔ اس سے ہندوستانی سیاسی قیادت نے شیخ محمد عبداللہ کے ذہنی افتاد کا تعین کر کے اپنی نئی حکمت عملی مرتب کی۔ تقریر کی اہمیت کے پیش نظر اسکا متن ملاحظہ کیجئے۔

"ہم شرطیا یا استثنےٰ کے بغیر ہند کے ساتھ الحاق قائم کرنا تو چاہتے ہیں لیکن ہم تب تک ایسا کیسے کر سکتے ہیں جب تک ہمیں اس بات کا یقین نہیں ہو جائے گا کہ وہاں فرقہ پرستی کی بیخ کنی ختم ہو گئی ہے۔ ایک بار جب ہمیں اطمینان ہو جائے کہ ہند میں فرقہ پرستی کی قبر کھود دی گئی ہے۔ تو اس صورت میں ہم ریاست پہ ہند کا آئین سالم صورت میں لاگو

سکئے جانے کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن ابھی تک اس تعلق میں ہمیں پوری طرح سے اطمینان نہیں ہوا ہے۔

ٹھیک ہے کہ ہند کے عوام یہ رائے رکھتے ہیں، کہ وہاں فرقہ پرستی کو قطعی طور پر ختم کیا گیا ہے۔ لیکن اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس ملک میں فرقہ پرستانہ جذبہ ابھی موجود ہے۔ بہت سے کشمیریوں کو یہ ڈر ہے کہ اگر پنڈت نہرو کو کچھ ہو جائے یا کوئی اور ایسی بات (یعنی فرقہ پرست قوتیں برسر اقتدار آجائیں) ہو جائے تو ان کا یا ان کی پوزیشن کا کیا ہوگا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم بھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتے، واقعیت پرستوں کی طرح کشمیریوں کو ہر صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے پہلے ہی سے تدبیر کرنی چاہیئے۔ اس بنا پر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ کشمیر کا جداگانہ وجود ختم کرانے کے خواہاں ہیں۔ انہیں ان عملی حقیقتوں کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، جن سے ہم دوچار ہیں، ہند کے آئین میں کشمیریوں کو جو خصوصی درجہ دیا گیا ہے وہ کئی ایسی وجوہات کا نتیجہ ہے جو ناگزیر حقیقتوں پر مبنی ہے۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل ایسی عظیم شخصیتوں کو شدت کے ساتھ اس بات کا احساس تھا کہ جہاں تک ریاست جموں و کشمیر کا تعلق ہے، اس کے لئے آئین میں خاص شرائط رکھنے ضروری ہیں جن وجوہات نے انہیں ایسا کرنے پر متحرک کیا ان کا جواز آج بھی قائم ہے۔ اس وقت یہ بات محسوس کی گئی کہ کشمیر کے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے اپنے مسائل ہیں جو انہیں حل کرنے ہیں۔ ہم ان ہی دنوں پاکستانی حملہ سے بال بال بچ گئے تھے اور افواج و اقسام کے مصائب نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ ان واقعات کے نتیجے میں ایک خاص صورت حال پیدا ہوئی تھی جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو لوگ بے توجہی سے کہا کرتے ہیں کہ کشمیر کو تمام امور میں ہند سے مکمل الحاق قائم کرنا چاہیئے، انہیں میں متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ پھر جھگڑے کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر

ہند کے آئین میں ریاست جموں وکشمیر کو خصوصی درجہ نہیں دیا گیا تو ہم کیونکر کشمیری مسلمانوں کے پاس جا کر انہیں یقین دلا سکتے ہیں کہ ہند کشمیر کے اندرونی معاملوں میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہند ہمارے اندرونی معاملوں میں دخل دے گا لیکن اس تعلق میں اس بات کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے جس سے جذبات کہتے ہیں ہم نے دفاع، مواصلات اور امور خارجہ کے سلسلے میں ہند سے الحاق قائم کیا ہے۔ دوسرے امور اس معاہدہ الحاق سے خارج ہیں ایسا ہم نے اس غرض سے کیا کہ ہم اندرونی معاملوں میں ایک قسم کی خود مختاری کے خواہاں ہیں۔ اب ریاست کے کچھ لوگوں اور بعض ہندوستانی اخباروں نے اپنی قسمت بنانے کے لئے ہمارے بنیادی حق تک کو چیلنج کرنا شروع کیا ہے۔ وہ ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اگر ہند میں فرقہ پرستی دوبارہ زور پکڑے تو اس صورت میں کشمیر کا کیا ہوگا۔ ایسے حالات میں ہم کشمیر کے مسلمانوں کو کیسے یقین و اطمینان دلا سکتے ہیں کہ ہند کشمیر کو نگلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

میں ہند اور پاکستان کو ایک ہی درجہ نہیں دیتا۔ دونوں میں کافی فرق ہے۔ مثلاً جہاں پاکستان میں حکام فرقہ پرستی کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ وہاں ہند میں حکومت فرقہ پرستی کو ختم کرنے کے لئے کوشاں ہے چہ جائیکہ اس کام میں ان کی کوششیں پوری طرح سے بار آور نہ ہوئی ہو لیکن جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے یہ ہند اور پاکستان دونوں کو غیر مذہبی جمہوریت کا پیغام دینے کا خواہشمند ہے۔ ہم کشمیری ہند اور پاکستان کے درمیان ایک پل کا کام دیتے ہوئے محبت کے رشتوں سے ایک دوسرے کے ساتھ باندھنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اگر میرا خواب پورا ہو جائے تو اس کی تکمیل پر مجھ سے زیادہ اور کوئی فخر نہیں کر سکتا۔

مجھے اس بات پر سخت تعجب اور بہت دکھ ہے کہ ہندوستانی پریس نمائندوں اور اخبارات کے بعض مقامی نامہ نگاروں نے نازک اور پیچیدہ وجوہات کی بنا

پر ہماری طرف سے کشمیر کے لئے خصوصی درجہ برقرار رکھنے کی خواہش کو غلط سمجھا ہے اور اس پر خواہ مخواہ اور بے مقصد نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ اگر ایسے اخبار نویس اور اخبارات اس وہم میں مبتلا ہیں کہ اس طرح سے وہ ہند یا کشمیر کی کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ وہ اس قسم کی حرکات سے ہند اور کشمیر کے باہمی رشتے کو توڑنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔ اگر وہ بروقت میری اس تنبیہ پر دھیان نہیں دیں گے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہند کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو توڑنے کا باعث بھی بن جائیں گے۔ نیشنل کانفرنس کسی کو دھوکہ نہیں دینا چاہتی ہے۔ میں نے حقائق کو آپ کے سامنے من وعن پیش کیا ہے۔ ہماری پوزیشن روز روشن کی طرح صاف ہے۔ چاہے ہماری سیاسی اقتصادی آئینی خودمختاری کا سوال ہو یا حکمران خاندان کے مستقبل کا مسئلہ نیشنل کانفرنس نے متعدد بار اس بارے میں اپنی پوزیشن بالکل واضح کردی ہے۔

میں ہندوستانی اخبارات کو یہ بات صاف طور سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ شیخ عبداللہ دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ نہ تو ہند و پاکستان کے سامنے جھکے گا اور نہ ہی امریکہ یا کسی اور طاقت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے لئے تیار ہے۔ ہندوستانی اخبارات کو یہ بات ایک ہی بار سمجھ لینی چاہیئے۔ اگر وہ سمجھ جائیں گے تو اس سے آئیندہ غلط فہمیاں پیدا ہونے کے اندیشوں کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے۔"

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں جس انداز سے ہند کے آئین کو سالم صورت میں ریاست پر نافذ کرنے کے مطالبے کو مخفی انداز میں طفلانہ اور جو اس باختہ لوگوں کی دلیل قرار دیکر مسترد کیا اسی زاویہ نگاہ سے اسکے دور رس اخذ نتائج و سیع معنیٰ و مطلب کے تناظر میں ہندوستانی رہنماؤں کے دوش بدوش نیشنل کانفرنسی لیڈروں میں جو ریاست کا ہند سے الحاق کے حامی تھے اور اپنی مرضی ہندوستانی لیڈروں کے تابع کر چکے تھے میں سراسیمگی اور بے چینی پھیلا دی

پنڈت نہرو کا معنی خیز نقطہ

چنانچہ اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے وزیر اعظم ہند نے اپریل ۱۹۵۲ء کے دوسرے

ہفتہ میں جلیانوالہ باغ ڈے کی تقریب پر اپنی تقریر میں وزیر اعظم کشمیر کے رنبیر سنگھ پورہ کے بیان کے پس منظر میں جموں پرجا پریشد کی تحریک کو ہدف ملامت بناتے یہ معنی خیز نقطہ ابھارتے کہا: "حکومت ہند کی طرف سے بار بار اس حقیقت کا اعادہ کیا گیا ہے کہ کشمیر کے عوام اپنے مستقبل کے متعلق فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں وہ اس اعلان پر ابھی تک ثابت قدم ہیں کشمیر نے دوسری کئی ریاستوں کی طرح ہند سے دفاع امور خارجہ اور مواصلات کے سلسلے میں جو جزوی الحاق قائم کیا ہے۔ بعد میں بہت سی ریاستوں نے کچھ اور بھی حکومت ہند کے دائرہ اختیار میں منتقل کیا لیکن کشمیر کی پوزیشن میں ابھی ایسی کوئی تبدیلی نہیں آئی"۔ وزیر اعظم ہند کی تقریر کے مندرجہ صدر اقتباس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ در اصل وہ ہند میں ادغام شدہ دوسری ریاستوں کی مانند ریاست جموں وکشمیر میں بھی کچھ اور کی بنیاد پر ہند کی گرفت مضبوط بنانے کے خواہشمند ہیں اور ریاستی وزیر اعظم کو یہ باور کرانا مقصود تھا کہ جس ڈھنگ سے وہ حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں انکی نوعیت یکسر بدل گئی ہے۔ یہ بہترین موقع ہے کہ وہ نئے حالات کی مطابقت سے اپنے تئیں ہم آہنگ اور ذہنی طور تیار ہو کر اپنی فطری صلاحیتوں کے پیچ وخم میں نئی دانشمندی کی پیوندکاری سے اپنے سیاسی ضمیر کو آشنا کر کے جدید چانکیائی سیاسی حکمت عملی کو سمجھیں لیکن ریاستی وزیر اعظم یا تو اس نقطے کو سمجھ نہ پائے یا اسے وزیر اعظم ہند کی سادہ لوحی سمجھ کر نظر انداز کر بیٹھے جس نے آگے چل کر انکے مابین قطبین جیسی خلا پیدا کی اور اندر ہی اندر وہ نظریاتی اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا ہو کر رہ گئے جسکے اثرات سے نہ صرف ریاست کی سیاسی اقتصادی اور ثقافتی قدریں پامال ہوئیں بلکہ انکی عمل آوری منجمد ہو کر رہ گئی۔ عوامی رابطوں کا تال میل ٹوٹ گیا اور نفرت وحقارت کی دیواریں اونچی ہونے لگیں غرض الزامات اور جوابی الزامات کا ایک نیا دور شروع ہوا جس سے حالات مخدوش سے مخدوش تر ہوتے گئے۔

اسی دوران مفتی محمد شاہ مورخ کشمیر اور پیرزادہ غلام احمد مہجور وفات پاگئے ۱۱ اپریل ۱۹۵۲ء کو مہجور کی نعش جلوس کی صورت میں پلوامہ سے سرینگر لائی گئی۔ خانقاہ معلےٰ کے احاطے میں نماز جنازہ

دا ہوئی اور اتھواجن سرینگر میں سپرد خاک کئے گئے ۔ ۱۸ اپریل کو فاتحہ خوانی کی تقریب منعقد ہوئی ۔ سوگواروں کی محفل میں مرزا کمال الدین شیدا، ماسٹر زندہ کول، پیر عبداللہ شاہ اور عبدالستار رنجور نے مرائی پڑھی ۔ وادی کے لوگوں کو حالات حاضرہ کے سنجیدہ مشاہدے اور سیاسی افراتفری کے نشیب و فراز سے دور رکھنے کے لئے بخشی غلام محمد نے غلام احمد مہجور کی وفات پر خاصا اہتمام کیا چنانچہ شیخ محمد عبداللہ کے تازہ افکارات سے لاتعلقی کا پہلا نظارہ نیشنل کانفرنس لیڈروں نے مجاہد منزل سرینگر میں کارکنوں کے ہفت روزہ اجتماع میں کیا جس میں بخشی غلام محمد، غلام محی الدین ہمدانی اور مولانا محمد سعید مسعودی نے انسانم انسانم کے سدابہار اُپدیش دیئے لیکن رنبیر سنگھ پورہ میں جو کچھ انکے لیڈر نے کہا سانپ سونگھے ہوئے فرد کے مانند ان میں سے کسی نے اس پر اپنی چونچ نہیں کھولی ۔ البتہ ریاستی نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے اپنی تقریر کے اختتام پر کارکنوں سے اپیل کی کہ وہ جمعہ کے روز آثار شریف حضرت بل جائیں گے جہاں ریاستی وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ تقریر کرنے والے ہیں اور وہ آپکو تازہ سیاسی واقعات سے روشناس کرائیں گے ۔

سیاست کم صفائی زیادہ

۱۸ اپریل جمعہ کو حضرت بل میں نمازیوں کی تعداد کچھ زیادہ تھی ۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں ۱۹۳۱ء سے ۱۹۵۲ء تک کے جملہ سیاسی واقعات کا جزوی اعادہ کیا لیکن اس تقریر میں جہاں کہیں میر واعظ مولوی یوسف شاہ یا پاکستان کا ذکر آیا حسب سابقہ کسی غصہ یا نفرت کا اظہار نہیں کیا ۔ البتہ اتنی شکایت ضرور کی کہ ان دوستوں نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی، جس کی بنا پر کبھی مجھے ہندوں کا ایجنٹ کہا، کبھی جواہر لال نہرو کا تنخواہ دار بندہ، کبھی ملت فروش اور مسلمانوں کا غدار کہنے سے باز نہیں آئے حتیٰ کہ مجھ پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ میں نے بنارس میں اپنے ماتھے پر تلک ٹیکہ لگوایا اور ہندو بن گیا ہوں ۔ یہ سب کچھ انہوں نے میرے قوم پرست ہونے کی وجہ سے کہا، انہوں نے اپنی ساری تقریر میں سیاست کم اور ذاتی صفائی زیادہ پیش کی البتہ عام لوگوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہے کہ میں صبح کا بھولا ہی لیکن شام کو واپس گھر لوٹ آنے پر مجھے بھولا نہ سمجھا جائے



جناب غلام محمد بٹ ۔ جناب علی محمد نائیک جناب غلام محمد شاہ اور جناب غلام نبی کوچک ۔



جناب غلام قادر جانباز ۔ جناب غلام محمد بٹ ۔ جناب غلام رسول کوچک ۔ جناب حسام الدین بانڈے
اور جناب غلام احمد شونٹھو ۔



مہاراجہ ہری سنگھ ——— اور ——— پنڈت جواہر لال نہرو



جناب غلام محمد سالار



ڈاکٹر سید نصیر احمد شاہ



پنڈت نند لال وانٹل

تقریر کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے اپنے پاکستانی دوستوں اور اخباروں کو مخاطب کرتے کہا "انہیں خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ انکا یہ کہنا بے جا اور بے مقصد ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کو اب حق و صداقت اور سچائی نظر آئی ہے۔ میں ان پر واضح کرنا چاہتا ہوں یہ معاملہ شیخ محمد عبداللہ کو خوش یا ناراض کرنے سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ صرف شیخ عبداللہ کی واحد ذات کے مستقبل اور قسمت کا سوال ہے اس سے چالیس (۴۰) لاکھ کشمیریوں کی قسمت بن اور بگڑ سکتی ہے۔ نہ صرف اتنا بلکہ کشمیریوں کی آیندہ نسلوں کا سوال بھی اس سے وابستہ ہے۔ ہمارا موقف کسی کی تعریف یا گالیاں دینے سے بدل نہیں سکتا۔ ہمیں اپنے گرد و نواح پر گہری نظر رکھ کر یہ دیکھنا ہے کہ کس پر اعتبار اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

بگڑے بگڑے ہوئے سرکار نظر آتے ہیں

شیخ محمد عبداللہ کی معنی خیز دو غلی اور ذو معنی تقریر سے کشمیری عوام پر یک گونہ خوشگوار اثر مرتب ہوا۔ چنانچہ وہی لوگ جو آثار شریف حضرت بل کے اسی احاطہ میں انکی تقریر میں خلل ڈالنے کی خاطر ما قبل صلوٰۃ صلوٰۃ کی آوازیں دے کر نماز کھڑی کرتے تھے اس تقریر کے بعد انہیں سننے کے لیئے بے تاب نظر آنے لگے۔ اب نہ نماز قضا ہونے کا اندیشہ ستانے لگا اور نہ غم روزگار کا بہانہ سد راہ بنا۔

آر ایس پورہ کی تقریر کے بعد ہندوستان کے اکثر اخبارات تلملا اٹھے سیاست کاروں کی بیقراری رنگ لانے لگی اور پاکستانی اخبارات نے بغلیں بجانی شروع کیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس سیاسی ہیجان کے زیر نظر ۲۵ اپریل بروز جمعہ مطابق ۲۶ رجب المرجب ۱۳۷۱ ھجری معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اختتامی تقریب پر آثار شریف میں زائرین سے خطاب کرتے غیر مبہم الفاظ میں اپنے مخصوص انداز میں وہ تمام باتیں بلا کم و کاست دہرائیں جو ریاست کے اندر اور باہر کشمیر اور ہند کے تعلقات کے بارے میں اٹھائی جا رہی تھیں اور جنکا

جواب دینا وہ لازمی سمجھتے تھے۔ بقول ان کے تاکہ پھر کسی کو غلط فہمی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ذیل میں ان کی کئی تقریروں کا نچوڑ اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے:

"دستور ساز اسمبلی کے سامنے بنیادی طور پر (۴) چار مقاصد ہیں (۱) اس ملک کا آئین بنانا جس کی بنیاد پر اس ملک کا آیندہ نظام تشکیل دیا جائے (۲) شخصی نظام کو قائم رکھا جائے یا نہیں (۳) جاگیرداروں، چکداروں کو معاوضہ دینا جب کہ اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا جائیگا (۴) کشمیر کے لوگوں کا تعلق ہندوستان سے رہے یا پاکستان کے ساتھ رہے یا ریاست آزاد رہے، میں جاگیرداروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے اخبارات کے مخالف پروپیگنڈے سے نہیں ڈرتا ہوں۔ شیخ عبداللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے اور اس عظیم الشان پیغمبر کے پیغام کے مطابق وہ دنیا کی طاغوتی طاقتوں کے سامنے ہرگز نہیں جھکے گا۔ جہاں تک ریاست کی غیر یقینی سیاسی صورت حال کے تعلقات کا سوال ہے آیا اس کا ہندوستان کے ساتھ الحاق ہو یا پاکستان کے ساتھ یا یہ کہ ریاست آزاد رہے۔ اس بارے میں ہماری پالیسی کا علم تمام دنیا کو ہے اور حکومت ہند بھی پوری طرح واقف ہے۔ ہم نے اپنی پالیسی کا اعلان کرنے سے قبل حکومت ہند کو آگاہ کیا تھا۔ لہذا ہم اپنے اعلان کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے نہ کسی بھائی کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور نہ غلط فہمی کا شکار رہنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہند اور کشمیر کا موجودہ تعلق صرف (۳) تین امور پر مبنی ہے۔ باقی معاملات میں کشمیر کے لوگ آزاد ہیں بلکہ جانبین کا ایک معاہدہ بھی ہوا ہے اور اس پر پارلیمنٹ کی مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے۔ جب ہم اس کا ذکر کرتے ہیں، ہند کے بعض لیڈر ناراض ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ اس معاہدے کو توڑنا چاہتے ہیں تو یہ ان کا اختیار ہے۔ مگر ہم تو ایسا نہیں چاہتے۔ ہم نے اس ارادے کے ساتھ معاہدہ کیا ہے تاکہ قائم رہے۔ اس پر اگر وہ راضی نہیں تو اس

میں میرا اور کشمیری عوام کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دھمکیوں اور گالیوں سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان نے بھی ہماری سپلائی بند کی تھی لہٰذا ہندوستانی یہ نہ سمجھیں کہ ہماری زندگی انکی تجارت روپے اور فوج پر انحصار کر رہی ہے۔ کشمیریوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رہا ہے اور وہی ہوگا جو وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوگا کیوں کہ وہ مسبب الاسباب ہے کشمیر کا مسئلہ ایک واحد شخص کا مسئلہ نہیں ہے چالیس (۴۰) لاکھ انسانوں کا مسئلہ ہے دھمکیوں اور گالیوں سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ اب یہ ان کے اشارہ پر منحصر ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ گاندھی جی ہماری مدد کرنے کے لئے معاوضہ نہیں چاہتے تھے جب کہ فی زمانہ بعض لوگ ایسا کہہ رہے ہیں۔ چونکہ جموں میں ہندوں کی اکثریت اور لداخ میں بودھوں کی تعداد شمالی علاقہ کٹ جانے سے زیادہ ہوئی ہے۔ اسلئے ان علاقوں کو کشمیر سے الگ کرنے کا مطالبہ ہو رہا ہے نیشنل کانفرنس کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ نہ تو ہم کسی کے غلام بن کر رہنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو غلام بنائیں گے، ہم کسی کو مجبور نہیں کریں گے۔ آپ دشمنوں کی افواہ پر کان نہیں دھریں کہ حکومت ختم ہوگئی ہے میں اس درگاہ میں آپ کو ایک بار پھر یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی عزت آبرو جان و مال اور آزادی کو ہم کبھی نہیں بیچیں گے، آپ ہم پر اعتماد رکھیں میں جنگ بندی لائن کے پار پابند جولان بھائیوں سے کہنا چاہتا ہوں ہمارا ملک ایک ہے اور ہم نے آزادی کی جدوجہد جاری رکھی ہے۔ ہمارا مقصد ہی یہ رہا ہے کہ اس ملک کو غلامی سے آزاد کیا جائے۔ آپ غلامی کا طوق اپنی گردنوں سے اتارنے کے لئے خود بھی جدوجہد کریں۔ مجھے کشمیریوں سے امید ہے کہ وہ آدھی روٹی پر قناعت کریں گے لیکن کسی کا بار احسان نہیں ہونگے آپ کے چاروں طرف دشمن اور خطرناک حالات ہیں، اگر آپ قوم کی کشتی کو بھنور سے نکالنا چاہتے ہیں تو آپ کو کوئی ایسی حرکت یا بات نہیں کرنی چاہیئے جس سے میرا

کام مشکل بن جائے گا۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو امن اور آزادی کے دلدادہ نہیں وہ ہمارے دوست نہیں وہ ٹکوں کے عوض ملک کے مفاد کو قربان کر دینا چاہتے ہیں اس قسم کے شیطان سیرت لوگ کبھی مسلمان کبھی ہندو کبھی سکھ کی صورت میں ملک کے اندر امن و اتحاد بگاڑنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان پر کڑی نظر رکھنی لازمی ہے اور انہیں ناکام بنانا آپ لوگوں کا کام ہے۔

ممبران پارلیمنٹ سے توقع

اپریل ۱۹۵۲ء میں نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے مولانا محمد سعید مسعودی، سید محمد شاہ جیلانی اور غلام قادر گاندربلی (شبیر گاندربلی) کو ہند پارلیمنٹ کے لئے ریاست کی جانب سے نامزد کیا جس سے ریاستی اسمبلی کی بالترتیب امیراکدل، بڈگام اور کنگن کی نشستیں خالی ہوئیں۔ ان پر اس جماعت نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے متبادل ممبران کے ناموں کا اعلان کیا۔ متذکرہ صدر اصحاب کے اعزاز میں ایک خصوصی الوداعی تقریب ہوئی جس میں تقریر کرتے شیخ محمد عبداللہ نے مولانا مسعودی سے خاص طور پر توقع ظاہر کی کہ وہ پارلیمنٹ میں کشمیریوں کی صحیح نمائندگی کریں گے، اور کہا:۔

> "ہند اور کشمیر کا تعلق دو دوستوں کی دوستی سے قائم نہیں ہے بلکہ یہ دوستی اور آدرش اونچے اصول پر مبنی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ جہاں پنڈت نہرو بھی موجود تھے، میں نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ کشمیر اور ہند کا تعلق اصولوں کی ہم آہنگی پر مبنی ہے اور اسی مشن کو لے کر ہمارے دس ساتھی ہند پارلیمنٹ میں جارہے ہیں اور ان کی رہنمائی کے لئے مولانا محمد سعید مسعودی جیسے رہنما اور ممتاز سیاستدان موجود ہیں"۔

اس موقعہ پر پنڈت شیو نرائن فوطیدار نے شیخ محمد عبداللہ کو بھرپور مسکہ لگاتے کہا، "کشمیر کے ہندو سکھ مسلمان اور عیسائی ایک ہی ازم کو جانتے ہیں وہ ہے عبداللہ ازم جو انسانیت، مساوات، رواداری اور سیکولرازم کا مجموعہ ہے۔ شیخ عبداللہ اوتار کے مانند ہیں"۔ یہاں اس نکتہ کا بیان لازمی ہے کہ جب ۹ اگست ۱۹۵۳ء

کے وزارتی انقلاب کے بعد شیونارائن نوطیدار نے اس پر اپنے لہجے میں تبصرہ کیا تو اس پرانے اوتار کو راکھشش (بدروح) کے نام سے پکارا اور کہا اس پر قابو پانا وقت کی اہم ضرورت تھی۔

غرض دہلی پہونچ کر مولانا محمد سعید مسعودی نے جو پہلا کام کیا وہ اپنے ساتھیوں سمیت گاندھی جی کی سمادھی پر پھول چڑھائے ۔ ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء کو پارلیمنٹ میں صدر جمہوریہ کے خطبہ پر بحث میں حصہ لیتے انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کی صفائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور انکی فہم و فراست کے گن گاتے کہا۔

"ہم ابتدا سے ہی جناح ازم کے زہریلے اصولوں کے خلاف چلے آئے ہیں خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں چنانچہ ۱۹۴۸ء میں کشمیر پر شمال مغرب کی طرف سے فرقہ پرستی کا حملہ ہوا۔ آج اسی قسم کا حملہ جنوب مشرق سے ہو رہا ہے۔ ہندو مہا سبھائی ممبروں کے حملوں کو دیکھ کر کسی کو عجب ہو تو ہو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوا۔ کیوں کہ ہم جناح ازم کے ان پیروں کو پہلے ہی سے جانتے ہیں۔ یہ سوچنا درست نہیں کہ جناح ازم کے پیرو صرف مسلم لیگ میں ہیں بلکہ ان کے پیرو مہا سبھا اور اس قسم کی دوسری جماعتوں میں بھی موجود ہیں جہاں شیخ محمد عبداللہ اور اس کی جماعت کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ مگر ہم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اپنے آدرشوں اور اصول پر قائم و دائم ہیں"۔

ہم قاتل کے چند گھونٹ

مولانا محمد سعید مسعودی نے وکیل صفائی کا جو رول ادا کیا اس سے متاثر ہو کر کونسل آف سٹیٹس میں لیڈر آف دی ہاؤس گوپال سوامی آئینگر نے شیخ محمد عبداللہ کے شبہات، وسوسوں اور اندیشہ ہائے گوناگوں کو دور کرنے کے لئے معاہدہ الحاق کے تینوں مدوں کو دہراتے ہوئے اس امر کا مکرر اعلان کیا کہ "ہندوستان کشمیر کا مسئلہ پرامن طور پر حل کرنے کا خواہاں ہے جب کہ ہندوستان اس طرز عمل سے ناامید نہیں ہوا ہے"۔ لیکن دوسری جانب پارلیمنٹ میں شیاما پرشاد مکرجی۔ این سی چٹرجی اور

اور دیگر ہیچ پوچ قسم کے مہاسبھائی لیڈروں کی نکتہ چینیوں اور چپقلشوں سے برابر شیخ محمد عبداللہ کی ذات ہدف ملامت بنی ہوئی تھی۔ ان کی نگاہ میں شیخ محمد عبداللہ کٹر قسم کا مسلم فرقہ پرست ہے جس نے اس ہندو ریاست میں داخلے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔" چنانچہ ان لا بے بنیاد خدشات کا ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء کو وزیر اعظم ہند نے پارلیمنٹ میں بیان دیتے ازالہ کرنے کی کوشش کی اور کہا:

"کشمیر اور ہند کے باہمی تعلقات کے متعلق اپوزیشن لیڈروں کی نکتہ چینی کا مرکز شیخ محمد عبداللہ کی رنبیر سنگھ پورہ کی تقریر ہے جبکہ اپوزیشن کے لیڈر یہ نہیں جانتے کہ شیخ عبداللہ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اب جب کہ اس تقریر کی مصدقہ رپورٹ شائع ہوئی ہے یہ مسئلہ یہیں پر ختم ہونا چاہیئے اور یہ اعتراض کیا کشمیری ہندوستانی باشندے ہیں؟ اور کیا کشمیر کے نمائندے پارلیمنٹ میں بیٹھ سکتے ہیں؟ کشمیری ہندوستان کے شہری ہیں؟ اور کیا ہندوستانی آئین نے انہیں یہ حق دیا ہے؟ میں ایسے بے کار سوالات پوچھنے والوں سے کہوں گا انہیں اس قسم کے تمام حقوق حاصل ہیں اور انہیں ان حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کشمیریوں کو بھی حکومت ہند دیگر ہندوستانیوں کی طرح غیر ممالک میں جانے کے لئے پاسپورٹ اجرا کرتی ہے اور یہ ان کا ہندوستانی ہونے کی دلیل ہے۔ جن خدشات کا اپوزیشن اظہار کر رہی ہے وہ لغو اور بے بنیاد ہیں۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کے اس بیان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ریاستی وزیر اعظم کو دوبارہ اسی مقام پر لا کھڑا کیا جائے جہاں وہ کبھی ہندوستان کے حق میں یدِ طولیٰ بنے پھرتے تھے۔ وزیر اعظم ہند اس تجدید عمل میں کہاں تک کامیاب رہے اس کا اندازہ متذکرہ صدر بیان کے بعد شیخ محمد عبداللہ کے ان بیانوں سے لگایا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے مصالحانہ انداز اختیار کر کے نظریاتی تفاوتوں کو دشمنوں کی سازش اور ریاستی حکومت کو گرانے کی اطلاعات کو اغیاروں کی افواہیں قرار دے کر مسائل کو باہمی

صلح وصفائی سے طے کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ البتہ انہیں بخشی غلام محمد کی پُراسرار سرگرمیوں، دوغلے بیانات اور دہلی کی دانستہ سرگوشانہ حرکتوں نے چونکا دیا۔ نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے ایک جانب شیخ محمد عبداللہ کے حق میں رطب اللسان بن کر ان کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کی اور دوسری جانب حکومت ہند کو یہ یقین دلانے لگے کہ وہ ریاستی وزیر اعظم کے بدلتے ہوئے نظریہ سے متفق نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے یکم مئی ۱۹۵۲ء کو عالمی مزدوروں کے دن پر سری نگر میں مزدوروں کی ایک جلسے میں تقریر کرتے کہا:

"شیخ محمد عبداللہ کی پالیسی اور پروگرام روز روشن کی طرح عیاں ہے انہوں نے جو کچھ کہا نیا نہیں ہے۔ بلکہ ابتداء سے ان کا نظریہ یہی ہے۔ ان کا نظریہ ان کے تمام رفقاء کار اور کشمیری عوام کا نظریہ ہے ——— یہ ممکن ہے کہ آسمان زمین پر گر جائے لیکن یہ بات قطعی طور ناممکن ہے کہ کشمیر کے لوگ ہند کے عوام سے دور ہو جائیں ان کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکے گا"۔

بخشی غلام محمد کے الحاق کی حمایت کے صلہ میں وزیر اعظم ہند نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور یہ یقین دلانے کی خاطر کہ تمہاری اصل حیثیں اور اہمیت کسی دوسرے سے کم نہیں ہیں۔ ریاستی وزیر اعظم کے نام اپنے بھیجے ہوئے مکتوبات کی کاپیاں بھیجنی شروع کیں جس سے ریاستی وزیر اعظم کا یہ گماں یقین میں بدلا کہ وزیر اعظم ہند اب مجھ سے کہیں زیادہ بخشی غلام محمد پر بھروسہ کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وزیر اعظم کے اس روش پر سخت ناراضگی یا مایوسی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اپنے احتجاجی مکتوب میں لکھا جس کا حوالہ انہوں نے اپنی سوانح حیات "آتش چنار" مرتب محمد یوسف ٹینگ، میں یوں دیا۔

"یہ طریقہ غلط ہے۔ اگر آپ ریاست میں بخشی غلام محمد کو وزیر اعظم بنانا چاہتے ہیں تو شوق سے بنایئے لیکن اوچھے ہتھیاروں کا استعمال نہیں کیجئے"۔

احتجاجی مراسلے کو رقم کرتے شیخ محمد عبداللہ کو یقیناً غلام محمد صادق کی فراہم کردہ اطلاع یاد آئی ہوگی (جس کا تذکرہ زیر نظر کتاب میں قانونِ مزارِ غاں" کے تحت آیا ہے جس پر صبر و تحمل سے فکر کرنے کی بجائے جلد بازی سے کام لے کر نہ صرف غلام محمد صادق کو دھتکارا گیا تھا بلکہ انہیں کابینہ سے نکال باہر کر کے بخشی غلام محمد کو شیشے میں اتارنے کے جس سیاسی داؤ سے کام لیا گیا تھا وہ بیکار ثابت ہوا۔ دانشمندوں کا اصول ہے کہ بات سن کر اور روپے گن کر دو۔ جب کہ شیخ محمد عبداللہ کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ بات سننے کے زیادہ عادی نہیں تھے البتہ روپے گن کر دینے کے بجائے لینے کے شایق تھے۔ سیاسی نکتہ نگاہ کے لحاظ سے یہ طرز فکر دوستوں کی نسبت دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے۔

معنیٰ خیز شکوہ

مولانا محمد سعید مسعودی کے ممبر پارلیمینٹ بننے کے بعد غلام رسول رینزو نیشنل کانفرنس پارلیمانی پارٹی کے لیڈر چنے گئے۔ اسی دوران ۵ مئی کو قانون سازیہ کا بجٹ اجلاس ہوا۔ یوراج کرن سنگھ کے خطبہ پر اظہار تشکر کی تجویز پر بولتے ہوئے غلام رسول رینزو نے شکوہ کیا کہ یوراج کے خطبہ میں مسئلہ کشمیر کا کوئی ذکر نہیں آیا جب کہ اس کے منصفانہ حل میں ملک اہل ملک اور قومی زندگی کا انحصار وابستہ ہے۔

میں مطمئن کہ تم میرا نصیب بدلوگے
مجھے گماں بھی نہیں مجھ کو تم نے لوٹا ہے

قومی جھنڈا

قطع نظر اس کے ریاستی اسمبلی میں مسئلہ کشمیر کی اہمیت گھٹانے کی غرض سے یوراج کرن سنگھ نے جو دانستہ تساہل کا وطیرہ اختیار کیا اسے بیشتر ممبران اسمبلی نے ریاستی وزیراعظم کے بگڑے تیوروں کے احتمال سے چشم پوشی کی لیکن شیخ محمد عبداللہ کو ان کا یہ طرز عمل ناگوار خاطر گزرا اور انہوں نے اپنی تقریر میں ممبروں کی خاموشی کا سبب جاننے کے ساتھ مسئلہ کشمیر کی اہمیت اور

اور اس کے منصفانہ حل پر اظہار خیال کرکے انکی مخفی تشویش کی تائید کی۔ ۷ جون کو دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں ریاستی وزیر اعظم نے ریاست کا سرکاری جھنڈا مقرر کرنے کے لئے تحریک پیش کی جس میں کہا گیا کہ ریاست کا سرکاری جھنڈا مستطیل شکل اور سرخ رنگ کا ہوگا جس میں تین(۳) باہم فاصلہ پر ہم عرض سفید رنگ کی عمودی دھاریاں جھنڈے کے عین ساتھ ہوں گی اور درمیان میں سفید رنگ کا ہل منعکس ہوگا جس کا دستہ وضع دھاریوں کی جانب ہوگا۔ جھنڈے کا عرض اس کے طول سے ۲/۳ کی نسبت ہوگی۔ اسی سیشن میں جموں و کشمیر کے نئے سرکاری نشان کی بھی تحریک پیش کی گئی۔ ایوان میں جھنڈے کا مظاہرہ بھی کیا گیا اور جھنڈے پر سفید رنگ کی تین(۳) عمودی لکیروں کی وضاحت میں کہا گیا یہ ہماری ریاست کی تین(۳) جغرافیائی خطوں کشمیر، جموں اور سرحدی اضلاع کی ترجمانی کرتے ہیں۔ تحریک کے حق میں شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد، مرزا محمد افضل بیگ، عبدالغنی گونی، مہاشہ نار سنگھ، سید ابراہیم شاہ، سردار بلبیر سنگھ، عبدالغنی ترالی، بھگت رام شرما، سید میر قاسم، ہربنس سنگھ آزاد، شریمتی ایشران دیوی مینی، انور شاہ مسعودی، اسداللہ میر، ہیم راج جنڈیال اور غلام رسول کرائیک نے تقریریں کیں قرارداد پاس ہوئی

تمہاری یاد رہی متاعِ زیست مگر
تمہیں بھلائے ہوئے بھی زمانہ گزرا ہے

موروثی حکمرانی کا خاتمہ

۱۰ جون ۱۹۵۲ء کے دن کو ریاستی سیاسی تاریخ میں اس لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس دن ریاستی آئین ساز اسمبلی میں وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے بنیادی حقوق کی درمیانی رپورٹ ایوان میں پیش کی جس کے تحت ریاست سے موروثی حکمران کے وجود کو ختم کرنا مقصود تھا۔ رپورٹ پر ایوان میں تین دن تک بحث ہوتی رہی۔ بحث میں حصہ لینے والوں میں غلام محی الدین ہمدانی، کرشن دیو سیٹھی، چونی لال کوتوال، اسداللہ میر

سیّد میر قاسم، موتی رام بیگرہ، بخشی غلام محمد، مہاشہ ناہر سنگھ، بھگت رام شرما، سردار ہربنس سنگھ آزاد، پنڈت شیام لال صراف، عبدالغنی گونی، سید ابراہیم شاہ، میجر پیارے سنگھ، ماسٹر غلام احمد بٹ، مبارک شاہ، مولوی محمد انور شاہ مسعودی، ترہیمتی ایشران دیوی، مہتی غلام رسول رینزو، عبدالخالق بٹ، بھگت چھجو رام، گردھاری لال دوگرہ، درگا پرشاد در، عبدالعزیز شال، حکیم حبیب اللہ، مرزا محمد افضل بیگ، رام پیارا صراف اور سردار بلبیر سنگھ قابل ذکر ہیں بحث کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے تحریک کی کہ ایوان کمیٹی کی رپورٹ کو اپنائے اور اسکی سفارش منظور کرے۔ بخشی غلام محمد نے تائید کی اور سپیکر غلام محمد صادق نے ایوان کی رائے دریافت کرنے کے بعد تحریک کی منظوری کا اعلان کیا لیکن اس تمام روئیداد کیلئے پنڈت جواہر لال نہرو کی تائید اور تصدیق لازمی قرار دے کر مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی، سید میر قاسم، ڈی پی در اور ریاست کے آئینی مشیر ایم اے شمیری دہلی گئے۔ اسمبلی میں تحریک پیش کرنے سے قبل جب شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا تھا تو پنڈت جواہر لال نہرو نے انہیں سردار پٹیل سے ملنے کا مشورہ دیا اور خود بھی انکے ساتھ گئے۔ شیخ محمد عبداللہ اور سردار پٹیل کے مابین گفتگو کو سید میر قاسم نے اپنی سوانح "داستان حیات" میں وضاحت سے قلمبند کیا ہے۔ غرض سردار پٹیل نے شیخ محمد عبداللہ سے کہا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت اسلئے ختم نہیں کی جاسکتی کیونکہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے ساتھ ریاست کی شمولیت کی تفصیلات طے کرتے ہیں نے انہیں وچن دیا ہے کہ ریاست کا ہندوستان سے الحاق کی صورت میں آپ کی حکمرانی برقرار رہے گی۔ سردار پٹیل کے منہ سے نکلے ان الفاظ کو سنتے ہی شیخ محمد عبداللہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے اور غصہ بھرے لہجے میں کہا اگر آپ نے مہاراجہ کو وچن دیا ہے تو میں نے بھی عوام کو وچن دیا ہے کہ ہم جاگیردارانہ موروثی حکومت کو ختم کرکے ہی دم لیں گے۔ آپ اپنے وچن کا پالن کیجئے اور ہم اپنے وچن کو بروئے کار لانے کی جستجو کرینگے۔ ان تلخ لمحات میں پنڈت نہرو نے مداخلت کرتے وزیر داخلہ سے کہا، شیخ محمد عبداللہ جو کچھ کہہ رہے ہیں کوئی نئی منطق نہیں ہے بلکہ وہ اپنے اس نظریہ اور ارادے کا اعادہ کر رہے ہیں جسکو روبعمل لانے کے لئے انہوں نے ۱۹۴۶ء میں کوئٹ کشمیر کا نعرہ دیا تھا اب جبکہ وہ ہندوستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی شکل دینا چاہتے ہیں۔ انکے اس عوامی وعدے کو پورا کرنا لابدی امر ہے۔ یہ سن کر سردار پٹیل نے ہتھیار ڈال دیئے جب اس تمام واقعہ کی تفصیلات مہارانی تارا دیوی کو بہم کی گئیں جو سردار پٹیل کے آفس روم کے ساتھ والے کمرے میں تحریری سننے کے انتظار میں بیٹھی تھی غش کھا کر لڑھک گئی اور جب ہوش میں آئیں تو کچھ کہے سنے بغیر آنسوؤں پونچھتی

اٹھا لی گئی۔ سردار پٹیل کی رضامندی پر مہاراجہ کے ہمدردوں کو نہ صرف مایوسی ہوئی بلکہ وزیر اعظم ہند کے نہم و فکر پر اپنی ناپسندیدگی چھپانے سے بھی عار نہیں کیا ایسے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے ۲۴ جنوری ۱۹۵۲ء کو پنڈت نہرو نے کانگریس پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں کشمیر کے تاریخی پس منظر کا ذکر کرتے مہاراجہ ہری سنگھ کی برطرفی اور موروثی حکمرانی کے خاتمہ کو حق بجانب قرار دیتے کہا" اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"کشمیر کی دستور ساز اسمبلی یہ فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ یہ کوئی نیا فیصلہ نہیں بلکہ شیخ عبداللہ ابتداء ہی سے یہ بتلاتے آئے ہیں کہ وہ ریاست میں کامل جمہوری نظام قائم کرنے کے خواہاں ہیں اور حکومت ہند یہ تسلیم کر چکی ہے کہ کشمیر کی دستور ساز اسمبلی شاہی خاندان کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہے البتہ جہاں تک موروثی حکمران کو ختم کرنے اور اس کی جگہ منتخب کردہ ہیڈ آف دی سٹیٹ مقرر کرنے کے فیصلے کو روبعمل لانے کا تعلق ہے، اس بارے میں حکومت ہند اور کشمیر سرکار کے درمیان مزید بات چیت کا انتظار کرنا پڑے گا۔

ریاست کی دستور ساز اسمبلی سب سے پہلے دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کے متعلق ہند سے کئے گئے الحاق کی تصدیق کرنے کی خواہاں تھی لیکن حکومت ہند کی صریح خواہش پر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس قسم کے اقدام ہند کے لئے اس لحاظ سے پریشان کن ثابت ہوتے اور انجمن اقوام متحدہ اور پاکستان کو اس سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتیں"۔

اخباری آراء

شاہی اقتدار کے خاتمے پر ہندوستان کے سرکردہ اخبار حلقوں نے اس کی حمایت میں کیا کہا؟ چند ایک کے اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ:۔ اس فیصلہ کا ان تمام لوگوں کی طرف سے خیر مقدم کیا جائے گا جو جمہوریت سے محبت کرتے ہیں اور جاگیردارانہ سماج کی پرانی اور فرسودہ یادگاروں کو ختم کرنے کے خواہاں ہیں۔

اسٹیٹسمین: "شیخ محمد عبداللہ نے پچھلے سال نومبر میں ریاستی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں اپنی اولین تقریر کے دوران غیر مبہم طور پر کہا کہ ہماری جماعت نہ صرف موجودہ حکمران کو الگ کرنے کی خواہاں ہے بلکہ موروثی حکمرانی کے سلسلے کو بھی ختم کرنے کے حق میں ہے"

ٹائمز آف انڈیا۔ ریاست جموں و کشمیر کی دستور ساز اسمبلی نے موروثی حکمرانی کو ختم کرنے اور جمہوری نظام بحال کرنے کے سلسلے میں جو فیصلہ لیا ہے اس پر کانگریس اور غیر کانگریسیوں کے کچھ حصے غیر ضروری طور پر پریشان ہوئے ہیں اس اہم فیصلے میں کوئی ایسی بات نہیں جسے نامناسب نامعقول غیر جمہوری یا انقلابی کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا ہند سے ریاست جموں و کشمیر کے آئینی الحاق کا کوئی تعلق ہے جو ایک الگ ہی بنیاد پر قائم ہے"۔

ہندوستان سٹنڈارڈ:۔ "ایک حکمران خاندان کی مذموم حرکت اور وجود کا خاتمہ ہو گیا ہے اور خاندانی راج کو تاریخ کے کوڑہ دان (DUST BIN) میں پھینک دیا گیا ہے"۔

قومی آواز لکھنؤ:۔ موروثی حکمرانی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے فیصلہ کے پیچھے اور تناظر میں عوام کے آہنی عزم و استقلال کے علاوہ تاریخ کی بے رحم منطق بھی کارفرما ہے"۔

ہیڈ آف دی سٹیٹ

ریاست جموں و کشمیر میں موروثی حکمرانی کے خاتمے پر اظہار خیال کرتے آئینی سربراہ کے بارے میں ۵ نومبر ۱۹۵۲ء کو مجلس دستور سازیہ کے افتتاحی اجلاس میں شیخ محمد عبداللہ نے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں کہا:

"آیندہ اس ملک کے سربراہ اعلیٰ کا عہدہ قابل انتخاب ہوگا اور ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کو بھی اس عہدہ پر فائز ہونے کے لئے موقع میسر ہوگا، بشرطیکہ اس میں وہ قابلیتیں موجود ہوں جو اس عہدہ کے فرائض انجام دینے والے شخص میں ہونی چاہئیں"۔

ہیڈ آف دی سٹیٹ کے سلسلے اور شعلہ بار موضوع پر ریاستی وزیر اعظم کے بیان سے قبل ہی وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے اس معاملہ پر

غیر مبہم الفاظ میں بیان دیتے اس امر کا انتباہ کیا کہ اس اہم مسئلہ پر غور کرنے کیلئے حکومت جموں و کشمیر کو مرکزی حکومت سے صلاح و مشورہ کرنا لازمی ہے چنانچہ مرزا محمد افضل بیگ کی سربراہی میں ایک وفد جس میں بخشی غلام محمد، منظور احمد شہمیری اور سید میر قاسم شامل تھے، دہلی گیا، جہاں اس وفد کو ہدایت کی گئی کہ الگ الگ موضوعات لیکر آنے کی بجائے ریاست جموں و کشمیر پر نافذ العمل ہونے والا مکمل آیئن کا مکمل ڈھانچہ مرتب کر کے اپنے ساتھ لے آئیں تاکہ اس پر بہتر ڈھنگ اور سنجیدگی سے اسکے سیاق و سباق اور مقصد سے ہم آہنگ ہو کر اس کے اثرات مضمرات اور فوائد پر تبادلہ خیال ہو سکے۔ لیکن ریاستی وفد کے اصرار پر ہیڈ آف دی سٹیٹ کے معاملے پر حکومت ہند نے غور کرنا تسلیم کیا اور وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کو کشمیری وفد کی دلیل سننی اور گفت و شنید کی ذمہ داری سونپی، وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے بقول سید میر قاسم وفد سے کہا۔

"کسی مرکزیت کی کچھ نمایاں نشانیاں ہوتی ہیں۔ ہماری وہ نشانیاں صدر جمہوریہ، قومی جھنڈا، سپریم کورٹ، الیکشن کمیشن آف انڈیا، آڈیٹر جنرل اینڈ کنٹرول وغیرہ ہیں۔ فرمایا کہ آپ اس ملک کے صدر کو جھنڈے کو اس کی عدالت اور اس کے مالی روابط و ضوابط کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ دائرہ کار آپ کے ساتھ طے کیا جائے کہ ان امور میں ریاست جموں و کشمیر ہمارے ساتھ کیا تعلق رکھے گا اور ان چیزوں پر جب آدمی سوچے تو ان کی گرفت کے لئے ان کو کاغذ پر لکھا جائے"!

پس یہ بات چیت نہ صرف غیر موثر اور بے مقصد ثابت ہوئی بلکہ ریاستی سیاستکاروں کے دلوں میں شک و شبہات کے ایک نئے باب کا عنوان بنی۔ سیاسی افق پر نامرادی کے بادل منڈلائے۔ وفد نے اسے بے توجہی اور تساہل کا نام دیا اور واپس سرینگر لوٹ آیا۔ ریاستی وزیر اعظم نے وفد سے گفت و شنید کی تفصیلات سن کر کہا کہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ حکومت ہند ریاست کو ہندوستان میں ضم کرنے کا خواب دیکھ رہی ہے ہم ایسا کبھی ہونے نہیں دینگے جب ہم اسے ہند یونین کی ایک خود مختار

اکائی کی شکل دے کر ہندوستان سے اشتراک عمل کے متمنی ہیں۔

نہرو کی پریس کانفرنس

بہر کیف ریاستی وفد کی ناکامی پر ۲۲ جون ۱۹۵۲ء کو وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے پریس کانفرنس میں منجملہ دیگر امور کے کشمیر کو بھی زیر بحث لایا اور کہا کشمیر کے لئے منتخب سردار اعلیٰ کی تجویز بدیں وجہ بہت لوگوں کے لئے حیران کن ثابت ہوئی ہے کیونکہ انہیں حالات کے پس منظر سے واقفیت نہیں ہے حق تو یہ ہے کہ کشمیر کے لیڈر پچھلے پانچ سال سے یہی بات کہتے آئے ہیں اور جب ان سے پوچھا گیا' آیا ریاست جموں و کشمیر کا اپنے لئے ایک جھنڈا مقرر کرنا بحیثیت مجموعی ہندوستان کی سرداری سے مطابقت رکھتا ہے انہوں نے کہا ریاست جموں و کشمیر میں ہند کا قومی جھنڈا تمام تقریبوں پر لہرایا جاتا ہے اس لئے اگر وہاں کے لئے ایک الگ نشان بھی مقرر کیا جائے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور اس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ریاست جموں و کشمیر کی دستور ساز اسمبلی مہاراجہ کو ہٹانے کی مجاز قرار دی جا سکتی ہے جبکہ یہ ادارہ اسی کا پیدا کردہ ہے۔ آپ نے کہا ہند کی دستور ساز اسمبلی انگریزوں کی پیدا کردہ تھی لیکن بعد میں یہی ادارہ اپنی طاقت سے ایک با اختیار اسمبلی کی صورت اختیار کر گئی اور اب اس نے پارلیمنٹ کی شکل اختیار کر لی ہے اور اس کے بنائے ہوئے آئین کے مطابق ہند ایک جمہوریہ بنا۔ جب آپ دستور ساز اسمبلیوں کی بات کرتے ہیں تو اس سے یہی سمجھنا چاہیئے کہ اس قسم کے ادارے عوام سے طاقت حاصل کرتے ہیں کسی ایک خاص فرد سے نہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر میں اپنے وزیروں کے مشورے سے دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آئینی ہیڈ ہیں' ان کے وزراء انہیں جو بھی مشورہ دیں' وہ انہیں منظور کرتا ہے، چہ جائیکہ وہ ان کے مفاد کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ ان معاملوں کے متعلق وکلاء بحث کر سکتے ہیں ہم بھی چاہتے ہیں کہ یہ کام آئینی اور قانونی دائروں میں انجام پذیر ہو لیکن اصل معاملہ کسی

حد تک قانونی دلیلوں کے دائروں سے باہر ہے۔ بنیادی اور اہم چیز یہ ہے کہ اس وقت ریاست جموں و کشمیر کا ہند کے ساتھ کیا تعلق ہے یا آئندہ کیا تعلق ہوگا، ہم اور حکومت کشمیر اس بنیاد پر کام چلا رہے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر ہند یونین کی ایک اکائی ہے باقی باتیں بحث و تفاصیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ معاملہ کب کا طے ہوا ہوتا، لیکن مسئلہ کشمیر انجمن اقوام متحدہ کے سامنے زیر غور ہے۔ اس لئے ہم نے تحمیل سے کام لینا مناسب سمجھا جب ریاست جموں و کشمیر کی دستور ساز اسمبلی کا اولین اجلاس منعقد ہوا تو اس کا ارادہ تھا کہ ہند سے الحاق کی قرار داد پیش کی جائے۔ لیکن ہم نے کشمیر کے لیڈروں کو ایسا کرنے سے منع کیا اور باز رکھا بنیادی سوال یہ نہیں ہے کہ ریاست کا سردار اعلیٰ منتخب ہو یا نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہند کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کا کیا تعلق ہے اس بارے میں بحث کی کوئی گنجایش نہیں کیوں کہ کشمیر کی دستور ساز اسمبلی اور حکومت کشمیر کی طرف سے بار بار اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ کشمیر ہند یونین کا ایک حصہ ہے۔ باقی رہی تفصیل کی بات اس کے متعلق بحث کی گنجایش ہو سکتی ہے۔

پارلیمان میں اپوزیشن کے مطالبات کا جواب

۲۶ جون ۱۹۵۲ء کو پارلیمنٹ میں ریاست جموں و کشمیر کے متعلق مطالبات زیر پیش ہوا، ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی اور این سی چٹرجی نے کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کو دشنام اور سب و شتم سنانے کے بعد اس بات پر حیرانگی ظاہر کرتے کہا ہندوستان کی حکومت کشمیر پر بے تحاشا دولت صرف کر رہی ہے، یہ کشمیری لیڈروں کی احسان فراموشی ہے کہ اب وہ ہند کو آنکھیں دکھانے لگے ہیں اس بے مقصد خرچ کو روکا جائے وہ ہندی زبان کو کشمیر میں رائج کرنے پر تیار نہیں ہیں، مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل سے واپس لیا جائے۔ شیخ عبداللہ اپنے تئیں اول ہندوستانی ہونے کا اعلان کرے۔ ان ہتک آمیز متعصبانہ اور مناقشے کی طرح ڈالنے والے سوالوں کے تدارک میں وزیر اعظم ہند نے پارلیمنٹ میں جو بیان دیا یہی سہرن زندہ اسے مسکت

سند دینے کے بجائے ستم ظریفانہ نرم لب و لہجے کا انداز تکلم کہا۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"کشمیر میں ہم ایک مشکل اور نازک صورت حال سے دوچار ہیں۔ جس کے متعلق حتمی فیصلہ کرنے کا اختیار وہاں کے چند لاکھ اشخاص کو ہے۔ اگر ہمیں انکی دوستی پیار و محبت اور خیر اندیشی کو حاصل کرنا ہے تو ہمیں اس کے مطابق ایک طریقہ عمل کو وضع کرنا چاہیئے۔ مجھے اس بات کا یقین کامل ہے کہ کشمیر آج کل یا پچھلے چند سالوں سے جن مشکلات میں مبتلا رہا ہے اس کا پچھتر (۷۵) سے اسی (۸۰) فی صد حصہ اس حیران کن حد تک غلط اور کج فہمی پر مبنی پالیسی کا نتیجہ ہے جس پر وہ عمل کر رہا ہے۔ بلاشک و شبہ میں اس مسئلے کے بارے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں گا اور جو کچھ مجھ سے اس تعلق میں ہو سکتا ہے کروں گا۔ لیکن میری دانست میں ایسی تقریروں اور بیانات (شیاما پرشاد مکرجی کی تقریر کی جانب اشارہ ہے) سے مشکلات پیش آتی ہیں۔ یہ مسئلہ غور طلب صبر و ضبط کا حامل مشکل اور پیچیدہ ہے یہ اپوزیشن کی لچھے دار تقریروں سے حل نہیں ہو سکتا۔"

ایوان پارلیمنٹ میں وزیر اعظم ہند نے ریاست کا ہند سے الحاق کی تاریخ اور وجوہات دہراتے کہا۔

"اگر الحاق کی درخواست صرف مہاراجہ کی جانب سے آتا تو شاید ہند کو اسے قبول کرنے میں تحمل ہوتا لیکن اس درخواست کو ریاست کی سب سے بڑی ہر دلعزیز اور واحد جماعت نیشنل کانفرنس کی تائید حاصل تھی اسلئے ہم نے اسے منظور کیا۔ کشمیر کا مسئلہ سلامتی کونسل سے واپس لینا ٹھیک نہیں ہوگا۔ مروج الوقت ہندی زبان سمجھنے میں مجھے دشواری پیش آتی ہے جب کہ کشمیر میں ہندی چلانے والے مفقود ہیں۔ اپوزیشن کو ایسے مطالبات نہیں کرنا چاہئیں جو حقائق سے کوسوں دور اور بے مقصد ہیں۔ اپوزیشن کو کشمیر کے متعلق بولتے وقت وسیع النظری سے کام لینا چاہئے۔ یہ نہ سوچئے کہ آپ کو یوپی بہار گجرات کا کوئی معاملہ طے کرنا ہے۔ جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے آپ ایک خاص پس منظر اور محل وقوعہ سے دوچار ہیں۔ اگر ہم اپنے مقامی تعصبات بروئے کار لائیں تو ہم کبھی بھی مضبوط

نہیں ہوسکیں گے۔ کشمیر اور ہند کا وہی تعلق حقیقی متصور رہو گا جو دلوں کے اتحاد پر مبنی ہو۔

کشمیری وفد دوبارہ دہلی میں

وزیر اعظم ہند نے پریس کانفرنس میں جس گومگوں انداز میں ہیڈ آف دی سٹیٹ اور جھنڈے کی وضاحت و تشریح کی اور خلاف توقع ہزاروں لفافوں میں بند کر کے اپنی رائے ظاہر کرنے کے بجائے پارلیمنٹ میں بغیر کسی لگی لپٹی کے کشمیری قیادت کو حیران کن حد تک غلط اور کج فہم پالیسی کا مرتکب ٹھہراتے اپنی دلی کیفیت کا اظہار کیا۔ اس نے جلتی پر آگ پر تیل کا کام کیا شکر رنجی اور ناراضگیوں نے مناقشے کی صورت اختیار کر لی۔ ریاستی وزیر اعظم نے مولانا محمد سعید مسعودی کو ٹیلی فون پر ہدایت دی کہ وہ وزیر اعظم ہند سے کج فہم اور غلط پالیسی کے مطابق دریافت کریں جس کے جواب میں بحوالہ وزیر اعظم ہند' مولانا مسعودی نے انہیں بتایا انہوں نے ان الفاظ اور اس فقرے کو محض اپوزیشن کے جذبات پر قابو پانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ بہتر تو یہ ہے آپ بذات خود دہلی تشریف لائیں۔ بالمشافہ گفت و شنید سے باہمی شکر رنجی اور غلط فہمیاں دور رہو نگی لیکن ریاستی وزیر اعظم نے دہلی آنے سے انکار کیا۔ کسی نہ کسی طرح اس گفت و شنید کی اطلاع اخبارات کو ملی۔ اگلے دن دہلی کے اخباروں میں کشمیر کے وزیر اعظم کا دہلی آنے سے انکار کی خبر شہ سرخی بنی۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے خبر کی تردید کی اور وزیر اعظم ہند نے ریاستی وزیر اعظم کو منانے کے لئے ذاتی مکتوب بھیجا جس کے یادداشت میں ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء کو مرزا محمد افضل بیگ کی قیادت میں مندرجہ ذیل اصحاب' ڈی' پی' در۔ سید میر قاسم اور ایم' اے' کشمیری پر مشتمل وفد دوبارہ دہلی روانہ ہوا مولانا محمد سعید مسعودی جو دہلی میں قیام پذیر تھے' وفد میں شامل ہوئے۔ انہوں نے مرکزی حکومت کے وزیر ریاستی محکمہ جات' کیلاش ناتھ کاٹجو' وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد اور گوپال سوامی آئینگر سے متعدد ملاقاتیں کیں اور طے پایا کہ مہاراجہ کے دوش بدوش ہند میں شامل دوسری تمام ریاستوں کے راج پرمکھوں کے موروثی حقوق کو بھی ختم کیا جائے۔ لیکن اس کے

باوجودیکہ مسئلہ اپنی جگہ قائم رہا کہ ریاست کے سردار اعلیٰ جس کو بعد ازاں صدر ریاست کا نام دیا گیا، اس کا انتخاب کیسے عمل میں لایا جائے، یہ نقطہ الجھن اور تشویش کا سبب بنا کیونکہ مرکزی قیادت کی نظر میں ایک ملک میں "دو" صدر نہیں ہو سکتے ہیں، ریاستی وفد نے یہ تجویز رکھی تھی کہ صدر ریاست براہ راست عوامی ووٹ سے منتخب کیا جائے۔ اس گرہ کو کھولنے کے لئے کشمیر سے ایک اور وفد جو بخشی غلام محمد، شیام لال صراف، گردھاری لال ڈوگرہ، کشپ بندھو، موتی رام بیگرہ پر مشتمل تھا دہلی پہونچا۔ وفد میں مولانا مسعودی اور بدھ سنگھ، جو دہلی میں مقیم تھے، شامل ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ اور غلام محمد صادق ۱۶ جولائی ۱۹۵۲ء کو دہلی گئے۔ ان کا استقبال کشمیری وفد کے جملہ ممبران نے دہلی ریلوے سٹیشن پر کیا اس موقع پر شیخ محمد عبداللہ نے اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دیتے کہا:

"مجھے امید ہے یہاں کی سیاسی فضا بھی اسی قدر خوشگوار ہوگی جس قدر آج کا موسم ہے۔ ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے بعد ہی بات چیت کے متعلق کچھ کہہ سکوں گا۔"

شیخ محمد عبداللہ مزار شہداء پر

دہلی جانے سے قبل شیخ محمد عبداللہ نے ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو درگاہ خواجہ معین الدین نقشبندیؒ خواجہ بازار سری نگر کے مزار شہداء پر تقریر کرتے اس تمام شکر رنجی پر ہندوستان کی فرقہ پرست جماعتوں کے سرغنے ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی اور ڈاکٹر کھارے کو مورد الزام ٹھہرایا اور کہا:

"کشمیر کے عوام نے ہندوستان کی دولت سے نہیں بلکہ اصولوں سے الحاق کیا ہے۔ کشمیری عوام آدھی روٹی پر گزارہ کریں گے لیکن اپنی آزادی پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دیں گے، میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ شیاما پرشاد مکرجی اور ڈاکٹر کھارے جیسے آدمی اگر پلیٹ فارموں پر چڑھ چڑھ کر ہندوستان کے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں تو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے شانے کافی چوڑے ہیں۔ یہاں وہ دل نہیں ہیں جو ڈرتے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ کو عقل کا درس دینے والے خود یہ سوچیں

...ل کا درس لینے کی انہیں ضرورت ہے یا نہیں جبکہ یہ عریاں حقیقت ہے کہ انہوں نے فرقہ پرستی کی آگ بھڑکا کر ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑایا۔ مکرجی اور رکھارے سے مجھے کوئی ذاتی عناد یا بغض نہیں، وہ ہندو ریاست بنانا چاہتے ہیں جب کہ میں مذہبی ریاستوں اور حکومتوں کے خلاف ہوں اور میری آواز ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ سٹیٹ کو مذہب سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی چاہتے ہیں کہ میں یہ کہوں کہ میں اول بھی ہندوستانی ہوں اور آخر بھی ہندوستانی ہوں۔ کیا میرا مسلمان ہونا میرے ہندوستانی ہونے کو رد کرتا ہے اور کیا میرا کشمیری ہونا میرے ہندوستانی ہونے کو رد کرتا ہے۔''

دہلی بات چیت کی رپورٹ مرزا محمد افضل بیگ نے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں پیش کی اور کہا کہ حکومتِ ہند اور پنڈت جواہر لال نہرو نے خواہش ظاہر کی کہ ان تعلقات کو صاف اور واضح شکل دینے کے لئے ایک وفد کشمیر سے دارالخلافہ آئے۔ میں انہیں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا آپسی رشتہ حاکم اور محکوم کا نہیں بلکہ مساوات کا رشتہ ہے۔ اس موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ نے علامہ اقبالؒ کا یہ شعر گنگنایا ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

جلسہ گاہ میں کالج طلبا کی ایک ٹولی نے واہ کیا خوب، مکرر، ارشاد کی رٹ لگائی اور اسی درمیان میں یہ فلک شگاف آواز آئی، کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا، کہاں کا بندہ اور کون بندہ نواز۔ سارا مجمع قہقہہ زار ہوا۔ اس پر گرج کر انہوں نے کہا کہ میں ان فقتہ کا ٹیلوں کو جانتا ہوں۔ پھر اپنا موضوعِ سخن بدل کر کہا ہند پارلیمنٹ میں جس طمطراق سے کشمیر پر دولت لٹانے کا انکشاف کیا گیا ہے اس کی حقیقت یوں ہے:

وہ شیاما پرشاد مکرجی اور ڈاکٹر کھارے نے جس دولت کا ذکر کر کے پارلیمنٹ میں شور مچایا ہے وہ قرضہ ہے جس کو ریاستی حکومت نے نقد ہنڈیاں گروی رکھ کر حاصل کیا ہے۔ اس پس منظر میں اسے احسان فراموشی پر محمول کرنا خارج از بحث ہے۔ یہ لوگ یا تو غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا دیدہ و دانستہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ یہ قرضہ لگ بھگ پانچ (۵) کروڑ روپے کا ہے جس پر سود بھی ادا کیا

گیا - چنانچہ ریاستی میزانیہ سال ۱۹۵۲ء کے تحت ریاستی حکومت نے ہندوستان کی حکومت کو سینتیس (۳۷) لاکھ روپے کے قریب رقم بطور سُود ادا کیا۔

شیخ عبداللہ کے جذبات برفروختہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اسے دولت کا طعنہ دیا گیا ہے۔ بلکہ مجھے ہند سے الحاق کرنے کے لئے جس چیز نے متحرک کیا، وہ یہ ہے کہ ہند سے الحاق کی صورت میں کشمیر کی آزادی اور خودمختاری کا احترام کیا جائے گا بلکہ ہمیں اپنے ملک میں مکمل جمہوری نظام قائم کرنے کا موقعہ حاصل ہوگا!

شیخ محمد عبداللہ کے دہلی پہونچنے سے قبل بخشی غلام محمد نے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد - وزیر اعظم نہرو - مولانا آزاد اور گوپال سوامی آینگر سے ملاقاتیں کیں - شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ گفت و شنید کے بعد یہ طے پایا کہ ہیڈ آف دی سٹیٹ ممبران اسمبلی کے ووٹوں سے منتخب کیا جائے گا اور اس کا نام ریاستی حکومت تجویز کرے گی جس کو صدر جمہوریہ ہند نامزد کریں گے - اس سے لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی اور سانپ بھی مر جائے گا - نومبر ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر کرن سنگھ اسی عمل کے ذریعہ صدر ریاست بنے - لیکن مرکزی حکومت فرقہ پرستوں کے دباؤ میں آکر اس پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی - ۱۹۶۷ء میں خواجہ غلام محمد صادق کے دور حکومت میں یہ عہدہ ختم کیا گیا - اتنا ہی نہیں بلکہ ریاستی وزیر اعظم' وزیر اعلیٰ ہو کر رہ گیا۔

اس ضمن میں یہ بتانا لازمی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ موروثی حکمرانی ختم کرکے ریاست میں نیم خود مختار جمہوری طرز حکومت کے قائل تھے - چنانچہ انہوں نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ کو ۱۹۵۱ء میں صدر ریاست بننے کی پیش کش کی تھی جس کو مہاراجہ نے انتہائی حقارت سے ٹھکرایا تھا اس کو نفت کو مٹانے کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے ۷، دسمبر ۱۹۵۱ء کو قانون ساز اسمبلی میں کہا:

"جناب اپنی خوش نودی مزاج کے اظہار میں مہاراجہ ہری سنگھ کو پہلا صدر جمہوریہ کا عہدہ پیش کرنا مناسب سمجھی لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے

کہ مہاراجہ ہری سنگھ عوام کے ہر طبقہ کا اعتماد کھو بیٹھے ہیں۔ ان کے مزاج اور طبیعت کی دقیانوسی افتاد کی وجہ سے ان میں یہ صلاحیت مطلق نہیں۔ اس کے علاوہ ان کی حرکتوں سے بحیثیت حکمران جو ان سے سرزد ہوئی ہیں' یہ صاف ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ کوئی کام یا فرض دیانتداری' خوش اسلوبی اور غیر جانبداری سے انجام دینے کے اہل نہیں' وہ اس عہدے کے مستحق نہیں۔"

حق تو یہ ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کو شیخ محمد عبداللہ نے یہ پیش کش کی تھی لیکن جس حقارت سے اسے مہاراجہ نے ٹھکرایا' اس کے پیش نظر انہوں نے اپنے ذہنی افتاد کے عین مطابق بیان دے کر اپنی تشنگی کو آسودگی بخشی' لیکن ان کی نگاہ میں جہاں صدر ریاست کا ہندو ہونا ضروری تھا' وہاں وہ شاہی خاندان کے فرد کو جموں کے ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس عہدہ کے لئے لازمی تصور کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اور حکومت کی منشا کے مطابق اس انتشار کو مٹانے کے لئے اگر بڑے میاں نہیں تو چھوٹے میاں ہی سہی کے اصول کے تحت یوراج کرن سنگھ سے پیار اور محبت کی پینگیں بڑھانی شروع کیں اور ان کے حق میں رطب اللسان ہوئے اور ان کو یوں مسکہ لگاتے ہیں:

"یوراج کرن سنگھ کی ذہانت اور ان کی دوراندیشی اور ترقی پسندانہ نکتہ نظر سے میں اور میرے دیگر ساتھی بہت متاثر ہوئے ہیں۔ یوراج کی خوبیاں ان کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ اس جمہوری حکومت کا پہلا صدر منتخب ہونے کا فخر حاصل کریں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یوراج کرن سنگھ ریاست کے ایک باشندے کی حیثیت سے اس جمہوری دور کے لئے جب کہ شخصی اقتدار کی جگہ جمہوریت لے رہی ہے' منتخب صدر بن کر اچھا نمونہ ہوں گے۔"

اسی دوران مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۰ر جولائی ۱۹۵۲ء کو صدر جمہوریہ ہند کو ایک میمورنڈم بھیجا جس میں موروثی حکمرانی ختم کرنے سے پہلے اس مسئلے پر استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کیا' جو جموں اور لداخ کو کشمیر سے علیحدہ کرنے کی ایک

سوچی سمجھی چال تھی۔ مہاراجہ کے منجملہ دیگر تجاویز پر پنڈت جواہر لال نہرو نے مرکزی ریاستی امور کے سیکرٹری سی وینکٹا چار کو پونا مہاراجہ ہری سنگھ کے پاس یہ انتباہ دیکر بھیجا کہ اگر آپ نے مرکزی حکومت کی پالیسیوں کا ساتھ نہیں دیا تو اس صورت میں صدر جمہوریہ آپکو مہاراجہ تسلیم کرنے سے انکار کرینگے۔ دھمکی کارگر ثابت ہوئی مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کو تخت و تاج سے اپنی دستبرداری کا اعلان کیا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ یوراج کرن سنگھ نے مہاسبھائیوں اور اسی ذہن و فہم کے بعض کانگریسیوں اور پرجا پریشدیوں کے دباؤ میں آکر صدر ریاست بننے سے قبل ریاست کا مکمل آئین تیار کرنے اور اسکا مطالعہ کرنے کی خواہش ظاہر کرتے کہا اسکے بعد ہی میں صدر ریاست بننے کی تجویز پر غور کرونگا کا واضح اشارہ دیا۔ یوراج کرن سنگھ کی ہچکچاہٹ سے شیخ محمد عبداللہ بوکھلا گئے اور انہوں نے اپنے ایک اور بیان میں کہا:

"ہم نے شخصی راج ختم کیا ہے اسے ریاست پر دوبارہ مسلط نہیں کیا جاسکتا اب اگر یوراج ریاست کے سردار اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنا منظور نہیں کرتے تو نہ کریں یہ انکی مرضی پر منحصر ہے۔ اس خاندان کا ہمارے ساتھ جو سلوک رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ اور مخفی نہیں لیکن اسکے باوجود میں نے تجویز پیش کی کہ ریاست کا پہلا صدر یوراج کرن سنگھ کو ہونا چاہیئے تاکہ ہم ماضی کی تلخیوں کو فراموش کر کے ایک نیا خوشگوار ماحول تیار کرسکیں اور اپنے درخشاں مستقبل کو سنوار سکیں۔ اگر کرن سنگھ کا باپ ہری سنگھ ہمارے ساتھ اس طرح سے پیش آتا تو میں اسکو پہلا صدر مقرر کرنے کی تجویز پیش کرتا لیکن اسکے اعمال سیاہ ہیں۔"

اس طرح سے یوراج کرن سنگھ نے صدر ریاست کا عہدہ قبول نہ کر کے ایک نئی الجھن کھڑی کی جسکو حل کرنے کیلئے وزیر اعظم ہند نے اپنے کئی ایلچیوں کو انکے پاس بھیجا اور انہیں یہ سمجھایا گیا کہ آپکا صدر ریاست بننا وقت کا ایک اہم تقاضہ ہے اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے تو اسکے سنگین نتایج برآمد ہونگے جن سے قومی زیاں کا اندیشہ ہے اور ریاست اندرونی انتشار سے دوچار ہوسکتی ہے۔ بغرض پنڈت نہرو کے دباؤ اور مشوروں کی خاطر میں لاکر یوراج کرن سنگھ نے صدر ریاست کا عہدہ سنبھالنے کی حامی بھری اسوقت انکی عمر اکیس(۲۱) برس کی تھی۔ ۲۰ اگست ۱۹۵۲ء کو ریاستی اسمبلی میں ہیڈ آف دی سٹیٹ کے آئینی نام کی تحریک پاس ہوئی اس ضمن میں رئیس المملکت، سردار، شاہ، والی، سلطان، امیر اور گورنر کے نام رد کر کے صدر ریاست پر بات ٹھہری:

۱۴ نومبر ۱۹۵۲ء کو آئین سازیہ میں جموں و کشمیر کانسٹی ٹیوشن ایمینڈمنٹ

ایکٹ ۲۰۰۸ بکرمی یعنی ۱۹۵۲ء ترمیم پیش ہو کر پاس کی گئی جس کے تحت جہاں جہاں مہاراجہ کا نقطہ مندرج تھا وہاں صدر ریاست درج کرنا لازم قرار پایا۔ اس طرح کشمیری لغات میں مہاراجہ کے نام کو ہمیشہ کے لئے حرف غلط کی طرح مٹایا گیا صدر ریاست کے عہدے کے لئے ۱۴ نومبر کو ایوان میں کرن سنگھ کے کاغذات نامزدگی کے ساتھ بروزن شعر مہاشہ ناہر سنگھ ہر جن نے کبھی کاغذات نامزدگی بحیثیت امیدوار داخل کئے اور بھگت چھجو رام نے اس کی تائید کی، جس کو صدر ایوان غلام محمد صادق نے وقت مقررہ سے آدھ گھنٹے بعد پیش کرنے کا جواز دے کر مسترد کیا اور کرن سنگھ بلا مقابلہ کامیاب قرار پائے ریاست جموں وکشمیر کے چیف جسٹس جانکی ناتھ وزیر نے انہیں حلف دلایا۔ اس طرح ۱۸ نومبر ۱۹۵۲ء کو جموں وکشمیر گزٹ کی ایک غیر معمولی اشاعت میں مندرجہ ذیل اعلان شائع ہوا۔

"درآں حالیکہ شری کرن سنگھ، جو جموں وکشمیر کے صدر ریاست منتخب ہوئے اور صدر جمہوریہ ہند نے ان کو تسلیم کیا، اپنے عہدے کا چارج سنبھال چکے ہیں ان کے عہدہ پر فائز ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے"

سری نگر، ۱۷ نومبر ۱۹۵۲ء

(دستخط) ایم اے قدوائی

چیف سیکریٹری

اجلاس میں ریاست کا قومی نشان بھی مقرر کیا گیا۔ ۲۰ نومبر کو کرن سنگھ نے پریس نمایندوں کے ایک سوال کا جواب دیتے کہا: حکومت اور میرے درمیان تعلقات کی نوعیت ویسے ہی ہونگے جو ایک سٹیٹ کے آئینی ہیڈ اور وہاں کی حکومت کے مابین ہونے چاہئیں۔ ریاست کے مروج آئین کے تحت میری پوزیشن بالکل واضح ہے۔ میں عوام کی بہبود اور بہتری کے لئے جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہوں وہ میں حکومت کی وساطت سے کرونگا۔ یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ میں

نے صدر ریاست کا عہدہ تجربتاً قبول کیا ہے (اس ضمن میں یہ افواہ گرم تھی کہ کرن سنگھ کو کہا گیا تھا بعد ازاں آپ کو صدر جمہوریہ ہند بنایا جائے گا) البتہ میں اس بات کا خواہش مند تھا کہ پہلے ریاست کا آئین مکمل کیا جائے۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے معاملہ صاف و شفاف اور درست سمت اختیار کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن مروج آئین کے تحت بھی میری پوزیشن صاف اور واضح ہے۔ سٹیٹ کے ہیڈ کی حیثیت میں مفید رول ادا کرنے کے لئے لازم ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ قابل افراد سے استفادہ اور ان کا تعاون حاصل کرے۔ اسی لئے میں نے پرجا پریشد کے لیڈروں سے عہدہ قبول کرنے سے قبل تبادلہ خیال کیا۔ پریشدی لیڈروں نے میرے نئے عہدے یعنی صدر ریاست بننے پر قطعی کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے مستقبل کے متعلق کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ البتہ بعد کی اخباری رپورٹوں سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ میرے صدر ریاست بننے کے حق میں نہیں تھے۔ یہ درست ہے کہ کوشک بکولہ اس بات کے حق میں تھے کہ میں صدر ریاست کا عہدہ منظور کروں۔ پریس کانفرنس کے اختتام پر پرنسپل انفارمیشن آفیسر بلدیو پرشاد شرما نے صدر ریاست کو ان کی مصروفیات پر مبنی ایک فوٹو البم پیش کیا جس کو قبول کرتے ہوئے انہوں نے ان کی مستعدی کی تعریف کی۔

دہلی ایگریمینٹ سے قبل

دہلی میں شیخ محمد عبداللہ کی موجودگی میں ۱۹ر جولائی ۱۹۵۲ء کو مرکزی حکومت کی جانب سے وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو، وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد وزیر دفاع گوپال سوامی آئنگر اور ریاستی امور کے وزیر کیلاش ناتھ کاٹجو اور ریاستی وزیر مال مرزا محمد افضل بیگ، وزیر خزانہ گردھاری لال ڈوگرہ، نائب وزیر داخلہ درگا پرشاد در کے مابین مالی الحاق سے متعلق امور طے کرنے کی خاطر پہلی میٹنگ ہوئی۔ جس کے اختتام پر ریاستی وزیر اعظم نے بھاؤ نگر

ہاؤس (موجودہ کشمیر ہاؤس) میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ درپیش مسائل پر گفت و شنید کی۔ اگلے دن کی میٹنگ میں آئینی و قانونی مالی اور دیگر امور کے مختلف پہلوؤں پر تبادلہ خیال ہوا۔ اس دوران ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب مراعات کی تفصیلات طے کرتے نقطوں کے معنی اور الفاظ کی تشریحات پر اختلاف رائے نے اس ساری گفتگو کو ناکام بنایا۔ چنانچہ اس مرحلے پر شیخ محمد عبداللہ نے بات چیت ادھوری چھوڑ کر سری نگر واپس آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سید میر قاسم اپنی سوانح "داستانِ حیات" کے صفحہ ۱۵۱ پر رقمطراز ہیں۔

> "گوپال سوامی آینگر نے باغ میں چہل قدمی کرتے ہوئے شیخ صاحب سے کہا" کہ آپ آج واپس نہ جائیے ہم آپس میں سوچیں گے" اور میرے سنتے ہوئے کہا کہ "شیخ صاحب جواہر لال نہرو کی زندگی میں اور گوپال سوامی آئنگر کے ہوتے ہوئے آپ ریاست کے لئے جتنے مراعات چاہتے ہیں وہ آپ کو حاصل ہو جائیں گے۔ نہ معلوم بعد میں یہ کبھی ملے گا یا نہیں"

بخشی غلام محمد نے مجھے ایک انٹرویو میں بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کو میں نے دہلی ریلوے سٹیشن سے سمجھا بجھا کر میٹنگ ہال کے ٹیبل پر یہ کہہ کر واپس لایا۔ "اگر آپ نے اپنا وطیرہ نہ بدلا تو یہ اپنی سطح پر فیصلے صادر کرینگے" اس طرح دہلی ایگریمینٹ کو آخری شکل دینے کے لئے ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء کو وزیر اعظم ہند کی کوٹھی تین مورتی ہاؤس میں تین گھنٹے کی میٹنگ کے دوران یہ معاہدہ طے پایا اور اسی میٹنگ میں پنڈت نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کو مسکہ لگاتے کہا "ہم آپ کو سونے کی زنجیروں سے باندھ لیں گے" لیکن سال بھر کے وقفہ میں ہی یہ سونے کی زنجیریں شیخ محمد عبداللہ کی کلائیوں میں آہنی زنجیروں میں مبدل ہوئیں۔

دہلی معاہدہ

دہلی معاہدہ جو سات مدوں پر مشتمل ہے، مندرجہ ذیل امور پر حکومت ہند

اور ریاستی حکومت کے مابین باتّفاق رائے طے پایا (۱) موروثی حکومت کا خاتمہ (۲) ریاستی جھنڈے کی قبولیت (۳) سپریم کورٹ زرعی اصلاحات میں مداخلت نہیں کرے گی (۴) ریاستی سٹیٹ سبجیکٹ برقرار رہے گی (۵) وہ ریاستی باشندے جو ۱۹۴۷ء سے قبل پاکستان یا کہیں اور گئے ہیں۔ ریاست میں واپس آنا چاہیں، ان کے حقوق بحال ہو جائیں گے۔ جن دو امور کو التوا میں رکھا گیا، وہ ہیں (۶) مالی امور (۷) صدر جمہوریہ کے اختیارات۔

دہلی معاہدے کی تفصیلات بیان کرتے وزیر اعظم ہند نے ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء کو ہی پارلیمنٹ میں بیان دیتے کشمیر کے پس منظر میں عالمی حالات کشمیر کی تحریک آزادی، تقسیم ہند کے بعد دیسی ریاستوں کی پوزیشن رول اور دیسی ریاستوں کو ہند میں مدغم کرنے کا سردار پٹیل کی سعی کامیاب، حیدرآباد جموں وکشمیر کے حالات اور گورنر جنرل ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے قابل قدر خدمات اور دوراندیشانہ اقدام جیسے موضوعات پر روشنی ڈالتے ایک طویل بیان دیا جس کو اختصار کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"ہند کی پالیسی یہ رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی الحاق کے متعلق عوام کی خواہشات کے بارے میں کوئی شبہ ہو وہاں لازماً ان کی رائے دریافت کی جانی چاہیے۔ یہ اصول عام طور سے ہند کی تمام ریاستوں پر لاگو کیا گیا لیکن ماسوائے کشمیر کے کہیں بھی استصواب رائے عامہ تک نوبت نہیں پہونچی۔ جو ایک الگ سوال ہے۔ دراصل کشمیر غیر رسمی طور پر جولائی ۱۹۴۷ء میں ہماری توجہ کا موضوع بنا۔ جب کہ ایک لحاظ سے یہ کبھی بھی ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ ہم نے الحاق کے بارے میں ریاستی عوام کی رائے دریافت کرنے سے متعلق جو فیصلہ لیا۔ وہ خصوصی طور پر کشمیر پر حاوی تھا۔ ہمارے تعلقات نیشنل کانفرنس اور مہاراجہ کے ساتھ بھی تھے، الحاق کے بارے میں ہم نے یہ بات واضح کی اگر

مہاراجہ ہری سنگھ اور اس کی حکومت ہند سے الحاق کرنے کا خواہاں ہے لیکن باایں ہمہ ہم یہ قدم اٹھانے سے پہلے عوام کی تائید حاصل کرنا پسند کریں گے ہم چالاکی سے کوئی کاغذی انتظام نہیں کرانا چاہتے تھے۔ ہم کشمیریوں کے دلوں کو مسخر کرنا چاہتے تھے جو حقیقی معنوں میں الحاق کے حامی ہیں اور یہ بنیاد قانون اور آئینی دستاویزات سے کہیں زیادہ پائیدار اور مستحکم ہوگئی یہ بنیاد ریاست جموں و کشمیر اور ہند کی تحریکیں تھیں"۔

پنڈت نہرو نے اپنی تقریر میں کوئٹہ کشمیر کے دوران کوہالہ میں اپنی گرفتاری قبائلی حملہ، عارضی الحاق، ریاست میں ہند فوج کی آمد۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں کشمیر میں پاکستانی فوجیوں کا مقابلہ، مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل کے سپرد کرنے کی تفصیلات اور ڈاکٹر گراہم کے مشن تک کے مختلف واقعات کا اعادہ کرتے ہندوستانی ریاستوں کے الحاق اور ان کی درجہ بندی کا تذکرہ کرتے کہا:

"عارضی وقفہ کے لئے بعض ریاستوں کو "اے" ریاست قرار دیا گیا اور بعض کو "بی" ریاست کا نام دیا گیا اور بعض کو "سی" قرار دیا گیا۔ یہ بالکل عارضی نوعیت ہے۔ درحقیقت اس سے وہ فرق دور ہوا جو ایک صوبہ اور ریاست میں پائی جاتی تھی۔ لیکن جموں و کشمیر کے بارے میں یہ عمل متعدد وجوہ کی بنا پر عملاً عمل میں نہیں آئی۔ اولاً کشمیر کا سارا معاملہ لچکدار بنا ہوا ہے (۲) معاملہ اقوام متحدہ کے سامنے ہے (۳) ابتدا سے ہم نے عیاں وجوہ کی بنا پر تسلیم کیا ہے کہ کشمیر کی پوزیشن قدرے مختلف ہے اور ابتدا سے ہی اپنا یہ اعلان دہرایا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے متعلق کوئی قدم وہاں کے عوام کی مرضی اور حمایت کے بغیر نہ اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ اس کا الحاق عملاً صرف تین امور تک محدود رہا البتہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر سبجیکٹ کئی امور کا مجموعہ CATAGORY ہے۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں یہ حالت ختم ہوگئی جب ہم نے اپنی دستور ساز اسمبلی قائم کی اور

آئینِ ہند ترتیب دے رہے تھے ہم ہر مسئلے کو مبہم اور متحرک رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ریاست جموّں و کشمیر کا ہمارے آئین میں کہیں نہ کہیں ذکر ہونا ضروری تھا۔ اس کے نتیجہ میں ریاست جموّں و کشمیر کی نسبت ہمارے آئین میں ایک قدرے غیر معمولی دفعہ درج کی گئی۔ آئین کے حصّہ ۲۱ کی عارضی اور عبوری دفعات کی دفعہ ۳۷۰ میں یہ تعلّق درج ہے۔ دفعہ ۳۷۰ جو کسی بھی حالت میں آخری دفعہ نہیں لیکن اس میں اس آئینی اکائی کو ہند یونین کے ساتھ تعلّق کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

بعد ازاں ۲۶ جنوری کو پریذیڈنٹ نے دفعہ ۳۷۰ کے تحت ایک آرڈر جاری کیا جس میں ان امور اور آئین کی دفعات کی وضاحت کی جو ریاست جموّں و کشمیر پر لاگو ہونگے۔ دفعہ ۳۷۰ ظاہراً ایک عبوری نوعیت کی ہے اور اس کی رو سے صدر کو اس میں اضافہ اور ترمیم کی اجازت حاصل ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر کبھی کسی تبدیلی یا اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی تو قانونی موشگافیوں اور آئینی پیچیدگیوں سے گزرنے کے بجائے صدر جمہوریہ ہی احکام جاری کرے لیکن دفعہ ۳۵ میں یہ برہنہ اصول دہرایا اور واضح کیا گیا کہ کسی ترمیم یا تمام ترمیموں کے لئے ریاست جموّں و کشمیر کی دستور ساز اسمبلی کی اجازت حاصل کرنی لازمی ہوگا۔ جس وقت آئین میں یہ دفعہ درج کی گئی ریاست میں کوئی آئین ساز اسمبلی نہیں تھی لیکن ہماری نگاہوں میں اس کا نقشہ ضرور تھا"

دہلی ایگریمنٹ کی وضاحت نہرو کی زبانی

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے وزیرِ اعظم ہند نے دہلی ایگریمنٹ کی تشریح و وضاحت کرتے کہا:

"اس معاہدے سے ایک جانب جموّں و کشمیر کے عوام کی خواہشات پوری ہوئیں اور دوسری طرف یہ ہند کے آئین سے مطابقت رکھتا ہے۔ میں یہ بات دہراؤں گا کہ ان فیصلوں کی رو سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو حتمی قرار دی جا سکے

امر واقعہ یہ ہے کہ تفاصیل بعد میں بتدریج طے کی جاسکتی ہیں۔ یونین کے ساتھ کشمیر کا الحاق ہند کے آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تابع ہے۔ جن امور پر گفت و شنید ہوئی اور معاہدہ طے پایا وہ یہ ہیں۔

حقوق شہریت :- (۱) کشمیر ہند یونین کا حصہ ہے اور اس یونین کے دوسرے حصوں اور ریاستوں کی طرح اس پر بھی اسی طرح حق شہریت لاگو ہونگے جس طرح آئین میں بتایا گیا ہے۔ لیکن حکومت ہند نے یہ اصول تسلیم کیا ہے کہ حکومت جموں و کشمیر ایسے قوانین وضع کر سکتی ہے جن کے ہوتے ہوئے ریاست جموں و کشمیر سے باہر کے لوگوں پر یہاں زمین وغیرہ خریدنے کے سلسلے میں بندش ہوگی اس کے علاوہ ریاست جموں و کشمیر کی مجلس قانون ساز اسمبلی ملازمتوں میں تقرری، وظائف کی عطائیگی غیر منقولہ جائداد کی خرید اور اسی قسم کے دوسرے معاملوں میں جموں و کشمیر کے مستقل باشندوں کے حقوق اور مراعات متعین کرنے کی مجاز ہوگی، اتنا ہی نہیں بلکہ ریاست جموں و کشمیر کے جو لوگ ۱۹۴۷ء کی گڑبڑ کے دوران میں یا اس سے پہلے یا اس کے بعد ریاست جموں و کشمیر چھوڑ کر پاکستان یا کہیں اور گئے ہیں وہ اگر واپس آئیں تو وہ یہاں کے شہری تصور کئے جائیں گے۔"

بنیادی حقوق :- (۲) ہند کے آئین میں شہریوں کے لئے جو بنیادی حقوق مقرر کئے گئے ہیں وہ ریاست جموں و کشمیر پر صرف اس حد تک لاگو ہونگے جس حد تک حالات اجازت دیں مثلاً ہند کے آئین میں جو بنیادی حقوق تسلیم کئے گئے ہیں ان کی رو سے زمینداروں کو معاوضہ دیئے بغیر ختم نہیں کیا جاسکتا لیکن چونکہ ایسا ریاست جموں و کشمیر میں کیا گیا ہے اس لئے بنیادی حقوق کی یہ مد ریاست پر لاگو نہیں ہوگی۔ اسی قسم کی استثنائی تجویز کرنے کا اختیار حکومت جموں و کشمیر کو دیا گیا۔

عدالت عالیہ :- (۳) ہند کی سپریم کورٹ کو ریاست جموں و کشمیر پر اس حد تک اختیار حاصل ہونگے جس حد تک ہند کے آئین میں مقرر کئے گئے بنیادی حقوق اس ریاست پر لاگو ہونگے۔ مثلاً چونکہ زمینداروں کو معاوضہ دے کر ختم کرنے کی مد کشمیر پر حاوی نہیں

ہو گی ۔ اس سے عدالت عالیہ کو اس بارے میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا اس طرح سے بنیادی حقوق کی جو آیئن ہند کی دوسری مد میں ریاست پر حاوی نہیں کی جائیں (اس بارے میں فیصلہ کرنا حکومت جموں وکشمیر پر چھوڑ دیا گیا ہے) ان کے بارے میں بھی ہند کی سپریم کورٹ کو ریاست پر اختیار نہیں ہوگا ۔

ریاست کا سربراہ (۴) ریاست جموں وکشمیر کا سربراہ یعنی ہیڈ آف دی سٹیٹ کو بذریعہ انتخاب مقرر کرنے کا اصول حکومت ہند کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے ۔ ریاست کی مجلس قانون ساز یہ اس کو منتخب کرنے کی مجاز ہو گی اور اس کی سفارش پر صدر جمہوریہ اس کی تقرری کی منظوری دیا کریں گے ۔

جھنڈا (۵) جہاں تک ریاستی جھنڈے کے سوال کا تعلق ہے ۔ اس بارے میں ریاست جموں وکشمیر کے لیڈروں اور ہمارے رہنماؤں کا جو نقطہ نگاہ رہا ہے وہ درست تسلیم کیا گیا ہے ۔ یعنی سرخ زمین پر سفید ہل اور تین سفید دھاریوں والا جھنڈا برقرار رہے گا اور ہند کے قومی جھنڈے (یعنی چکر والا ترنگا جھنڈا) کو وہی درجہ حاصل رہے گا جو اسے آج تک حاصل رہا ہے ۔

مالی امور: ـ (۶) ہند اور کشمیر کے درمیان مالیات کا کیا انتظام ہوگا اس کی تفاصیل باہمی صلاح ومشورے سے طے کی جائے گی ۔ انتظامات چاہے کچھ بھی ہوں وہ آہستہ آہستہ ہی کئے جائیں گے ۔

صدر جمہوریہ کے اختیارات ـ (۷) ہند کے آئین کی دفعہ ۔ ۳۷ کے تحت صدر جمہوریہ کو یونین کے مختلف یونٹوں پر کچھ اختیارات حاصل ہیں ۔ مثلاً وہ کسی بھی وقت ان میں غیر معمولی حالت (EMERGENCY) کا اعلان کر سکتے ہیں لیکن کشمیر کے بارے میں یہ قدم اٹھانے سے پہلے حکومت جموں وکشمیر کی رائے دریافت کیا کریں گے ۔ یہ رعایت ہند کی کسی اور صوبائی یا ریاستی حکومت کو نہیں دی گئی ہے ۔

اس موقع پر یہ کہنا برمحل ہوگا کہ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی سوانح حیات "آتش چنار" مرتب محمد یوسف ٹینگ کے صفحہ ۱۲ھ

پر بڑے طمطراق اور وثوق سے دہلی معاہدے کا تذکرہ کرتے لکھا کہ معاہدے کے متن کو مذکورہ کتاب کے ضمیمہ میں درج کیا گیا ہے لیکن مصلحت اندیشی کے پیش نظر ایسا نہیں کیا گیا ہے

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہئے

دہلی ایگریمنٹ کی تکمیل کے بعد جب شیخ محمد عبداللہ سری نگر آئے تو حسب روایت نیشنل کانفرنس نے معرکہ سر کرنے کی خوشی میں کھنہ بل اسلام آباد سے انکے استقبال کا اہتمام کیا۔ چنانچہ کھنہ بل کے جلسہ عام میں ان کی تجویز پر تین کشمیری کم سن بچے جن میں ایک ہندو، ایک مسلمان اور ایک سکھ تھا، سٹیج پر لائے گئے۔ انہوں نے مل کر شیخ محمد عبداللہ کے جے جے کار کے نعرے لگائے اور پھر ان کی ہدایت پر ان بچوں نے یہ نیا نعرہ دیا "یہ ملک ہمارا ہے، اس کا فیصلہ ہم کریں گے" اس مقبول عام نعرے کے موجد کے اعزاز میں سری نگر کے لال چوک میں ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو نیشنل کانفرنس نے جلسہ عام کا اہتمام کیا جہاں انہوں نے دہلی ایگریمنٹ کے سیاق و سباق کو اپنا موضوع سخن بناتے کہا:

"فرقہ پرستوں نے ہند اور کشمیر کے تعلقات کو توڑنے کی جو کوشش کی تھی وہ ناکام ہوئی۔ ہندو فرقہ پرست ہند میں جہاں ہندو راج قائم کرنا چاہتے تھے وہاں مسلم فرقہ پرست اس اتحاد اور رشتہ کو توڑ کر ہمیں یتیم بنانے کے خواہاں تھے لیکن وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ کافی مدت سے ریاست جموں و کشمیر کا سیاسی موسم گرم رہا اور اس گرم سیاسی موسم میں بہت ساری باتیں کہی اور سنی گئیں جن میں سے بعض کا تعلق ہند اور ریاست جموں و کشمیر کے تعلقات کو کمزور کرنے سے تھا۔ اس سلسلے میں آپ کی توجہ بعض اہم اور صحیح باتوں کی جانب دلانا چاہتا ہوں کہ جو اقدامات کئے گئے ہیں وہ کس حد تک درست ہیں۔ کشمیر میں ہم نے ایک طویل سیاسی جدوجہد کی ہے اگلی اکیس سالہ

سیاسی تواریخ آپکے سامنے ہے اور ہمارے تعلقات انڈین نیشنل کانگریس سے بندھے رہے ہیں۔ اس برگزیدہ قومی جماعت نے ہماری تحریک کی ہمیشہ مدد کی۔ آپ کو یاد ہوگا پنڈت جواہر لال نہرو، عبدالغفار خان، مولانا آزاد، ان ہی مقاصد کی یکسانیت و یگانگی کی خاطر یہاں آتے رہے اور یہ تعلقات اس وقت اور مستحکم ہوئے جب آل انڈیا سٹیٹ پیوپلز کانفرنس کے نام سے تنظیم وجود میں آئی، مجھے تو اس سب سے بڑی انجمن کا صدر ہونے کا فخر حاصل رہا۔ کوئٹ کشمیر تحریک میں پنڈت نہرو ہماری امداد کو آئے۔ مقدمہ میں آصف علی اور دیگر وکلا یہاں آئے۔ یہ واقعات آپکے سامنے رکھنے کا مدعا و مقصد صرف یہ ہے کہ آپ پر عیاں اور واضح ہو کہ کشمیر اور ہند کا تعلق نیا نہیں ہے دوسری جماعت آل انڈیا مسلم لیگ تھی۔ جس کے ساتھ ہمارے تعلقات کبھی پیدا نہیں ہوئے اور نہ کبھی اس نے ہماری مدد کی بلکہ کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران اسکے لیڈروں نے ہماری مخالفت کی اور کہا یہ تحریک چند غنڈوں نے چلائی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا، مسلم لیگ کی حکومت نے پنجاب سے ہماری سپلائی بند کی اور کہا جب تک ہم ناک نہیں رگڑیں گے سپلائی بحال نہیں کی جائے گی۔

آئین ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں میں نے وضاحت سے کہا کہ ہمیں کن لائنوں پر اپنی اساس کھڑی کرنی ہے۔ وہ تقریر کرنے سے قبل میں نے حکومت ہند کے لیڈروں اور شاہی خاندان کے نمائندہ یوراج کرن سے بھی تبادلہ خیال کیا تھا جاگیرداروں کے معاوضہ کا فیصلہ جموں میں اور شاہی خاندان کا فیصلہ کشمیر میں آئین سازیہ کے اجلاس میں ہوا۔ میں نے کہا آئین ساز اسمبلی خراماں خراماں دوسری باتوں پر اپنا فیصلہ صادر کرے گی۔ حکومت ہند کے ساتھ دستور ساز اسمبلی کے ان فیصلوں پر گفت و شنید کے موقعہ پر خصوصاً مسلم اور ہندو فرقہ پرستوں نے گٹھ جوڑ کیا اور انہوں نے ہندوستان کے کروڑوں لوگوں کے دلوں میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن ہندوستانی لیڈروں نے کہا کہ شاہی خاندان کو ختم کرنے کا فیصلہ اصولاً ٹھیک اور درست ہے۔ مرزا محمد افضل بیگ اور

دوسرے دو تین(۳) ساتھی دہلی گئے۔ اخبارات نے لکھا کہ شیخ محمد عبداللہ کو دہلی بلایا گیا لیکن اس نے دہلی آنے سے انکار کیا پاکستان اور ہند کے فرقہ پرست اجداوں کی حتی الامکان یہ کوشش جاری رہی کہ کشمیر اور ہند کے مابین تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو غرضیکہ جب اس گفت و شنید کا ایک خاص مرحلہ آیا تو میں بھی نئی دہلی گیا اور ہندوستانی رہنماؤں سے دل کھول کر باتیں ہوئیں۔ دہلی میں یہ بھی کہا گیا کہ صدر ریاست ریاست جموں و کشمیر کے شاہی خاندان سے ہو اور تازیست اس عہدے پر قائم رہے۔ بعد ازاں اسکی معیاد پندرہ(۵) سال تجویز کی گئی لیکن یہ فیصلہ ہوا کہ جمہوری طرز حکومت کی مانند صدر ریاست پانچ(۵) سال کے لئے منتخب ہو۔

آج ریاست جموں و کشمیر کے چالیس(۴۰) لاکھ انسانوں کے لئے یقیناً عید کا دن ہے کیوں کہ ان کے سروں پر ایک سو(۱۰۰) سال سے جو مطلق العنان حکومت مسلط ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی وہ تمنائیں اور امنگیں پوری ہوئیں جن کو لے کر یہاں کے مظلوم عوام سر تا پا کفن باندھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے آج کے دن کو عید کہنے میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ کشمیریوں نے غلامی کی وہ زنجیریں اتار پھینکی ہیں جو صدیوں سے ان کے اجداد کی گردنوں میں پڑی تھیں "۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی طویل تقریر میں ہندو فرقہ پرستوں پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ کشمیری ہندوستان کے آئین میں درج شدہ بنیادی حقوق تسلیم نہیں کرتے، قومی جھنڈے کو نہیں مانتے، سپریم کورٹ اور ہندوستانی شہریت کو نہیں اپناتے، اس طرح انہوں نے کروڑوں ہندوستانیوں کے دلوں میں کشمیریوں کے بارے میں شک و شبہات پیدا کئے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں کشمیریوں کے لئے بے انتہا محبت اور احترام ہے۔ انہوں نے دہلی ایگریمنٹ کو ایک فاتحانہ نشان قرار دیکر ہند اور کشمیر کے تعلقات کی وضاحت کرتے کہا:

" ہم نے وہاں جا کر ایک دوسرے کو بخوبی سمجھا اور ایک معاہدہ طے پایا جس میں دفاع، رسل و رسائل اور امور خارجہ کے سوا باقی تمام اختیارات حکومت

جموں کشمیر نے اپنے پاس رکھے، ہندوستان ایک فیڈریشن ہے جسکو مختلف ریاستوں نے ملک کا ایک مرکز بنایا ہے اور اسے اختیارات سونپ دیے ہیں

جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم نے صرف تین امور پر مرکز کے ساتھ الحاق کیا ہے ان کے بغیر ہم نے باقی تمام اختیارات اپنے پاس رکھے ہیں۔ اس سے ہمارا بنیادی تعلق دوسری ریاستوں سا نہیں۔ اگر یہاں کے لوگ چاہیں تو اور اختیارات مرکز کو دے سکتے ہیں اور اگر وہ نہ دینا چاہیں تو انہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا کوئی زبردستی نہیں ہے"۔

شیخ محمد عبداللہ کی تقریر نے نیشنل کانفرنس کے صف اول کے رہنماؤں غلام محمد صادق، غلام رسول رینزو، شام لال صراف اور غلام محی الدین ہمدانی کو بے حد محظوظ کیا۔ جب ہی انہوں نے مجاہد منزل میں کارکنوں کے اجتماع میں انہیں دور اندیش، روشن ضمیر اور مستقبل بعید پر بصیرت رکھنے والا لیڈر کہہ کر انکی عظمت اور اولوالعزمی کا اعتراف کیا اور پھر ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے وزارتی انقلاب میں ان میں بیشتروں نے انہیں امریکی سامراج کا ایجنٹ، وطن دشمن، غدار اور کشمیری عوام کے مفادات سے کھیلنے والا مجرم کہا:

مرزا بیگ کی وضاحت

دہلی سے واپسی پر اسلام آباد کے مکینوں نے نیشنل کانفرنس کے "سیاسی اور قانونی افلاطون" مرزا محمد افضل بیگ کے اعزاز میں ۲۸ جولائی ۱۹۵۲ء کو شیر باغ اسلام آباد میں استقبالی جلسہ کیا جس میں انہوں نے برطانوی راج کے خاتمہ سے لے کر دہلی ایگریمنٹ تک برصغیر میں رونما ہونے والے جملہ واقعات کا اعادہ کرتے معاہدہ دہلی کی یوں وضاحت و تشریح کی۔

"ظاہر ہے کہ آئینی لحاظ سے کشمیر ہند یونین کا ایک حصہ ہے۔ اس وقت ہم یہاں آئین بنا رہے ہیں اور کئی دوسرے اہم فیصلے کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم حکومت ہند کے نمائندوں اور لیڈروں سے تبادلہ خیالات کریں۔ چنانچہ دہلی

ایگریمنٹ میں مندرجہ ذیل باتیں طے پائیں۔

(۱) حکومت ہند نے یہ تسلیم کیا کہ ریاست جموں وکشمیر میں موروثی حکمرانی کا سلسلہ ختم کیا جائے، اس لئے آئندہ سردار اعلیٰ ممبران اسمبلی کے ووٹوں کے ذریعہ منتخب ہوا کرے گا اور صدر جمہوریہ اس کی سفارش پر سردار اعلیٰ (صدر ریاست) کی تقرری کے متعلق منظوری دیا کریں گے (۲) ریاستی جھنڈے کے بارے میں یہ بات طے ہوئی ہے کہ آئندہ ان مقامات پر لہرے گا جہاں شخصی حکومت کا جھنڈا لہرایا کرتا تھا۔ باقی رہا ہند یونین کا جھنڈا اس کی یہاں بدستور عزت ہوتی رہے گی جس طرح آج تک ہوتی آئی ہے اور اہم تقریبات مثلاً ۱۵ اگست، ۲۶ جنوری وغیرہ پر اسی کو لہرایا جائے گا (۳) حقوق شہریت کے بارے میں وضاحتاً یہ طے ہوا ہے کہ یہاں کی اسمبلی ایسے طریقے اختیار کرنے کی مجاز ہے جن کے ہوتے ہوئے سرمایہ دار یہاں کے لوگوں کی غربت اور ناداری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر جائدادیں نہ خرید سکیں (۴) بنیادی حقوق کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ کشمیر کی دستور ساز اسمبلی آئین ہند کی بنیادی حقوق میں سے جن مدوں کو کشمیر کیلئے اچھا مفید اور کارآمد سمجھتے ہیں انہیں اپنے آئین میں جگہ دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آئین کی وہ مدیں ریاست پر لاگو نہیں ہو سکتی ہیں جن کی رو سے ہم جاگیرداروں اور چکداروں کو ان سے چھینی گئی زمینوں کے لئے معاوضہ دینے کے پابند ہو سکتے ہیں (۵) سپریم کورٹ کے سوال پر آج تک بعض کوتاہ اندیشوں اور رجعت پسندوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا رہا کہ کشمیر میں چند آدمیوں کو من مانی کرنے کا اختیار مل چکا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے ہم نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ آئندہ تمام اپیلیں ہند کی سپریم کورٹ ہی طے کیا کرے گا جو آج تک ہمارے ہاں کورٹ آف جوڈیشل ایڈوائزر میں زیر سماعت آتی تھیں (۶) مالی امور کے متعلق ابھی کوئی بات طے نہیں کی گئی ہے۔ اس بارے میں ملک کے لئے جو کچھ مناسب سمجھا جائے گا کیا جائے گا اور حکومت ہند نے یہ اصول تسلیم کیا ہے (۷) ریاست میں صدر

جمہوریہ کے اختیارات کے بارے میں یہ اصول طے ہوا ہے کہ ملک پر بیرونی حملہ کی صورت میں وہ ہنگامی حالات کا اعلان تو کر سکتے ہیں لیکن جب ریاستی حکومت اندرونی گڑبڑ اور اس قسم کی دوسری باتوں سے دوچار ہوگی تو صدر اس بارے میں اپنے مخصوص اختیارات کا استعمال نہیں کر سکیں گے۔ ایسے معاملات کلیتاً یہاں کی حکومت پر چھوڑے جائیں گے"

تقریر کے اختتام پر بڑی بشاشت کے ساتھ مرزا محمد افضل بیگ نے کہا اس سے ریاست کی اندرونی خودمختاری برقرار و قائم رہی ہے اور ہند کے آئین میں دفعہ ۳۷۰ کے تحت جو خصوصی پوزیشن ریاست جموں و کشمیر کو دی گئی ہے وہ بدستور قائم ہے جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات کہنی بے جا نہ ہوگی جب ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو مرزا محمد افضل بیگ اندرونی گڑبڑ کی بنا پر گرفتار کئے گئے تو نہ صرف وہ بلکہ تمام وادی فوج کے حوالے کی گئی جس سے دہلی ایگریمنٹ ریت پر لکھی تحریر ثابت ہوئی

کونسل آف سٹیٹ کی توثیق

ان تشریحات کے دوران ۶ اگست ۱۹۵۲ء کو کونسل آف سٹیٹ نے دہلی ایگریمنٹ کی توثیق کی اس موقعہ پر وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا "کشمیر کے بارے میں ہند پر چار (۴) ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں (۱) ہند کے علاقوں کو بیرونی حملہ سے بچایا جائے (۲) کشمیریوں کی آزادی برقرار و قائم رکھنے اور کشمیریوں کو بیرونی حملوں سے بچانے کے سلسلے میں کئے گئے وعدوں کو نبھانا (۳) کشمیر کا مسئلہ پُرامن طریقوں سے حل کرنے کے متعلق انجمن اقوام متحدہ کے ساتھ کئے گئے وعدوں کا ایفا کرنا (۴) مسئلہ کشمیر کو پُرامن طریقوں سے حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی اور ہم نے جو دو (۲) دیگر وعدے کشمیریوں سے کئے ہیں ان میں پہلا یہ ہے کہ انہیں بیرونی جارحانہ حملوں سے بچایا جائیگا دوسرا انہیں آزادانہ ماحول میں استصواب رائے عامہ کے ذریعہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔ یہ ہے کشمیر کے متعلق حکومت ہند کی پالیسی کی بنیادی باتیں"۔ اپنی تقریر کے اختتام پر وزیر اعظم ہند نے کہا ہندوستانیوں کی اکثریت اس معاہدے میں حکومت کے ساتھ متفق نظر آتی ہے

۷۔ اگست ۱۹۵۲ء کو جب وزیر اعظم ہند نے ہند پارلیمنٹ میں دہلی ایگریمنٹ پر تحریک پیش کی تو ان کا پر جوش تالیوں سے خیر مقدم کرتے ایوان نے تحریک پاس کی۔

پانڈے جی دونوں سے گئے

دہلی ایگریمنٹ طے ہونے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے ہندوستانی لیڈروں کیخلاف اپنی بولی بدلی اور بھول گئے کہ ماقبل وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اس کو کشمیری قوم کی بدنصیبی سے تعبیر کیا جانا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ شیخ محمد عبداللہ کے منہ سے نکلی ہوئی بھانت بھانت کی بولیوں کو قہر الہٰی سمجھ کر تن برضا رہی جب کہ وہ کشمیریوں کی مہر بہ لب خاموشی سے اپنے سیاسی اثاثہ اور سرمایہ میں اضافہ کرتے رہے۔ یہ درست ہے کہ وہ کشمیریوں کی اس کمزوری سے سود مندی کے گر ول سے کماحقہ واقف تھے۔ چنانچہ ۲۹ جولائی ۱۹۵۲ء کو انہوں نے سنٹرل سیکرٹریٹ سرینگر کے احاطہ میں گزیٹڈ اور نان گزیٹڈ سٹاف کو مخاطب کرتے انہیں یہ کہہ کر دھمکی دی "جو سرکاری ملازم ریاستی حکومت کے بنیادی مقصد کی مخالفت کرے گا اس کے لئے انتظامیہ میں کوئی جگہ نہیں ہوگی"۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۲ء کو عید الضحیٰ کے موقعہ پر ریڈیو کشمیر سرینگر سے پیغام عید کے نشریہ میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہہ گئے "ہم نے ہر موقعہ پر ہندوستان کی قومی تحریک کی عنایات کا احسان مندی کا اعتراف کیا ہے۔ جس نے یہاں کے لوگوں کو جدوجہد آزادی کے لئے ابھارا۔ یہ اس تحریک میں شرکت کا ثمر ہے کہ ہم نے قربانیاں دیکر کامیابی اور کامرانی کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کیا۔ مصائب اور اصولوں کی یگانگت نے یہاں کے لوگوں کو ایک ایسے موقع پر ہندوستان کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی ترغیب دی۔ جب جغرافیائی تمدنی سیاسی لحاظ سے ہمیں ایک دوسرے سے جدا و علیحدہ رکھنے کی کوشش تقریباً کامیاب ہو چکی تھیں اب وقت آگیا ہے کہ ہر صحیح الدماغ انسان یہ کوشش کرے کہ سرحد پار کے کشمیری عوام کو ریاست جموں و کشمیر کی سب سے بڑی آزاد اور خود مختار جماعت آئین ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیجنے پر اصرار کرے دستور ساز اسمبلی کے دروازے ان نمائندوں کے لئے ہر وقت کھلے ہیں اور ان کی

شمولیت واشتراک سے پُرامن تصفیہ اور ریاست کی وحدت کو پھر سے بحال کرنے میں راہ ہموار ہوگی ۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب شیخ محمد عبداللہ نے جنگ بندی سرحد کے اس پار رہنے والے کشمیریوں کو آئین ساز اسمبلی میں نمایندے بھیجنے کی دعوت دی جبکہ اس شیخی اور ڈینگ کو عام لوگوں نے ننگی نہائیگی کیا اور نچوڑے گی کیا کہہ کر نظرانداز کیا اور کہنے لگے اپنے سابق بیانوں سے منحرف ہونے کی خاطر گراموفون ریکارڈ کا دوسرا پلٹہ بجانے لگے ہیں ۔

تاریخی طمانچہ

بہرکیف ریاستی وزیر اعظم نے ۱۱ اگست ۱۹۵۲ء کو مجلس دستور سازیہ کے اجلاس میں دہلی ایگریمینٹ کے مدوں سے ممبران کو متعارف کراتے اس کی تمہید میں کہا کہ ایوان میں دہلی ایگریمینٹ کو پیش کرنے کا مدعا یہ ہے کہ آنریبل ممبران اس تاریخی معاہدے کی افادیت اور اس کے سیاق وسباق سے باخبر رہیں اور پھر اس کے جملہ مدوں پر الگ الگ تبصرہ کیا۔ اپنی طویل تقریر میں اس کی خوبیوں کو اجاگر کرتے اسے فتح وکامرانی کا بے نظیر یادگاری دستاویز کہہ کر باہمی امن واتحاد کا ضامن ریاستی عوام کی امنگوں جذبہ آزادی اور اندرونی خودمختاری کا لازوال شہکار قرار دے کر دوررس نتائج کا حامل بیان کیا اور کہا کہ اس معاہدے میں ریاست کے روشن مستقبل کے لئے انواع واقسام کے پھول چن چن کر جمع کئے گئے ہیں ۔ اپنے بیان میں انہوں نے یہ تاثر دینے سے گریز نہیں کیا کہ یہ سب کچھ ان کی محنت کاوشوں اور صلاحیتوں کا ثمر ہے ۔ چونکہ وزیر اعظم ہند نے پارلیمنٹ میں دہلی ایگریمینٹ کا تعارف کراتے اور اس سے قبل کئی موقعوں پر دفعہ ۳۷۰ کی وضاحت میں اسے عارضی دفعہ کہا تھا شیخ محمد عبداللہ نے اپنے لئے یہ لازم اور مقدم سمجھا کہ دفعہ ۳۷۰ کی عارضی نوعیت کو اپنے ڈھنگ کا مفہوم ومعنی دے کر پیش کیا جائے ۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تقریر دفعہ ۳۷۰ کی وضاحت سے شروع کی اور کہا کہ اس دفعہ کو آئین ہند میں عارضی حکم کہا گیا ہے لیکن اسکا ہرگز یہ مدعا نہیں کہ یہ دفعہ یکطرفہ طور قابل تنسیخ، قابل ترمیم یا قابل تبدیل ہے ۔ دراصل

ایسا کرنے کا مکمل اور کلّی اختیار ریاستی آئین ساز اسمبلی کو حاصل ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کے بیان کا اقتباس زیر نظر کتاب میں زیر عنوان دفعہ ۳۷۰ میں پیش کیا گیا ہے۔

غرض اس بحث میں حصّہ لینے والوں میں سردار کلبیر سنگھ، میر اسداللہ سید میر قاسم، غلام رسول رینزو، چونی لال کوتوال اور سید ابراہیم شاہ کرگل قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے اپنی اپنی آراء میں دہلی اگریمنٹ کے مدوں پر بحث کرنے سے کہیں زیادہ شیخ محمد عبداللہ کے فہم و فراست اور سیاسی بصیرت کو داد تحسین دیتے معاہدے کو تاریخی کارنامہ قرار دینے کی سند عطا کی۔ لیکن حکیم حبیب اللہ نے اپنی تقریر میں دفعہ ۳۷۰ کے حوالے سے ہندوستانی اخباروں میں شائع شدہ آئین ہند کے ان جملہ دفعات کا حوالہ دیا جن کو دہلی اگریمنٹ اور دفعہ ۳۷۰ کے باوجود صدر جمہوریہ ہند براہ راست ریاست پر نافذ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں اور ان دفعات کے حق جواز میں انہوں نے خدشہ ظاہر کیا۔ اس سے ریاست کی اندرونی خود مختاری خواب و خیال بن کر رہ جاتی ہے جس پر خاصا ہنگامہ بپا ہوا، اس ہیجانی کیفیت سے عہدہ برا ہونے کیلئے قائد ایوان کی ہدایت پر سپیکر غلام محمد صادق نے ایک گھنٹے کے لئے ایوان کا اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کیا۔ وزیر اعظم لان میں کھڑے ہوئے ممبران ان کے سامنے ایوان سے نکل کر ایک ایک کر کے گزر رہے تھے حکیم حبیب اللہ کو دیکھتے ہی وزیر اعظم نے انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا اور ان کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ مارا جس کے ارتعاش سے ممبران سہم کر رہ گئے اور پھر کسی نے دفعہ ۳۷۰ پر انگشت نمائی یا قانونی اور آئینی نقطوں کو ابھارنے کی جرأت نہیں کی۔ اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہوتا ہے کہ آئین سازی کے اس دور میں آئین تشکیل دینے والے آئینی نقطے ابھارنے اور ان پر بحث کرنے میں کس حد تک آزاد اور بے باک تھے مندرجہ صدر واقعہ کے شان نزول کا ذکر کرتے خواجہ غلام رسول رینزو نے مجھے ایک انٹرویو کے دوران بتایا کہ

پارلیمنٹ میں دہلی ایگریمنٹ کی تحریک پاس ہونے کے بعد جب اخباروں میں ان دیگر دفعات کی فہرست شائع ہوئی جو صدر جمہوریہ ہند براہ راست ریاست جموں وکشمیر پر نافذ کر سکتے ہیں ۔ ان دنوں میں ریاستی آئین سازیہ میں نیشنل کانفرنس پارٹی کا چیف وہپ تھا۔ میں نے ریاستی وزیر اعظم سے اسمبلی میں دہلی ایگریمنٹ پر بحث ہونے سے قبل دریافت کیا اس ضمن میں کوئی وہپ جاری کرنے کی ہدایت تو نہیں ہے، انہوں نے نفی میں جواب دیا اور جب مجلس قانون سازیہ میں بحث شروع ہوئی حکیم حبیب اللہ نے ان تمام دفعات کا ذکر کیا جنہیں صدر جمہوریہ ہند دہلی ایگریمنٹ اور دفعہ ۳۷۰ کے باوجود ریاست پر نافذ کرنے کا اختیار محفوظ رکھتے ہیں۔ اسی اطلاق پر تبصرہ اور اپنی رائے ظاہر کرتے حکیم حبیب اللہ نے نقطہ ابھارتے کہا اس سے ریاست کی اندرونی آزادی سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایوان میں خاصہ ہنگامہ بپا ہوا۔ سپیکر نے قائد ایوان کی ہدایت پر ایک گھنٹے کے لئے اجلاس ملتوی کیا۔ جب ممبران اسمبلی ہال سے باہر نکل رہے تھے، شیخ محمد عبداللہ، حکیم حبیب اللہ کے تاک میں لان کے ایک گوشہ میں کھڑے رہے۔ جوں ہی وہ سامنے سے گذرے تو قائد ایوان نے اپنی قائدانہ عظمت کا مظاہرہ کرتے ان کی گال پر ایک زوردار طمانچہ غالباً قانونی نقطے سمجھنے کے صلہ میں مارا۔ جس کا ارتعاش بڑی دیر تک ممبران اسمبلی کے کانوں میں گونجتا رہا۔ ان پر خوف و دہشت طاری ہو گئی اس طرح دہلی ایگریمنٹ جس کو بغیر کسی رکاوٹ اور حرف علت کے ایوان کو منظور کرنا تھا کے ساتھ ساتھ دفعہ ۳۷۰ پر بحث و تمحیص کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہوا۔"

البتہ اس واقعہ کے بعد جب بھی ریاستی ممبران اسمبلی نے دہلی ایگریمنٹ اور دفعہ ۳۷۰ کی وضاحت میں عوامی سطح پر اپنی منقار کھولی تو اپنے ذہنی دیوالہ پن، کوتاہ اندیشی ناقص اور بودی دلیلوں سے عوامی دشنام و شتم کے ہدف سے بچ نہ سکے انہوں نے ریاست جموں وکشمیر کو سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار میں لانے کے عمل کو اس

لحاظ سے ریاست کے مفاد میں قرار دے کر اسکی وکالت شروع کی کیونکہ اس سے چور ڈاکو قاتلوں اور اسی قسم کے دیگر مجرموں میں رعایت کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ مرکزی الیکشن کمیشن کے دائرہ اختیار میں ریاست کو لانے سے ریاست کی اندرونی خود مختاری اس لئے متاثر نہیں ہوگی کیونکہ الیکشن کمیشن صرف انتخابی تاریخیں مقرر کرنے کی حد تک محدود رہے گا۔ انتخابات کی عمل آوری کی تکمیل بہرصورت ریاستی حکومت کو کرنی ہے۔ وہ دفعہ ۳۷۰ کو عارضی حکم قرار دینا ایک طفلانہ عندیہ سمجھتے تھے۔ انکی نظر میں پارلیمنٹ کا فیصلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا جس کی شرح بیان کرتے وہ شیخ محمد عبداللہ کی تقریر کے ان واضح الفاظ کو بطور سپر بنا کر پیش کرنے لگے چونکہ اسکی تنسیخ ترمیم اور تبدیلی کا دار و مدار ریاستی قانون سازیہ کی سفارشات اور منشا کی تابع ہے جبکہ مجلس آئین ساز یہ ریاستی آئین مکمل کر کے خود بخود ختم ہو جائیگی اس طرح نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ ان دلائل سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اندرونی خود مختاری کے مفہوم اور تصور سے دانشمند ال نیشنل کانفرنس جنہیں بوجھ بجھکڑ کہنا مناسب ہوگا حقائق کا سامنا کرنے میں کسقدر بزدل واقع ہوئے ہیں عقل کے کورے ان پڑھوں کی اس جماعت کو گورکنوں کی طرح اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ مردہ جنت میں جائے یا جہنم میں انہیں صرف قبر کھودنے سے واسطہ ہے۔ اس دور کے ممبران قانون سازیہ کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے بعینہ انکی حالت گورکنوں جیسی ہے انہیں یہ مطلق معلوم نہیں کہ وہ جس آئین کو ترتیب دے رہے ہیں یا پاس کر رہے ہیں آیا اسے ترتیب دینے یا پاس کرنے کے ہم اہل بھی ہیں یا نہیں۔ ان کے لئے ممبر اسمبلی بننا ہی معجزہ تھا۔

جموں اور لداخ کو الگ کرنے کا مطالبہ

دلائل بالا کی رُو سے گزشتہ چار دہائیوں سے ریاستی عوام بخوبی پرکھتے آئے ہیں کشمیریوں کی زبان بندی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی لیکن یہ سارا ڈرامہ جارح پسند نے خاموشی سے نہیں دیکھا اس جماعت کے قائد پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ اور انکے ساتھیوں نے قبل دہلی میں مہاراجہ ہری سنگھ کے ایما پر جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا کے لیڈروں سے صلاح و مشورہ کر کے ۱۰ جون ۱۹۵۲ء کو صدر جمہوریہ ہند کو ایک میمورنڈم بدیں مقصد پیش کیا تھا چونکہ کشمیر میں آئین ساز اسمبلی نے شاہی خاندان کو ہٹانے، قومی جھنڈے کے بدلے خودساختہ جھنڈے کو ریاست پر لہرانے اور آئین ہند کے بنیادی

استحقاق کے جملہ لوازمات وحقوق کو ریاست پر لاگو نہ کرنے کا جو اعلان کیا ہے اس سے پیدا شدہ صورت حال کے بعد پرجا پریشد تقسیم ریاست جموّں وکشمیر کا مطالبہ کر رہی تھی۔ پھر اگست ۱۹۵۲ء کے دوسرے ہفتہ میں اودہم پور میں پرجا پریشد کے ایک روزہ کنونشن میں اس آتش فشاں کا پہلا لاوا پھوٹ پڑا۔ جس کو کامیاب بنانے کے لئے نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ کے لیڈر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی، ہندو مہاسبھا کے ویشن پانڈے بابو رام نرائن جن سنگھ اور کئی دوسری فرقہ پرست جماعتوں کے لیڈر بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ کنونشن میں پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ نے جہاں جموں اور لداخ کو کشمیر سے الگ کرنے کا مطالبہ کیا، وہاں یہ وارننگ بھی دی کہ دستور ساز اسمبلی کو عوامی مفادات درہم برہم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہماری تحریک اس وقت تک جاری رہے گی جب تک نہ ہندوستان کا سالم آئین ریاست پر لاگو ہوگا۔ لیکن لداخ کی علیحدگی کے مطالبہ کے جواب میں لداخ کے مقامی بودھ راہب اور بیشو اکشپ بکولا نے پرلیشد یوں کے دعویٰ کی قلعی کھولتے ہوئے دہلی میں ایک بیان میں کہا "لداخ ریاست جموّں وکشمیر سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتا ہے۔ یہ محض پروپیگنڈا ہے کہ میں کمیونسٹ ہوں ایسا کہنے والے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ وہ یہ بھول رہے ہیں کہ میں ایک بدھ فقیر ہوں" جلسہ کی کامیابی اور عوامی ردعمل دیکھتے ہوئے ۲۴ اگست کو جموّں کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر کامریڈ دھنونتری نے پرانی منڈی جموں میں اپنی جماعت کا جلسہ کیا اور پرجا پریشد کی تقسیم ریاست کے منصوبے کی تائید وحمایت کرتے کہا "ہماری پارٹی اس مطالبے کی حمایت کرتی ہے، ہم ڈوگرے پنجاب اور کشمیر سے ایک الگ خود مختار ڈوگرہ دیش جس کی اپنی جمہوری حکومت ہو، صرف جدوجہد سے حاصل کر سکتے ہیں" تقریر کے دوران دھنونتری نے پنڈت نہرو کو امریکی ایجنٹ کہا حاضرین اس پر خفا ہوئے انہوں نے شور مچایا اور روسی جھنڈا اتار دو کے نعرے لگائے۔ جلسہ گاہ میں بھگدڑ مچی جلسہ درہم برہم ہو کر ختم ہوا۔ پرجا پریشد کے اس مطالبہ کے خلاف پہلا بیان

جموں سے وید بھسین (حال ایڈیٹر و مالک "کشمیر ٹائمز") جنرل سیکرٹری نیشنل کانفرنس سٹوڈنٹس یونین نے دیا جو ریاست اور بیرون ریاست کے تقریباً تمام سرکردہ اخباروں نے نمایاں طور شائع کیا۔

دہلی ایگریمنٹ کی تفاصیل عوام تک پہونچانے کے لئے نیشنل کانفرنس کے صدر اور سیکریٹری مولانا محمد سعید مسعودی نے ریاست گیر دورے کا پروگرام مرتب کیا۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ نے صوبہ کشمیر اور مولانا محمد سعید مسعودی نے صوبہ جموں کے اہم علاقوں میں جاکر یہ بتانے کی کوشش کی کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے ضمن میں پرجا پریشد اور ہمارے پروگرام میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ ہندوستان کے آئین کو مکمل صورت میں ریاست پر لاگو کرنے کے خواہاں ہیں جب کہ ہم جزئیات کے قائل ہیں۔

اس سیاسی بے بسی اور سراسیمگی سے وادی کے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے بخشی غلام محمد نے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں یوم رسول میر منا کر کامیاب سعی کی۔ شعر و شاعری اور مشاعروں کی ان محفلوں میں مرزا غلام حسن بیگ عارف، نند لال طالب، پرتھوی ناتھ کول کوثر، بشیر رفعت، لکھمن لال محو، ماسٹر زندہ کول، پرنسپل جے لال، دینا ناتھ نادم، پروفیسر شوریدہ، مرزا کمال الدین شیدا، غلام محی الدین رتن پوری، افسر یزدانی، محمد یاسین منشر، فاضل کاشمیری، نور محمد روشن، عبدالعزیز ہارون، بنسی نردوش، صاحبزادہ عبدالرحمان، غلام رسول نازکی، عبدالحق برق، شہ زور کاشمیری، جگر ناتھ وکی، محمد یوسف نسیم، رحمان راہی، غلام نبی فراق اور امین کامل ادب نوازوں کو شعر و سخن کی بھول بھلیوں سے بہلاتے ہے۔ بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق کے درمیان جو سیاسی چپقلش جاری تھی اس نے غلام محمد صادق کو وادی میں امن کانفرنس کا انعقاد کرنے پر اکسایا۔ ان دنوں سوویت روس کے پاس ایٹم بم نہیں تھا اسلئے دنیا بھر کے کمیونسٹ نظریہ رکھنے والے روس کو امن دوست کہتے تھے۔ امن کانفرنس اسی نظریہ اور مشن کی ایک کڑی تھی۔ بخشی غلام محمد اور مولانا محمد سعید مسعودی نے اس حرکت کو کمیونسٹ نوازی کا نام دے کر اس کی مخالفت شروع کی۔ شیخ محمد عبداللہ نے یکم نومبر کو امن کانفرنس کے انعقاد پر تبصرہ و تنقید کرتے کہا ہم بین الاقوامی گروہ بندیوں سے الگ تھلگ

رہنے کی پالیسی پر کاربند ہیں۔ اگر ہمارے کسی کارکن کو نیشنل کانفرنس کا پروگرام پسند نہیں ہے تو اسے تنظیم میں نہیں رہنا چاہیئے" غلام محمد صادق نے نوشتہ دیوار پڑھ کر چپ سادھ لی اور اپنے لئے امن کا طلب گار بنے۔

کرن سنگھ کو سیاہ جھنڈیوں سے استقبال

صدر ریاست کرن سنگھ سرینگر سے ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو بذریعہ ہوائی جہاز جموں گئے۔ ہوائی اڈے پر نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد اور کئی سینئر آفیسروں نے انکا پرجوش استقبال کیا جب وہ اپنی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو پرجا پریشد کے لیڈروں اور حامیوں نے نہ صرف انکا سیاہ جھنڈیوں سے مظاہرہ کیا بلکہ ایسا دکھائی دینے لگا وہ ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے آرائشی محرابوں کو توڑ کر لوٹنا شروع کیا، چلتی گاڑیوں پر پتھراؤ کے ساتھ ساتھ اپنی تحریک کا اعلان کیا۔ حکومت نے تحریک دبانے کے لئے پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ اور ان کے چودہ(۱۴) ساتھیوں کو گرفتار کیا۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء کو پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کو اٹھارہ(۱۸) ماہ قید سخت اور ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ عدم ادائیگی جرمانہ مزید دو(۲) ماہ قید سخت کا مستوجب قرار دیئے گئے اس کے نتیجے میں ہڑتالیں ہنگامے اور بلوے عام ہوئے حکومت کی حمایت اور پرپشد کی مذمت کرنے والوں کی ایک ٹولی بھی سامنے آئی جس میں ٹھاکر لچھمن سنگھ چاڑک، گوردوارہ سنگھ سبھا کے جنرل سیکریٹری، گیانی جیون سنگھ، سردار کلبیر سنگھ گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے صدر سردار گوربب سنگھ اور سردار آیا سنگھ شامل تھے۔ پارلیمنٹ میں جن سنگھ، رام راجیہ پریشد اور مہا سبھائی ممبروں نے جموں و کشمیر کے حالات پر بحث کرنے کی تجویز پیش کی جو مسترد ہوئی اور پنڈت نہرو نے کہا "اگر میں کشمیر میں ہوتا تو پریشدی تحریک کے خلاف زیادہ سخت اقدامات کرتا" غرض پریشدی تحریک نے اپنے آغاز سے ہی تشدد کا رخ اختیار کیا۔ اس جماعت کے کارکنوں نے مسلح ہو کر پولیس پر ملٹری فورس اور دوسرے کئی سرکاری اہلکاروں پر حملے کئے زنبیر سنگھ پورہ

اودھم پور، سانبہ، بٹوت، اکھنور، چھمب، ریاسی، رام بن، ڈوڈہ، کشتواڑ میں اس قسم کے واقعات رونما ہوئے جن پر قابو پانے میں ریاستی حکومت بری طرح ناکام رہی۔ پرلیڈیوں کی ان سینہ تانیوں کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان بھر کے فرقہ پرستوں نے شورش بپا کرنیوالوں کی قلمے درمے اور سخنے حمایت کی حتیٰ کہ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے بار بار پارلیمنٹ میں اس ایجی ٹیشن کو محب وطن ہندوستانیوں کی جدوجہد کا نام دیا۔ بھوپال میں اکھل بھارتیہ ہندو مہا سبھا نے جلسہ عام میں قرار داد پاس کی جس میں بتایا گیا کہ حکومت ہند نے ریاست جموں و کشمیر کو جو امتیازی حیثیت دے رکھی ہے اسے ختم کر کے اس ریاست پر بھی پارٹ "بی" کی سٹیٹوں کی طرح جمہوریہ ہندوستان کا سالم آئین نافذ کیا جائے

کانگریس کا اٹھانواں اجلاس

اس تحریک نے شیخ محمد عبداللہ کی پوزیشن اس کٹی ہوئی پتنگ کے مانند کر دی جو ہوا کے رحم پر ہچکولے کھاتی ہے اور کشمیری عوام ہندو فرقہ پرستوں کے تیرو نشتر جیسے وطیرہ سے یہ اندازہ لگانے سے نہیں چوکے کہ کشمیری لیڈر کی قوم پرستی کا دائرہ صرف وادی کی چار دیواری تک محدود اور محیط ہے۔ ان ناموافق حالات کے مدنظر جنرل نے وزیر اعظم کشمیر کا پیمانہ صبر لبریز کیا انہوں نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے گلہ کرتے اسکے تدارک کی خواہش کی پنڈت نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کی ناراضگی دور کرنے کی خاطر انہیں اپنے ساتھ حیدر آباد لیا جہاں ۱۶ جنوری ۱۹۵۳ء کو حیدر آباد شہر میں آل انڈیا کانگریس کا اٹھانواں (۹۸) سالانہ اجلاس ہو رہا تھا جس میں کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی نے پنڈت جواہر لال نہرو کے ایما اور خواہش کا احترام کرتے مندرجہ ذیل قرار داد پاس کرکے اپنی دریا دلی کا ثبوت دیتے حاتم کی قبر پر لات ماری۔

"کشمیر کے معاملے میں فرقہ پرست جماعتوں کی دخل اندازی سے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں اور ہند کے قومی مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کشمیر کے معاملہ میں انکی مداخلت اور بات بات پر دخل اندازی قابل مذمت ہے۔ وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ کشمیری عوام کے باہمی اتفاق و اتحاد کی بنیادیں مضبوط اور استوار کی جائیں کشمیری عوام

سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ ملک کی فرقہ پرست جماعتوں کی بوکھلاہٹ کو نظر انداز کرکے انکی کوششوں کو ناکام بنانے میں تمام ذرائع بروئے کار لائیں اور اپنی شاندار قوم پرست روایت قائم رکھیں۔"

اجلاس میں پنڈت نہرو کی فرمائش پر شیخ محمد عبداللہ نے تقریر کرتے کہا:

"جموں کی پرجا پریشد جو کسی جاگیردارانہ نظام حکومت ختم کرنے کے حق میں نہیں ہے اب ریاست جموں و کشمیر پر ہندیونین کے سالم آئین کا نفاذ چاہتی ہے اور دیگر کئی افراد کی آڑ لے کر اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ اکالی رہنما ماسٹر تارا سنگھ، ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی، ہندو مہاسبھا کا صدر این سی چٹرجی اور رام راجیہ پریشد کے دوسرے فرقہ پرست لیڈر جموں پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کے بارے میں جو بیانات دے رہے ہیں میرے اور اہل ریاست کے سامنے ان کی کوئی بھی اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ بے اصول، بے وزن اور بے دلیل بیانات ہیں۔"

اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندو مہاسبھا، رام راجیہ پریشد، راشٹریہ سویم سنگھ، جن سنگھ اور اکالی دل کی سرگرمیوں اور بیان بازی پر تشویش کا اظہار کیا۔ یہ کہنا بے موقع نہیں ہوگا کہ ان ہی دنوں اکالی دل کے ماسٹر تارا سنگھ نے اپنے ایک بیان میں پرجا پریشد کی حمایت کی آڑ میں کشمیری مسلمانوں پر رکیک حملے کرتے کہا تھا "اگر وہ ہند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو کشمیر سے چلے جائیں" دراصل کانگریسی لیڈروں میں بھی ایک خاصی تعداد پرجا پریشد کے نظریہ کی حمایت پر تھی بظاہر وہ پنڈت جواہر لال نہرو کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے لیکن پس پردہ وہ انکی کشمیر نوازی اور کشمیر پالیسی کے مخالف تھے۔ سبب ہی قرارداد داخلی جلسے کے بعد پریشد تحریک اور زیادہ زور پکڑ گئی۔

اجلاس کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے جموں کی شورش کے نشیب و فراز سے ہندوستانی رائے عامہ کو بیدار اور باخبر کرنے کیلئے جنوبی ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ ۲۱ جنوری ۱۹۵۲ء کو انہوں نے مدراس کے ایک جلسہ میں جس کی صدارت مدراس ریاستی کانگریس کے صدر کے کامراج نے کی اور جس میں مدراس کے وزیر اعلیٰ راج گوپال اچاریہ موجود تھے تقریر کرتے کہا "میں فرقہ پرستوں اور تنگ نظروں کی دھمکیوں سے نہیں گھبراتا ہوں۔ میں اس نکتے سے ہندوستان کے طول و عرض میں رہنے والوں سے استدعا

کرتا ہوں کہ وہ کشمیر کے مسائل کو خود غرضانہ اور جذباتی طریقے سے نہیں بلکہ ایک حق شناس، واقفیت پرستانہ انسان کے نکتہ نگاہ اور محب وطن ہونے کی حیثیت میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو دہلی پراونشل کانگریس کمیٹی نے ٹاؤن ہال گارڈن میں ایک عوامی جلسہ کا اہتمام کیا جس میں شیخ محمد عبداللہ نے کہا:۔

"جو لوگ جموں اور لداخ کو ہند سے ملانے اور صرف وادی کشمیر میں جہاں ننانوے[۹۷] فی صد آبادی مسلم ہے میں رائے شماری کرانے پر زور دے رہے ہیں بزدل ہیں۔ وہ انکے خوف کے احساس کا نتیجہ ہے۔ یہ مسٹر جناح کی "دو قومی[۲] نظریہ" کو تسلیم کرنے کے برابر ہے۔ وہ لوگ بھی غلط فہمی کے شکار ہیں جو اسی کوتاہ اندیشی کے باعث مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل سے واپس لینے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ایسا کرنے سے فائدے کے بجائے نقصان ہوگا اور پاکستان کے حق میں یکطرفہ فیصلہ دیا جائے گا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہندوستان بین الاقوامی خیر اندیشی کھو بیٹھے گا۔ جغرافیائی لحاظ سے بھی اگر لداخ اور جموں کو وادی سے الگ کیا جائے تو بھی ہندوستان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ آپ چاہیں مجھے گالیاں دیں لیکن میں سچائی کی جنگ لڑ رہا ہوں۔ میری بدقسمتی یہ ہے کہ میرا نام شیخ محمد عبداللہ ہے اور میں مسلمان ہوں جب کہ میں نے مسٹر محمد علی جناح کے دو قومی تھیوری کا بھانڈہ چوراہے پر پھوڑ دیا ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر کے دوران اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے کہا گو کہ ماسٹر تارا سنگھ کو میں اپنا بزرگ مانتا ہوں لیکن جب بزرگ سیاستدان ہی بہکی باتیں کرکے عوام میں خلفشار پیدا کریں تو اسکا علاج کیا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا "ہندوستان نے کشمیر کو مغربی پاکستان کے عوض گروی رکھا ہے" اس منطق کا میرے پاس کوئی جواب نہیں جبکہ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے ریاست جموں وکشمیر کیلئے اکیس[۲۱] پوائنٹ پر نیا ودھان بنانے کی تجویز پیش کی ہے۔ ان باتوں سے جہاں انتشار کی راہ ہموار ہو رہی ہے وہاں ان سے پاکستان فائدہ اٹھا رہا ہے۔ مجھ سے کشمیری مسلمان سوال کرتے ہیں کہ انکو کیا جواب دوں جموں وکشمیر کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کیا ہے اس وقت پنڈت جواہر لال نہرو امریکہ میں بیٹھے تھے۔

مختلف نقطہ ہائے نظر

سوز و گداز اور آہ و عنبریں کے اس مظلومانہ انداز سخن کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۵۳ء کی تقریب پر تقریر کرتے انہوں نے کہا۔

"ان تمام باتوں کے باوجود جب ہم ہندوستان میں شامل ہوئے تو اسکی وجہ بجز اس کے کچھ اور نہیں تھی کہ ہمیں صاف نظر آرہا تھا ہندوستان کے ساتھ شامل ہو کر ہماری دیرینہ آرزوئیں اور اُمنگیں پوری ہو سکتی ہیں دوسری طرف سے ہمیں پاکستان میں صرف اپنی تباہی نظر آئی۔ لہٰذا میرے سامنے ہندوستانی عوام کو دھوکہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جموں کے لوگ اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور دیکھ لیں کہ ہندوستان کو کون دھوکہ دے رہا ہے"

۳۱ جنوری ۱۹۵۲ء کو گاندھی جی کی پانچویں برسی پر رام لیلا گراؤنڈ میں جو جلسہ منعقد ہوا اس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"جموں میں پرجا پریشدیوں نے جو ہلڑ بازی شروع کی ہے اس سے ہند اور کشمیر کا باہمی رشتہ کمزور ہونے کا احتمال ہے۔ اس وقت جب ہندوستان کے نمایندے ڈاکٹر گراہم کے ساتھ مسئلہ کشمیر کے متعلق بات چیت کرنے والے ہیں' جموں کو کشمیر سے الگ کرنے کا مطالبہ کرنا انتہائی خطرناک بات ہے"

شیخ محمد عبداللہ کی بڑھتی ہوئی بے چینی و بے قراری کے زیر نظر مرکزی حکومت کے اشارے پر دہلی اور مشرقی پنجاب میں چند مہاسبھائی' رام راجیہ پریشدی' جن سنگھی اور اکالی کارکن پرجا پریشد کی حمایت کے جرم میں گرفتار کئے گئے۔ دراصل پرجا پریشد کی اپنی کوئی طاقت اور ساکھ نہیں تھی بلکہ یہ ہندوستان کے ہندو فرقہ پرستوں کا تیار کیا منصوبہ تھا جنہوں نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کو ملیا میٹ کرنے کے علاوہ ان کے وقار کو فنا کرنے کے لئے ان کی کھلی پشت پناہی کی جائے۔ ان ہی دنوں ہندو مہاسبھا کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں جس کی صدارت این سی چٹرجی نے کی ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا کہ نہرو جموں پرجا پریشدی تحریک کے معاملہ میں مداخلت کر کے گول میز کانفرنس طلب کریں جس میں جموں پرجا پریشد کے لیڈر شامل ہوں۔ ریاست کو ہندیونین میں مدغم کیا جائے اور ہندوستان کا سارا آئین ریاست پر لاگو کیا جائے' جن سنگھ کی ورکنگ کمیٹی کا خصوصی اجلاس

جو ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ جموں کی صورتحال پر غور کرنے کے لئے گول میز کانفرنس طلب کی جائے کشمیر کا مسئلہ ہند اور کشمیر کا اپنا معاملہ ہے۔ اقوامِ متحدہ یا پاکستان کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ریاست کی دستور ساز اسمبلی الحاق کے فیصلہ کی فوری طور توثیق کرے۔ قرارداد میں وارننگ دی گئی کہ اگر فروری ۱۹۵۳ء کے اختتام تک پرجا پریشد کے لیڈر رہا نہیں کئے گئے یا ان سے گفت و شنید نہیں ہوئی اور گول میز کانفرنس طلب نہیں کی گئی تو دونوں جماعتیں ہندوستان بھر میں ایجی ٹیشن شروع کریں گی۔ گورو ایس۔ ایم۔ گوالکر نے ۱۰ فروری ۱۹۵۳ء کو جے پور میں راشٹریہ سیوم سنگھ کی پریڈ میں تقریر کرتے کہا:

> "ہندوستان کا آئین ایک گداگر کے اس چیتھڑے کے مانند ہے جس میں جگہ جگہ پیوندکاری کی گئی ہو اور اس کی بنیاد غیر ملکی تہذیب کے اصولوں پر قائم ہے اگرچہ کشمیر عملاً اور کاملاً ہندوستان کے ساتھ ملحق ہوا ہے تو اس ریاست کے لئے ایک الگ آئین کیوں مرتب کیا جا رہا ہے جس طرح مرکزی حکومت کا ان ریاستوں پر مکمل کنٹرول ہے جہاں راج پرمکھوں کی حکومت ہے اسی طرح کشمیر پر بھی مرکز کا کنٹرول کیوں نہیں ہے۔ اس ریاست میں حقِ خود ارادیت کی رٹ لگانا غلط اور بے معنی ہے۔"

اس درمیانی وقفہ میں پرجا پریشدیوں نے جموں کے کئی علاقوں میں مہاراجہ ہری سنگھ اور مہر چند مہاجن کے مہیا کئے سابق تقسیم شدہ اسلحہ کا استعمال شروع کیا چنانچہ سرینگر کے نیشنل کانفرنس یونٹ نے عبدالعزیز مہاجن کی صدارت میں ایک قرارداد کے ذریعہ جموں میں ناجائز اسلحہ ضبط کرنے کا مطالبہ کیا۔

صدرِ جمہوریہ کا خطاب

۱۱ فروری ۱۹۵۳ء کو ہند پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو خطاب کرتے صدر جمہوریہ ہند نے جموں و کشمیر کا ذکر کرتے کہا:

> "یہ بات افسوس ناک ہے کہ جموں میں کچھ لوگوں نے ایسی تحریک شروع کی ہے جو حد درجہ ناعاقبت اندیشانہ ہے۔ اگر اس تحریک کا مقصد جموں و کشمیر کو ہند کے زیادہ قریب لانا

چاہیئے۔ میں حیران ہوں کہ اس امر کو کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مجھ پر یہ بات مکمل طور واضح ہے کہ جموں ایجی ٹیشن اگر کامیاب ہو گی تو اس کے نتیجہ میں اس ریاست کے بارے میں ہمارا کیس تباہ و برباد ہو کے رہ جائیگا کشمیر کے ساتھ مکمل الحاق کے اہم امور (جن میں بین الاقوامی امور بھی شامل ہیں) اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔ خارجی پالیسی محض ہماری خواہشوں کی آئینہ دار نہیں ہوتی اور نہ ہمارے غصہ کی غمازی کرتی ہے اسے کئی صورت حال کے حقائق اور قوم کی طاقت کے مطابق طے کرنا پڑتا ہے ہماری نظر میں الحاق مکمل ہے اور آئین ساز اسمبلی کی قرارداد سے (جس کا خیر مقدم کیا جاسکتا ہے) یہ الحاق اور مکمل نہیں بن جائے گا۔ ریاست میں پناہ گزینوں کو دوبارہ بسانے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس ایجی ٹیشن کو روکنے میں آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں گے تاکہ اس کے بعد شکایات سے دوچار ہونے کی کوشش کی جائے۔

مکرجی کا دوسرا خط

مکرجی نے اپنے مکتوب مورخہ ۳ فروری ۱۹۵۳ء میں وزیر اعظم ہند کو لکھا "آپ نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ ہم جموں کے مسئلہ پر حب الوطنی اور قوم پرستی سے دوچار ہو رہے ہیں جو حل ہم پیش کر رہے ہیں وہ فرقہ پرستانہ نہیں ہے اور نہ ہم ہند کی سالمیت کو زک پہونچانا چاہتے ہیں آپ نے دہرایا کہ ریاست جموں و کشمیر کی قانون ساز اسمبلی جس کا انتخاب حق رائے دہی بالغان کے اصول پر ہوا ہے۔ مکمل الحاق کے متعلق قرارداد پاس کرے گی کئی معاملوں میں ہند اور کشمیر میں یکسانیت رہنی چاہیئے۔ ان معاملوں کا تعلق بنیادی حقوق، سپریم کورٹ کی حد سماعت، گورنمنٹ کے فرائض اور آئین، صدر جمہوریہ کے اختیارات، قومی منصوبہ بندی اور مالی الحاق کے ساتھ ہیں۔ جموں کے لوگوں کی اقتصادی ترقی، کاروبار کی فراہمی، پناہ گزینوں کی بحالی اور جموں میں سرحدی اضلاع کی تبدیلی کے بارے میں چھان بین کرنے

کشپ بکولنے اعلان کیا ہے جب تک کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے پریشد کی ایجی ٹیشن لداخیوں کے لئے کوئی مطلب نہیں رکھتا ہے ۔ پریشدی لیڈروں نے اپنی تقریروں میں کہا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کا خون پینا چاہتے ہیں ۔ بخشی غلام محمد کے خلاف جو خلافِ تہذیب زہر اگلا گیا اس ایوان میں دہرایا نہیں جاسکتا ۔ دہلی کے اخبارات من گھڑت اور جھوٹی باتیں لکھتے ہیں ۔ ایسے اخباروں کا ریاست میں داخلے پر پابندی کو شہری آزادی غصب اور سلب کرنے کا نام نہیں دیا جاسکتا ۔"

منصوبہ بند ایجی ٹیشن

مارچ ۱۹۵۳ء کے ابتدائی ہفتہ میں پنجاب اور دہلی میں رام راجیہ پریشد جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا نے اپنی دی ہوئی دھمکی کے تحت ایجی ٹیشن شروع کی جس کے پاداش میں ان دونوں جگہوں پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کیا گیا ۔ دہلی میں ڈیڑھ درجن کے قریب گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں ۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ وہ شرپسند لوگ ہیں جو ان فرقہ پرست جماعتوں کے اشاروں پر شہری نظم و نسق تباہ کرنا چاہتے تھے اور جموں میں ہلاک ہونیوالوں کے پھول دہلی لاکر جلوس نکالنے کا پروگرام مرتب کر رہے تھے ۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بھیم سنگھ سچر نے اعلان کیا کہ پنجاب کو جموں کے پریشدیوں کے حق میں کارروائیاں کرنے کا اڈہ بننے نہیں دیا جائے گا ۔ دہلی میں ۷ مارچ کو ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے مختلف فرقہ پرست جماعتوں کی مشترکہ ایجی ٹیشن شروع کرنے سے پہلے بیان دیتے کہا " ہم [illegible] کو گاندھی جی کا نام لے کر آندولن شروع کرنا چاہئیے ۔ ہماری ایجی ٹیشن ستیہ گرہ ہوگی اس ستیہ گرہ کا نمونہ پیش کرتے ان کے حامیوں نے ہند پارلیمنٹ کی دو خاتون ممبر مسز سبھدرا جوشی اور مسز ساوتری دیوی نگم کی جیپ کار پر پتھراؤ کیا جس سے سبھدرا جوشی زخمی ہوئیں انہیں ہسپتال میں داخلہ لینا پڑا ستیہ گرہ کرنیوالوں نے گاندھی آشرم پر حملہ کیا ۔ دوکانداروں کو دوکانیں بند نہ کرنے پر دھمکی آمیز خطوط بھیجے گئے ۔ ستیہ گرہ کا یہ انمول نمونہ پنجاب کے مختلف شہروں امرتسر لدھیانہ جالندھر پٹھانکوٹ اور انبالہ وغیرہ میں بھی دیکھا گیا ۔ یہاں جلسوں اور جلوسوں

ہیں شیخ محمد عبداللہ کو سبّ وشتم سنانے کے بعد اسے کٹر مسلمان اور انتہائی درجہ کا فرقہ پرست قرار دے کر ان کی برطرفی کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ اس ہنگامہ خیزی پر مرکزی حکومت نے ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی، این سی چیٹرجی اور رام راجیہ پریشد کے نندلال شرما کو گرفتار کیا لیکن انہوں نے سپریم کورٹ میں ہیبس کارپس کی درخواست پیش کرتے کہا کہ وہ دفعہ ۱۴۴ توڑنے نہیں بلکہ حالات کا مشاہدہ کرنے گئے تھے عدالتِ عالیہ نے ان کی رہائی کا حکم صادر کیا۔

اس درمیان میں جموں و کشمیر کے متعلق تمام مسائل پر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے پنڈت نہرو اور شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ جاری کیا جس میں انہوں نے اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر پیش کئے۔ پنڈت نہرو اور شیخ محمد عبداللہ نے اپنے جوابی مکتوبات میں واضح الفاظ میں بتایا، ہم سیکولرازم کے اصولوں پر ڈٹے ہوئے ہیں اور ان سے انحراف نہیں کریں گے۔ اس کے برعکس مکرجی نے فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے جموں و کشمیر کے مسائل کو پیش کرتے پریشد ایجی ٹیشن کی حمایت کی۔ اس تمام خط و کتابت کو ذیل میں اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر مکرجی کا پہلا خط

ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے وزیر اعظم ہند کے نام پہلا خط ۹ جنوری ۱۹۵۳ء کو جموں ایجی ٹیشن کی نوعیت، مطالبات، پناہ گزینوں کی آباد کاری اور مسئلہ کشمیر کے بعض پہلوؤں پر تجاویز کے سلسلے میں بھیجا اور لکھا وزیر اعظم ہند اور وزیر اعظم کشمیر اور پرجا پریشد لیڈروں کے مابین کانفرنس بلائی جائے جس میں فوری اور پُرامن سمجھوتے کی کوشش کی جائے جو متعلقین کے لئے منصفانہ اور صحیح ہو۔ مکرجی نے یہ دلیل غلط قرار دی کہ پریشد ایجی ٹیشن جموں و کشمیر سے باہر کسی پارٹی یا گروپ یا شخص کی شہ پر شروع کی گئی ہے اور یہ کہنا بھی عبث ہے کہ ایجی ٹیشن کرنیوالوں نے عاقبت نااندیشی سے کام لیا ہے، پریشدیوں نے نہ تو تشدد سے کام لیا اور نہ اسلحہ کا استعمال کیا ہے جب کہ ان کے مطالبات کو سمجھنے کی کوشش کی جانی

چاہیئے تاکہ انکے شک و شبہات اور مشکلات و مصائب دور ہوں سلامتی کونسل سے ہمیں کسی اچھے برتاؤ کی توقع نہیں۔ اس لئے جموں و کشمیر آئین ساز اسمبلی کے ذریعہ الحاق کی توثیق کرائی جائے۔ ایک ودھان، ایک پردھان اور ایک نشان کا نعرہ حب الوطنی کے جذبہ سے بلند کیا گیا ہے۔ اس بنیادی سوال کو دباؤ سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک نفسیاتی سوال ہے۔ اس سے احتیاط اور باریکی سے دوچار ہونا چاہیئے، پرجا پریشد کی تحریک پھیل رہی ہے، پھیلتی جائے گی اور ہندمیں بھی پھیلے گی۔ اگر حکام کے پاس اس سے دوچار ہونے کے لئے دباؤ کے بغیر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو۔ خط کے آخر میں مکرجی نے خواہش ظاہر کی کہ آپ شیخ محمد عبداللہ سے مشورہ کریں۔ پہلے سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے اور پھر کانفرنس طلب کی جائے جس میں مسائل زیر بحث آئیں اور ایسا حل ڈھونڈا جائے جو ہند کے لئے بحیثیت مجموعی اچھا اور ریاستی لوگوں کے فلاح و بہبود کا ضامن ہو

مکرجی نے اپنے نامہ کا نقل شیخ محمد عبداللہ کو اس درخواست اور حاشیہ کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ معاملہ کو حل کرنے میں پہل کریں گے۔

پنڈت نہرو کا جواب[1]

پنڈت نہرو نے ۱۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو مکرجی کے مکتوب کے جواب میں لکھا یہ الزام ہے کہ حکومت کشمیر نے دباؤ کا استعمال کیا ہے۔ اس بات کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ پرجا پریشد نے کھلے بندوں تشدد کیا ہے بہت سارے آفیسر اور پولیس کے آدمی زخمی ہوئے ہیں اور سرکاری املاک کو نقصان پہونچایا گیا ہے جو ایجی ٹیٹروں کی طرف سے تشدد کے واضح استعمال کا ثبوت ہے، سرکاری اور غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق ریاستی حکومت نے دباؤ کے ذرائع استعمال کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ کافی ضبط سے کام لیا۔ تاہم حکومت کے لئے کچھ اقدامات کرنے لازمی تھے حکومت کو یا تو اپنی ذمہ داریوں سے دستبردار ہونا تھا یا حالات قابو میں رکھنے تھے۔ اسکے علاوہ اور کوئی درمیانی راستہ نہیں تھا۔ اس ایجی ٹیشن پر کشمیر کا تمام مسئلہ ریاست کا مستقبل پاکستان اور اقوام متحدہ پر اس کے اثرات کو زیر نظر لا کر غور کرنا

ظاہر کیا جا رہا ہے تو اس کا اُلٹا اثر ہو سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ تحریک ختم کی جائے گی۔

ہند اور کشمیر کے تعلّقات آئینِ ہند کے دفعہ ۳۷۰، اور معاہدہ جولائی ۱۹۵۲ء کے

تابع ہیں اور یہ تعلّقات گوارا ہیں"۔

مولانا مسعودی پارلیمنٹ میں

ممبر پارلیمنٹ مولانا محمد سعید مسعودی نے صدرِ جمہوریہ کی تقریر پر شکریہ کی تحریک کے بحث میں حصّہ لیتے کہا

"یہ الزام بالکل غلط ہے کہ جموّں کو ہندو اور مسلم علاقوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ جنگ بندی معاہدہ طے ہونے کے بعد کئی تحصیلوں کے ٹکڑے ہوئے کئی جگہوں پر ایک تحصیل کا صرف ایک یا دو دیہات ہمارے قبضہ میں ہے۔ لہٰذا انتظامی ضرورت کے لئے تحصیلوں کی از سرِ نو حد بندی کرنا ضروری بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ پرجا پریشد یوں کی سرگرمیوں سے ۱۹۴۷ء میں ہندو مسلم فسادات رونما ہوئے۔ ان فسادات کی وجہ سے کئی شہروں اور دیہاتوں سے پانچ (۵) لاکھ مسلمان نکال باہر کئے گئے۔ کئی ہزار مسلمان قتل کئے گئے اور باقی سرحد پار کر کے پاکستان میں پناہ گزین ہوئے۔ اس کے نتیجہ میں نئے ہندو علاقے معرضِ وجود میں آئے۔ یہ سب کچھ پریم ناتھ ڈوگرہ اور پرجا پریشد کے لیڈروں کے کہنے پر کیا گیا جو ان دنوں جموّں میں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے سنچالک تھے۔ لداخ کو کشمیر سے الگ کرنے کا مطالبہ کرنے والے اس بات کو فراموش کرتے ہیں کہ پاکستانی حملہ سے قبل اس علاقے کے تین (۳) تحصیلوں کی آبادی تقریباً دو (۲) لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ ان میں سے سوا لاکھ لوگ آج گلگت میں ہیں جس پر پاکستان کا قبضہ ہے۔ باقی (۸۰) ہزار لوگوں میں جو کہ ہندوستانی علاقہ میں ہیں، پینتالیس (۴۵) ہزار مسلمان اور پینتیس (۳۵) ہزار بودھ اور دیگر فرقوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ لوگ دو (۲) علاقوں میں رہتے ہیں جو ایک ایسے راستہ کے ذریعہ آپس میں ملے ہوئے ہیں جس کو گھوڑے پر طے کرنے میں سولہ (۱۶) دن لگ جاتے ہیں۔ ان حالات میں یہ شور و غوغا بلند کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ بودھوں کے لداخ کا ایک علیحدہ صوبہ بننا چاہئے۔ لداخ کے سرکردہ مذہبی و سیاسی لیڈر

کے لئے ایک غیر جانبدار کمیشن کی تقرری عمل میں لائی جائے۔ ڈاکٹر شیاما پرشاد نے اپنے خط کے آخر میں سیاسی قیدیوں کی رہائی اور سہ فریقی کانفرنس طلب کرنے کی مانگ کو دہرایا۔

نہرو کا جواب (۲)

ڈاکٹر مکرجی کے ۳ر فروری کے مکتوب کا جواب ۵ رفروری ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے یوں دیا۔

"میرے خیال میں جموں کی پرجا پریشد کا ایجی ٹیشن نہ صرف فرقہ وارانہ ہے بلکہ اس کی حمایت ہند کے فرقہ پرست اور تنگ دل عناصر کر رہے ہیں۔ اگر ملک نے بحیثیت مجموعی یہی طریقہ اختیار کیا تو اس کے نتیجہ میں جموں وکشمیر کی ریاست اور ہند کے مفادات کو سخت زیاں پہنچ سکتا ہے۔ اس کے پیش نظر ہمارے سامنے یہی راستہ کھلا ہے کہ ہم اس عاقبت نا اندیشانہ ایجی ٹیشن کی مزاحمت کریں۔ یہی ہماری حکومت کی رائے ہے اور اسی پالیسی پر ہم عمل پیرا رہیں گے جب کہ حکومت جموں وکشمیر نے جموں کے لوگوں کی شکایات کی تحقیقات کے لئے کمیشن مقرر کر لیا ہے۔ اگر ایجی ٹیشن صرف ان ہی شکایات کے ساتھ وابستہ ہوتی تو اس ایجی ٹیشن کا خیر مقدم کیا جاتا لیکن اس کے برعکس کھلے بندوں کہا جا رہا ہے کہ ایجی ٹیشن جاری رہے گی۔ اس سے قطعی طور یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایجی ٹیٹروں کو لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے اور دوسری مشکلات سے کوئی سروکار نہیں بلکہ وہ کچھ اور سوچ رہے ہیں۔ جموں وکشمیر کا سوال اکثر مرتبہ پارلیمنٹ کے سامنے آیا ہے اور اس سلسلے میں جو کچھ اب تک کیا گیا ہے پارلیمنٹ نے واضح طور اس کی منظوری دی ہے اس لئے یہ ایجی ٹیشن آئینی امور کے متعلق پارلیمنٹ میں کئے گئے فیصلوں کے خلاف ہے اس طرح یہ ایجی ٹیشن پارلیمنٹ کے اقتدار اور اس کی بالادستی کے لئے ایک چیلنج ہے جب کہ یہ بین الاقوامی معاملات میں بھی مداخلت کے مترادف ہے، جن کے نتائج دور رس ہیں۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے اور ہماری

حکومت سے یہ توقع کیوں کر رکھتے ہیں کہ ہم کسی ایسی کوشش کو جائز قرار دیں جو جمہوری نظام حکومت اور اس کی طے شدہ پالیسیوں، معیاروں کے سراسر خلاف ہو۔ آپ نے جو سوالات اُبھارے ہیں ان کا تسلی بخش جواب پارلیمنٹ میں کئی مرتبہ دیا گیا ہے۔ میں پارلیمنٹ کے فیصلوں کے خلاف نہیں جا سکتا جس کے احکام کی میں بحیثیت وزیر اعظم تعمیل کرنے کا پابند ہوں۔ عیاں ہے کہ آپ پارلیمنٹ اور اس کے فیصلوں کی بہت عزت نہیں کرتے۔ آئینی اور جمہوری اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے علاوہ میں سوچتا ہوں کہ کسی بھی سوجھ بوجھ والے انسان کی نظر میں عملی طور پر ایجی ٹیشن، ہند کے دشمنوں کو فائدہ دے سکتی ہے اور وہ مقاصد کبھی حاصل نہیں کر سکتی جن کے لئے اس کے علمبرداروں نے اسے شروع کیا ہے۔ اگر صورت یہ ہے تو میں سمجھ نہیں سکتا کہ یہ احمقانہ حرکت کیوں جاری رکھی جائے تا وقتیکہ اس کا اصل مقصد مختلف اور کچھ اور نہ ہو کوئی بھی شخص بالآخر اس نتیجے پر پہونچے گا کہ یہ ایجی ٹیشن شکایات کو دور کرانے کی خاطر شروع نہیں کی گئی ہے بلکہ یہ ایک تخریبی تحریک ہے جو جموں کے علاوہ ہند پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کا حکومت صرف ایک ہی جواب دے سکتی ہے۔ ان حالات میں کانفرنس بلانی ایک غیر معمولی بات ہے جب کہ ایجی ٹیشن جاری ہے اور ایجی ٹیٹروں کو بیک وقت تحریک جاری رکھنے کی بھی پوری آزادی ہو اور وہ کانفرنس میں بھی شامل ہو سکیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں پریشد یوں اور ان کے حامیوں سے اس قسم کا سلوک نہیں کر سکتا۔ اگر ایجی ٹیشن جاری رکھی جائے تو یہ ہمارا کام ہے اس ضمن میں کون سے اقدامات کریں۔ ہند اور جموں و کشمیر کے عوام کا مجموعی مفاد (جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے) کئی ایسے اشخاص کے گروہ کی خواہشات سے زیادہ اہم ہے جو تنگ نظری اور متعصبانہ نقطہ نگاہ سے عمل کرتے اور سوچتے ہیں اور جو ہند کی بہبودی کو اپنے مفاد کے زیر نظر رکھتے ہوئے ایک گروہ کی بھلائی

کے لئے دوسرے گروہ کو نقصان پہونچانے کی فکر میں ہیں۔

مکرجی کا تیسرا خط

شیاما پرشاد مکرجی نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام اپنا تیسرا خط، ۷ فروری ۱۹۵۳ء کو بھیجا۔ مکتوب میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان کی اور ان کے ہمنوا اشخاص کی تحریک فرقہ وارانہ نہیں، نہ ہند کے اتحاد کو زک پہونچا سکتی ہے اور نہ بیرونی عناصر کی شہ پر شروع کی گئی ہے۔ آپ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جموں کی ایجی ٹیشن بھی جاری ہے، بیک وقت قیدی بھی رہا کئے جائیں اور کانفرنس بھی ہو۔ ہاں اگر پریشد کے لیڈروں سے بحث و مباحثہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے تو بات چیت کے دوران ایجی ٹیشن بند کی جا سکتی ہے۔

نہرو کا جواب (۳)

۱۰ فروری ۱۹۵۳ کو پنڈت جواہر لال نہرو نے متذکرہ صدر مکتوب کے جواب میں لکھا، آپ کا خط پڑھ کر یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم مختلف ذہنی دنیاؤں میں بستے ہیں اور یکساں الفاظ کے معنی ہمارے لئے مختلف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حکومتِ ہند یا حکومتِ کشمیر کی پالیسیاں جموں کا کوئی خاص طبقہ پسند نہ کرے، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے نظریوں کا اظہار اس نام نہاد ستیہ گرہ (جس کے نتیجہ میں اختلاف اور مصائب پیدا ہوئے) کے بجائے اچھے طریقہ سے کر سکتے تھے۔ میرے سامنے اس وقت اعلیٰ افسروں (جن میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، سپرنٹنڈنٹ پولیس اور کانسٹبل ہیں) کی ایک طویل فہرست ہے، جو ستیہ گرہ میں زخمی ہوئے ہیں جس کے پیشِ نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایجی ٹیشن امن پسندانہ ہے۔

جہاں تک کمیشن کی تشکیل کا تعلق ہے مجھے شبہ ہے اگر کوئی دوسرے قسم کا کمیشن بنایا گیا ہوتا تو وہ آپ کو بہتر دکھائی دیتا، یہ ایک سرکاری کمیشن ہے جس کا صدر ایک چیف جسٹس ہے جو غیر جانبدارانہ رائے قائم کر سکتا ہے اور اس کمیشن میں غیر

سرکاری اور من پسند اشخاص لئے گئے ہوتے تو بلا شبہ نکتہ چینی کی جاتی کہ وہ لوگوں کی نمائندگی نہیں کرتے اس لئے سرکاری کمیشن کی تقرری کو بہتر سمجھا گیا جو کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ کہنا کہ کمیشن کا دائرہ عمل انتہائی محدود ہے اور اس میں آئینی امور شامل نہیں کئے گئے۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ پارلیمنٹ پر ایک کمیشن کو جج بنانا چاہتے ہیں اور اس کے ذریعہ نازک قومی اور بین الاقوامی مسائل کا فیصلہ کرانا چاہتے ہیں۔ یقیناً میں اس نکتہ چینی پر تعجب کرتا ہوں۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ بڑے آئینی معاملے جو تمام ہند اور بین الاقوامی مسائل پر اثر انداز ہوں کیونکر ایک مقامی ایجی ٹیشن میں استعمال کئے جائیں۔ اس بات کو ایک طرف چھوڑ کر بھی ایک مقامی گروہ جو جارحانہ اور تخریبی ایجی ٹیشن چلا رہا ہو۔ میں یہ سمجھ نہیں سکتا کہ ہم کس طرح یہ معاملہ اس مقامی گروہ کے ساتھ زیر بحث لائیں (جو شعوری طور اتنے بالغ النظر نہیں کہ وہ ان باریکیوں کو سمجھ سکیں) اس ایجی ٹیشن کا مطلب پارلیمنٹ کے خلاف ایجی ٹیشن ہے یہ صحیح ہے کہ پارلیمنٹ ملک سے عظیم نہیں لیکن عام طور پر مانا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ ملک کی نمائندہ جماعت ہے۔ اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ جموں کا ایک گروہ پارلیمنٹ سے بالاتر نہیں۔ کیا ایسے معاملوں میں جو سارے ملک پر اثر ڈالتے ہیں ایک مقامی گروہ کو سارے ملک اور پارلیمنٹ پر دباؤ ڈالنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اس پر غور کریں گے تو آپ تسلیم کریں گے کہ ایسی تجویز پیش نہیں کی جا سکتی۔

اس میں شک نہیں کہ آپ ہند کے خیر خواہ ہیں لیکن اس کے باوجود ہند کی بہتری کے بارے میں ہمارے نقطہ نگاہ میں تطبیق کا اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری ماضی کی زندگی بھی مختلف رہی ہے۔ ہم اپنے ماضی کو جس نے حال کو جنم دیا ہے، بھول نہیں سکتے۔

میری نظر میں ہند کے مسائل یا دوسرے مسائل کو فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے دیکھنا ناکارہ، تنگ نظری ہر کسی گروہ اور قوم کے لئے ایذا رساں ہے۔ میری تجویز ہے

کہ آپ جموں پرجاپریشد کی اس ایجی ٹیشن کو ختم کرانے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ کیوں کہ یہ ایجی ٹیشن فائدے کے بجائے یقینی طور نقصان آور ہے۔

مکرجی کا چوتھا خط

ڈاکٹر مکرجی نے اپنا چوتھا خط ۱۲ فروری ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کو بھیجا۔

"ہمارے مابین اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر وزیر اعظم ہند اور شیخ عبداللہ ایجی ٹیٹروں کے ساتھ تمام مسائل پر بحث کا یقین دلائیں میں ایجی ٹیشن ختم کرانے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرسکتا ہوں جن امور پر سوچ بچار اور غور و فکر کی ضرورت ہے یہ ہیں (۱) جموں و کشمیر کی آئین ساز اسمبلی کے ذریعہ مکمل الحاق سے متعلق قرارداد میں پاس کرانا (۲) ریاست میں آئین ہند کے بنیادی حقوق شہریت مالی الحاق کسٹم کا خاتمہ سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار صدر جمہوریہ کے ایمرجنسی اختیارات اور انتخابات کے امور لاگو کرنے کا سوال اس پر عملدرآمد طے شدہ عرصہ کے اندر ہو (۳) آئین ہند کے ان دوسرے امور کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ اپنی رائے ظاہر کریں کہ کون سی ترمیمات کی ضرورت ہے جو ان کے محاسن پر زیر غور لائے جائیں گے (۴) ریاست جموں و کشمیر کا آئین آئین ہند کا ایک جزو ہو گا۔ (۵) جموں اور لداخ کی سرحدوں میں تبدیلی کے بغیر علاقائی خود اختیاری دی جائے (۶) ہند کے جھنڈے کی برتری کی مکمل گارنٹی دی جائے (۷) پاکستانی مقبوضہ علاقہ کو آزاد کرنے کے متعلق صریحاً پالیسی (۸) ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرنا جس میں جموں اور بیرون کشمیر رہنے والے لوگوں کی اکثریت ہو یہ کمیشن شکایات و مطالبات کی تحقیقات کرے (۹) جن ایجی ٹیٹروں کے خلاف ضبطی کے احکام جاری ہوئے ہیں ان کا پنشن، جائیدادیں اور املاک واپس کیا جائے۔"

نہرو کا جواب (۴)

۱۲ فروری ۱۹۵۳ء کو مکرجی کے پیش کردہ مطالبات کا جواب وزیر اعظم ہند نے مندرجہ ذیل خط میں دیا۔

"ریاست جموں وکشمیر کی آئین ساز اسمبلی آسانی سے قرارداد پاس کرسکتی ہے جس میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کی توثیق کی جائے لیکن اس سے جیسا کہ آپکا مقصد اور مطلب ہے "تکمیل" نہیں لائی جاسکتی۔ "تکمیل" لانے کے سوال میں کچھ اور امور بھی ہیں جو ہمارے قابو میں نہیں حقیقت یہ ہے کہ ریاست جموں وکشمیر آئین ساز اسمبلی نے مختلف معاملوں کے بارے میں خصوصاً ہندوستان کے ساتھ معاہدہ کی توثیق کر کے جو عمل کیا ہے وہ الحاق کی توثیق کرنے کی نسبت کافی زیادہ ہے کئی باتوں میں اس سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔ آپنے کئی امور کا حوالہ دیا ہے اس آئین میں درج ہونگے جو کشمیر کی آئین ساز اسمبلی ترتیب کر رہی ہے میرے خیال میں اس میں تاخیر کی ایک وجہ موجودہ ایجی ٹیشن ہوئی ہے جس نے حکومت جموں وکشمیر کے لئے ان معاملوں کی عملدرآمد کو مشکل بنا دیا ہے۔ یہ واضح طور پر بتایا گیا ہے اور کئی موقعوں پر عملاً ظاہر کیا گیا ہے کہ ہند کے جھنڈے کو برتری حاصل ہے۔ پاکستانی مقبوضہ علاقہ محض ایسا سوال نہیں جس پر بحث ومباحثہ کیا جائے کیونکہ اس میں بہت سارے سیاسی امور اور فوجی معاملوں کو دخل ہے۔ اس میں جموں کی ایجی ٹیشن نے پاکستانی مقبوضہ علاقے کے سوال سے دوچار ہونے کا کام مشکل بنا دیا ہے کیونکہ ایجی ٹیشن وہاں کے لوگوں میں ڈر میں عواقب پیدا کریگا۔ ہم کسی علاقہ کو زبردستی اپنے تحت رکھنے کے معنوں میں نہیں سوچتے بلکہ ہم صرف متعلقہ لوگوں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جموں وکشمیر کے علاوہ دوسری ریاستوں میں بھی ہمیں علاقائی اور صوبائی خود اختیاری کی قدر کرنی ہے لیکن اس سلسلے میں ہم مشورہ تو دے سکتے ہیں لیکن مداخلت نہیں کرتے کوئی ریاستی حکومت خاطر خواہ طور کام نہیں چلا سکتی۔ اگر مرکزی حکومت اس پر چھا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ واحد اور صحیح راستہ یہ ہے کہ ایجی ٹیشن کو بند کیا جائے۔ معمول کے حالات پیدا کرنے اور باہمی خیر خواہی کا جذبہ بڑھانے کے لئے ہر طرف سے کوشش کی جائے۔ وہی بنیادی ترقی کا زینہ ہے شکایات پر غور کرنے اور کمزوریوں کو رفع کرنے کی راہ ہے۔

مکرجی کا پانچواں خط

۱۲ فروری ۱۹۵۳ء کو ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے اپنا پانچواں خط پنڈت جواہر لال نہرو

کے نام بھیجتے لکھا۔" اگر آئین ساز اسمبلی مکمل الحاق کے متعلق قرارداد پاس کرے تو اس سے اقوام متحدہ میں ہند کا کیس کمزور نہیں ہو سکتا اور اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ اس وقت جب کہ کشمیر کے متعلق جنیوا میں بات چیت ہو رہی ہے' الحاق کے متعلق اعلان نا منصفانہ ہے۔ اگر جموں کے نمائندوں کو اس قسم کا یقین دلایا جائے تو میں ان کو مطمئن رہنے کی تلقین کروں گا اور انہیں اس ضمن میں واضح اور غیر مبہم اعلان کے مطالبہ سے باز رکھوں گا لیکن اس سے قبل قیدیوں کی رہائی پر عائد شدہ پابندیاں ہٹانے اور سزائیں ختم کی جانی لازمی ہیں۔

نہرو کا جواب ــــ (۵)

مکرجی کے نام پنڈت نہرو اپنے پانچویں خط مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۵۳ء میں رقمطراز ہیں۔ آپ کے خط میں کئی ایسے سوالات اٹھائے گئے ہیں جو اس قدر دور رس اور پیچیدہ ہیں کہ ان کے شتابی اور اتفاقی رنگ سے دو چار نہیں ہو سکتا جن امور کے بارے میں حکومت ہند اور حکومت کشمیر کے مابین فیصلہ ہو چکا ہے میں سمجھ نہیں سکتا کہ جب ان کے لئے موزوں وقت نہ پہنچے دونوں حکومتوں کے مابین ان پر کیسے بحث کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک آئین ساز اسمبلی کے ذریعہ الحاق کی حمایت میں قرارداد پاس کرنے کا تعلق ہے اگر اسمبلی چاہے تو ایسا کر سکتی ہے درحقیقت اس کی تمام کارروائی الحاق پر مبنی ہے۔ اسی ASSUMPTION پر آگے جا رہی ہے۔ قرارداد سے الحاق میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایسی قرارداد منظور کئے جانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ یہ سوال بھی کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا بلکہ یہ کہنا مشکل ہے کہ قرارداد سے یہ معاملہ اقوام متحدہ میں نہیں رہے گا۔ ہم نے آج تک جو پوزیشن اختیار کی ہے اس سے آئین ساز اسمبلی کو اس معاملے کے علاوہ دوسرے معاملوں پر بھی اظہار رائے کرنے کا حق ہے لیکن ہم نے اقوام متحدہ کو جو وعدے دئے ہیں ان کے لئے ہم ذمہ دار ہیں اور ہمیں اسی طرح سے معاملہ کو دیکھنا ہے۔ دراصل مشکل کا باعث پریشدی کارکردگی کا پس منظر ہے۔ جو کچھ بھی کسی شخص کے مقاصد ہوں لیکن

قطع نظر اسکے یہ ایجی ٹیشن مکمل طور پر فرقہ وارانہ ہے۔ اسلئے یہ ہند کی بنیادی پالیسیوں جنہیں ہمیں روبعمل لانا ہے کے خلاف ہے۔ ماضی میں بھی اس تحریک سے وابستہ بہت سارے اشخاص نے ان پالیسیوں کی مخالفت کی ہے اور ایسی لائن اختیار کی جس کو ہم فرقہ وارانہ اور ملکی مفاد کے منافی قرار دیتے ہیں۔ اس تحریک کے حق میں جو تقاریر کی گئی ہیں وہ انتہا پسندانہ اور متشددانہ ہیں اور فرقہ واریت ظاہر کرتی ہیں۔ اس تحریک کو قطعی طور ختم کیا جانا چاہیئے۔

مکرجی کا چھٹا خط

ڈاکٹر مکرجی نے ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم کے نام اپنے چھٹے خط میں لکھا۔

"ہم فرقہ وارانہ نقطہ نگاہ سے مسائل کا حل نہیں چاہتے۔ حالات کو بہتر بنانے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتا ہوں (۱) تحریک ختم کی جائے گی (۲) قیدیوں کو رہا کیا جائے (۳) وزیر اعظم ہند اور وزیر اعظم کشمیر ایک سہ فریقی کانفرنس بلائیں جس میں تمام سیاسی اور آئینی مسائل پر بحث کی جائے (۴) کشمیر کی سالمیت کو برقرار رکھا جائے اور جموں لداخ اور وادی کشمیر کو علاقائی خود مختاری دی جائے (۵) نیا آئین فوری طور لاگو کیا جائے (۶) جھنڈے کے سوال کی وضاحت کی جائے ہند کی دوسری ریاستوں کی طرح روزآنہ ہند کے جھنڈے کو استعمال کیا جائے۔ (۷) بنیادی حقوق وغیرہ امور کی وضاحت ہو۔ جولائی ۱۹۵۲ء کے معاہدہ کو آئین ساز اسمبلی کے دوسرے اجلاس کے فوراً بعد لاگو کیا جائے (۸) تحقیقاتی کمیشن کے دائرہ سماعت کو وسیع کیا جائے (۹) کمیشن ہند کے دو ججوں اور جموں وکشمیر کے چیف جسٹس پر مشتمل ہو۔ مکمل الحاق کے بارے میں کانفرنس میں غور وخوض ہو اور ایسا سمجھوتہ طے کرنے کی کوشش کی جائے جس سے ہند اور کشمیر کے مفاد وابستہ ہوں۔ ان امور کی رضامندی کے بغیر ایجی ٹیشن ختم نہیں کی جائیگی۔

شیخ محمد عبداللہ کے نام مکرجی کا مکتوب

ڈاکٹر مکرجی نے ۹ جنوری ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کے نام اپنے نامے

میں درخواست کی کہ وہ جموں ایجی ٹیشن ختم کرانے میں پہل کریں اور اس مکتوب کے ساتھ ۹ جنوری ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے نام بھیجے نوشتہ کی نقل بھی ارسال کی۔

شیخ محمد عبداللہ کا جواب

وزیر اعظم کشمیر نے مکرجی کے نام اپنے جواب میں لکھا۔ جب میں نے گزشتہ ستمبر کو آپ سے سری نگر میں ملاقات کی اور جموں و کشمیر کے متعلق کئی مسائل کے بارے میں اپنا نقطۂ نگاہ واضح کیا۔ مجھے اطمینان ہوا کہ آپ نے ہمارے نقطہ نظر کو سمجھا ہے جیسا کہ آپ نے بعد ازاں کھلے بندوں میری اور میرے ساتھیوں کی مشکلات کے بارے میں ہمدردی کا اظہار کیا۔ آج مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے کہ آپ جموں کی موجودہ صورتِ حال کو واقفیت پسندانہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے، اس بات کی پوری شہادت موجود ہے کہ پرجا پریشد نے مسئلہ کشمیر کے لئے ایک فرقہ وارانہ حل ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لیڈروں نے کھلے بندوں اس قسم کے بیانات دئے ہیں اور یہ بیانات اس آجی ٹیشن کے اصل مقاصد کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رکھتے۔ ان بیانات کی روشنی میں، میں حیران ہوں کہ کوئی ذی شعور مسلمان کیسے پرجا پریشدیوں کا ساتھ دے سکتا ہے بخلاف اس کے حکومت کو ان علاقوں سے تحفظ کی درخواستیں کی گئیں ہیں جن سنگھی، مہا سبھائی اور اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ کے بیانات نے واضح کیا ہے کہ ہند کے فرقہ پرست کشمیر کے بارے میں کیسی بودی اور اوچھی دلیلیں پیش کرتے ہیں اور کیا مقاصد رکھتے ہیں۔ الحاق کی قرار داد سے ہندوستان کو کیا نفع ہوگا جب کہ یہ معاملہ اقوام متحدہ کے زیر غور ہے۔ ہم ایسی قرار داد پاس کرنے کے لئے تیار رہیں لیکن حکومت ہند کو ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے جو ایسے فیصلے کے نتیجہ میں اس پر پڑ سکتی ہے۔ اگر حکومتِ ہند اعلان کرے

کہ آئین ساز اسمبلی کا فیصلہ ناقابلِ تنسیخ ہے تو اس صورت میں اسے اقوامِ متحدہ کے ساتھ نپٹنے کے معاملے کو بھی زیرِ غور لانا ہوگا۔ ہند کو اس صورت میں اس تنظیم سے خارج ہونا پڑے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہند علیٰحدگی اختیار کر سکتا ہے جب کہ بیرونی طاقتوں کی پوری ہمدردی پاکستان کے ساتھ ہو۔ اس علیٰحدگی کی پوزیشن میں اگر حکومتِ ہند آئین ساز اسمبلی کے فیصلہ کو برقرار رکھنے کی خاطر ایسی صورت اختیار کرنے کے لئے تیار ہے تو یہ فیصلہ بغیر درنگی کے کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ایسا نہیں کیا جا سکتا تو اسمبلی کی قرارداد بے معنی ہے، جب تک ریاست کے مستقبل کے متعلق سیاسی صورت حال یقینی نہ بن جائے۔ وہ لوگ جو اس مسئلے کا مکمل حل چاہتے ہیں محض اس FORMALITY کو پورا کرنے سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ مزید آئین ساز اسمبلی کے فیصلہ سے مسئلہ کو حل کرنا چور دروازے سے داخل ہونے کے مترادف ہے۔ ہم یہ تجویز اسلئے رد کرتے ہیں کیوں کہ غیر جانبدارانہ استصواب رائے عامہ کے لئے ضروری ماحول پیدا نہیں ہوا ہے۔ میرے دل میں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ اگر ایسا ماحول پیدا ہو جائے اور لوگوں کو آزادانہ رائے دینے کا موقعہ مل جائے تو فیصلہ ہر حال میں ہمارے حق میں ہوگا جب کہ پریشد اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے بنا کر مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ جموں و کشمیر کی حکومت نے جو رویّہ اختیار کیا ہے وہ ہند کے آئین کے عین مطابق ہے اور اس کے باوجود آپ کہتے ہیں کہ ہم آئین ہند کی توہین کر رہے ہیں۔ مجھے اس پر دکھ ہوا ہے کہ آپ ایک پردھان ایک ودھان اور ایک نشان کے جذباتی نعروں سے متاثر ہوئے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ ہم "نشانات" کے خلاف ہیں۔ جموں و کشمیر کا ہند کے ساتھ آئینی الحاق کے پیشِ نظر ہم ان نشانات کو اسی طرح برتر خیال کرتے ہیں جس طرح ہند کی کسی دوسری ریاست میں کیا جاتا ہے۔ ہماری ریاستی حکومت نے اندرونی طور پر جو تبدیلیاں کی ہیں اسے ایسا کرنے کا حق ہند کے آئین سے حاصل ہوا ہے اور کشمیر کو آئین ہند میں جو خصوصی پوزیشن دی گئی ہے وہ ہند کی

دستور ساز اسمبلی نے غور و خوض کے بعد دی ہے کشمیر اور ہند کا بندھن اٹوٹ ہے۔ لیکن اگر اس رشتہ کی بنیاد تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کے نتائج جو ہوں اُن کے لئے ہم سب کو تیار رہنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ بتانا بے جا نہ ہوگا کہ وہ پارٹیاں جو پرجا پریشد کی حمایت کرتی ہیں، آئینِ ہند کی موجودہ ہیئت سے مطمئن نہیں۔ ان میں سے چند پارٹیوں نے واضح طور پر مطالبہ کیا ہے کہ یہ آئین ہندوؤں کے اصولوں (IDEALS) کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ان کے ایک ترجمان نے حال ہی میں کہا "کہ اس کی پارٹی قومی جھنڈے کے بجائے بھگوا جھنڈا بلند کرنے کے لئے جد و جہد کرے گی۔ ساتھ ہی یہ تمام پارٹیاں پرجا پریشد کے ایک پردھان، ایک نشان کے لئے ایجی ٹیشن کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ یہ طریقے کچھ عرصے کے لئے کچھ لوگوں کو متاثر تو کرے لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ پرجا پریشد کے بہت سارے حمایتیوں کی آئینِ ہند اس کے نشانات سے وفاداری کو مشتبہ بناتی ہے۔ پرجا پریشد کی جماعت معاہدہ دہلی کے خلاف اور مکمل الحاق کی حامی ہے اور دوسری طرف آپ اس معاہدہ کی فوری طور عملدر آمد کرانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس معاہدہ پر ڈٹے ہوئے ہیں اور یہ تمام فیصلے روبعمل لائے جائیں گے۔ آپ نے شاید اس پر غور نہیں کیا ہے کہ جب ہم نے اس معاہدہ کے ایک حصے پر عمل کیا ہے یعنی صدر ریاست کا انتخاب عمل میں لایا تو پرجا پریشد نے اس کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کی۔ پرجا پریشد نے واضح کیا ہے کہ وہ ان معاہدوں کے خلاف ہے اور آپ نے بھی کھلے بندوں ان کے نظریئے کی حمایت کی ہے مسئلہ بالکل آسان ہے۔ اگر پرجا پریشدی معاہدہ کو فوری طور روبعمل آتے دیکھنا چاہتے ہیں تو ہند کے آئین کا یہ جزو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کشمیر کو انڈین یونین میں خاص درجہ حاصل ہے۔ حکومت جموں و کشمیر کی جانب سے

معاہدہ دہلی کی عملدرآمد میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں معاہدہ گزشتہ سال جولائی میں ہوا اور اگست میں پارلیمنٹ نے اس کی توثیق کی۔ ۱۱ اگست کو ریاست کی آئین ساز اسمبلی نے اس کی تصدیق کی اور اس کے فوراً بعد حکومتِ ہند کے ساتھ صدرِ ریاست کے انتخاب کا مسئلہ زیرِ بحث آیا تاکہ آئین میں ضروری تبدیلیاں کی جائیں۔ حکومت ہند کے آئینی مشیروں نے ضوابط کی جانچ پڑتال کی اور یہ معاملہ ۱۶ نومبر کو اختتام پذیر ہوا۔ ۱۷ نومبر کو ریاستی اسمبلی نے صدر ریاست منتخب کیا۔ صدرِ ریاست ۲۲ نومبر کو جموں گئے جہاں پرجا پریشد نے ایجی ٹیشن شروع کردی اور صدرِ ریاست کا استقبال سیاہ جھنڈیوں سے کیا تب سے حالات کچھ اس طرح ہو گئے ہیں کہ حکومت کو لاء اینڈ آرڈر کے قیام کے لئے اپنی تمام تر توجہ مبذول کرنا پڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے غیر معمولی حالات میں آئین سازی کا کام نہیں کیا جا سکتا۔ پریشدیوں کی اشتعال انگیزی کے مقابلے میں حکومت نے کافی ضبط و تحمل سے کام لیا۔ کوئی حکومت جو نظم و نسق برقرار رکھنے کی ذمہ وار ہو، مؤثر طریقے سے عمل نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ ملازمین، عوامی اداروں اور جائداد کے تحفظ کی ضمانت نہ دے سکے۔ ہمیں لاء اینڈ آرڈر قائم رکھنے کے لئے یا تو مناسب اقدامات کرنے تھے یا لاقانونی کے سامنے ہتھیار ڈالنے تھے۔ باوجود آں سرکار کو بے دلی سے ایسے نازک اوقات میں طاقت کو استعمال کرنا پڑا۔ جب حالات کو قابو میں لانے کے لئے دوسرے ذرائع ناکام رہے۔ غیر جانبدارانہ شہادت کی بنائی پر یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ سرکار نے سخت گیری اور دست درازی سے کام نہیں لیا ہے۔ چھمب کے واقعہ کی تحقیقات ریاست کے ایک سینئر جج مسٹر پرچندن لال نے کی۔ آپ نے کہا ہے کہ "سرکاری حکام نے وہاں جائز کاروائی

کی ہے"۔ پرلیت دی ایجی ٹیشن کو لوگوں کی شکایات سے کوئی سروکار نہیں بلکہ یہ تشدّد کے ذریعے حکومت کو درہم برہم کرنا چاہتی ہے۔ حکومت اگر کوئی سستی برتے تو یقیناً اس صورت میں انارکی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ آپ نے جموّں کے لوگوں کی شکایات اور امتیاز کے مبینہ الزامات کے متعلق لکھا ہے اگر آپ نے یہ مجھے لکھ بھیجی ہوتیں تو میں اس کا خیر مقدم کرتا۔ کیوں کہ اس طرح مجھے اپنے نظم و نسق میں غلطیاں معلوم ہو جاتیں، میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہمارا نظم و نسق مکمل ہے بلکہ اس میں واضح طور غلطیاں بتائی جائیں تو ہم ان کو درست کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے کسی بھی شخص کو غلط وقار کا خیال نہیں، یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے حالات کا جائزہ لیا ہے اور جموّں کے لوگوں کے خلاف کوئی امتیاز نہیں برتا گیا ہے۔ حکومت کشمیر کو مختلف مسائل سے دو چار ہونا پڑا ہے۔ اس کے پیش نظر ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ جموّں اور دوسرے علاقوں کے کئی اور مسائل کی جانب متوجّہ ہونے کی ضرورت ہے جب کہ حکومت ان کو حل کرنے کی طرف توجّہ دے رہی ہے۔

آپ نے جموّں کی تحقیقاتی کمیٹی کا ذکر کرتے کہا، اگر کمیٹی کی نظر میں کہیں کوتاہیاں پائی جائیں تو حکومت مناسب اصلاحات کرے گی۔ حکومت عوام کے خیر خواہوں سے تعمیری تجاویز امداد اور تعاون کی طلب گار ہے وہ عوام کے فائدے اور بہی خواہ ہونے کے ناطے سب کچھ کر رہی ہے۔ جموّں و کشمیر کے لوگوں نے تقسیم ہند سے پہلے سیکولرازم کا راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے پاکستانی لیڈروں کے حملے، لالچ، دباؤ اور ۱۹۴۷ء میں غارت گری کا مقابلہ کیا۔ جب پاکستانی حملہ آور سرینگر کے دروازے پر کھڑے تھے، کشمیر کے لوگوں نے سیکولرازم اور انسانیت کے اصولوں کے تحفّظ کی خاطر اپنے بہادر فرزندوں کو پیش کیا اس وقت انہیں کسی سے امداد نہیں مل سکتی تھی، ہر طرف اندھیرا تھا اور

ہم مذہب لوگ ان ہی پرچار پرنشاریوں کے ہاتھوں قتل ہو رہے تھے جو آج ہند کے سیکولر اصولوں کی حمایت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ ہند کے بہادر فوجی جوانوں نے بلا تمیز مذہب و ملت ہند اور کشمیر کے عوام کی مشترکہ اصولوں کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ ہند کے لاکھوں لوگوں نے اپنے کشمیری بھائیوں کی امداد کی۔ اب یہ شک کرنا کہ کشمیری مسلمان سیکولرازم کے اصولوں کو خیرباد کہیں گے غلط اور نامناسب ہے۔ ہند کے فرقہ پرست لیڈروں کے بیانات اور انکے ذریعہ پرچار پرنشاریوں کی رہنمائی اور مدد وان پر غمناک اثر ڈال رہا ہے۔ میں آپ کو اور ہندوستان کے لوگوں کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ کشمیر کے مسلمان اپنے اصولوں سے کسی بھی صورت میں انحراف نہیں کریں گے چہ جائیکہ انہیں سیکولرازم اور انسانی برادری کی سربلندی کے لئے اس جدوجہد میں اکیلا ہی رہنا پڑے۔

شیخ محمد عبداللہ کا دوسرا خط

میں نے اپنے گزشتہ خط میں واضح کیا ہے کہ ہمارے فیصلے کسی صورت میں ہندوستان کے مفاد کے منافی نہیں بلکہ آئین ہند کے مطابق ہیں کیونکہ پالیسیوں اور نظریوں میں جو تبدیلیاں ہم نے کی ہیں وہ دوسری ریاستوں کی عام پالیسیوں کے مطابق اور بعض ریاست کی مخصوص سماجی اور سیاسی حالات کی بنا پر عمل میں آگئی ہیں۔ آپ شاید تسلیم کریں گے کہ ہمارے فیصلے جمہوری اور ترقی پسندانہ ہیں۔ مثال کے طور پر جب آپ صدر ریاست کے انتخاب کا تذکرہ کرتے ہیں تو آپ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ گورنروں کو بھی ریاستی حکومتوں کے مشورے سے ہی مقرر کیا جاتا ہے۔ ہم نے یہ حق حکومت کی بجائے قانون ساز اسمبلی کو دیا۔ اس اصول کا ہر ایک جمہوری ملک میں خیر مقدم کیا جانا چاہیئے اور جبکہ آپ نے صدر ریاست کے نام پر بھی اعتراض کیا ہے۔ شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ صدر ریاست مقامی زبان کا لفظ ہے جس کو شمالی ہند کے لوگ سمجھتے ہیں۔ جب آپ گورنر کو انگریزی نام دیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ گورنر کو ہندوستانی نام دینے میں آپ کو کیا اعتراض ہے۔ ہمارے ہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کا سوال نہیں جموں و کشمیر کی ریاست ترقی اور جمہوریت کی جانب گامزن ہے اور ہمارا

خیال ہے کہ اس کام میں کسی قسم کی تنگ نظری اور فرقہ پرستی نہایت خطرناک ثابت ہوگی۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ان اصولوں کو نہیں سمجھا ہے اور آپ ہمیں ہمارے فیصلوں کے بارے میں رہنمائی کر رہے ہیں۔ آپ کو ملک میں بھگوا جھنڈا بلند کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسکا مطلب ہے ایسا بھی ہو سکتا ہے جب ہندوستان میں ہندو فرقہ واریت کو کامیابی حاصل ہو، ایسے حالات میں کشمیر کی کیا پوزیشن ہوگی۔ میں یہ بات پھر کہے دیتا ہوں کہ اس وقت بھی کشمیر کے لوگ گاندھی جی کے اصولوں کی خاطر شدت سے لڑیں گے۔ راشٹر پتا نے اپنی زندگی یوں ہی نہیں کھودی۔ ان کی قربانی ہر وقت جوش پیدا اور ہمارے حوصلے بلند کرتی رہے گی جیسا کہ ۱۹۴۷ء کے پر از مصائب حالات میں ہوا۔ پرجا پریشد کا ذکر کرتے آپ نے اسکے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے ساتھ تعلقات کا ذکر نہیں کیا ہر فرد کو علم ہے کہ ۱۹۴۷ء میں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے لیڈروں نے جموں میں کیا کچھ کیا جبکہ ہم کشمیر میں مسلم فرقہ پرستی کے خلاف لڑ رہے تھے۔ آپ نے خود کہا ہے ہمیں اس اندوہناک دور کو اب بھول جانا چاہیئے لیکن آپ نے خود کہا ہے ہمیں اس المناک واقعہ کے سبق کو دل میں تازہ رکھنا پڑے گا تاکہ ہم مستقبل میں غلطیاں نہ کریں۔ کاش آپ یہ نصیحت پرجا پریشدیوں کو کرتے جن کا ۱۹۴۷ء میں جموں کے واقعات سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے انتقام لینے کی پالیسی پر عمل نہیں کیا ہے اس کے برعکس ہم نے چاہا کہ وہ اس خطا کی تلافی کریں جو ان سے سرزد ہوئی لیکن ان سنگھی لیڈروں نے اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا بلکہ گاندھی جی کو گولی کا شکار بنانے کے بعد جب سنگھ پر پابندی لگائی گئی یہ جماعت اسی پروگرام اور لیڈر شپ کے تحت پرجا پریشد کے نام سے پھر میدان میں آئی۔ جموں پرجا پریشد کے متعلق میرا عندیہ اور نظریہ کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ اس کے موجودہ طرزِ عمل سے عیاں ہے۔ مجھے اس بات پر ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے کہ اس کے لیڈر ریاست جموں و کشمیر کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں اور اس طرح ہند اور اس ریاست کی بنیادیں ہلا رہے ہیں۔ لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کے لئے گمراہ کن نعروں سے پریشد کے لیڈر جمہوریت پسند یا سیکولرازم کے حامی نہیں کہلائے جا سکتے جب تک پریشدی تنظیم سنگھی لیڈروں کے ہاتھوں

ایک ہتھیار کی حیثیت میں رہے گی تب تک ہم اس تنظیم کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہاں ہم ان لوگوں کے ساتھ جو دیانتداری سے ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں لیکن ریاست کے بنیادی نظام کے متعلق ہمارے ساتھ متفق ہوں ملنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ان پر اپنا نقطہ نظر ضرور واضح کر سکتے ہیں لیکن یہ ایک ایسی فضا میں ممکن ہو سکتا ہے جس میں دباؤ، دھمکیاں اور تشدد موجود نہ ہو۔ میں صاف طور سے بتانا چاہتا ہوں کہ پرجا پریشد کی موجودہ لیڈر شپ کے مقاصد تخریبی اور فرقہ وارانہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان ملاقات کی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ یہ الزام غلط ہے کہ ریاست میں ڈوگروں پر حملہ کیا گیا ہے۔ ہم ریاست کی آبادی کے تمام فرقوں کے اتحاد اور ترقی کے خواہاں ہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے عوام کی جد و جہد آزادی کے دوران اور اس کے بعد پاکستانی حملہ کے وقت جو رویہ اختیار کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہم نے ہند کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اسے ہم بہر حال روبعمل لائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے نقطہ نگاہ کو صحیح طور سے سمجھنے کی کوشش کریں گے اور واقفیت پسندانہ نقطہ نگاہ سے واقعات کا جائزہ لیں گے۔

مکرجی کا جواب

ریاستی وزیر اعظم کے متذکرہ صدر مکتوب کا جواب مکرجی نے ۲۴ فروری ۱۹۵۳ء کو دیا جس میں کشمیر کو مخصوص سیاسی پوزیشن دینے کے متعلق اپنی مخالفت دہرائی۔ پریشدیوں کے ساتھ تمام سیاسی اور آئینی مسائل پر گفت و شنید کرنے پر زور دیا اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے متعلق لکھا میں اس پارٹی کا ممبر نہیں ہوں البتہ اس کے ساتھ وابستہ بہت سارے اشخاص کو جانتا ہوں، مجھے ان کے اصولی ہونے (IDEALISM) ان کی حب الوطنی جذبہ قربانی اور خدمت بہت عزیز ہے۔ یہ خط و کتابت تقریباً ڈیڑھ ماہ تک جاری رہنے کے بعد مکرجی کی خواہش پر اختتام پذیر ہوتی۔ انہوں نے حکومت کو دھمکی دی کہ وہ ملک گیر ایجی ٹیشن شروع کریں گے لیکن یہ دھمکی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی جن سنگھ کے جنرل سیکرٹری پنڈت مولی چندر شرما نے پارٹی کی جانب سے اعلان کیا "دہلی اور پنجاب کے بعض علاقوں میں جموں کے مصیبت زدوں کی ہمدردی میں جو تحریک جاری ہوتی وہ ایک علامتی

تحریک ہے اس کو دوسرے علاقوں میں نہیں پھیلانا ہے ۔ ڈاکٹر کھارے نے بھی ایجی ٹیشن سے کنارہ کشی اختیار کی ۔ اس صورت حال پر تاؤ کھا کر ڈاکٹر مکرجی نے پٹنہ میں ایک اشتعال انگیز بیان دیتے کہا "اگر کشمیری مسلمان ہندو کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو کشمیر چھوڑ کر پاکستان چلے جائیں" اس جنونی نظریہ سے اختلاف کرتے نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ کے ممبر ڈاکٹر اے کرشنا سوامی نے اعلان کیا کہ انہیں مکرجی کے خیالات سے اتفاق نہیں ۔ مکرجی نے اپنی سیاسی دوکانداری چلانے کے لئے تذبذب کے عالم میں ۱۰ ارمئی کو انبالہ کے جلسہ میں اعلان کیا ۔

"میں ۱۲ ارمئی کو جموں جا کر حالات کا بچشم خود ملاحظہ کروں گا میں ریاست میں داخل ہونے کے لئے پرمٹ حاصل کرنے کی خاطر کوئی درخواست نہیں کرونگا ۔ میں نہیں جانتا ریاست میں داخل ہونے کے لئے کس قانون کے تحت پرمٹ حاصل کرنا ضروری ہے"

مکرجی کی گرفتاری

۱۲ ارمئی کو مادھوپور میں ریاست کے چیف سیکریٹری کی طرف سے جاری کردہ تحفظ عامہ کے تحت نوٹس زیر دفعہ ۴ الف کی ڈاکٹر مکرجی سے تعمیل کرائی گئی جس کے تحت انکا ریاست میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا ۔ انہیں انسپکٹر جنرل پولیس نے تحفظ قانون امن عامہ کی دفعہ ۳ کے تحت انکے دو ساتھیوں سمیت (پنڈت گورودت وید صدر دہلی جن سنگھ اور ٹیک چند جو پٹنہ بہار کے رہنے والے تھے) گرفتار کر کے نظر بند کرنے کا حکم دیا اور انہیں سری نگر میں نشاط باغ کے قریب ایک شاندار محل میں رکھا گیا ساتھ ہی حکومت نے ایک آرڈیننس نافذ کیا جس کے تحت اعلان کیا گیا "ریاست کی حدود میں بغیر پرمٹ داخل ہونے والے کو ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور ایک سال قید کی سزا دی جائے گی" مکرجی کی گرفتاری پر پارلیمنٹ میں مولانا محمد سعید مسعودی نے کہا ۔ "میں نے ان سے استدعا کی تھی کہ ریاست میں داخل ہونے کی کوشش نہ کریں مگر وہ ضدی آدمی نہ مانا" بخشی غلام محمد نے اخبار نویسوں کو بتایا "جب تک مکرجی نظر بند ہیں شیخ محمد عبداللہ سے انکی ملاقات کا کوئی امکان نہیں" اس پکڑ دھکڑ سے جموں کی سیاسی فضا میں سکوت طاری ہوا ۔ لیکن

۲۰ جون ۱۹۵۳ء کو چوری چھپے بیرون ریاست سے جموں میں داخل ہونے والوں نے بھگوا جھنڈے کو لے کر جلوس نکالا۔ اس سے پریشد کی نیم مردہ تحریک میں جان پڑی۔ دو جج کے ڈیفنس رولز کی دفعہ ۵۰ پبلک سکیورٹی ایکٹ کی خلاف ورزی کے جرم میں گرفتار کئے گئے۔ ہند پریس کے ایک حصے نے ان گرفتاریوں پر گرہ لگاتے شوشہ اڑایا کہ ستیہ گراہی لاپتہ ہوئے ہیں۔

مکرجی کی موت

۱۶ جون ۱۹۵۳ء کو ریاستی عدالت عالیہ میں جسٹس جیالال کلیم کے روبرو مکرجی کے وکلاء مسٹر ترویدی اور دیوکی پرشاد نے ہبس کارپس کی درخواست پیش کی۔ عدالت عالیہ نے ۲۲ جون تک فیصلہ محفوظ رکھا جب کہ ۲۲ اور ۲۳ جون کی درمیانی شب کو ۳ بج کر ۴۰ منٹ پر مکرجی حرکت قلب کے شدید حملہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی نعش بذریعہ طیارہ کلکتہ بھیجنے کا اہتمام کیا گیا۔ ہوائی اڈہ پر صدر ریاست، وزیر اعظم، بیگم شیخ محمد عبداللہ، ہند پارلیمنٹ کے ریاستی ارکان وزراء کابینہ اعلیٰ حکام اور این سی ورکنگ کمیٹی کے ممبران نے ان کی نعش پر پھول چڑھائے اور فرداً فرداً مکرجی کے بھائی جسٹس مکرجی کو کلکتہ ماتمی پیغامات بھیجے۔ ریاستی حکومت نے پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ جنہیں ڈاکٹر مکرجی کی خواہش پر جموں سے نشاط باغ کے اسی بنگلہ میں منتقل کیا گیا تھا نعش کے ساتھ مکرجی کے دونوں ساتھیوں سمیت کلکتہ جانے کی اجازت دی۔ ممبر پارلیمنٹ سردار حکم سنگھ نے ۲۵ جون کو پہلگام میں یہ انکشاف کیا کہ مکرجی نے ۱۶ جون کو میرے ساتھ دوران گفتگو اس بات پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ وہ تحریک کو واپس لیں گے۔ مکرجی کی موت پر جموں میں ہڑتال ہوئی کشمیر گورنمنٹ آرٹس ایمپوریم کی شاخ لوٹی گئی اور عمارت کو نقصان پہنچایا گیا۔ ۲۶ جون کو پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ نے انبالہ میں تقریر کرتے کہا: ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کے انتقال کی وجہ سے تیرہ (۱۳) دن کے لئے تحریک ملتوی کی جاتی ہے جو خطرات درپیش ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ریاست کے اندر متحدہ محاذ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ جن سنگھ، مہا سبھا اور رام راجیہ پریشد کے لیڈروں کی بھی یہی رائے ہے۔ ۱۰ جولائی کو پرجا پریشد کے جنرل سیکریٹری درگا داس

نے پٹھانکوٹ کے جلسہ میں یہ سنسنی خیز اعلان کیا۔ اگر وزیر اعظم ہند اپنے وعدے پر قائم نہیں رہیں گے تو ہم دوبارہ ستیہ گرہ کریں گے۔ اسی دن جموں کے جلسہ میں کہا:

"ہم اس بات چیت کے نتائج پر مطمئن ہیں جو دہلی میں پرجا پریشد اور اس کی ساتھی جماعتوں کے لیڈروں اور پنڈت نہرو کے مابین ہوئی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے مطالبات عنقریب عملی شکل اختیار کریں گے۔"

پرجا پریشد کے جنرل سیکریٹری درگا داس نے وزیر اعظم ہند اور ہندوستانی فرقہ پرست لیڈروں کے مابین جس عہدو پیمان کا اپنی تقریر میں انکشاف کیا اس کی تصدیق مرکزی حکومت کے ذرائع سے نہیں ہو سکی لیکن تردید بھی نہیں کی گئی۔ ماحول میں سخت تناؤ اور کشیدگی کے باعث ریاستی حکومت دہلی سے اس انکشاف اور گفت وشنید کی تفصیلات دریافت نہیں کر سکی اور نہ ریاستی ممبران پارلیمنٹ مولانا محمد سعید مسعودی، کامریڈ چودھری محمد شفیع اور دوسرے جنہیں وزیر اعظم ہند سے قربت کا اعزاز حاصل تھا اس بارے میں کوئی خفیہ اطلاع بھیج سکے اور نہ ریاستی وزیر اعظم نے اشارتاً بھی انہیں اس واقعہ کی خفیہ یا عامیانہ تحقیق یا چھان بین کی فہمائش کی نہ مرکزی حکومت نے اس ضمن میں ریاستی حکومت اور وزیر اعظم کشمیر کو اعتماد میں لیا۔ البتہ ۹ راگست ۱۹۵۳ء کے وزارتی تغیر نے درگا داس کی سیاسی پیش گوئی کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کی جب کہ شیخ محمد عبداللہ کی برطرفی سے یہ اخذ کیا گیا کہ درحقیقت یہ ہند کی فرقہ پرست جماعتوں سے طے شدہ منصوبے کا پلاٹ ہے جس میں ریاست جموں وکشمیر کو دفعہ ۳۷۰ کے تحت فراہم کی گئی امتیازی پوزیشن اور معاہدہ دہلی کو پامال و بے اثر بنانا مقصود تھا اور جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کو منصب وزارت اعظمیٰ سے برطرف کرنا پہلا قدم تھا۔ اس مقام پر یہ کہنا ضمناً بے محل نہیں ہوگا اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو ممکن تھا کہ زمانہ کو لیتین کوب کے جس کلچرل سے ریاست دوچار ہے اس کی نوبت نہیں آتی اور ریاست کے ابھرتے جواں سال شاعر خالد بشیر کو موت کے دربار پنجوں سے روندھے ہوئے لوگوں کے

پھر وں کی محرومی کا تجزیہ کرتے یہ کہنا نہیں پڑتا ہے
یہ لوگ اپنے بیٹوں کو قبروں میں ڈال کر
ہوتے ہیں حادثات سے اب ملول کم

بہر کیف یہ جا پریشد ایجی ٹیشن جو کم و بیش چھ (۶) ماہ تک جاری رہی نے ہندو فرقہ پرستوں کی تشنگی کو آشفتگی بخشی اس ایجی ٹیشن میں تقریباً تیس (۳۰) افراد پولیس کی لاٹھیوں اور گولیوں کے شکار ہوئے۔

اختلافات

پرجا پریشد تحریک کے دوران ہی نیشنل کانفرنس لیڈرشپ میں اختلاف رائے نے شدت اختیار کی شیخ محمد عبداللہ اپنی تقاریر میں مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے پر زور دینے لگے چنانچہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء کو ریاستی مجلس قانون سازیہ کے بجٹ اجلاس میں پہلی بار با دل ناخواستہ صدر ریاست نے سلامتی کونسل کا ذکر کرتے مسئلہ کشمیر کے فوری حل کی بات کہی۔ ۲۵ مارچ کو بخشی غلام محمد نے معذرت خواہی کا انداز اختیار کرنے پر یشدی تحریک میں مرنے والوں کے سوگواروں سے بحیثیت نائب وزیر اعظم اس ناخوشگوار فعل پر افسوس اور اظہار ہمدردی کا تحریری معذرت نامہ سرکاری پریس نوٹ کی شکل میں جاری کیا۔

سب کمیٹی اور خود مختار ریاست

پرجا پریشدی شورش کے دوران ہی کشمیری لیڈرشپ میں نمایاں تبدیلی آئی جس کے باعث ۲۳ مئی ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم ہند، وزیر داخلہ کیلاش ناتھ کاٹجو، وجے لکشمی پنڈت اور مس پدمجا نائیڈو سرینگر آئیں۔ پنڈت نہرو نے وزیر اعظم کشمیر سے کئی ملاقاتیں کیں جو نئی افواہوں کی گرم بازاری کا محرک بنیں جس کو دبانے کے لئے مولانا محمد سعید مسعودی، شیام لال صراف اور بخشی غلام محمد نے مجاہد منزل سرینگر میں اپنی تقاریر میں تردید کی لیکن یہ جادو اُترنے کے بجائے سر چڑھتا ہی گیا۔ پنڈت نہرو کی واپسی پر ریاست کے خاور و باختر میں یہ چرچہ ہوا کہ دونوں لیڈروں کے مابین الحاق بھی متنازعہ شکل اختیار کر گیا ہے نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ میں مرزا محمد افضل بیگ اور صوفی محمد اکبر کے

کے سوا تمام دوسرے شیخ محمد عبداللہ کے نظریہ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان کی بھاری بھرکم شخصیت سے مرعوب ہو کر وہ خاموش ہیں۔ اسی دوران شیخ محمد عبداللہ نے اپنے بدلتے ہوئے نظریہ کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے آٹھ ممبروں (۱) شیخ محمد عبداللہ (۲) مولانا محمد سعید مسعودی (۳) بخشی غلام محمد (۴) سردار بدھ سنگھ (۵) غلام محمد صادق (۶) گردھاری لال ڈوگرہ (۷) شیام لال صراف (۸) مرزا محمد افضل بیگ پر مشتمل ایک سب کمیٹی تشکیل دی جو مسلسل "بارہ (۱۲)" دن تک سر پیٹر جوڑ کر مسئلہ الحاق کے مختلف امکانات پر غور و خوض کرنے کے بعد چار امکانی نتیجہ پر پہونچی۔

(۱) سالم ریاست میں رائے شماری کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے کہ ریاست کا الحاق ہندوپاک کے مابین کس کے ساتھ کیا جائے۔

(۲) ساری ریاست کو ایک آزاد ریاست کا درجہ دیا جائے۔

(۳) ساری ریاست کو آزاد رکھا جائے اور معاملاتِ خارجہ اور امورِ دفاع کے متعلق ہند و پاک کا مشترکہ کنٹرول ہو۔

(۴) ریاست کی تقسیم ڈکسن پلان کے مطابق کی جائے اور وادی کو آزاد رکھا جائے۔

جب کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں میں مسئلہ الحاق کے تصفیہ کے لئے صرف ایک ہی طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ رائے شماری کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے کہ ریاست کے لوگ ہند یا پاکستان سے الحاق کے بارے میں اپنی رائے دیں (جس کا مطلب یہ ہے کہ ہند و پاک کی حکومتوں کی خواہش کے مطابق ریاستی عوام کے حق خود ارادیت کا مبدل رائے شماری کو قرار دیا گیا جب کہ حقِ خود اختیاری اور تجویز شدہ رائے شماری میں قطبین کا فرق ہے جس پر انشاء اللہ تفصیلی تبصرہ اس کتاب کی اگلی جلد میں پیش کرونگا) غلام محمد صادق نے تجویز نمبر (۱) پر اپنی رائے دیتے کہا کہ رائے شماری اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جب پانچ (۵) ملحقہ ممالک روس، کمیونسٹ چین افغانستان، ہندوستان اور پاکستان کی نگرانی میں یہ عمل میں لائی جائے مگر موجودہ حالات میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ بخشی غلام محمد نے امکانی حل (۴) کی حمایت کرتے کہا یہی باعزت واحد حل

ہو سکتا ہے اس لئے اُس کو اولین ترجیح دی جائے۔ (۴) چار امکانی حل میں تجویز (۲) مولانا محمد سعید مسعودی کی پیش کردہ ہے۔ سب کمیٹی نے اتفاق رائے سے اسے منظور کیا جبکہ میٹنگ کے آغاز میں یہ طے پایا تھا کہ سب کمیٹی جو بھی فیصلہ لے گی اسے نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل کے سامنے بحث و تمحیص اور منظوری کے لئے رکھا جائے گا اگر جنرل کونسل نے سب کمیٹی کی سفارش منظور کی تو اسے ضابطہ کے تحت وزیر اعظم ہند کو اس حاشیہ کے ساتھ بھیجا جائے گا کہ مسئلہ کشمیر کے حتمی حل کے بارے میں نیشنل کانفرنس کی متفقہ رائے یہ ہے اور اسی زاویہ کے تناظر میں حکومت ہند سلامتی کونسل میں اپنی پالیسی ترتیب دے لیکن جنرل کونسل سے اس فیصلے کی تائید نہیں کرائی گئی بلکہ جب جون ۱۹۵۳ء میں مولانا ابوالکلام آزاد سری نگر آئے، اس فیصلہ سے انہیں آگاہ کیا گیا۔ جولائی کے آغاز میں پنڈت جواہر لال نہرو کو سب کمیٹی کی رائے سے تحریری طور با خبر کیا گیا۔ انہوں نے آزاد ریاست کے امکان کو نامنظور کیا اور کہا کہ اس سے بہتر تو یہ ہو گا کہ کشمیر کو طشتری میں رکھ کر پاکستان کو پیش کیا جائے، سب کمیٹی میں جو کچھ ہوا اس کو صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے مولانا محمد سعید مسعودی نے بحیثیت جنرل سیکریٹری نیشنل کانفرنس ایک پریس بلیٹن میں اس ان کیمرہ میٹنگ کی روئیداد بتاتے کہا کہ کمیٹی بنیادی حقوق کے موضوع پر بحث کرتی رہی تا کہ جدید آئین نیا کشمیر منشور کی عکاسی کرے اور آئندہ سالانہ اجلاس کے بارے میں فیصلہ لیا گیا جو ۱۷، ۱۸، اور ۱۹ اکتوبر کو سری نگر میں ہو گا جبکہ مرزا محمد افضل بیگ نے عید الفطر کی تقریب پر اسلام آباد میں مولانا محمد سعید مسعودی کو جھٹلاتے کہا۔ سب کمیٹی میں مسئلہ الحاق کو پُر امن اور آبرو مندانہ طریقہ پر عوامی خواہشات کے مطابق عمل کرنے کے طریقہ کار پر بحث ہوئی۔ اس واقعہ کو مبہم الفاظ میں شیخ محمد عبداللہ نے "آتش چنار" میں قلمبند کرایا ہے جبکہ مرزا محمد افضل بیگ نے کشمیر سازش کیس کے دوران اسکا تذکرہ تفصیل اور پس منظر کے سیاق و سباق کو زیر نظر رکھ کر کیا ہے

مولانا آزاد کی جُوتی گئی

اپنی ناکامی کی تکمیل اور حالات کی نہج درست کرنے کے لئے وزیر اعظم ہند نے

۱۱ جون ۱۹۵۳ء کو مولانا آزاد وزیر تعلیم کو چار(۴) دن کے پرائیویٹ دورے پر سرینگر بھیجا۔ ۱۲ جون کو مولانا ابوالکلام آزاد نے نماز عید الفطر عید گاہ میں ادا کی اور اپنی تقریر میں کشمیریوں کو عید کی مبارکباد دیتے کہا:

"میں خوش ہوں کہ آج ہزاروں کشمیریوں کے درمیان عید منا رہا ہوں۔ اگرچہ میں کشمیری زبان سے واقف نہیں ہوں لیکن میں شیخ محمد عبداللہ کا دل جانتا ہوں اور ان کے مطلب کو پا سکتا ہوں۔ انہوں نے جو مشورہ آپ کو دیا ہے اس پر عمل کیجئے"۔

اس کے بعد جب انہوں نے ہندوستان کے ساتھ الحاق پر ریاست کے فوائد گننے شروع کئے، جلسہ گاہ میں ان کے خلاف زبردست ہوٹنگ شروع ہوئی۔ انہیں "غدار" اور "اپنی بے ہودہ بکواس بند کرو" کے نعروں کا سامنا کرنا پڑا۔ اجتماع بھگدڑ کے بعد منتشر ہوا۔ اس سارے مخمصہ میں مولانا اپنی جوتی سے ہاتھ دھو بیٹھے، انہیں ننگے پاؤں واپس لوٹنا پڑا۔ اس طرح ان کا سیاسی دورہ ناکام ثابت ہوا۔

شیخ محمد عبداللہ کا نالہ و فریاد

اس دوران شیخ محمد عبداللہ نے اپنے مافی الضمیر کے پردے چاک کرتے جمعۃ الوداع پر جامع مسجد سرینگر میں نماز جمعہ کے موقع پر اجتماع سے خطاب کیا اور ریڈیو کشمیر سرینگر سے تہنیت عید کی تقریریں کیں، ان کا اختصار درج ذیل ہے۔ جمعۃ الوداع پر روزوں کے فلسفہ کی فضیلت فصاحت و بلاغت سے بیان کرنے کے بعد کہا:

"سیاسی فضا میں جو عام ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی ہے اس کی اصل بنیاد ہماری اپنی کمزوری ہے۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری ہے ــــــ جہاں تک نیشنل کانفرنس کے سربرآوردہ رہنماؤں کا تعلق ہے ان میں ریاست کے مستقبل کے بنیادی مسائل پر شاید کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کیونکہ ہم ان مسائل پر آپس میں تقریباً ایک جیسی باتیں کرتے ہیں"۔

آئینہ جیسے صاف ستھرے ذہین اور سیاسی فہم و فراست رکھنے والے زیرک ذہین اور دانشمند کشمیریوں نے "شاید" کے پردے میں نہ صرف افواہوں کو معتبر اور مستند قرار دیا بلکہ اندرونی اختلافات کو "ایک جیسی باتوں" کے استعارہ میں چھپی معنی خیزی اور منافقت کی بو فضا میں پھیلی۔ اس پر ریاستی باشندوں

نے افواہوں کو حقیقت کی سند عطا کی اور جب انہوں نے عیدگاہ سرینگر میں اپنی تقریر میں کہا:
" الحاق کا عمل میں آنا خود بخود ہندوستان اور ریاست کو ایک وحدت میں لانے کے مترادف
ہے۔ یہ تخیل بالکل غلط اور لغو ہے کہ الحاق اور ادغام INTEGRATION AND ASSESSTION
ایک ہے۔ یہ دو ایسے آئینی رشتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں نے یقیناً ہندوستان
کی یونین کے ساتھ الحاق کیا ہے جو عملاً اور قانوناً مکمل ہے لیکن ریاست کو ہندیونین میں مدغم اور MERGE نہیں کیا ہے
ہم نہیں چاہتے کہ مذہب یا ذات کی بنیاد پر ہندوستان کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے نفرت کرتا ہے ہم ایک ایسے
سماج کا وجود چاہتے ہیں جس میں مختلف مذاہب پر اعتقاد رکھنے والے لوگ اس قابل ہوں کہ وہ ہم رتبہ شہریوں
کی حیثیت میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کر سکیں اور مشترکہ حقوق سے مستفید ہو سکیں ۔ حضرت عیسیٰ ؑ
دار پر چڑھے لیکن حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چالیس (۴۰) روز تک آگ میں رہے لیکن سچائی
سے منہ نہ موڑا۔ خود اسلام کے عظیم الشان پیغمبر خیر البشر، امام المتقین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فاقہ کشی
قبول کی گھربار چھوڑا لیکن مخالفوں کے طمع اور لالچ میں آنے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ میں
سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھو گے تب بھی میں حق بات کہنے سے گریز نہیں کروں گا ۔ شری کرشن کو قید
میں جنم لینا پڑا۔ رام چندرجی بن باس ہوئے لیکن بے انصافی اور غلط اصولوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس
بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے لوگ چاہے وہ صوبہ جموں لداخ وادی کشمیر سے تعلق رکھتے ہوں یا جنگبندی
سرحد کے پار رہتے ہوں اپنے مستقبل کے بارے میں ایک غیر یقینی صورتحال سے گزر رہے ہیں ان کا یہ احساس قابل فہم ہے
کیونکہ ریاست گزشتہ پانچ (۵) سال سے بین الاقوامی نزاع سے دوچار ہے یقینی طور پر ریاستی حکومت اس تکلیف دہ تعطل
اور پریشانی کی ذمہ وار نہیں ٹھہرائی جا سکتی جس نے لوگوں کے بعض حصوں کو بے صبر بنا دیا ہے۔ مجھے بھی اس پریشانی کا
احساس ہے لیکن اگر ریاست کے لوگوں میں انتشار پھیلانے کی کوشش جاری رکھی گئی تو اسکے تباہ کن نتائج ہو سکتے ہیں۔
فرقہ پرستوں کو چاہیئے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کریں کہ وہ کیا کر رہے ہیں حکومت ہند ریاست جموں وکشمیر کے
لوگوں کے کہنے پر اس ریاست کو اپنے ساتھ شامل کر چکی ہے پھر بھی ہمارا یہی نظریہ ہے کہ کشمیر کے لوگ آئندہ اپنی قسمت کا
فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہیں ہم اس سلسلے میں کوئی زبردستی نہیں کر سکتے اور نہ ان پر کوئی فیصلہ ٹھونس سکتے ہیں۔ انہوں

نے اپنی تقریر میں آزاد کشمیر میں رہنے والے لوگوں کو مسکہ لگانے کہا: "ہم نے آپ کی چھوڑی ہوئی جملہ جائداد کو امانت کے طور پر آج تک سنبھالنے کی کوشش کی ہے اور ان جائدادوں سے جو بھی آمدن ہوتی ہے وہ آپ کے نام سرکاری خزانے میں جمع کی جاتی ہے اور اس آمدنی کے ایک مخصوص حصے سے آپکی جائداد کی مرمت اور حفاظت کا کام لیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ ہندو اور سکھوں کی جائدادوں کے ساتھ روا رکھا گیا ہے جو مفرور ہوئے ہیں۔" آپ نے ہندو پاک کے وزرائے اعظم کی بات چیت کی قیاس آرائیوں پر اپنی رائے ظاہر کرتے کہا کشمیری قوم کوئی سوغات نہیں ہے جو اسے بیچا جائے۔ اس قوم نے غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے لئے ہزاروں قربانیاں دی ہیں لہذا یہ ناممکن ہے کہ کوئی حکومت ان کی قسمت کا فیصلہ کرسکے فیصلہ جو بھی ہوگا وہ لوگوں کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ہندو پاک کے وزرائے اعظم کی لندن میں باہمی گفت وشنید ابھی سرسری نوعیت کی ہے مفصل بات چیت کراچی اور دہلی میں ہوگی لیکن یہ ناممکن ہے کہ دو آدمی ہمیں تقسیم کرنے کے لئے بیٹھیں گے۔ کم از کم عقل سلیم اسے تسلیم نہیں کرتی۔ میں وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ کو ذاتی طور نہیں جانتا لیکن وزیر اعظم ہند کے بارے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں وہ کشمیریوں سے دریافت کئے بغیر ایسا نہیں کریں گے کیونکہ وہ جمہوریت پسند ہیں۔ ریاستی وزیر اعظم کی اس تقریر سے کشمیری یہ اندازہ لگانے سے نہیں چونکے حسب سابقہ جس طمطراق سے اپنی دوستی اور ذہنی یکسوئی کا تذکرہ کرتے تھے وہ طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اب صرف حجاب ہی حجاب ہے جب ہی وہ جمہوری مزاج کی پاسداری کی دوہائی دینے لگے ہیں۔

ریڈیو کشمیر سے پیغام عید

شیخ محمد عبداللہ نے ۱۴ جون ۱۹۵۳ء ساڑھے نو بجے صبح کو اپنے پیغام عید میں کہا "ہندوستان میں پنڈت نہرو اپنا سارا زور بین الاقوامی امن قائم کرنے میں لگا رہے ہیں۔ دوسری طرف جموں میں پرجا پریشد تحریک کسی نہ کسی رنگ میں برابر جاری ہے۔ یہ تحریک جن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جاری رکھی گئی وہ مقاصد اتنے بنیادی ہیں کہ کسی ایک انسان کا اکیلے ان پر فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔ سیدھے سادے لفظوں میں وہ یہ چاہتے ہیں کہ کشمیر کا وہ حصہ جو جنگ بندی لائن کے اس پار ہے، پورے طور سے ہندوستان میں مدغم ہو جائے اور ہندوستان کا آئین مکمل طور سے اس پر

حسادی ہو۔ دوسری طرف کشمیر کی بہت بڑی اکثریت نے جن بنیادوں پر ہند سے اپنا ناطہ جوڑا ہے وہ اس سے آگے جانے کے لئے تیار نہیں ہیں تو گویا رسہ کشی الحاق (ACCESSION) اور ادغام (INTEGRATION) میں ہے۔ ہند کی فرقہ پرست جماعتیں طاقت کے ذریعہ کشمیر کو اپنے راستے پر ڈالنا چاہتی ہیں ۔۔ اس کا جواب ریاست کے لوگ ہی دے سکتے ہیں۔ جہاں تک میں کہہ سکتا ہوں کہ ریاست کے لوگ امن چاہتے ہیں۔ وہ کسی انسان سے نفرت نہیں رکھتے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر کوئی بھی ملک یا جماعت انہیں زور زبردستی سے اس راستے سے ہٹانا چاہے تو مجھے امید ہے کہ وہ اسی عزم اور دلیری کے ساتھ ان طاقتوں کا بھی مقابلہ کریں گے جس کا ثبوت انہوں نے ۱۹۴۷ء میں دیا۔ انہوں نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے اپنی ایک سابق تقریر کا حوالہ دیتے کہا "ستمبر ۱۹۴۴ء میں جیل سے رہا ہونے کے بعد میں نے کہا تھا "الحاق سے پہلے آزادی" اس نعرے کو دہرانے کا مقصد واضح ہے" اور کوئی سمجھے یا نہ سمجھے لیکن ان کے ہندوستانی دوست سمجھ گئے کہ وہ کون سی بولی بول رہے ہیں ۔ انہوں نے لندن میں ہند و پاک کے وزرائے اعظم کے مابین کامن ویلتھ کانفرنس میں مسئلہ کشمیر پر نجی گفت و شنید کو ثمر آور ہونے کی توقع ظاہر کی۔

ادھر انکے سیاسی لیفٹننٹ مرزا محمد افضل بیگ نے شیر باغ اسلام آباد میں نماز عید کے اجتماع میں تقریر کی اور ہند و پاک کے وزرائے اعظم کو انتباہ کرتے پہلی بار مطالبہ کیا کہ مسئلہ کشمیر پر کسی بھی نوعیت کی بات چیت میں جب تک مسئلہ کے سب سے بڑے فریق یعنی کشمیریوں کو شامل نہیں کیا جائے گا ہند و پاک کے مابین پائیدار امن مشتبہ اور قضیہ کشمیر کا تصفیہ غیر دانشمندانہ فعل تصور کیا جائے گا۔ جبکہ اس مطالبے پر کسی نے کان نہیں دھرا اور اسے سانپ نکل کر لکیر پیٹنے والے محاورے سے تعبیر کر کے نظر انداز کیا گیا اور بعد کے واقعات نے بھی یہ ثابت کیا کہ مرزا محمد افضل بیگ اپنی سیمابی طبیعت کے باعث کسی بھی نظریہ سیاست پر زیادہ دیر تک مستحکم نہیں رہتے ہیں۔ بقول ان کے "طویل صحرا، نوردی اور ٹھوکریں کھانے کے بعد پھر اسی مقام پر پہونچے" جہاں سے انہوں نے رحیل کارواں بننے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ان کے منہ سے نکلے اس غیر شعوری فقرے نے ریاستی سیاست میں شمع فروزاں کی حیثیت اختیار کی۔

(۷)

صحرانوردانِ سیاست

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اُس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

۱۹۵۲ء کے اوائل میں وادی کے باسیوں میں یہ تاثر ہمہ گیر ہوا کہ وزیر اعظم ہند کا یہ کہنا کہ کشمیر میں رجعت پسند اور ترقی پسند مسلمانوں کے زیرِ سطح سیاسی ٹکراؤ میں ہندوستان ترقی پسندوں کا ساتھ دے رہا ہے ایک ایسا جھوٹ ہے جو ٹھیک طرح سے بولا بھی نہیں گیا۔ ترقی پسند مسلمان کہہ کر انہوں نے جن کی ترجمانی کا دعویٰ کیا اُن کا سرغنہ اور کشمیر میں پنڈت نہرو کے دستِ راست شیخ محمد عبداللہ نے ہی اِن کی کشمیر پالیسی اور وطیرہ سے بدظن ہو کر نظرِ ثانی، غیر آسودگی کے لفظوں کو عوامی نکتہ چینی کے بامِ عروج تک پہونچا کر پنڈت جواہر لال نہرو کو انگشت نمائی کا محور بنا دیا۔ اس طرح شیخ محمد عبداللہ کے رقصِ بسمل، پرجا پرشد کی سینہ تانیوں اور وزیر اعظم ہند کی معذوریوں کو وادی کے ذی شعور اصحاب، بالغ النظر سیاسی لابی دمیرین متانت، سنجیدگی اور بنظرِ غایت مطالعہ کرتے رہے سخت ذہنی دباؤ اور سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندیوں کے ہولناک عالم میں اس یخ بستہ جمود و تعطل کو توڑنے کی پہل سب سے پہلے میرواعظ غلام نبی ہمدانی نے شہر سرینگر کی مختلف مساجد میں وعظ کی مجلسوں میں سیاسی تقاریر کا سلسلہ شروع کر کے کیا اور مطالبہ کرنے لگے کہ مسئلہ کشمیر کو حتمی طور حل کرنے کی خاطر ریاستی سیاست دان متحد ہو کر اُن امکانات

پر غور و فکر کریں جن سے اخذ نتائج کے تحت ہند و پاک کے نمائندوں سے کسی لگی لپٹی کے بغیر براہ راست مثبت گفت و شنید ہو سکے۔ ریاست میں ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن سے وہ لوگ جو حکمران جماعت کی سیاسی سوچ سے مختلف نظریات کے مؤید ہیں کو اپنے افکار و خیالات سے عوام کو روشناس کرنے کا موقع ملے۔ میر واعظ مولانا غلام نبی ہمدانی کی جادہ بیانی اور جرأتِ رندانہ سے شہ پاکر جون ۱۹۵۲ء کے وسط میں ایک جمعہ کو جب لوگ نماز سے فارغ ہو کر خانقاہ معلیٰ سرینگر کے احاطے سے باہر نکل رہے تھے ان کی مڈبھیڑ نائب وزیر صحت غلام محی الدین ہمدانی سے ہوئی۔ لوگوں کے ایک ہجوم نے انہیں گھیر لیا لیکن کوئی ناخوشگوار حادثہ رونما ہونے سے قبل انہیں بیچ بچاؤ کرنے والوں نے اپنے حلقہ میں لے کر مشتعل ہجوم سے چھڑا لیا۔ حالات کی اس نئی نہج نے خواجہ غلام محی الدین قرہ جنہوں نے تقریباً گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، دوبارہ سیاسی سرگرمیاں شروع کرنے پر آمادہ کیا۔ دسمبر ۱۹۵۲ء میں انہوں نے کہنہ مشق صحافی پیر عبدالاحد شاہ کی ادارت میں سرینگر سے ہفت روزہ الحق کا اجرا کیا۔ اس سے قبل کامریڈ نور محمد اور عالم سراج نے پنڈت رگھوناتھ ولشنوی کے اشتراک میں ہفت روزہ جمہور جاری کیا تھا جس میں بڑے ہی اہتمام سے پنڈت رگھوناتھ ولشنوی کے ایسے مضامین اور حالات حاضرہ پر سیاسی تبصرے شائع ہوتے رہے جن میں نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ، حکمت عملی اور نظریہ کو رد کیا جاتا رہا جبکہ ان مضامین میں تاریخی، جغرافیائی، اقتصادی، مذہبی، ثقافتی اور تمدنی لحاظ سے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق لابدی قرار دیا جانے لگا۔ ان طویل ہنگامہ اور معنی خیز مضامین نے وادی پر چھائے سیاسی جمود و تعطل کو توڑنے میں حیرت انگیز حد تک مدد دی اور ایک نئی سوچ ابھرنے لگی۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس نئے ماحول کو تیار کرنے میں بذاتِ خود شیخ محمد عبداللہ کا بڑا حصہ رہا۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں سے چشم پوشی نت نئے رونما ہونے والے واقعات سے ان دیکھی کی پالیسی سب سے اہم اور کارآمد ہتھیار ثابت ہوا جس کے زیرِ دامان پرورش پانے والے اثرات سے وہ مرکزی حکومت کو یہ یاد کرانا چاہتے تھے کہ یہ میری ذات ہے جو اس نوعیت کے سیاسی مخالفین کو قابو میں رکھنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

چاہے کچھ بھی ہو اس سے یقیناً ایک نئی فضا اور ماحول قائم ہوا جس نے خاص طور پر وادی میں سیاسی شعور اور نوجوان اور طالع آزماؤں کی ایک خاص تعداد کو بڑی ہوشیاری اور ہمت سے سیاسی سطح پر ابھرنے کا موقعہ فراہم کیا۔ ان دنوں وادی میں ایس پی کالج اور امر سنگھ کالج جیسے تعلیمی ادارے تھے جہاں سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے طلباء نیشنل کانفرنس کی قوم پرست سیاست کی ہمنوائی میں سرگرم عمل تھے۔ فیڈریشن کا صدر بخشی غلام علی (سابق ناظم اطلاعات) جنرل سیکرٹری پیر حفیظ اللہ مخدومی، سیکرٹری شمیم احمد شمیم اور خزانچی ویریندر سوری تھے۔ شہر سرینگر میں خصوصاً بڑھتے ہوئے سیاسی لاوے اور عوامی بے چینی کے اثرات سے طلباء کی یہ ٹولی محفوظ نہ رہ سکی اس کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ مرکزی حکومت سے رسہ کشی، اختلافات اور نیشنل کانفرنس کی اندرونی چپقلشوں نے شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی گرفت ڈھیلی کی۔ محمد عمر بٹ نے "عوامی کانفرنس" کے نام سے اپنی الگ جماعت ترتیب دی۔ پیر حفیظ اللہ مخدومی، شمیم احمد شمیم اور دیگر طلباء نے ان سے رابطہ قائم کر کے مشورہ دیا کہ اگر آپ مقامی مسائل ابھارنے کے ساتھ ساتھ مسئلہ کشمیر کو سلجھانے کے لئے اپنی جماعت کے پنڈال سے اس شعلہ بار مسئلے کو حل کرنے کے ضمن میں آواز بلند کریں گے تو ہم آپ کے ساتھ اشتراک کرنے کو تیار ہیں لیکن انہوں نے اس کا کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔ اور نہ کسی سنجیدہ فکر کا اظہار کیا۔ حالات سے شیخ محمد عبداللہ کی ان دیکھی، خاموشی، تساہل کوشی نے ان کے ہمعصروں اور مختلف الخیال لوگوں کو یہ کہنے کی ہمت دی۔ دراصل اس نئی سیاسی اتھل پتھل کے تناظر میں ان کی خواہش اور خفیہ ہدایات کارفرما ہیں۔

کشمیر پولیٹیکل کانفرنس

قطع نظر اس کے ان کے سیاسی مخالفین نے اس نئی صورت حال سے خائف ہو کر کیا رائے قائم کی لیکن یہ برہنہ حقیقت ہے ان سیاسی جماعتوں نے نہ صرف عوام کے دل سے خوف و دہشت دور کرنے میں مدد دی بلکہ اسے کلیات میں بدلنے کی حتمی کوششیں

شروع ہوئیں۔ چنانچہ ۱۹ جون ۱۹۵۳ء کو خواجہ غلام محی الدین قرہ نے وادی کے سرکردہ
شہریوں اور وکلاء کے اشتراک سے سپہ یار سرینگر میں پبلک جلسہ کا انعقاد کر کے کشمیر پولیٹیکل
کانفرنس کے قیام کا اعلان کیا۔ جو عبدالحمید شوسانی کی صدارت میں میر واعظ مولانا غلام
نبی ہمدانی کے تلاوتِ قرآن پاک سے شروع ہوئی۔ محمد امین نخوی ایڈوکیٹ جنرل سیکرٹری
آرگنائزنگ کمیٹی نے پارٹی قایم کرنے کے وجوہات اور اغراض ومقاصد کے بارے میں ایک
تحریری بیان سامعین کو پڑھ کر سنایا۔ پارٹی لیڈر غلام محی الدین قرہ نے اس فقید المثال
جلسہ میں متذکرہ صدر تحریری بیان کی وضاحت میں کشمیر کی سیاسی، سماجی، جغرافیائی اور
تاریخی پہلوؤں کو اُبھارتے کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کے قیام اور ریاست میں اقلیتی فرقوں کے
تحفظ، امن وسلامتی کی ضرورت پر دلایل دے کر وکیلانہ انداز میں احساس دلاتے اُن
کے تحفظ کا ان الفاظ میں اعلان کیا۔

"ہم لوگ ہر قیمت پر اقلیتوں کے جان ومال کی حفاظت، اُن کے شہری
اور بنیادی حقوق نیز اُن کے تمدنی اور مذہبی تحفظات کی حفاظت کو اپنا فرض
اولین سمجھتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اقلیتوں کے ساتھ نہ صرف
منصفانہ بلکہ فیاضانہ سلوک ہونا چاہیے۔ میں آپ سے اپیل کرتا اور کہتا ہوں،
پولیٹیکل کانفرنس کی رہنمائی میں منظم ہو کر ہم حلفاً اعلان کرتے ہیں کہ ہم نہ صرف
ماضی کی شاندار روایات کو برقرار رکھیں گے بلکہ اُن کو بلند ترین مدارج تک
پہونچانے میں ہر وقت مصروفِ کار رہیں گے۔"

اُنہوں نے نیشنل کانفرنس کے گذشتہ چھ سالہ دورِ حکومت کی کارکردگی کا
مفصل محاسبہ کرتے بیکاری، بے روزگاری، رشوت ستانی، مجوزہ سسٹم، پرمٹیں، ملکی تجارت
اشیاءِ ضروریہ پر حکمران جماعت کے کارکنوں کی اجارہ داری قایم کرنے کی ضرر رساں پالیسیوں
بد انتظامیوں کی نہ صرف مذمت کی بلکہ اہم عوامی مسایل اور واقعات کی نشاندہی کرتے پریس
اور پلیٹ فارم پر عاید پابندیوں پر تنقید کرتے طنزاً کہا۔ کیا نیا کشمیر کے منصوبے کو روبہ عمل
لانے کا یہی طریقہ ہے۔ ان پابندیوں سے وادی میں شایع ہونے والے اخباروں کی تعداد

پینتیس سے گھٹ کر صرف آٹھ رہ گئی ہے جن میں ریاست کا بارسوخ اور آزاد خیال اخبار "ہفت روزہ جمہور"، شامل ہے جس پر سنسرشپ عائد کی گئی ہے۔ آپ نے لوگوں سے ناصحانہ انداز میں اپیل کی کہ وہ ہلڑبازی، ہنگامہ آرائی، دھنگا فساد اور ناشائستہ نعروں سے اجتناب کریں۔ کشمیر پولیٹیکل کانفرنس ایک صحت مند سیاسی ماحول قائم کرنے اور لوگوں کے غصب شدہ حقوق بحال کرانے کے لئے وجود میں آئی ہے۔ آپ نے مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کیا اور استصواب رائے عامّہ کا اعادہ کرتے اپنی رائے یوں ظاہر کی۔

"ریاست سے پاکستانی اور ہندوستانی افواج کو نکل جانا چاہیئے اور آزاد فضا میں بغیر کسی خوف و دباؤ کے غیر جانبدارانہ رائے شماری ہونی چاہیئے تاکہ ریاست کا مستقبل یقینی بن جائے۔ الحاق کا فیصلہ نہ ہونے تک کشمیری عوام اپنے حق خودارادیت کے لئے برابر جدوجہد کرتے رہیں گے۔ اس تنظیم کے قیام کا مقصد بجز اس ملک کی بھلائی کے اور کچھ نہیں ہے تا وقتیکہ اس ملک کے عوام کو خوشحالی اور آزادی نصیب نہیں ہوگی۔ یہ ملک ترقی یافتہ نہ کہلائے اور جب تک تعطل وجمود کے خطرناک حالات ختم نہیں ہو جائیں عوامی تحریک جاری رہے گی جو کوئی بھی شخص ان باتوں پر یقین رکھتا ہو اور اس کے حصول کے لئے کام کرنے کا متمنی ہو۔ میں اس کے ساتھ ایک ادنیٰ ورکر کی حیثیت میں کام کرنے کے لئے تیار ہوں کشمیر کا مسئلہ ایک بین الاقوامی اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ یہ امیرا کدل اور راجوری کدل کا تنازعہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ چھپا چھپی کھیلنے، اچھل کود کرنے، گلا پھاڑ کے چلانے سے طے نہیں ہوگا۔ بلکہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے مطالبہ میں ہوش و خرد، ٹھنڈے دل و دماغ، نڈر اور باغیرت قوموں کی مانند سوچنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ الحاق کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق صرف ریاستی عوام کو حاصل ہے جس کو ہند و پاک کی حکومتوں اور اقوام عالم نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن گذشتہ پانچ برسوں کی طویل مدت میں اس حق کو استعمال کرنے کا موقعہ

بہم پہونچانے کے بجائے مختلف حیلوں بہانوں سے ٹالا گیا۔ ہمیں توقع ہے کہ ہند و پاک کے وزراء اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور محمد علی بوگرہ دہلی میں ہونے والی بات چیت کے دوران اس کا کوئی موزون طریقہ ڈھونڈ کر کسی ایسے معاہدے پر متفق ہوں گے جس کی موجودگی میں ریاستی عوام اس حق کو استعمال کر سکیں گے۔ کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کشمیر کے مستقبل کے فیصلہ کو زیر نظر رکھتے ملکی ترقی، آزادی، رسل و رسائل، جغرافیائی اور تمدنی امور کے دوش بدوش عوام کے فطری رجحان کی ترجمانی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی۔"

فطری رجحان

جلسہ گاہ لوگوں سے بھرا تھا غلام محی الدین قرہ کے منہ سے نکلے ہر لفظ پر عوام کی طرف سے شاباش، تالیاں، تحسین و آفرین سے تائید ہو رہی تھی۔ لوگوں کے جوش و خروش سے مسرور ہو کر انہوں نے سامعین سے مخاطب ہو کر پوچھا آپ ہی بتائیں کہ آپ کا فطری رجحان کیا ہے؟ پھر لوگوں کی خاموشی کو توڑتے جلسہ گاہ میں بیٹھے اپنے ایک ساتھی بدرالدین ہنڈو (صدر کرن سنگھ وولن ملز مزدور یونین) کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کراتے کہا وہ بدرالدین وہاں بیٹھا ہے۔ بدرالدین صاحب آپ ہی بتائیں کہ لوگوں کا فطری رجحان کیا ہے؟ انہوں نے فلک شگاف لہجہ میں "پاکستان" کہا۔ یہ سنتے ہی تمام جلسہ گاہ "پاکستان زندہ باد" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ تقریر کو اختتام پر پہونچانے سے قبل انہوں نے کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کی آرگنائزنگ کمیٹی کے اکتیس میں پچیس ممبران کو جو جلسہ گاہ میں حاضر تھے عوام سے متعارف کرایا۔ (۱) میر واعظ مولانا غلام نبی ہمدانی (۲) غلام محی الدین قرہ صدر آرگنائزنگ کمیٹی (۳) پنڈت رگھوناتھ وشنوی ایڈووکیٹ نائب صدر (۴) محمد امین نحوی ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری (۵) عبداللطیف قریشی (ایڈووکیٹ) (۶) عبدالعزیز نقاش بلبل لنکر (۷) غلام رسول کیرا، وکیل (۸) غلام رسول عرف لسہ بٹ (۹) مولوی عبدالمجید شوپیانی (۱۰) غلام نبی وکیل

بڈگام (۱) محمد شفیع نقشی وکیل (۲) عبدالغنی شہداد وکیل (۳) محمد عبداللہ شہلد (۴) محمد یوسف ایم اے (۵) محمد مقبول نوہٹہ (۶) علی محمد کوزگرشہ راجوری کدل (۷) علی محمد شورہ محلہ سید علی اکبر صاحب (۸) عبدالعزیز شال بٹہ مالنہ (۹) غلام احمد میر خانقاہ سوختہ صدر انجمن ملیار لال سرینگر (این. سی. یونٹ) (۲۰) پیر عبدالاحد شاہ مدیر الحق (۲۱) شیخ غلام محمد بی اے (۲۲) غلام نبی بابا وکیل سولور (۲۳) محمد سلطان عرف سلہ غلم دار (۲۴) حبیب اللہ میر بلبل لنکر (۲۵) غلام قادر مسگر۔ جلسہ گاہ میں ہی نیشنل کانفرنس سے منسلک میر واعظ غلام نبی ہمدانی، عبدالعزیز نقاش اور کئی دیگر افراد نے اس جماعت سے اپنی علیحدگی اور مستعفی ہونے کا اعلان کیا۔

گرفتاریاں

جلسہ برخاست ہونے کے بعد لوگ ٹولیوں میں پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے شہر سرینگر کے مختلف سڑکوں سے گذر کر ایک بڑے جلوس کی شکل میں شام کے ۵ بجے کے قریب لال چوک پہونچے جہاں چند جذباتی نوجوانوں نے ایک فوجی ٹرک کو روک کر اسے نذر آتش کیا اور "انڈین ڈاگس گوبیک" کے نعرے لگائے جبکہ غلام محی الدین قرہ کے انتباہ کے برعکس رات گئے تک لوگوں نے ایسی ہنگامہ آرائی کی جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ ۲۰ جون ۱۹۵۳ء کو کشمیر پولیس نے شب گذشتہ لال چوک میں ہلڑ بازی کرنے والوں کے بجائے کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کے جملہ ممبران کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کی۔ اور چن چن کر ان کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی ان میں بعض روپوش ہو گئے۔ لیکن مندرجہ ذیل پولیس کے ہتھے چڑھ گئے انہیں اودھمپور اور سرینگر سنٹرل جیل میں قید کیا گیا۔ (۱) غلام محی الدین قرہ (۲) عبداللطیف قریشی (۳) محمد امین نحوی (۴) محمد سلطان غلم دار (۵) عبدالغنی شہداد (۶) غلام قادر مسگر (۷) میر واعظ مولانا غلام نبی ہمدانی (۸) ماسٹر عبدالرحیم چراغ الدین اینڈ سنز (۹) عبدالعزیز نقاش۔ ان گرفتاریوں کے کفارے کے طور پر ریاستی حکومت نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا۔

سہہ یار سرینگر میں انہوں نے مشتعل کرنے والی تقریریں کیں جس کی بناء پر جلسہ برخاست ہوتے ہی لوگوں کی کچھ ٹولیوں نے شہر کے مختلف بازاروں میں گشت لگاتے امن شکن حرکات کیں نیشنل کانفرنس کارکنوں کے مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا انہیں دشنام طرازی اور سب و شتم کا ہدف بنایا اور ایسے وطن دشمن نعرے لگائے جن سے اقلیتوں کو امن و امان خطرے میں نظر آیا۔ سیاحوں کو پریشانی لاحق ہوئی۔ پولیس کی کارروائی سے عوام میں اطمینان کا اظہار کیا گیا۔"

اعترافِ گناہ بدتر از گناہ۔

ان گرفتاریوں کے بعد ایک ہی نوعیت کی دو متضاد افواہیں گشت کرنے لگیں۔ ایک افواہ تھی کہ ریاستی وزیراعظم گرفتاریوں کے حق میں نہیں تھے بلکہ بخشی غلام محمد، گردھاری لال ڈوگرہ اور ڈی، پی، در کے اصرار پر ایسا کیا گیا۔ دوسری افواہ سہہ یار میں منعقدہ جلسہ کے تناظر میں گڑھ کر پھیلائی گئی کہ جلسہ وزیراعظم کشمیر کی خفیہ ہدایات و رضامندی سے ہوا اب نتائج سے خوفزدہ ہو کر اس نے اپنے تئیں اس سے لاتعلقی کی سعی میں گرفتاریوں کا حکم دیا۔ اس طرح جہاں شیخ محمد عبداللہ کے حامی بخشی غلام محمد اور ان کے ہم خیال وزراء کو قصوروار ٹھہرانے لگے وہاں شیخ مخالف گروپ شہری امن و سکون کو بگاڑنے کی تمام تر ذمہ داری وزیراعظم کے کندھوں پر لادنے میں پیش پیش ہوئے۔ جبکہ افواہوں اور الزام تراشیوں کے رزم و بزم سے الگ یہ حقیقت عیاں تھی کہ کرنل بی، ایم کول جو بادامی باغ سرینگر کی فوجی چھاؤنی میں بظاہر ایک اعلیٰ فوجی آفیسر کی حیثیت میں متعین تھے۔ ان گرفتاریوں کو روبہ عمل لانے میں پیش کار تھے وہ وزیراعظم ہند کے مہتمم خصوصی کی حیثیت سے بھی وادی میں کام کر رہے تھے، دہلی میں ان کی فراہم کردہ اطلاعات اور مشورے مقدم سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے راتوں رات فوجی ٹرک چلائے جانے اور ہند مخالف نعروں کی اطلاع دہلی بھیجی اور وزیراعظم کشمیر کے نام ہدایات جاری کرانے میں اپنی چابکدستی کا مظاہرہ کیا کہ ایسے لوگوں کا مزید کسی تاخیر کے بغیر منہ بند کیا جائے۔ چنانچہ وزیراعظم کشمیر نے ان بے وجہ گرفتاریوں

کے الزام سے اپنا دامن بچانے کی خاطر کابینہ کی میٹنگ طلب کی اور ہدایات کی عمل آوری بجالائی جبکہ ریاستی تاریخ میں گرفتاریوں کا یہ پہلا واقعہ تھا جس کی منظوری کابینہ کو دینی پڑی ورنہ اس سے پیشتر ایسی گرفتاریاں پولیس حکام اپنی ذمہ داریوں کے پیش نظر خود ہی کیا کرتے تھے ——— گرفتاریوں کے نتائج میں عوامی نکتہ چینی، زیر لب عتاب کے ردعمل کا احساس کابینہ میں پھوٹ کی افواہوں کی تردید اور لوگوں کو احتجاجی مظاہروں سے باز رکھنے کی خاطر ۲۲ جون ۱۹۵۳ء کو مجاہد منزل سرینگر میں نیشنل کانفرنس ورکروں کی ہفت روزہ میٹنگ میں بخشی غلام محمد، مولانا محمد سعید مسعودی، مرزا محمد افضل بیگ، شیام لال صراف، غلام محمد صادق، غلام محی الدین ہمدانی، شیو نارائن فوطیدار، ایم پی غلام قادر گاندربلی ایم پی، کامریڈ چودھری محمد شفیع ایم پی شامل تھے، وزیر اعظم کشمیر نے تقریر کرتے کہا ——— "یہ فیصلہ کابینہ کے تمام ارکان نے مل کر لیا۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض عناصر غلط فہمی پھیلاتے ہیں کہ ان گرفتاریوں کے بارے میں کابینہ میں اختلاف رائے تھا جو حقیقت سے کوسوں دور ہے۔"

اعتراف گناہ بدتر از گناہ کے مصداق تردیدی تبسم نے کابینہ میں پھوٹ کی افواہوں میں کوئی مدد نہیں کی۔ بلکہ اس سے شکوک و شبہات میں اضافہ ہوا۔ پولیٹیکل کانفرنس کے سرکردہ اصحاب کی گرفتاری کے بعد محمد شفیع نقشی ایڈووکیٹ نے قائم مقام جنرل سکریٹری کا عہدہ سنبھال کر پارٹی پروگرام کی ترویج و اشاعت کے لئے محمد عبداللہ شہداد کے مکان میں اپنا خفیہ اڈہ قائم کر کے وار کونسل کا اعلان کیا۔ شیخ غلام محمد بی، اے علی محمد شورہ، غلام رسول کبرا، پیر حفیظ اللہ مخدومی اور غلام رسول وانی ان کے معاونین کی حیثیت میں سرگرم عمل ہوئے انہوں نے وادی کے جملہ اضلاع کا دورہ کر کے مختلف مقامات پر ہم خیالوں پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دیں۔ پیر حفیظ اللہ مخدومی، غلام رسول وانی اور غلام محمد شاہ بی اے نے ضلع اسلام آباد میں خواجہ غلام محمد کوچک اور ضلع بارہ مولہ میں خواجہ عنایت اللہ کرو جیسے بارسوخ اصحاب کو اس جماعت میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ سوپور میں مولوی امان اللہ بخاری، غلام رسول بھدرو اور غلام رسول میر مالک نیو لائٹ ہوٹل کا انہیں بھرپور تعاون

حاصل رہا۔ سوپور کالج میں عبدالغنی لون (بانی صدر کشمیر پیپلز کانفرنس) نے سٹوڈنٹس یونین قائم کر کے اسے پولٹیکل کانفرنس کا یونٹ قرار دیا۔ اور ۹ اگست ۱۹۵۳ء کی شورش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تقریریں اور قرار دادیں پیش کرنے کے جرم میں گرفتار کئے گئے۔ دو ماہ کی قید کاٹ کر باضابطہ زمرۂ گشتگانِ ارباب سیاست کا اعزاز پایا۔ غرض اس جماعت کا دائرہ حلقہ ارباب سرینگر کے حدود اربعہ سے وسعت پا کر تقریباً عارضی جنگ بندی لائن تک جا پہنچا۔ چنانچہ ہندوارہ سے محمد عبداللہ بانڈے اور بانڈی پورہ سے محمد خلیل جوہر نے اپنی سیاسی زندگی کی باقاعدگی کا احساس اسی جماعت میں شامل ہو کر دیا۔ کشمیر پولٹیکل کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی ایس پی کالج سرینگر میں طلباء کے ایک جلسہ میں شمیم احمد شمیم نے ریاست میں رائے شماری کرانے کے حق میں قرارداد پیش کر کے اپنے تئیں اس جماعت کے وابستہ ہونے کا اعلان کیا لیکن انہوں نے اس پر استقامت نہیں کی۔ بلکہ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کی تیرہ شب میں بخشی غلام محمد کا حامی اور سیکولر راگ و رنگ کا شیدائی بنا۔

بخشی غلام محمد کے دورِ اقتدار کے ابتدائی دنوں سے ہی کشمیر پولٹیکل کانفرنس (۵) سیاسی عتاب کا شکار تھی۔ جبکہ اس جماعت نے عبداللہ گروپ (۵۲) کے مانند نہ تو نئی حکومت کی مخالفت کی نہ معرکہ آرائی کی مرتکب ہوئی اور نہ اسے ایسا کرنے کا موقع میسر ہوا۔ اس جماعت کے کارکنوں کو ہراساں کرنے کے لئے کشمیر سازش کیس، حضرت بل قتل کیس، سرینگر بم کیس جیسے مقدمات میں ملوث کیا گیا اور دیگر ہمہ قسم کے مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ اس [illegible] ناظرین ایسا کرنے کا مقصد ہندوستانی رائے عامہ کی ہمدردیاں اور حمایت مطلوب تھی جبر وستم کی داستان بڑی طویل اور عبرت آموز ہے جو زیرِ نظر کتاب میں احاطہ کئے واقعات کی دسترس سے باہر ہیں اور جن کا تذکرہ انشاء اللہ تحریکِ حریت کشمیر کی اگلی جلدوں میں ہوگا۔ اس جماعت سے وابستہ بیشتر سرکردہ کارکنوں کی فہم و فراست اور بے غرض سیاسی قربانیوں سے قطع نظر ان میں چند ایک کے ناموں کا اس فصل میں ذکر لازمی ہے جنہوں نے طویل مدت تک اس تنظیم کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ذاتی سودمندی سے بے نیاز ہو کر اس کی بقا کو مطمح نظر بنایا۔ ان میں عبدالحمید قرہ ایڈوکیٹ بٹہ مالہ، محمد عبداللہ بانڈے ہندوارہ، عنایت اللہ مکرو

بارہ مولہ، سوپور سے مولوی امان اللہ بخاری، غلام رسول بھدرو، غلام نبی بابا، عبدالحمید ملک، غلام رسول میر مالک نیو لائیٹ ہوٹل، غلام محمد کوچک اسلام آباد، سرینگر سے شیر عبدالعزیز، شیخ غلام محمد بٹ بٹہ مالنہ، بدرالدین منڈو و مخدوم منڈو، سید غلام رسول برنی محمد افضل مہاراج بٹہ مالنہ، غلام محمد بلند دلال محلہ، بشیر احمد شال رفعت خانیار، پیر زادہ علی شاہ زیندار محلہ جو پرانے سیاسی شہسواروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۳۹ء میں جب مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا قریشی محمد یوسف کے ساتھ مل کر مجاہد منزل پر دوبارہ مسلم کانفرنس کا جھنڈا یہ کہہ کر لہرایا جو کہ مجاہد منزل مسلمانوں کے چندے سے مسلم کانفرنس کے صدر دفتر کے لئے تعمیر کیا گیا ہے اس لئے یہ عمارت مسلم کانفرنس کی تحویل میں رہنی چاہیئے تفصیلات کے لئے دیکھیے تحریک حریت کشمیر جلد اول) محمد شعبان مالیسمہ، عبدالرشید مستری مالیسمہ، محمد فاروق رحمانی سیکرٹری کشمیر سٹوڈنٹس یونین (حال بانی صدر پیپلز لیگ) غلام رسول کار صفا کدل، غلام احمد میر خانقاہ سوختہ، غلام قادر سکار، غلام قادر ٹھوکر، غلام احمد لون، غلام احمد گجری، غلام محمد ٹھگو، محمد سلطان جمالٹہ، محمد سلطان غلہ دار، جلال الدین بٹ المعروف جلہ ژینہ، غلام محمد حلوائی، عبدالعزیز درزی، محمد خلیل قریشی حاجی جلال الدین چرار شریف جو اس جماعت کے باقاعدہ ممبر تو نہیں تھے، البتہ ان کی ہمدردیاں اس جماعت کے ساتھ تھیں، علی محمد چستی، علی محمد کوزگر راجوری کدل، محمد اکبر وردہ، غلام محمد درزی زیندار محلہ، عبدالرحمٰن شگو زالڈگر، پیر حفیظ اللہ مخدومی جمالٹہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ غلام محی الدین صلاتی، غلام محمد بٹو اور محمد شفیع قریشی (حال گورنر بہار ۱۹۹۲ء) نے بھی ایک درمیانی مدت تک اس جماعت کے سرگرم کارکنوں کی حیثیت میں کام کیا۔ لیکن بعد ازاں ان تینوں نے ریاستی کانگریس میں شمولیت کی۔ کشمیر پولیٹیکل کانفرنس ریاست کی واحد سیاسی تنظیم ہے جو اپنے موقف اور نظریہ میں تیز گامی سے لچک اور رد و بدل کرتی رہی جس کے باعث اسی رفتار سے عوام نے اسے نظر انداز کیا۔

یہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکا
کھلا ضرور مگر کھل کے مسکرا نہ سکا

کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کے وجود میں آتے ہی اسے جس بے مروتی اور بیدردی سے کچلنے کا اہتمام کیا گیا ٹھیک اسی طرح اس واقعہ یعنی ۲۰ رجون ۱۹۵۳ء کے ایک ماہ انیس دن بعد ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کی شیخی بھی اسی لاٹھی سے ہانکی گئی۔

(۸)

کسبِ زاغ و زغن

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

متضاد اختلافات کی اس خلیج میں نت نئے واقعات ظہور پذیر ہونے لگے۔ درگا پرشاد در کو شیخ محمد عبداللہ نے کشمیری پنڈتوں کے ذہین طبقہ کا نمائندہ تصور کر کے اپنی کابینہ میں نائب وزیر داخلہ کا عہدہ دے کر اپنے اعتماد کا اہل قرار دیا تھا جبکہ وہ اس بحران میں مرکزی حکومت کے لئے سراغرسانی کا فرض انجام دینے لگا۔ وہ شیخ مخالف گروپ میں مرکزی لیڈروں کی تھپکی کے باعث دانا اور زیرک کہلانے والا واحد فرد تھا جو مرکز کی خفیہ ہدایات کو اپنی تخلیق کا نام دے کر ریاستی سیاست میں دندنانے لگا وہ اپنے تئیں اشتراکی نظریہ اور منطق کا حامی ظاہر کر کے ہندو فرقہ پرست نقطۂ نگاہ کی آبیاری کرنے لگا اور کسے پروان چڑھانے میں مصروفِ عمل رہا جبکہ اس کے ہمعصر سیاست کاروں کا کہنا ہے کہ وہ کوئٹ کشمیر تحریک کے دنوں سے ہی مرکزی وزارت داخلہ کے شعبہ سراغرسانی سے وابستہ تھا۔ ڈاکٹر کرن سنگھ نے اپنی تصنیف "ولی عہد" میں اس کی تصدیق کرتے لکھا ہے کہ "ڈی پی در مرکزی حکومت کو اطلاعات فراہم کرنے میں ایک مستند ذریعہ تھا۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درگا پرشاد در کے عمل میں سیاسی

شعور کے فقدان کے ساتھ اشتراکی اعتقاد کا عمل دخل کم اور سراغرسانی کا منطقی مادہ زیادہ تھا۔ غالباً بذاتِ خود اسے بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کے دوغلے پن نے ریاستی سیاست جس کا وہ بظاہر حامی تھا کو کس قدر نقصان پہونچایا اور سیکولر عناصر کو کمزور کرنے میں جو کلیدی رول اس نے ادا کیا وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ تمام ذلت اٹھانے کے باوجود اسے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ کردار کی پستی نے اسے اپنے ہمعصروں کی نظروں میں گرا دیا۔ ذلیل حرکات، بدکاری، شراب خوری اور سیاسی بددیانتی کے باعث مسلمانوں نے اسے للکارا اور اس کے فریب کارانہ داؤ پیچ کو طشت از بام کیا۔ کشمیری ہندو جن کے لئے وہ بظاہر ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر کے سودمندی کے بہانے تراشا کرتا تھا۔ اس سے اعلانیہ ڈی، پی وہسکی کہنے لگے غرض ڈی، پی در نے شیخ کابینہ کے رکن کی حیثیت سے اس اعتماد کو نہ صرف ٹھیس پہونچائی بلکہ اس نے اپنے قائد کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانے میں اہم اور نمایاں کردار ادا کیا۔

حالات کی ستم ظریفی سے مجبور ہو کر شیخ محمد عبداللہ نے اسے نظر انداز کر کے بڑے سیاسی مگر مچھوں سے پنجہ لڑانے کے لئے اپنے دھن کے سر ول کو تیز کیا اور دلجمعی سے ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو مجاہد منزل میں اپنے حامیوں کے سامنے بدلتے ہوئے متوقع واقعات کا اعادہ کرتے انہیں چاق و چوبند رہنے کی ہدایت کی جس سے اس امر کی غمازی ہونے لگی کہ دراصل گیند فرقہ پرست سیاسی ہوس پرستوں کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور خود مرکزی قیادت کی فہم و فراست اور ذہن کے دریچوں سے ٹکرا کر تنگ نظری اور اندیشہ کے گہرے گونا گوں کی دہلیز پر سجدہ ریز ہونے کے بجائے انہیں تھپکیاں دینے پر اُتاری ہے یہی وہ لمحات تھے جب مرکزی قیادت کو حتمی فیصلہ لینا تھا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کی شرائط اور عندیہ کے مطابق کشمیر پالیسی مرتب کرتی ہے یا انہیں نظر انداز کر کے فرقہ پرستوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی ضد کو حب الوطنی کی سند عطا کرے گی چنانچہ پنڈت جواہر لال نہرو اس صورتِ حال سے کماحقہ واقف تھے جب ہی انہوں نے اس کی ہیئت تبدیل کرنے کے خیال سے لندن جانے سے قبل اپنے ساتھیوں کو ہدایت

دی کہ وہ وزیر اعظم کشمیر کو دہلی آنے کی دعوت دیں لیکن شیخ محمد عبداللہ ان پیغامات کو ٹالتے رہے حتیٰ کہ لندن سے واپسی پر بھی وزیر اعظم ہند کی استدعا پر دہلی نہیں گئے اس پر مرکزی وزیر اجیت پرشاد جین نجی دورے کے بہانے سرینگر آئے اور وزیر اعظم کشمیر سے تبادلہ خیال کرکے ان کے سیاسی حرارت کے مدّوجزر کی دہلی میں رپورٹ کی شیخ محمد عبداللہ سے اپنی گفت وشنید کی تفصیلات وخدشات کو بیان کرتے اجیت پرشاد جین نے اپنے ایک مکالمہ میں جو رسالہ انکیٹر بمبئی مورخہ ۷ رجون ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا یوں قلم بند کیا ہے :-

"شیخ نے دو گھنٹے تک مجھ سے بات کی وہ ہند سے ناراض تھا وہ ان رکیک حملوں سے جو شیاما پرشاد مکرجی کی موت کے بعد پرجا پریشد اور جن سنگھ نے اس پر کئے تھے سخت برانگیختہ تھا۔ اس نے ڈوگروں کے خلاف بالعموم اور مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف بالخصوص زہر افشانی کی میں نے کہا یوراج تو اپنے باپ سے بالکل مختلف ہے۔ شیخ نے جواب دیتے کہا سانپ کا بچہ اپنے باپ سے کیسے مختلف ہو سکتا ہے۔ شیخ نے جذبہ نفرت کو جو اس کے دل میں ہند کے خلاف تھا چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی اس کا خیال تھا ہندوستان فرقہ پرستی کی جانب بڑھ رہا ہے، جواہر لعل نہرو پر بھی شیخ کا اعتبار اٹھ چکا تھا جب میں چلنے کے لئے اٹھا تو شیخ نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر پوچھا ان حالات میں میرا کیا مشورہ ہے میں حیران ہو کر رہ گیا اور کہا میرے دل میں آپ کی عزت ہے آپ نے نہایت ایمانداری سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ مگر جب آپ کو میرے ملک اور میرے لیڈر پر ہی اعتماد نہیں رہا تو میرا مشورہ طلب کرنا محض ریاکاری ہوگی ۔۔۔ میرے دل میں کوئی شک نہیں رہا کہ کوئی کارروائی نہ کرنا غلط کارروائی کرنے سے زیادہ خطرناک ہوگا۔ اگر ہم یہ موقعہ کھو دیں تو کشمیر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں تھا۔ ماسوائے اس کے کہ سخت ترین قدم اٹھایا جائے۔"

اجیت پرشاد جین کی رپورٹ کے بعد دہلی کے حکمرانوں نے شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار سے برطرف کرنے کی حتمی رائے قائم کی۔ البتہ موقع و محل کا تعین کرنا حالات پر چھوڑا گیا چنانچہ متذکرہ صدر مضمون میں اجیت پرشاد جین نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ پنڈت جواہر لال نہرو اور رفیع احمد قدوائی نے اُسے حکومت ہند کی جانب سے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ایکشن لینے کے لئے دوبارہ سرینگر بھیجا۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:-

"رفیع نے کہا کہ یہ کام تمہیں ہی کرنا ہے اور اگر شیخ کی گرفتاری ضروری ہو تو اُس سے بھی گریز نہیں کرنا میں نے رفیع سے کہا چونکہ اس بات کی اہمیت نہ صرف قومی نوعیت کی ہے بلکہ یہ معاملہ بین الاقوامی اہمیت کا بھی حامل ہے۔ اس لئے کشمیر جانے سے پہلے میں پنڈت نہرو کی رضامندی اور ہدایات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں جواہر لال سے ملا اور اُن کو مختصراً وہ بات بتادی جو قدوائی نے کہی تھی، نہرو نے مجھے بخوشی کشمیر جانے کی اجازت دی۔ میں ایک سیاح کی حیثیت میں کشمیر جانا چاہتا تھا تاکہ کسی کو شک نہ گذرے لہٰذا میں سہارن پور چلا گیا۔ جہاں سے میں اپنے ایک دوست کی فیملی کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا جب میں اس ارادے سے سہارن پور پہونچا اُس کے اگلے دن مجھے پنڈت نہرو نے ٹیلی فون پر واپس دہلی آنے کی ہدایت کی میں نے سمجھا کہ شاید نہرو نے اپنا ارادہ بدل دیا جب میں اُن سے ملا تو میری حیرانگی اور تعجب کی حد نہ رہی جب پنڈت جی نے نہایت صاف آسان اور غیر مبہم الفاظ میں وہ ہدایات مجھے سنائیں جو وہ پہلے ہی ایک کاغذ پر لکھ چکے تھے جواہر لال نے مجھے سرینگر پہونچنے پر خبردار رہنے کی تلقین کرتے کہا۔ تمہیں وہاں سراغرساں اور جاسوس گھیر لیں گے۔ اور ٹیلی فون پر کسی سے جو بھی بات کروگے وہ درمیان میں کوئی سن رہا ہوگا۔ عبداللہ، صدر ریاست کرن سنگھ کے خلاف ہے

کشمیر کے لیڈر دو حصوں میں بٹ چکے ہیں۔ عبداللہ اور بیگ ایک طرف اور دوسری طرف بخشی ڈوگرہ اور صراف ہے۔ کئی مہینوں سے ان میں سیاسی چپقلش اور رسہ کشی چلی آرہی ہے۔ ذاتی پسند اور ناپسندگی کے علاوہ ہند کے متعلق رویّہ میں بھی اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔ عبداللہ گروپ ہند کے خلاف ہو چکا ہے اور بخشی گروپ ہند کے حق میں ہے۔ نہرو کو یہ یقین کامل تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنا نہیں چاہتا۔ مگر مصدقہ اطلاعات یہ تھیں کہ شیخ ہند کے حق میں نہیں ہے اور شاید کشمیر کو ایک آزاد ریاست بنانا چاہتا ہے۔ جواہر لال نے مجھے ہدایت دی۔ آخری فیصلہ لینے سے پہلے میں عبداللہ، بخشی اور نیشنل کانفرنس کے دوسرے لیڈروں سے تبادلہ خیال کروں۔ اس نے مجھے انتباہ کیا کہ جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ اور مجھے کہا کہ میں صرف اس صورت میں مداخلت کروں جب ہندوستان کے مفادات کو خطرہ لاحق ہو۔ یہ بھی کہا کہ کسی صورت میں بھی ہندوستانی فوج کو اس کارروائی میں استعمال نہیں کیا جائے۔ نہرو نے مجھے اپنی بہترین قابلیت کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دیا۔ وزیر اعظم ہند سے بات چیت کے دوران مجھے یہ احساس ہوا کہ نہرو کے دل میں عبداللہ کیلئے کافی ہمدردی موجود ہے اور اس نے ہدایت کی جب تک وہ (عبداللہ) سمجھوتہ کی حد سے بالکل باہر نہ ہو جائے گا۔ اس پر انگلی اٹھائی نہیں جائے گی۔"

غدار نہیں غلط کار

اس طرح اجیت پرشاد جین اور پنڈت جواہر لال نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت نے شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری تک سرینگر میں قیام کرکے اس سیاسی ڈرامے کی

ہدایت کاری کے فرائض انجام دیئے اور شیخ محمد عبداللہ اس مفروضہ میں سیاسی اوٹ کی تکمیل اپنی گرفت میں مضبوطی سے پکڑنے کے لئے جوشیلی تقاریر سے رائے عامہ منظم کرنے میں مصروف کار رہے۔ چنانچہ ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء کو آستانہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ خانیار سرینگر میں تقریر کرتے انہوں نے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں سے گلہ کرتے کئی بنیادی نقطے ابھارے جنہیں دہلی کے سیاست والوں نے غیر ذمہ دارانہ اور بڑی حد تک باغیانہ قرار دیا۔ تقریر کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:-

"یہ دونوں کشمیریوں کو حق خود ارادیت دینے کی باتیں تو کرتے ہیں لیکن خود ہی اس کی راہ میں دیوار بن کر کھڑے ہیں پاکستان کی خواہش ہے کہ یہ حق اسی وقت اور اسی صورت میں دیا جائے جب ہم دونوں ہاتھوں کے پنجے ثبت کر کے لکھ دیں کہ ہمارا فیصلہ صرف اسی کے حق میں ہوگا دوسری طرف ہندوستان تبھی یہ حق دینے کے لئے تیار نظر آتا ہے جب اسے پورا یقین ہو جائے کہ رائے عامہ صرف اسی کے حق میں ہوگا ہندوستانی دوستوں کو یہ احساس ہونا چاہیئے اگرچہ ہمارے پاس مال و دولت جاہ و حشمت نہیں ہے مگر ہمارے پاس آہنی عزم اور ارادہ ہے جس کو کسی صورت میں توڑا نہیں جا سکتا۔ یہ کہنا عبث ہے کہ جہاں ہندوستان نے کشمیر کو بچانے کے لئے روپے اور فوجیں دیں۔ وہاں کشمیریوں نے وفا نہیں کی۔ اشاروں کنایوں میں کہا جا رہا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اور کشمیری مسلمان ہندوستان کے وفادار نہیں۔ ہم نے قربانیاں اس لئے نہیں دی ہیں کہ ریاست جموں کشمیر، ہندوستان کا پاسنگ بنتا ہے یا پاکستان کا — یہ کہا جا رہا ہے کہ شیخ عبداللہ بدل گیا ہے، وہ قابل اعتبار نہیں رہا وہ کشمیر کو دراصل آزاد رکھنا چاہتا ہے یا ریاست کو پاکستان میں شامل کرنے کے حق میں ہے۔ مجھے ناقابل اعتبار ٹھہرانے سے بنیادی مسئلہ طے نہیں ہوتا جبکہ میرے ہموطنوں کی وفاداریوں پر شک و شبہ ظاہر کرنے کے عمل سے ہندوستانیوں کے دل میں چھپے ڈر کا احساس دلاتا ہے اس بے اساس خیالی منطق

کے وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں ہے میں اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر شیخ محمد عبداللہ کو گمان گذرے یا نظر آئے گا کہ آزاد رہنے میں کشمیر کی فلاح وبہبود اور بہتری ہے تو یہ آواز بلند کرنے میں اُسے کوئی نہیں روک سکتا اور نہ اُسے کوئی ہچکچاہٹ ہی ہوگی یا اگر اُسے اس ملک کی بہبودی اور ترقی پاکستان کے ساتھ شمولیت کرنے میں نظر آئے گی تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت میری اس آواز کو دبا نہیں سکتی۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا ۱۹۴۷ء میں جب میں جیل سے رہا کیا گیا تو میں نے حضوری باغ کے جلسہ عام میں کہا تھا ہم آج بھی اُسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں کوئٹ کشمیر تحریک سے قبل کھڑے تھے جبکہ یہ کہا جاتا ہے اب حالات یکسر بدل گئے ہیں ہمیں اپنے گردوپیش کا جائزہ لینا ہے اور یہ دیکھنا ہے جاگیردارانہ نظام حکومت نے جو ظلم و جبر کشمیریوں پر مسلط کیا تھا وہ ختم ہوا ہے یا نہیں اگر ختم نہیں ہوا ہے تو سب سے پہلے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنی جدوجہد تیز تر کرنی ہوگی تاکہ وہ مقصد حاصل کریں جس کے لئے ہم کفن بدوش میدان کارزار میں اترے تھے اس کے بعد ہی مل بیٹھ کر یہ طے کریں گے کس ملک کے ساتھ اپنے تعلقات جوڑنے میں ہماری بہتری سود مندی اور بہبود کا راز پنہاں ہے، بدقسمتی سے اُن دنوں حالات بڑی تیزی سے بدلنے لگے پاکستان نے قبائلیوں کی وساطت سے ریاست پر حملہ کیا خونریزی ہوئی تباہی مچی، لوگ بے گھر ہوئے، جانیں تلف ہوئیں، جس کے نتیجہ میں ریاست کا فرسودہ انتظامیہ درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

ان حالات میں ہمیں سوچنے تک کا موقعہ نہیں دیا گیا اور جبراً ہمیں ایک اور راستے پر لے جانے کی کوشش کی گئی جبکہ ہم آج بھی الحاق کے وعدے پر قائم ہیں آج ہمارے ہندو ہموطنوں سے کہا جاتا

ہے کہ ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے جو جلد یا بدیر اسمبلی اور حکومت پر قبضہ جماکر تمہارے حقوق پامال کریں گے، اور تمہارا وجود تہس نہس ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا تمہاری بقاء و سرفرازی کے لئے لازم ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کی اندرونی آزادی اور خود مختاری کی آواز سے ہم آہنگ ہونے کے بجائے اس سے کنارہ کش ہو کر اس آواز کو دبانے کی سعی کرو اور ریاست کے لئے تمام قوانین ہندوستان کی پارلیمنٹ میں مرتب ہونے چاہییں۔ جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے بعض دوسرے لوگ بھی اس عجیب و غریب غیر جمہوری رائے سے متفق ہیں اور اس کی حمایت کر رہے ہیں اگر وہ کشمیری مسلمانوں پر اعتماد و بھروسہ نہیں کر سکتے تو یہاں کے مسلمان یہ کہنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں ہم کیسے تم پر بھروسہ کر سکتے ہیں دوسری طرف پاکستان کی حکومت بلکہ بعض ذی شعور کشمیری مسلمان دانشوروں کی جانب سے یہ خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ہندوستان خراماں خراماں کشمیریوں کو غلام بنائے گا اور کشمیری مسلمانوں کا مذہب، تمدن، ثقافت اور آزادی ختم کی جائے گی۔ ریاست جموں و کشمیر سے مسلمانوں کی اکثریت، اقلیت میں تبدیل کی جائے گی۔ اس سلسلے میں فسادات کے زمانہ میں مسلمانوں پر کپور تھلہ، امرتسر اور پنجاب کے کچھ دوسرے علاقوں میں جو ان پر گذری کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ ہم نے ایسے سوالات کرنے والوں کو ہمیشہ یہ جواب دیا ہے کہ ہندوستان کو ریاست کی اندرونی خود مختاری، آزادی اور معاملات سے کوئی دخل نہیں ہوگا۔

الغرض جو رشتہ ریاست جموں و کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ ہم نے ڈھونڈا تھا وہ ہندوستان میں مدغم یا ضم ہونے کا نہیں ہے اور نہ ہی ریاست جموں و کشمیر کی مکمل آزادی اور خود مختاری کا ہے بلکہ یہ ایک درمیانی باہمی اتحاد و محبت کا رشتہ ہے البتہ فیڈریشن کے جو لوازمات اور اصول ہوتے ہیں ان کی بنیاد پر دستاویز الحاق مرتب کیا گیا ہے۔

اسی بنیاد کو اپناتے ہم آگے بڑھے اور پاکستانی حملے کا مقابلہ کرکے اسے پسپا کیا۔ جب ہم اس رشتے پر غور کرتے ہیں تو یہ عیاں ہے کہ اسی رشتے میں سبوں کی بھلائی اور کامرانی کا راز پوشیدہ ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے ہندوستان بھر میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جو اس بات کی ضمانت دے کہ ریاست جموں کشمیر اور ہندوستان کی مرکزی حکومت کے درمیان جو رشتہ اس وقت تک شرائط الحاق کی بنیاد پر قائم و دائم ہے کیا وہ آئندہ بھی قائم رہے گا یا نہیں؟ ہندوستان کے بعض لیڈروں نے اگرچہ جموں کی پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کی مخالفت کی تو صرف یہی کہا مطالبات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے (METHOD) یعنی طریق کار غلط ہے۔ ہندوستان بھر میں کوئی لیڈر تلاش کرنے کے باوجود ایسا نظر نہیں آیا جس نے پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کے دوران ریاست جموں وکشمیر اور ہندوستان کے موجودہ رشتہ کی حمایت کی ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کشمیر نے غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے اور اس سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنے بچوں اور عزیزوں کی قربانی پیش کی۔ اور ایک مشترکہ اصول کی خاطر مذہبی نعروں اور ہم مذہب لوگوں کی پروا نہیں کرتے ہندوستان کا ساتھ دیا اور ہندوستان پر اعتماد کرکے اپنی شہ رگ اس کے حوالہ کرنے میں جھجک محسوس نہیں کی ہو، آج جب وہ وفادار اور قابل بھروسہ نہیں رہا تو ان حالات میں بجز اس کے چارہ ہی کیا ہے کہ وہ اپنا الگ راستہ اختیار کرے۔"

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی کہا۔ الحاق کی بنیاد مسودہ الحاق اور اس وقت ہم سے کئے گئے وعدے ہیں اگر وہ معاہدات پر قائم نہیں رہنا چاہتے تو معاہدہ شکنی کا الزام ہم پر عاید نہیں ہوتا بلکہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے جو لوگ ریاست کو ہند میں مدغم کرنے کی حمایت کرتے ہیں

وہ کشمیر کے ساتھ بے وفائی اور دغا کر رہے ہیں۔ گذشتہ سال گفت وشنید کے بعد ہم نے معاہدہ دلی پر دستخط کئے، واپسی پر میں نے اس معاہدے کو ریاست جموں وکشمیر کی اسمبلی کے سامنے رکھا۔ ریاستی اسمبلی نے اُسے منظور کیا اور ہم یہ یقین کر بیٹھے کہ اب معاملات یونہی لٹکتے نہیں رہیں گے لیکن ابھی دلی معاہدہ کی سیاہی سوکھ نہیں ہو پائی تھی جموں میں اس غرض سے پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن شروع کروائی گئی تاکہ ریاست کو ہندوستان میں مدغم اور گم کر دیا جائے۔ ہندوستانی اخباروں اور فرقہ پرست جماعتوں نے معاہدے کو توڑنے کے لیے اس ایجی ٹیشن کو ہوا دی۔ دوران تقریر سامعین میں کئی لوگوں نے بیکاری، بے روزگاری، مہنگائی اور بھوک سے لوگ مر رہے ہیں کے نعرے لگائے، جواب میں اُنہوں نے کہا۔ کشمیری آلو کھا کر گذارہ کریں گے لیکن عزت نفس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔" آپ نے دوران تقریر آئندہ کے مورخوں سے التدعا کی کہ وہ اُنہیں غلط کار لکھیں، غدار نہیں اعتراف شکست اپنی جگہ بجا سہی لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آئندہ کے مورخ کسی فرد واحد کی فرمائش پر اس کی خواہش کے مطابق تاریخ کے مقدس اوراق کو خواہشات کا تابع بنائے۔ مورخ اپنے دور کا جج ہوتا ہے جو کسی واقعہ کی تحقیق میں نہ صرف بنیادی عناصر کی چھان بین کرتا ہے بلکہ اُس کے سیاق و سباق کا جائزہ لے کر وقوعہ کے دُور رس اثرات، مضمرات، حامیوں، مخالفوں، دستاویزی اور زبانی شہادتوں پر غور و فکر کرنے کے بعد نتائج اخذ کر کے مقدمہ میں از خود فردیا افراد کو خطا کار ہونے کی صورت میں تاریخ کے صفحات پر غدار کے لفظ سے مرقوم کر کے اُسے سزا کا مستوجب قرار دیتا ہے اور بے قصور ہونے کی پاداش میں باعزت بری کر کے انعام و اکرام کی خلعت سے نوازتا ہے۔

ڈی، پی در کی ریشہ دوانیاں۔

غرض مندرجہ بالا تقریر نے شیخ محمد عبداللہ کو نرغے میں پھنسانے کے لیے کوتاہ اندیش سیاست دانوں کی نظروں میں عتاب زدہ ٹھہرا کر وزارت عظمیٰ سے معزول

کرنے کا بے انتہا مواد فراہم کیا۔ اس پر طرّہ یہ کہ سونے کی کان کی اس تازہ دریافت کے نشیب و فراز کی تشریح معنی و مفہوم اور اخذ نتائج کو سمجھانے کے لئے درگا پرشاد در نے بیماری کا بہانہ بنا کر معالج سے صلاح و مشورہ حاصل کرنے کی خاطر راتوں رات دہلی کی راہ لی اور رپورٹ پیش کی جس کی روئداد جنرل بی ایم کول نے اپنی تصنیف "اَن ٹولڈ سٹوری" کے صفحہ ۱۳۷ تا ۱۴۴ پر یوں قلمبند کی ہے:۔

"جولائی ۱۹۵۳ء کے وسط میں درگا پرشاد در نے دہلی میں پنڈت نہرو سے ملاقات کی۔ اور نہرو کو آگاہ کیا کہ کشمیر کی سیاسی فضا میں بڑی گڑبڑ پیدا ہو چکی ہے۔ نہرو نے اپنی کیبنٹ کے سب سے طاقتور منسٹر رفیع احمد قدوائی کو ٹیلی فون پر کہا کہ وہ فوراً درگا پرشاد در کو ملے چنانچہ دوسری صبح جب قدوائی اور در کی ملاقات ہوئی تو ساری کیفیت سننے کے بعد قدوائی اس نتیجہ پر پہونچا (الف) کشمیر ایک اہم سرحدی ریاست ہونے کی وجہ سے اس کا کنٹرول ایک شخص یا ایک جماعت کے ہاتھ میں نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ وہاں جو کچھ بھی ہوگا اُس کے اثرات سارے ہندوستان میں محسوس کئے جائیں گے۔ (ب) اب وقت آگیا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کو برخاست کر دیا جائے۔ قدوائی نے در سے پوچھا کیا یہ اچھّا نہ ہوگا کہ میں شیخ محمد عبداللہ کو لکھوں کہ وہ مجھے ملے؟ در نے کہا بہتر یہ ہوگا شیخ کو دہلی بلانے کے بجائے وہ خود ہی کشمیر جائیں۔ چنانچہ قدوائی نے عبداللہ کو ایسا ہی لکھا۔ مگر عبداللہ نے جواباً لکھا کہ اس میٹنگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ ۲۵ جولائی یا اس کے لگ بھگ ڈی، پی، در دوبارہ قدوائی سے ملا اور اُسے بتایا کہ کشمیر کے لیڈروں میں تناؤ بڑھتا جا رہا ہے اور حالات مخدوش ہوتے جا رہے ہیں۔ بعد میں در نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی اور اس بات پر زور دیا کہ سخت کارروائی کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ ڈی، پی، در اور قدوائی کے کہنے پر پنڈت نہرو نے مجھے ذاتی حیثیت میں سرینگر جانے کی ہدایت

دی تاکہ میں وہاں اُن کی مدد کر سکوں۔ میں دس (۱۰) دن کی چھٹی لیکر سرینگر چلا گیا۔ نہرو نے تمام متعلقین کو ٹیلی فون پر کہا تھا کہ میں سرینگر آرہا ہوں۔ سرینگر پہونچتے ہی میں نے شیخ محمد عبداللہ سے ملاقات کی۔ بات چیت کے دوران اُس نے ہند کے رویّہ کے متعلق سخت شکایتیں کیں اور کہا کہ کشمیر کا فیصلہ یہاں کے عوام کریں گے جو شاید ہندوستان اور نہ پاکستان کے ساتھ رہنا پسند کریں گے بلکہ آزاد رہنا پسند کریں۔ میں نے دریافت کیا کشمیر اگر آزاد ریاست بن جائے تو ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا۔ شیخ نے کہا مجھے اُس سے کیا واسطہ ہے۔ شیخ نے متنبّہ کیا اگر ہندوستان، کشمیر کے مسئلہ میں دخل اندازی بند نہ کرے تو میں دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ آخر میں شیخ نے دھمکی دی کہ اُسے بلا وجہ شیر کشمیر نہیں کہا جاتا ہے۔ یوراج، بخشی، در اور میں رات بھر کشمیر کی خطرناک حالات کے متعلق سوچتے رہے، ہم اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس کے خلاف سخت قدم اُٹھانا لازم ہے۔ شیخ کی حرکات پُر اسرار تھیں۔ بخشی اور در نے مجھے بتایا کہ اُن کو معلوم ہو چکا ہے کہ چند دن کے اندر شیخ عبداللہ گلمرگ جانے والا ہے، جہاں اُسے سرحد پار سے کچھ دوست ملنے آرہے ہیں۔ اُن سے بات چیت کے بعد بخشی، در اور چند آدمیوں کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ اور اُن کی جگہ اپنے منظور نظروں کو کابینہ میں لیکر اپنی پوزیشن مضبوط کرے گا۔ اس کے بعد آزاد کشمیر کا اعلان کر کے ہندوستانی افواج کو کشمیر سے واپس بلانے کا مطالبہ کرے گا۔ میں واپس دہلی گیا اور سب معاملہ پنڈت نہرو کو بتایا، تمام باتیں سننے کے بعد نہرو نے مجھے کہا کہ قطع نظر اس کے یوراج، بخشی اور در نے کیا فیصلہ لیا ہے شیخ عبداللہ کو کسی صورت میں گرفتار نہیں کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ ہم دنیا کو اس کی جوازیت کا ثبوت نہیں دے سکیں گے۔ میں نے نہرو کو بتایا کہ اگر

شیخ عبداللہ کو اسی طرح آزادی سے کام کرنے کی اجازت دی گئی تو وہ بخشی، ڈر اور چند دیگر منسٹروں کو گرفتار کرے گا۔ مگر پنڈت نہرو اپنی ضد پر قائم رہا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں متعلقین کو آپ کے خیالات سے آگاہ کراؤں گا۔"

بیگ کا تجاہل عارفانہ

شیخ محمد عبداللہ کی تقلید کرتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ اور صوفی محمد اکبر نے اپنی نشست و برخاست میں یہی انداز گفتگو اختیار کیا چنانچہ مرزا محمد افضل بیگ نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے یہ انکشاف بھی کیا۔ "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیشنل کانفرنس اس جماعت کا نام ہے جو پاکستان کی طرف منہ کر کے محمد علی بوگرہ کو گالیاں دے ..." مرزا بیگ کے ظریفانہ انداز بیان سے کسی کو کلام نہیں لیکن حق تو یہ ہے کہ ماضی قریب میں نیشنل کانفرنس کی تعریف یہی تھی اور اس زمرہ احباب میں مرزا بیگ کی بھی شناخت تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کے تازہ افکارات کے جواب میں حزب اختلاف کے لیڈروں نے اپنی منقاریں کھولیں چنانچہ جولائی کے تیسرے ہفتہ میں غلام محمد صادق نے ادم پورہ بڈگام میں تقریر کرتے کہا۔ "وادی کشمیر کو آزاد رکھنے کا خیال طفلانہ ہے ریاست جموں و کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن اس قسم کی ہے کہ آزاد کشمیر کو جہاں ایک طرف غیر ملکی حملے کا ہر وقت خطرہ رہے گا۔ وہاں یہ بین الاقوامی سازشوں کا اڈہ بن جائے گا۔ کشمیر کی ترقی ہند کے ساتھ موجودہ بنیادوں پر الحاق میں پنہاں ہے اگر کشمیر پاکستان کا جزو بن جائے گا تو نیشنل کانفرنس کے نصب العین نیا کشمیر کو پنپنے کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ وہ کشمیریوں کی خودکشی کا مترادف ہوگا۔"

آخری جھالنہ

بخشی غلام محمد نے کولگام میں تقریر کرتے شیخ محمد عبداللہ کا نام لئے بغیر جبرہ،

الحاق کا جواب یوں دیا: "ہندوستان سے الحاق قائم کرنے کا فیصلہ کسی وقتی جذبہ یا مصنوعی احساس کے تحت نہیں کیا گیا بلکہ ہم نے اپنی رضامندی سے کشمیر کو ہند کا حصّہ بنایا ہے، جس دن ہم نے یہ فیصلہ لیا تب سے اس وقت تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے اس فیصلہ کی صداقت پر ہمارا بھروسہ متزلزل ہو جاتا۔" بخشی غلام محمد نے جس جارحانہ انداز میں وزیرِ اعظم کشمیر کے بدلتے موقف کی مخالفت اور ریاست کا ہند سے الحاق کی حمایت و تصدیق کی اُس کا مدعا و مقصد شیخ محمد عبداللہ بھانپ گئے لیکن انہوں نے طیش کھائے بغیر انہیں اپنے پاس بلا کر پوچھا کیا آپ کی تقریر سے یہ اخذ نہیں ہوتا کہ ہمارے درمیان ہندوستان کے ساتھ الحاق کی پالیسی پر اختلافات پیدا ہو رہے ہیں۔ بخشی غلام محمد نے اس کی نفی کی اور یقین دلاتے کہا۔ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا ممکن ہے لیکن میرے لئے آپ کی قیادت سے انکار کرنا ناممکن ہے، چہ جائیکہ آپ کے فہم و فراست، قیادت اور نظریہ سے اختلاف کروں۔ "اس جواب پر وزیرِ اعظم کشمیر نے ان سے کہا۔ "یہ آپ کا کام ہے آپ کی تقریر سے عام لوگوں میں جو تاثر اور غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اُس کا کس طرح ازالہ کریں گے۔" بخشی غلام محمد نے حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر ۲ اگست ۱۹۵۳ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس ورکروں کی ہفت روزہ میٹنگ میں شیخ محمد عبداللہ کو آخری جھانسہ دینے اپنی تقریر اس فقرے سے شروع کی: "تمام مسلمانوں کے لئے پانچ ارکانِ اسلام پر ایمان لانا لازمی ہے لیکن میرے لئے شیخ محمد عبداللہ کی قیادت اور وفاداری کا اقرار کرنا ارکانِ اسلام کا چھٹا جز ہے یعنی شیخ محمد عبداللہ کی وفاداری پر قائم رہنا میرے اسلام اور ایمان میں شامل ہے۔" انہوں نے اپنی تقریر کے اختتام پر مذکورہ صدر فقرے کو دوبارہ دہرا کر وزیرِ اعظم کشمیر کے دوش بدوش نیشنل کانفرنس ورکروں کو بھی مغالطے میں ڈالا۔ بخشی غلام محمد کے اس "ایمان افروز" اعلان سے وزیرِ اعظم کشمیر کس قدر متاثر و مطمئن ہوئے کہنا دشوار ہے البتہ انہیں یہ گمان ضرور گذرا کہ بخشی غلام محمد اپنی تمام ڈپلومیسی پر اترانے کے باوجود مجھ سے خائف ہے اس طرح ریاستی وزیرِ اعظم اپنی خام خیالی سے اس جھانسہ میں آئے جس کی بناء پر انہوں نے اپنے کئی خیر خواہوں کے مشورے کو نظر انداز کر کے قبل از وقت

ان کی گرفتاری سے گریز اور ہچکچاہٹ محسوس کی اور اپنے دوستوں سے یہی کہتے رہے چلو ہے کچھ بھی ہو بخشی غلام محمد میرا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔" لیکن جب گاڑی چھٹ گئی اور تیر کمان سے نکل پڑا شیخ محمد عبداللہ کی حس جاگی اور انہیں احساس ہوا جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔" یادش بخیر عہد اقتدار کے قول و قرار ساتھ نبھانے کے دعوے وفاداریوں کی قسمیں، جاں نثاریوں کے عہد و پیماں، قفس میں ان کی نگاہوں میں پانی کے بلبلوں کی طرح ابھرتے ڈوبتے رہے اور بڑی دیر تک کبھی شعلہ اور کبھی شبنم بن کر ان کی دلجوئیاں دے کر اپنی مایوسی اور کم فہمی کی تاریک راتوں میں اجالا کرنے کی سعی لاحاصل میں محو و مشغول رہے ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا ۔۔۔ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اہم واقعات

ریاستی وزیر اعظم کے اس دور کی آخری تقاریر کے حوالوں سے قبل اس زمانے میں جو کئی دیگر اہم واقعات رونما ہوئے انہیں زیر نظر رکھنا حالات کو بہتر ڈھنگ سے سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر کے نشیب و فراز پر طویل بحث و تمحیص نے ہند و پاک کی حکومتوں کو اپنے طور اور بیرونی دباؤ نے یہ باور کرنے پر مجبور کیا کہ مسئلہ کو حل کرنے کی خاطر باہمی گفت و شنید کی جائے جس سے ممکن ہے کہ بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو۔ چنانچہ اس نقطے پر متفق ہو کر وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین اور وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کے مابین مکتوبات کا تبادلہ ہوا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ پاکستان میں اینٹی احمدی تحریک شروع ہوئی جو پاکستان کی داخلی سیاست اور انتظامیہ میں تغیر و تبدل کا باعث بنی۔

ختم نبوت تحریک

اوائل جنوری ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے اندر قادیانیوں کے خلاف ختم نبوت

کے نام پر پاکستانی علماء نے اپنی شعلہ بیانیوں سے ایسی فضا قائم کی جس سے پاکستان ایک بڑے سیاسی بحران کا شکار ہو کر رہ گیا۔ اس ایجی ٹیشن کی ابتداء کراچی سے ہوئی اور پلک جھپکتے ہی سیالکوٹ، راولپنڈی، لائل پور، لاہور، گوجرانوالہ اور دوسرے شہروں میں پھیلی سینکڑوں افراد بیدردی سے سرعام قتل ہوئے ہزاروں گرفتار کیے گئے۔ لاقانونیت اور انارکی کو دبانے کے لئے پنجاب میں مارشل لاء نافذ کیا گیا۔ میجر جنرل محمد اعظم خان مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے جس نے آگے چل کر افواج پاکستان کے چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل محمد ایوب خان کے لئے ملکی سیاست میں مداخلت کرنے کی راہ استوار کی۔ پاکستان کے سرکردہ علماء گرفتار کیے گئے جن میں مولانا اختر علی خان مدیر روزنامہ "زمیندار"، مولانا سید عطاء اللہ بخاری ؒ، مولانا داؤد غزنوی کنوینر مسلم پارٹیز کنونشن، مولانا عبد المجید بدایونی ممبر پنجاب قانون ساز اسمبلی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبد الستار نیازی جیسے بلند پایہ عالم دین شامل تھے، مولانا اختر علی کو فوجی عدالت نے چودہ سال قید بامشقت کی سزا دی۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبد الستار کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ لوگوں کے سخت احتجاج پر ان کی سزائے موت چودہ سال قید بامشقت میں تبدیل ہوئی لیکن اندرونی احتجاج اور بیرونی دباؤ کے تحت ان کی رہائی عمل میں آئی۔ احراری اخبار "آزاد"، قادیانی اخبار ہفت روزہ الفضل اور انگریزی روزنامہ ایوننگ پوسٹ پر پابندی اٹھائی گئی۔

قادیانیوں کیخلاف ایجی ٹیشن کے بعد

۸ اپریل ۱۹۵۳ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر کے محمد علی بوگرہ جو امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے نئی وزارت تشکیل دینے کی دعوت دی۔ وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی محمد علی بوگرہ نے وزیر اعظم ہند کو اپنے مکتوب میں "بڑے بھائی" کہہ کر مخاطب کرتے لکھا۔ پاکستان، ہند سے اچھے ہمسایوں جیسے تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہے اور باہمی جھگڑے تنازعہ مسائل امن و اتحاد سے طے کرنے کا خواہش مند ہے۔ جس کے جواب میں وزیر اعظم ہند نے خیر سگالی کا پیغام دیتے کہا۔ حکومت

ہند کی رائے ہے کہ ہند و پاک کے تعلقات دوستانہ ہونے چاہئیں اور اسی ماحول میں باہمی متنازعہ مسائل حل کرنے کی سعی کی جانی چاہیئے۔ اس سے قبل ہند میں مقیم پاکستانی سفیر شعیب قریشی نے بھوپال میں اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ دونوں ممالک کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ باہمی رواداری اور نیک نیتی کے جذبہ کو بروئے کار لاکر آسانی سے طے ہوسکتے ہیں ۔۔۔۔ غرض ماحول کو زیادہ سود مند اور خوشگوار بنانے کیلئے پہلے قدم کے طور پر وزرائے اعظم کی کانفرنس کیلئے ایجنڈا مرتب اور ترتیب دینے کیلئے پاکستانی وزارت خارجہ کے سکریٹری اختر حسین اور جوائنٹ سکریٹری آغا ہلالی دہلی آئے اور ہند کی وزارت خارجہ کے سکریٹری جنرل آر۔ این۔ پلائی اور کامن ویلتھ امور کے سکریٹری طیب جی نے شرکت کی۔ طیب جی کی قیادت میں ۴ رہبر کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں آٹھ (۸) ایسے امور زیر بحث آئے جو دونوں ممالک کے درمیان باعث نزاع تھے جن میں زیادہ اہم تین امور متصور کیے گئے۔ (۱) نہری پانی کی تقسیم کا جھگڑا (۲) تارکین وطن کے جائیداد کا سوال (۳) مسئلہ کشمیر۔ اس طرح ۲۵ر سے ۲۷ر جولائی ۱۹۵۳ء تک کراچی میں دونوں وزرائے اعظم کے درمیان کانفرنس ہونی طے پائی اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ملکہ ایلزبتھ کی جشن تاج پوشی کی تقریب کے دوران بھی وزرائے اعظم لندن میں فرصت نکال کر غیر رسمی طور پر باہمی تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ چنانچہ لندن میں ان کے مابین کئی غیر رسمی میٹنگوں میں مسئلہ کشمیر کو اولین اہمیت دیتے اس پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔

مشترکہ اعلانیہ

۲۵ر سے ۲۷ر جولائی ۱۹۵۳ء کے درمیان کراچی میں وزرائے اعظم نے مختلف متنازعہ مسائل جن میں مسئلہ کشمیر سر فہرست تھا گفت وشنید کی، کانفرنس کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہونچی البتہ ایک مشترکہ اعلانیہ جاری کیا گیا جس میں بتایا گیا۔ "وزرائے اعظم نے اس تعلق میں ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی اس ابتدائی بات چیت کے نتیجہ میں اس سوال کو حل کرنے کا راستہ ہموار ہوگیا ہے۔" ۲۸ جولائی کو کراچی کے ماڑی پور ہوائی مستقر

پر وزیر اعظم پاکستان، ان کی بیگم، وزیر خارجہ سر محمد ظفر اللہ خان، ہند میں مقیم پاکستانی ہائی کمشنر راجہ غضنفر علی خان، اعلیٰ حکام اور پاکستان میں مقیم غیر ممالک کے سفارت کاروں نے انہیں الوداع کہا۔ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ہمراہ وجے لکشمی پنڈت نایب وزیر خارجہ اے۔ کے چندرا اور وزارت خارجہ کے کئی اعلیٰ حکام تھے۔ دہلی کے پالم ہوائی اڈہ پر وزیر اعظم ہند نے اخبار نویسوں کو بتایا:۔

"کراچی کے شاندار استقبال نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میری اور وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ کی بات چیت کافی سود مند ثابت ہوئی۔ مسئلہ کشمیر ابھی تک ہمارے درمیان بحث طلب ہے البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ کراچی کانفرنس میں مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں ہم ایک قدم آگے بڑھ گئے ہیں بات چیت کے نتیجہ میں بنگال کے بعض علاقوں کے تبادلہ کے متعلق ہمارے درمیان سمجھوتہ ہو گیا ہے۔"

کراچی میں ہند پاک کے وزرائے اعظم کے درمیان کانفرنس سے اخذ نتائج پر برصغیر کے کروڑوں عوام کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ اس لیے لازم تھا کہ کانفرنس کے اختتام پر اس گفت و شنید سے عوام کو مطمئن کیا جائے۔ جبکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ تھی کانفرنس سر کردہ سیاسی اصحاب کے مابین بالمشافہ ملاقات، تعارف اور متنازعہ مسائل پر سخن سازی کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ پھر بھی عوام الناس کو حکیم دینے، ٹالنے اور یہ جتلانے کے لیے کہ بات آگے بڑھی ہے ایک خاصہ طویل مشترکہ اعلانیہ بیک وقت دہلی اور کراچی سے جاری کیا گیا جس میں مسئلہ کشمیر کا تذکرہ یوں کیا گیا:۔

"ہند اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی ملاقات بالکل دوستانہ ماحول میں ہوئی اور تمام متنازعہ مسائل کے بارے میں ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسئلہ کشمیر پر بحث مباحثہ میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی کہ اسے حل کرنے میں کون سی رکاوٹیں درپیش آ رہی ہیں۔"

مشترکہ اعلانیہ کا جایزہ لینے کے بعد پاکستان کے قصاٗفیوں اور اخبارات نے اسے

خوبصورت الفاظ پر مشتمل بے جوڑ سوچ کا اقرار نامہ کہہ کر اس پر سخت تنقید کی اور وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ پر انگشت نمائی کرنے سے دریغ نہیں کیا پاکستان کی حکمران جماعت کے بعض صاحب الرائے سیاست کار مسلم اور حزب اختلاف کے لیڈروں نے اسے وزیر اعظم پاکستان کی کم فہمی اور سیاسی ناپختہ کاری کا ثمر قرار دے کر اسے مایوس کن دستاویز کہا۔ اس نکتہ چینی اور حرف تنقید سے گھبرا کر وزیر اعظم پاکستان نے ۳۰ جولائی ۱۹۵۳ء کو کراچی کی ایک پریس کانفرنس میں اپنی کج فہمی کو لاچارگی کا جامہ پہنا کر ان الفاظ میں بیان کیا۔

"میں نے حال میں کہا تھا کہ مسئلہ کشمیر اسی سال کے آخر تک حل ہو جائے گا۔ لیکن وزیر اعظم ہند سے ملنے کے بعد محسوس کر رہا ہوں کہ وہ وقت قریب نہیں آیا ہے اس لئے پہلے میں اپنے سابق بیان کو واپس لیتا ہوں اور اس کے بدلے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ممکن ہے کشمیر کے مسئلہ کا حل ایک سال کے اندر اندر تلاش کیا جائے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں واقعی قنوطیت پسند (نا امید) بن جائوں گا مجھے اس بات سے مایوسی ہوگی کہ مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں ہم اتنے آگے نہ بڑھ سکے جتنی مجھے امید تھی۔"

کراچی کانفرنس کے اختتام پر طے پایا تھا کہ اس سلسلے کی دوسری کانفرنس ستمبر ۱۹۵۳ء کے دوسرے ہفتہ میں دہلی میں ہوگی۔ وزراء اعظم کی گفت و شنید کے تناظر میں حکومت آزاد کشمیر کے نگران اعلیٰ چودھری غلام عباس خان نے شیخ محمد عبداللہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جو نقار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئی۔ اس دور میں دوسرا اہم واقعہ ۱۳ جنوری ۱۹۵۴ء کے لندن اور نیویارک کے اخباروں کی وہ خبر تھی جس میں پاکستان کا مشرق وسطیٰ کی دفاعی تنظیم میں شامل ہونے کا اشارہ دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں امریکی بحریہ کمانڈر انچیف مسٹر والس ایڈمرل رائٹ نے درہ خیبر اور دوسرے فوجی نوعیت کے پاکستانی علاقوں کا دورہ کیا۔ اس پر تبصرہ کرتے وزیر اعظم ہند نے کہا۔ اگر پاکستان مشرق وسطیٰ کی تنظیم میں شامل ہوگا تو پھر ہندوستان کو اپنی خارجہ پالیسی میں ضروری تغیر و تبدل کرنا پڑے گا بعد ازاں جب پاکستان نے اس دفاعی تنظیم میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ پنڈت جواہر

لال نہرو نے کہا اب مسئلہ کشمیر کی نوعیت بدل گئی ہے، ہمیں کشمیر میں فوجیں کم کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کرنے پر غور کرنا ہوگا۔

کمیونسٹوں کی سینہ زوریاں

ان واقعات کے فوراً بعد جولائی ۱۹۵۳ء کے پہلے ہفتہ میں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے متعدد لیڈر، جن میں کامریڈ رام مورتی، ڈاکٹر زیڈ احمد، کامریڈ ایس، وی، گھاٹے، اور علی سردار جعفری شامل تھے سرینگر آئے۔ انہوں نے یہاں کی کمیونسٹ لابی کو شیخ مخالف محاذ میں شامل ہونے کی ہدایت دی جس کے نتیجہ میں شیخ محمد عبد اللہ سامراجی ایجنٹ کہلانے لگے۔ اس کی وجہ جوازیت یہ دی گئی چونکہ شیخ محمد عبد اللہ نے مئی ۱۹۵۳ء کے پہلے ہفتہ میں امریکہ کے ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر ایڈلائی اسٹیونسن سے سرینگر میں ملاقاتیں کیں جس کے بعد وہ ریاست کو آزاد اور خود مختار مملکت بنانے کا خواہش مند نظر آنے لگا۔

اس بارے میں ممتاز صحافی کلدیپ نائیر نے اپنی تصنیف (DISTANT NEIGHBOURS) کے صفحہ ۶۷ پر شیخ محمد عبد اللہ سے اپنے انٹرویو کے حوالے سے لکھا: "شیخ عبد اللہ نے ایڈلائی اسٹیونسن کے ساتھ بات چیت کے متعلق اپنی یاد تازہ کر کے مجھے بتایا۔ میں نے اُس کے ساتھ بہت سی تجاویز کے متعلق بات چیت کی تھی جن میں ایک تجویز یہ تھی کہ کشمیر ایک آزاد ریاست بن سکتی ہے بشرطیکہ ہند اور پاکستان دونوں اس کی آزادی کی حفاظت کی ضمانت دیں مگر یہ تو کئی ممکنات میں سے ایک تجویز تھی" آتش چنار مرتب محمد یوسف ٹینگ میں شیخ محمد عبد اللہ نے ایڈلائی اسٹیونسن کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وزارت خارجہ نے ہمیں بذریعہ تار ان کی آؤ بھگت اور خاطر تواضع کی ہدایت دی تھی۔ میں نے انہیں لنچ پر مدعو کیا اور ہلکے پھلکے انداز میں مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ میں نے اُن کو کشمیر کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ اسی دوران وہ دہلی واپس گئے۔

جب دہلی ہوائی اڈے پر جہاز سے وہ اترے تو کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا کشمیر میں ان کی ملاقات مجھ سے ہوئی انہوں نے اپنی خوش مذاقی

کے امریکی انداز میں کہا ایک دفعہ نہیں بلکہ تین بار پھر کیا تھا۔ اخباروں خاص کر بائیں بازو کے اخباروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ہو نہ ہو ایڈلائی اسٹیونسن میرے ساتھ کشمیر کے بارے میں کوئی سازش کرتے آ رہے تھے۔ ——— ایڈلائی اسٹیونسن انکار پر انکار کرتے گئے کہ ان کی میرے ساتھ کوئی قابلِ ذکر سیاسی گفتگو نہیں ہوئی۔ لیکن اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ؟ "

اشکِ ندامت

اس طرح شیخ محمد عبداللہ نے اس مبینہ سازش سے انکار کیا۔ ۳۱ جولائی ۱۹۵۳ء کو گاندربل میں جناب سید قمر شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ پر اس دور کے آخری عوامی اجتماع میں تقریر کرتے انہوں نے ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کا ذکر کرتے کہا۔ "کل تک یہ جماعت ہمارے ہر کام کو سراہتی تھی۔ لیکن اگر آج اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر وہ یہاں کے لوگوں کی آزادی کو چھینا چاہتی ہے تو ہمیں ناراض ہونے کے بجائے اُن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" شیخ محمد عبداللہ نے اس موقعہ پر کراچی کانفرنس کا ذکر کرتے کہا۔ کشمیر کے سوال کا حتمی اور آخری فیصلہ طے ہونے کا وقت آپہونچا ہے۔ اس لئے انتشار پھیلانے والوں سے چوکنا رہنا لازمی ہے۔ پھر اپنی سیاسی مہم جوئی کی تاریخ کے مختلف ادوار کی نقاب کشائی کرتے کہا ———

"بدقسمتی سے ۱۹۴۷ء میں ہمیں یہ موقع نہ مل سکا کہ ہم سوچتے کہ کون سا راستہ اختیار کرنے میں ہمارے ملک کا سود و زیاں پنہاں ہے اس وقت بدبختی سے پاکستان نے ہمیں بزورِ شمشیر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جس سے ہمیں ہندوستان سے امداد طلب کرنی پڑی لیکن یہ امداد اس وقت تک نہیں دی جا سکتی تھی جب تک ہندوستان سے ریاست کا آئینی تعلق قائم نہ ہو جاتا۔ چنانچہ الحاق ہوا لیکن جن حالات

میں مسودہ الحاق پر دستخط ہوئے اُن کو دھیان میں رکھتے ہوئے
ہندوستان کی حکومت نے یہ مناسب سمجھا کہ ریاست میں امن وامان
بحال ہونے پر اس الحاق کے بارے میں عوام کی تائید حاصل کی جائے
جہاں تک الحاق کا مسئلہ ہے اس کے متعلق فیصلہ کرنے کی رائے صرف
ریاست کے مسلمانوں کی ہی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جہاں تک غیر مسلم اقلیت
کا سوال ہے وہ پاکستان کی موجودہ مذہبی حکومت میں اپنے لئے
کوئی جگہ نہیں پاتے اُن کی رائے پہلے ہی سے متعین ہے ـــــ خود
ریاست کے اندر جموں اور لداخ میں غیر مسلموں کی ایک خاصی تعداد
ریاست کی خصوصی پوزیشن کی مخالفت پر کمر بستہ ہے ان حالات
کے ہوتے ہوئے بعض دوستوں کا یہ کہنا کہ ہندوستان کی اکثریت
ہماری پشت پر ہے صحیح نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ کسی بھی فرد یا جماعت
نے آج تک صاف اور صریحاً ان مقاصد کی مخالفت نہیں کی جن
کو حاصل کرنے کے لئے پرجا پریشد جن سنگھ اور ان کے حمایتی میدان
میں اترے ہیں ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا گیا کہ ایجی ٹیشن قبل از
وقت ہے وقت آگیا ہے جب ہم میں سے ہر ایک فرد کو صاف اور
کھلے دل و دماغ سے واقعات کا تجزیہ کرنا چاہیئے۔ اپنے آپ کو دھوکے
میں رکھنے سے نہ خود کو کوئی فائدہ ہوگا اور نہ ملک کے بنیادی مفادات
کی حفاظت ہوسکتی ہے ـــــ یہ بات اصول پرستی کے بالکل خلاف
ہے کہ مسلم فرقہ پرستی کے خلاف جہاد کرتے وقت ہمارے حق میں زندہ باد
کے نعرے بلند کئے جائیں اور جب ہم ہندو فرقہ پرستی کے خلاف آواز
بلند کریں تو ہمیں غدار کہا جائے۔"

آپ نے ہند سے موجودہ رشتے پر تبصرہ کرتے کہا۔ یہ دیکھنا ہے کہ اس رشتہ سے
ریاست کے ہر طبقہ کو یکساں فائدہ ملا ہے یا نہیں مسلمانانِ کشمیر کو میں نے اور میرے دوسرے

سا قبول نہ یقین دلایا تھا کہ ہندوستان نہ صرف ان کے حقوق کی جائز حفاظت کرے گا بلکہ اُن کے ساتھ فیاضانہ سلوک بھی کرے گا۔ لیکن گذشتہ چھ سال کے دوران جس طرح مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہوئی ہے۔ وہ ریاستی فوج اور محکمہ ڈاک و تار میں اُن کی نمایندگی سے ظاہر ہے اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نمایندگی ان محکموں میں زیادہ ہونے کی بجائے انتہائی کم ہوگئی ہے۔ تو میں کن بنیادوں پر اُن کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ ہندوستان میں اُن کے مفادات اور حقوق محفوظ ہیں۔ کشمیر کا تعلیم یافتہ مسلمان اپنے سینکڑوں غیر مسلم بھائیوں کو ہندوستان میں برسر روزگار دیکھتے ہوئے قدرتی طور پر مجبور ہے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ان کے لئے ہندوستان میں ملازمتوں کے دروازے بند کیوں ہیں۔ یہ تمام باتیں ایسی ہیں ان پر ہندوستان کے ہر فرد بشر کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کیونکہ ان باتوں کے صحیح علاج سے ہی کشمیر کے مسلمان کو ہندوستان اور کشمیر کے باہمی رشتے میں منسلک کیا جاسکتا ہے۔ دوسری کوئی صورت نہیں ہے ان حقایق سے بعض ناداں دوست یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اب ہمارے سامنے دوسرا راستہ صرف پاکستان ہے جو غلط انداز فکر پر مبنی ہے۔ کیونکہ ایک قسم کی فرقہ پرستی سے دوسری قسم کی فرقہ پرستی کی جوازیت پیش نہیں کی جاسکتی۔ کشمیر کے لوگ انسانیت کی جنگ لڑ رہے ہیں اور اس جنگ میں ہر رنگ کی فرقہ پرستی کو گناہ اور جرم تصور کرتے ہیں۔

محض ہندوستان زندہ باد یا پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند کرنے سے کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ ہر کشمیری کو بنیادی طور پر یہ دیکھنا ہے کہ اس ملک کا مفاد کس راستہ کو اختیار کرنے میں ہے۔ کشمیر کا جو بھی فیصلہ ہوگا اُس کا نفع و نقصان ہم تک ہی محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ ہماری آیندہ کی نسلوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا ہم ایک ایسے راستے کی تلاش میں ہیں۔ جس میں نسلوں کی بہتری اور ترقی کا راز مضمر ہو۔ بعض دوست یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے آئین کو جلد سے جلد مرتب کر کے مکمل کرنا چاہیئے ــ لیکن جب تک بیرونی انتشار ختم نہیں ہوتا اور یہ بات طے نہیں ہوتی کہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ ریاست کا کیا تعلق رہے گا۔ تب تک ہم اپنے آئین کو آخری شکل کیسے دے سکتے ہیں ــ جو لوگ

انتشار اور نفاق ڈالنے یا فتنہ و فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوں خواہ وہ لوگ نیشنل کانفرنس کے اندر یا باہر ہوں سمجھنا چاہیے کہ وہ زر خرید غلام ہیں اور محض ذاتی اغراض، خواہشات کے لیے قومی مفادات و وقار کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔"

شیام لال صراف کا انکار

شیخ محمد عبداللہ کی تقریروں کے رد عمل کے نتیجے میں اُن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیے مرکزی حکومت کی خفیہ ایجنسیاں محتاط طریقے سے شیخ مخالف گروپ کی ہدایت اور اشاروں پر سرگرم ہوئیں اس سے شیخ حامی غافل نہیں تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے اقتدار کے ان آخری لمحات میں کشمیری مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنے کی چاہ میں ان کی دلنوازی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا حتیٰ کہ اس حمایت کو ثبات و استحکام دینے کی خاطر انہوں نے ہند کشمیر الحاق کو ہدف ملامت بناتے ہوئے اسے جبری الحاق کہا۔ انہوں نے اپنا آخری حربہ استعمال کرتے (جس کو جواریوں کی اصطلاح میں ٹرم کارڈ کہتے ہیں) شیام لال صراف پر بدعنوانیوں کا الزام عائد کیا اور کابینہ سے مستعفی ہونے کا حکم دیا جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مطلوب تھا کہ وہ کابینہ میں صراف کی جگہ اپنے کسی حامی کو وزیر مقرر کر کے ڈوگرہ کے مقابلے پر ہندو پنڈتوں کی برتری سے گل کھلانے کی راہ ہموار کر سکیں لیکن صراف نے مستعفی ہونے سے انکار کر کے اس ساری سکیم پر پانی پھیر دیا۔ اقتدار کی رسہ کشی میں ۳ اگست کی اس میٹنگ کا تذکرہ لازمی ہے جو چیف منسٹر کی آفیشل ریذیڈنس کے ہال میں ہوئی جس میں چیدہ چیدہ نیشنل کانفرنیوں اور کابینہ وزراء نے شرکت کی۔ اس میٹنگ کی روئیداد بتاتے ہوئے مجھے شیام لال صراف نے ایک انٹرویو میں کہا ـــــــ

جب شیخ صاحب نے دہرایا کہ مسئلہ الحاق کا فیصلہ صرف یہاں کے مسلمانوں کو کرنا ہے تو میں نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا آپ کی اس دلیل سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا ہے جبکہ تحریک کے ہر مرحلہ پر غیر مسلموں نے قدم قدم پر آپ کا ساتھ دیا ہے اور

جب اس وقت ان کی حمایت قابل قدر سمجھی گئی اس آخری مرحلہ پر انہیں نظر انداز کرنا بے معنی اور لغو ہے یہ بات انہیں سخت ناگوار گذری اعنس انہوں نے اگلے دن کابینہ میٹنگ میں مجھ پر بدعنوانیوں کا الزام تراش کر مستعفی ہونے کو کہا میں نے شکایات کو بے بنیاد قرار دے کر مستعفی ہونے سے انکار کیا۔"

شیام لال صراف سے استعفیٰ طلب کرنے کے تناظر کی تفصیلات بیان کرتے جنرل بی ایم کول نے اپنی تصنیف "ان ٹولڈ سٹوری" کے صفحہ ۲۰۷ پر خامہ فرسائی کرتے انکشاف کیا ہے ــــ

"سرینگر پہونچنے کے بعد مجھ سے ڈوگرہ، صراف اور در ملا۔ عبداللہ سے ملاقات کرنے سے قبل میں بخشی سے ملا بخشی نے مجھے بتایا کہ شیام لال صراف کو مستعفی ہونے کو کہا گیا۔ مگر صراف نے انکار کر دیا۔ شیخ کا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ وہ صدر ریاست سے کہے گا کہ صراف کو برطرف کر دے۔ اس کے بعد شیخ زیادہ زبردست قدم اٹھائے گا۔ وہ بخشی، ڈوگرہ، صراف اور در کو گرفتار کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صدر ریاست کو ہی برطرف کر دے اگر ایسا ہو گیا تو شیخ کا راستہ بالکل صاف ہو جائے گا۔ اور وہ وادی کشمیر کی آزادی کا اعلان کرنے کے بعد ہندوستانی فوج کو کشمیر سے واپس جانے کو کہے گا۔" ۵

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی ہمارا کوئی دم تحریر بھی ہے

مشترکہ مکتوب

جنرل بی، ایم کول کے انکشاف سے قطع نظر اس صورت حال اور اجتماعی ڈر سے نمٹنے کے لئے بخشی غلام محمد، شیام لال صراف اور گردھاری لال ڈوگرہ نے جو اپنے تئیں ہندوستانی نظریۂ سیاست کے نقیب کہلاتے تھے اور ملی وزارت سے چمٹے رہنے کی جستجو میں رہتی وزیر اعظم کی نئی سیاسی منطق سے اختلاف رائے کے مدعی تھے انہوں نے شب گذشتہ کی کابینہ میٹنگ میں ان کے تیوروں اور طرف سے مستعفی ہونے

کے مطالبہ کے بعد وجے لکشمی پنڈت اور راجیت پرشاد جین کے صلاح و مشورے سے
یہ نتیجہ اخذ کیا اگر شیخ محمد عبداللہ کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کرنے میں ذرا سی بھی
غفلت برتی گئی تو سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا۔
چنانچہ انہوں نے اس کے تدارک اور اپنی سرفرازی کی خاطر وزیر اعظم کشمیر کے نام اپنے عدم
اعتماد کا مشترکہ مکتوب بھیجا جس نے اس ڈرامے کے آخری سین کی نقاب کشائی کی اور
ایک نئی صورت حال کو جنم دیا۔ مراسلہ کا متن ملاحظہ کیجیے:۔

"جناب محترم شیخ محمد عبداللہ، وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر سرینگر

آپ کو یاد ہوگا، ۷ اگست ۱۹۵۳ء کو منعقدہ کابینہ میٹنگ میں اور اس سے قبل
اکثر مواقع پر ہم نے آپ کی نوٹس میں یہ بات لائی کہ ان وسیع پالیسیوں پر جو حکومت اور
نظم و نسق کی بنیاد ہیں ہمارے درمیان اختلاف رائے کا سبب بنا ہے اور اب جو بیان
ہوتا جا رہا ہے نظم و نسق کو چلانے میں یکساں پالیسی چلانے کے عام طریقہ کے خلاف یہ بات عام
ہوتی چلی رہی ہے کہ مسٹر بیگ اور آپ اپنے رفقاء کار کی رائے کو کلیتاً نظر انداز کرتے ہوئے
اور ان سے مشورہ کئے بغیر ایسے اعلانات کر رہے ہیں جن سے مشترکہ ذمہ داری کے اصول
کی خلاف ورزی ہوتی ہے جب سے موجودہ گورنمنٹ برسر اقتدار آئی، آپ نے ریاست
کے داخلی اور خارجی امور طے کرنے کے سلسلے میں بار بار من مانی کارروائیاں کیں حالانکہ آپ کے
ان رفقاء کار کو بھی اظہار رائے کا حق حاصل تھا جنہوں نے مسلسل کوشش کی تھی کہ
حکومت کی ضروری پالیسیاں عوام کی رائے کے مطابق روبہ عمل لائی جائیں۔

جو اقدامات آپ نے کئے اور جو پالیسیاں پیش کیں، وہ ایک تو اپنی تردید آپ
تھیں اور دوسرے غیر مناسب بھی، ان سے کئی شدید قسم کی الجھن پیدا ہوئیں مجلس قانون
ساز کے قیام کے بعد ہمیں یہ امید تھی کہ اب کابینہ میں ہماری مشترکہ ذمہ داری اور مشترکہ
لائحہ عمل طے شدہ پارلیمانی طریق کار کے مطابق ہوں گے لیکن ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر
مجبور ہوئے ہیں کہ آپ بدستور نہ صرف کابینہ میں اپنے رفقاء کار کی خواہشات کو نظر انداز
کرتے رہے بلکہ مجلس قانون ساز میں بھی اسی طرح سے عمل کرتے رہے جس کے نتیجے میں

عوام کے نمائندے، حکومت کی بنیادی پالیسیوں پر آزادی سے رائے ظاہر نہیں کر سکتے تھے، ماضی میں گو کئی ایسے مواقع آئے جب ہم نے ایسے اقدامات کی شدید مخالفت کی جن سے نظم و نسق کو ٹھیک طرح اور قابلیت سے نہ چلنے پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا لیکن بایں ہمہ ہم نے ان معاملات کو عوامی سطح پر لانے سے احتراز کیا محض اس لئے کہ حکومت کا کام بغیر کسی رکاوٹ کے برابر چلتا رہے۔ بدقسمتی سے آپ نے ہمارے جذبہ رواداری کے غلط معنی لئے اور ایسا وطیرہ اختیار کیا جو جمہوریت سے بعید ہونے کے علاوہ طاقت اور عہدہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے رحجان کا بھی غماز ہے، حکومت کی سیاسی اور اقتصادی پالیسیوں کی نسبت آپ کے رویہ سے ایک تو عوام کے دلوں میں کافی خلفشار پیدا ہوا ہے اور دوسرے بہت سے لوگوں کی اقتصادی زندگی درہم برہم ہوئی ہے۔

کچھ عرصہ سے کابینہ کبھی تفرقہ آمیز رحجانات کی شکار ہو چکی ہے جس سے نظم و نسق کا معیار برابر گرتا گیا۔ ارکان کابینہ نے اس صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے جو تجاویز پیش کیں ان پر دیانت داری سے عمل آوری نہیں ہوئی۔ برعکس اس کے نظم و نسق کو چلانے کی روزمرہ کی کارروائی پر نگرانی رکھنے میں عجیب قسم کی کوتاہی کی گئی جس کے نتیجے میں رشوت ستانی، جنبہ داری اور نااہلیت کا دور دورہ شروع ہوا، اور سرکاری سرگرمیوں پر خرچ ہونے والی رقم بے دردی سے ضائع ہونے لگی۔ ان فروگذاشتوں سے لازمی طور پر ریاست کے مختلف حلقوں میں وسیع پیمانے پر بے چینی پھیل گئی جبکہ ابتدا سے حکومت کے منصوبوں اور پروگراموں میں ہم آہنگی اور مقاصد کا فقدان رہا ہے۔ ہم نے بارہا آپ کی نوٹس میں یہ بات لائی کہ خدا را نظم و نسق کے گرتے ہوئے معیار کو درست کرنے کی سعی کیجیے لیکن آپ نے ہماری ایک نہ سنی اور لوگوں کی ترجمانی نہیں کی جو شدید اقتصادی تکلیف میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ ہم نے ان کی حالت سدھارنے کے لئے ہنگامی اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔ لیکن ہمیں یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ اس تعلق میں آپ نے ہماری آرا کی کوئی قدر نہیں کی بلکہ وزیر کمیٹی کی سفارشات کو بھی نظر انداز کیا جسے عوامی شکایات کی تحقیقات کا کام سونپا گیا تھا جس کے نتیجے میں غیر یقینی صورت حال میں اضافہ ہوا اور اس کی شدت بڑھ گئی، ہماری معاشیت پر جمود طاری

ہو گیا اور عوام کی غربت میں اضافہ ہوا۔ پچھلے سال اور اِس سال جب ٹورسٹ ٹریفک میں صحت مند سدھار کے آثار نمایاں ہوئے آپ نے اپنی غیر ذمہ دارانہ تقریروں سے عوام کے اعتماد کو تباہ کر دیا۔ اِس مُلک میں وسیع پیمانے پر بیکاری اور اقتصادی بے چینی بڑھ گئی۔ پچھلے چند ماہ کے واقعات سے افسوسناک حد تک عمومیت کے ساتھ ریاست شدید قسم کے اقتصادی بحران میں مبتلا ہو گئی اِس بحران کے نتائج لازمی طور پر مزید شدید اور دور رس ہو گئے ہیں ہمیں یہ کہنے افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے حکومت کی سربراہ کی حیثیت میں نہ تو اِس صورت حال کی شدت کا احساس کیا اور نہ اِس کی نوٹس لی۔ بلکہ اپنے افعال و اقوال سے کھنچاؤ کی حالت کو تیز تر کیا۔ حکومت کی بنیاد جن پالیسیوں پر قائم ہے اُن کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ نے متواتر اُن ذمہ داریوں سے پہلو تہی برتی جو ریاست کے وزیر اعظم کی حیثیت میں آپ پر عائد ہیں جس طرح آپ عمل کرتے رہے اُن سے ریاستی عوام کے دلوں میں عموماً اور جموں اور لداخ کے باشندوں میں خصوصاً شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ یہ تمام باتیں اُن طاقتوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی باعث بنی جو ریاست کی وحدت کو ختم کرنے کے خواہاں ہیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں پاکستان کے جارحانہ حملہ کے نتیجہ میں ہمارا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا اُس نازک مرحلہ پر ہم سب نے مل کر حکومت ہند کی طرف رجوع کیا اور درخواست کی کہ ریاست کے الحاق کو منظور کر کے حملے کو رُوکنے اور ریاست میں پُر امن حالات پیدا کرنے میں ہماری مدد کریں۔ ہند سے کشمیر کے الحاق کی پشت پر ریاست کے تمام باشندوں کا متحدہ منشا تھا۔ ہماری استدعا کو قبول کرتے ہوئے حکومت ہند نے یہاں کے عوام کو حق خود اختیاری کا حق دینے کا یقین دلایا۔ آئین ساز اسمبلی کے انعقاد کے بعد ہند کے ساتھ ریاست کے رشتہ کے بارے میں بعض ناگزیر تفاصیل معاہدہ دہلی میں طے پائے جس کی تکمیل میں آپ نے ہماری جانب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکومت، نیشنل کانفرنس، ہند پارلیمنٹ اور ریاست کی آئین ساز اسمبلی نے آپ کے نقطہ نظر کی متفقہ طور توثیق کی، لیکن اُن امور کے بارے میں معاہدات کو (جو کہ ہماری پالیسیوں کا سب سے بڑا سہارا ہے) روبہ عمل لانے میں دانستہ طور تاخیر سے کام لیا گیا بلکہ اُن کو خاص مقصد کے تحت کھلے بندوں پبلک کے سامنے ملامت کی جس طرح آپ نے من

مانی کارروائی کر کے ہند کے ساتھ ریاست کے آئینی تعلقات میں ہماری آئندہ نا اندیشانہ بگاڑ چاہی۔ گو یہ ایک حقیقت ہے کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا آخری حق عوام کو ہے، لیکن آپ خلفشار اور افراتفری کے جو حالات فی زمانہ پیدا کر رہے ہیں وہ عوام کو حقِ خود اختیاری استعمال کرنے میں مضر رساں ثابت ہوں گے۔

ان حالات میں جو نوع بنوع خطرہ درپیش ہے اس سے غرض مند بیرونی طاقتوں کو اپنے اغراض کے لئے صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ بہم ہوگا۔

مسٹر بیگ نے مسلسل تنگ نظر فرقہ وارانہ پالیسیاں روا رکھی ہیں جن سے ریاست کے اتحاد کو سخت ضرر پہونچا ہے بدقسمتی سے آپ کابینہ میں ان کی پالیسیوں کی اور پبلک میں ان کی حرکات کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ اس سے ریاست کے مختلف یونٹوں میں رہنے والے باشندوں کے دلوں میں سخت شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں ان ناخوشگوار واقعات سے آپ نے چشم پوشی کی اور اس طرح انتشار پسند طاقتوں کو مضبوط کیا۔ ردعمل کے طور پر تمام ریاست کے دو بنیادی نظریہ باہمی اتحاد اور سیکولر ذہنیت کو خطرہ لاحق ہوا ہے۔

ہم نے لگاتار آپ پر زور دیا کہ ان مضر رساں رجحانات کا خاتمہ کیا جائے تاکہ اعتماد بحال ہو۔ ہمارے ان مستحکم ارادوں کے باوجود ہم اپنی کوششوں میں ناکام ہوئے اس لئے ہم آپ کو بڑے دکھ کے ساتھ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ موجودہ کابینہ میں مقصد اور عمل کی یگانگت نہیں رہی اور عوام کو ایک صاف صحیح اور پختہ نظم و نسق نہ ہونے کی بنا پر اس حکومت پر عوام کا اعتماد اٹھ گیا ہے۔

دستخط، جی، ایم بخشی
گردھاری لال ڈوگرہ
ایس، ایل، صراف

۷ اگست ۱۹۵۳ء

متذکرہ بالا مکتوب جو وزیر اعظم کشمیر پر عدم اعتماد کا درجہ رکھتا ہے شیخ محمد عبداللہ کو وزارت عظمیٰ سے حکم برطرفی کے ساتھ دیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ خط محض خانہ پری کا ڈھکوسلہ بن کے رہ جاتا ہے۔

کارکنوں سے خطاب

اختلاف کی بلی تھیلے سے باہر نکل آئی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنے مقصد مدعا کو یکجمعی سے واضح الفاظ میں پیش کرنے کی خاطر ۲ اگست کی شام کو مجاہد منزل سرینگر میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کے اجتماع میں کہا: "ہندوستان، پاکستان اور اقوام عالم نے یہ اصول تسلیم کیا ہے کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاستی باشندوں کے حق اختیار میں ہے لیکن جب اس اصول کو عملی جامہ پہنانے کا سوال اٹھتا ہے تو ہمیں دو صورتوں میں صرف ایک کو اپنانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ ریاست یا تو ہندوستان میں مدغم ہو جائے یا پاکستان میں، یہ طریقہ غیر جمہوری ہے۔ ممکن ہے کہ رائے شماری کے وقت یہاں کے لوگوں کی اکثریت ان دونوں صورتوں کو ملک کے لئے فائدہ مند اور مستقل امن پیدا کرنے والی صورت نہ سمجھتے ہوں اور وہ ملک کی بھلائی اسی میں دیکھیں کہ ریاست جموں و کشمیر کے تعلقات دونوں ہمسایہ ملکوں کے ساتھ دوستانہ رہیں بنا بریں ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کی آزادی رائے صرف دو ہی راستوں تک محدود کرنا درست طریقہ کار نہیں ہے۔ غرض میں اپنا نظریہ صاف اور صریحاً عوام تک پہنچانے کے لئے آنے والی عید (عید الاضحی) پر واضح کروں گا آپ لوگوں کو وہ تقریر پوری توجہ سے سننی چاہیئے۔"

۸ اگست ۱۹۵۳ء کو دہلی اور سرینگر کے مابین ٹیلی فون کا رابطہ منقطع کیا گیا

اس ضمن میں کامریڈ چودھری محمد شفیع ایم، پی نے مجھے ایک انٹرویو میں بتایا: "دہلی میں شدت سے یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ شیخ محمد عبداللہ کو کسی بھی وقت گرفتار کیا جائے گا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپریٹر کو شیخ صاحب سے رابطہ قائم کرنے پر تیار کیا۔ انہیں فوراً دہلی آنے کو کہا اور یہ بھی بتایا ورنہ آپ کی گرفتاری یقینی ہے۔ لفظ گرفتاری سن کر انہوں نے زوردار قہقہہ لگاتے کہا۔ چودھری کہاں کی گرفتاری اور کون گرفتار ہوگا کہیں دن میں خواب تو نہیں دیکھ رہے ہو۔ اطمینان سے بیٹھو یہ باز ہمارے آزمائے ہوئے ہیں۔"

ریاستی وزیر اعظم کی گرفتاری سے قبل مرکزی حکومت یہ سوچتی رہی کہ کوئی ایسا طریقہ

ڈھونڈ نکالا جائے جس سے نہ لگے ہینگ نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آجائے اس چوکھے رنگ کی رنگینی بیان کرتے ہوئے اجیت پرشاد جین نے وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کے حوالے سے "اسٹیٹسمین بمبئی" ۷ر جون ۱۹۷۲ء کے اپنے مکالمہ میں لکھا ہے:۔

"نہرو کی خواہش یہ تھی کہ شیخ کے خلاف جو بھی کارروائی کی جائے اس کی ذمہ داری کلیتاً کشمیر کے لیڈروں پر ہی رہنی چاہیئے۔ جبکہ نہرو کسی بھی ایسی کارروائی بشمول گرفتاری کے خلاف نہیں تھے جو شیخ کے خلاف ضروری تصور کی جائے۔" کیا خوب ہے

رات بھر مے کشی کی صبح کو توبہ کرلی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

وزیر اعظم کی گرفتاری

تمام تیاریاں مکمل ہونے کے باوجود یہ خدشہ لاحق ہوا۔ اگر شیخ محمد عبداللہ کو سرینگر میں گرفتار کیا گیا تو کہیں ان کے حامی سد راہ نہ بن جائیں چنانچہ طے پایا جب وہ ۸ر اگست ۱۹۵۳ء کو گلمرگ ڈیولپمنٹ سکیم کے منصوبے کا معائنہ کرنے اور موقعہ پر فیصلہ دینے گلمرگ جائیں گے۔ یہ "کار خیر" اسی روز تکمیل پذیر ہوگا۔ گلمرگ روانہ ہونے سے قبل صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ کو راج محل طلب کیا جہاں اُن سے آدھ گھنٹے کی میٹنگ میں کابینہ میں اتفاق و ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اُن کی نوٹس میں انتظامیہ کی بدنظمی کے کئی واقعات لائے گئے اور تجویز رکھی گئی کہ آج ہی راج محل میں کابینہ کا اجلاس بلایا جائے جبکہ وزیر اعظم کشمیر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ ۸ر اگست ۱۹۵۳ء کو بعد دوپہر جب وزیر اعظم کشمیر گلمرگ جانے کے لیے بخشی غلام محمد، ڈی، پی، در اور بلدیو پرشاد شرما پرنسپل انفارمیشن آفیسر کی موجودگی میں سٹیٹ موٹر گیراج کی سٹیشن ویگن میں سوار ہوئے تو بی، پی، شرما سے بخشی غلام محمد کے سنتے مخاطب ہوکر کہا "قلم کی حفاظت کرنا کل جب درگا داس (جرنلسٹ) دہلی سے آئے گا۔ اُسے اپنے ساتھ گلمرگ لانا"، شیخ محمد عبداللہ کی روانگی

کے فوراً بعد بخشی غلام محمد نے طنزاً بلدیو پرشاد شرما سے کہا "قلعہ کی چابیاں کہاں چھپا رکھی ہیں انہیں حفاظت سے رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں زنگ لگ جائے۔" اسی شام کو ایک امریکی کالم نویس خاتون جو تفریح کی غرض سے سرینگر آئی تھی۔ بلدیو پرشاد شرما کے ساتھ امر سنگھ کلب آئی جس کی سرکاری طور پر خاطر تواضع کرنی مطلوب تھی کلب سے رخصت ہونے خاتون نے بیرے کو ایک سو ڈالر ٹپ دیا۔ اور لوگوں نے اسی ڈالر پر ریاست میں امریکی سازش اور ڈالروں کی بارش کی کہانی گھڑلی جس میں کہا گیا کہ خود مختار ریاست کی تشکیل کے ابتدائی مرحلہ میں ڈالروں کی فراوانی شروع ہو گئی ہے جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کلب میں یورپین سیاحوں کی آمد و رفت کی بناء پر کلب کے بیرے فی زمانہ بھی روپیوں کی بجائے ڈالروں کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ غرض جب بلدیو پرشاد شرما گھر لوٹے تو رات کے دو بجے انہیں اہم سرکاری کام کی بجا آوری کے بہانے کار میں بٹھا کر کوٹھی باغ پولیس سٹیشن پہنچایا گیا اور دوبارہ ان کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹا کر ان کی بیگم سے بریف کیس مانگا جس میں بقول درگا پرشاد در شیخ محمد عبداللہ کے اعلان آزادی کی تقریر تھی جو وہ عید الاضحیٰ کے روز کرنے والے تھے۔ جبکہ بریف کیس سے لکھی ہوئی تقریر تو نہیں ملی البتہ ایک کاغذ کے پرزے پر تقریر کا موضوع "رائے شماری اور ہند و کشمیر کے تعلقات" لکھا ہوا ملا جس میں اعلان آزادی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ بہر کیف شیخ محمد عبداللہ کو جس ڈرامائی حالات میں برطرف کر کے گرفتار کیا گیا اور اس ڈرامے کے پس منظر میں اداکاری کے جوہر کون دکھا رہے تھے ان کا ذکر ہندوستانی محکمہ سراغرسانی کے ڈائریکٹر بی۔ این۔ ملک نے اپنی کتاب "مائی ڈیز وِد نہرو اینڈ کشمیر" میں یوں کیا ہے:۔

"شیخ عبداللہ کو گرفتار کرنے کا منصوبہ تو کئی دن پہلے مکمل ہو چکا تھا اب صرف موقعہ و محل کا انتظار تھا۔ شیخ عبداللہ کے لئے گلمرگ جانے کا پروگرام تو کئی دن پہلے ترتیب دیا گیا تھا کہ وہ گلمرگ کی ڈیولپمنٹ سکیموں کے متعلق موقعہ پر فیصلہ کر سکیں اس کام کے لئے چیف انجینئر پبلک ورکس، ڈائریکٹر ٹورازم و دیگر متعلقہ افسران بھی وہاں بھیجے گئے تھے۔ ادھر سرینگر میں شریمتی وجے لکشمی پنڈت اور شری اجیت پرشاد جین (منسٹر سنٹرل کیبنٹ) نے شیخ صاحب سے بات چیت کا

سلسلہ جاری رکھا تھا جس کے باعث شیخ محمد عبداللہ گلمرگ جانے کا پروگرام ملتوی رکھنے کے حق میں تھے مگر بخشی غلام محمد سینہ وار ۸ راگست ۱۹۵۳ء کی صبح تقریباً دس بجے شیخ عبداللہ کی کوٹھی پر گئے اور اپنے مخصوص انداز میں انہیں گلمرگ جانے کے لئے نہ صرف آمادہ کیا بلکہ سٹیٹ گراج سے موٹر کار بھی منگوائی۔ اور شیخ محمد عبداللہ کو روانہ کرنے کے بعد سکھ کی سانس لی۔ اس طرح شیخ صاحب خود بخود جال میں پھنس گئے۔

ایک کہانی یہ بھی گھڑی گئی کہ شیخ محمد عبداللہ گلمرگ میں چودھری غلام عباس خان ناظم اعلیٰ حکومت آزاد کشمیر سے جو خفیہ طور پر سرحد پار کرکے آئے ہیں صلاح و مشورہ کرنے والے تھے بی این ملک نے مذکورہ صدر تصنیف میں اس گپ کو یقین کا روپ دیکر یوں قلمبند کیا ہے۔

"ہمیں اطلاع ملی تھی کہ مرزا افضل بیگ گیلانی نے پاکستان کے ساتھ رابطہ قائم کر رکھا ہے اور ایک پاکستانی نمائندہ شیخ عبداللہ کو ملنے گلمرگ آرہا ہے۔ شک اور بھی بڑھ گیا جب شیخ عبداللہ ۸ اگست کی صبح یکلخت ہی گلمرگ روانہ ہوئے۔ اس طرح شیخ عبداللہ نے خود ہی ڈی، ڈے ڈی (۵۸۶ . ۵) کا تعین کر لیا۔" مہذب دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ شک و شبہ کو بنیاد بنا کر کوئی ایسی حرکت نہیں کی جائے جس پر بعد میں پچھتانا پڑے لیکن ہندوستانی سیاست نے ہمیشہ ریاست میں ہوا کے پر باندھ رکھنا قابل فہم حماقتیں کیں جبکہ بی این ملک کا شک ایک منصوبہ بند پلان کا حصہ تھا۔

وہ بات جس کا سارے فسانے میں ذکر نہیں
وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے

۱۹۶۵ء میں حج بیت اللہ سے واپسی پر جب شیخ محمد عبداللہ دہلی کے پالم ہوائی مستقر پر پہنچے انہیں انتہائی نظربندی قانون کے تحت مرکزی حکومت کے حکم سے گرفتار کرکے اوٹاکمنڈ میں نظربند کیا گیا کچھ عرصہ بعد کوٹلہ لین دہلی منتقل کئے گئے جہاں انہوں نے اردو ڈائجسٹ شبستان کے نمائندے کو ایک خصوصی انٹرویو دیتے اپنے سیاسی کارناموں کو دہراتے ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ کا خاصہ ذکر کیا ہے اور کچھ عرصہ بعد جب حکومت ہند

کے ریٹائرڈ فارن سیکرٹری وائی، ٹی، گنڈا لویا کی تصنیف "ٹیسٹمنٹ آف شیخ عبداللہ" منظر عام پر آئی، اس کے صفحہ ۴۶۔۴۷ پر شبستان میں شایع شدہ انٹرویو کو بعینہٖ دہرایا گیا۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے :۔

"۹ اگست کی رات نہایت سرد تھی میں دورہ پر گیا تھا اور گلمرگ کے گیسٹ ہاوس میں مقیم تھا۔ میری بیوی اور بچے میرا سیکرٹری اور سٹاف کے دیگر افراد بھی میرے ساتھ تھے۔ صبح چار بجے کے قریب میرے سیکرٹری نے مجھے جگایا اور بتایا کہ ڈاک بنگلے کو مسلح ملٹری پولیس نے گھیر لیا ہے میں بستر سے باہر آیا اور میں نے پولیس کے ایک سپرنٹنڈنٹ کو دیکھا جس کو پہلے سے جانتا تھا میں نے اسے پوچھا کہ وہ آدھی رات کو کس کے حکم سے یہاں آیا جواب دینے کے بجائے اس نے مجھے میری گرفتاری کی وارنٹ دکھائی اور ان فوجی سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا جو مشین گنوں سے لیس کھڑے تھے، میں نے اس سے کہا کہ مجھے صبح کی نماز ادا کرنے کی مہلت دی جائے وہ مان گیا جب میں فریضہ نماز سے فارغ ہوا، تو مہاراجہ کرن سنگھ کے ایک اے ڈی سی نے میرے ہاتھ میں مہاراجہ کا خط دیا جس میں اس نے میری گرفتاری پر اپنی ہمدردی کا اظہار کیا تھا چھٹی میں میری برطرفی کا حکم بھی تھا۔ اسی خط کے ساتھ ایک اور دستاویز تھی جس پر بخشی غلام محمد، شیام لال صراف اور گردھاری لال ڈوگرہ کے دستخط تھے اور جس میں انہوں نے میری لیڈر شپ پر عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا خط پڑھنے کے بعد میں نے اپنے دل میں سوچا کہ مہاراجہ کو مجھے اور میری منسٹری کو برطرف کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا صبح کے تقریباً چار بجکر پینتیس منٹ پر میں نے اپنی بیوی اور بچوں کو الوداع کی اور مجھے پہرہ میں، اودھم پور لے جایا گیا۔"

غلام محمد شاہ کا انٹرویو

شیخ محمد عبداللہ کے داماد غلام محمد شاہ نے جو ان کے ساتھ گلمرگ گئے تھے

نے مجھے ایک انٹرویو میں کہا "اس میں کوئی سچائی نہیں ہے کہ ۸ اگست کی صبح چار بجے سے شام آٹھ بجے یا اس کے بعد بخشی غلام محمد، صراف یا ڈوگرہ شیخ صاحب سے ملے' ۸ اگست کو ساڑھے چار بجے کے قریب شیخ صاحب نے اپنی رہائش گاہ سے صدر ریاست کو فون پر چند ضروری مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے وقت مانگا، پانچ بجے وہ کرن سنگھ سے ملے اور ان سے شیام لال صراف سے استعفیٰ طلب کرنے کے وجوہات بیان کئے صدر ریاست نے کہا بہتر یہ ہوگا کہ کیبنٹ میٹنگ بلائی جائے تاکہ اختلافات دور ہوں۔ شیخ صاحب نے خواہش کی آپ بھی اس میٹنگ میں آجائیں صدر ریاست نے سوموار ۱۰ اگست کو میٹنگ رکھنے کی تجویز کی :-

۸ اگست ساڑھے چار بجے کے قریب بیگم صاحبہ اپنے بچوں سمیت سیاحت کی غرض سے گلمرگ روانہ ہوئیں اور شام سات بجے شیخ محمد عبداللہ، جانکی ناتھ زتشی، آر سی رینہ، شیام لال کول (واٹ) اور میں گراجز کی سٹیشن ویگن میں بیٹھ کر گلمرگ گئے۔ ۹ اگست الالصبح مجھے آر سی، رینہ نے جگایا میں آنکھیں ملتے کمرے سے باہر آیا وجہ دریافت کی، اس نے انگریزی میں کہا (THE DOMB IS CRACK) گنبد میں شگاف پڑ گیا ہمیں فوج نے گھیر لیا ہے اتنے میں صدر ریاست کا اے ڈی سی اندر آیا اور آر سی، رینہ سے مخاطب ہو کر کہا، شیخ صاحب کو جگائیں مجھے انہیں صدر ریاست کا مکتوب دینا ہے یہ ساری گفتگو وزیر اعظم کے بیڈروم کے ساتھ والے کمرے میں ہو رہی تھی جو بطور لان استعمال کیا جاتا تھا اتنے میں شیخ صاحب شب باشی کے لباس میں خود بخود باہر آئے اے ڈی سی نے آداب بجا لاتے چار بجکر بیس منٹ پر انہیں لفافہ پیش کیا۔ اس کے جاتے ہی ایل ڈی ٹھاکر سپرنٹنڈنٹ پولیس پوری وردی میں ملبوس اندر آیا اور شیخ صاحب سے کہا آپ گرفتار ہو گئے ہیں، یہ وارنٹ گرفتاری ہے شیخ صاحب کے استفسار پر انہوں نے کہا وارنٹ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر کھنا جو اب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس ہیں کے حکم سے اجرا ہوئی ہے۔ شیخ صاحب کے دریافت کرنے پر کہ ایک ماتحت پولیس آفیسر کس قانون کے تحت وزیر اعظم کو گرفتار کر سکتا ہے۔ ایل ڈی ٹھاکر نے کہا آپ وزیر اعظم کے عہدہ سے سبکدوش کئے گئے ہیں۔ یہ سن کر شیخ

صاحب نے تیار ہونے کے لئے مہلت مانگی۔ اس دوران مسٹر ہنڈا کرنے ہم چاروں سے بھی وارنٹ گرفتاری پر دستخط لئے۔ شیخ صاحب نماز سے فارغ ہوئے اور ہم چاروں نے ڈرائنگ روم میں تین ٹارچ لائیٹوں کی روشنی میں صدر ریاست کا لفافہ چاک کیا جس میں صدرِ ریاست کا شیخ صاحب کے نام خط معزولی کا حکم اور بخشی، ڈوگرہ صراف کے مشترکہ میمورنڈم کی کاپی شامل تھی۔ صبح آٹھ بجے جب آل انڈیا ریڈیو سے نئے وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے حلف لینے کی خبر نشر ہوئی۔ شیخ صاحب نے بے ساختہ کہا: "اچھا بخشی غلام محمد نے ایسا کیا" جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کو قطعاً یہ گمان نہیں تھا کہ بخشی غلام محمد کبھی ایسا کریگا۔

پورے نو بجے شیخ صاحب نے ہمیں الوداع کہنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ہم سب لوگوں نے انہیں بتایا ہمیں بھی آپ کے ساتھ چلنا ہے۔ ہم نے بھی وارنٹ گرفتاری پر دستخط کئے ہیں۔ شیخ صاحب کو ایل ڈی ہنڈا کرنے اودھمپور پہنچایا اور قادر گاندربلی نے ہمیں سرینگر سنٹرل جیل۔ لیکن جیل کی پھاٹک سے وہ آر سی رینہ کو اپنے ساتھ لے گیا اور میں یہ کہنے سے گریز نہیں کروں گا کہ گلمرگ سے پولیس حراست میں سرینگر لوٹتے ہوئے گاڑی میں مظاہرین کی آوازیں سن کر آر سی رینہ کہنے لگا ہمارے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں اور جب ہم امیرا کدل پل پار کر رہے تھے تو بے پناہ لوگ بخشی غلام محمد اور پنڈت نہرو کے خلاف نعرے لگا رہے تھے جنہیں سن کر آر سی رینہ شرمسار ہوئے۔"

صدرِ ریاست کا مکتوب

شیخ محمد عبداللہ کے نام عدمِ اعتماد کا مراسلہ جو ان کے تین کابینہ منسٹروں نے مشترکہ مکتوب کے عنوان سے بھیجا تھا آگے آپ کے مشاہدے سے گذرا ہے۔ ذیل میں شیخ محمد عبداللہ کے نام صدر ریاست کا مکتوب اور حکم معزولی کے خطوط ملاحظہ فرمائیں:۔

کرن محل سرینگر

۸ر اگست ۱۹۵۳ء

مائی ڈیر شیخ عبداللہ

آپ کو یاد ہوگا کہ آج صبح ہماری ملاقات ہوئی تھی میں نے آپ کو مطلع کیا تھا کہ آپ کی

کیبنٹ میں جو شدید اختلافات رونما ہوئے ہیں ان سے مجھے بہت رنج ہوا ہے میں نے آپ پر واضح کیا تھا کہ کیبنٹ کے ممبروں میں اتفاق اور ہم آہنگی کو فوری طور بحال کرنا اشد ضروری ہے آپ مجھ کو یہ یقین نہیں دلا سکے کہ ان اختلافات کو دور کیا جائے گا۔ کیبنٹ کے اندر یہ آویزش کافی عرصہ سے ریاستی عوام کے دلوں میں کھلبلی اور تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے صورت حال اس قدر نازک بن چکی ہے کہ کیبنٹ کے چار میں سے تین ممبران نے آپ کو ایک یادداشت بھیج دی ہے جس میں آپ کے عمل اور پالیسیوں کے متعلق مکمل طور سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے موجودہ کیبنٹ عوام کا اعتماد کھو چکی ہے اس یادداشت کی ایک نقل مجھے بھی بھیج دی گئی ہے اس دستاویز سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ آپ کی کیبنٹ میں اختلافات اس درجہ شدید صورت اختیار کر چکی ہے کہ ریاست کی ترقی اور استحکام سب خطرے میں پڑ گئے ہیں۔

آج جب ہماری ملاقات ہوئی تھی میں نے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ میری رہائش گاہ پر کیبنٹ کا ایک ہنگامی اجلاس آج شام ہی منعقد کیا جائے تاکہ ہم مشترکہ طور پر ریاست کے لئے ایک مضبوط اور تاثیر بخش ایڈمنسٹریشن کا قیام عمل میں لا سکیں مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اس معاملہ کو ٹال دیا۔

ان حالات میں میں بحیثیت سربراہ ریاست اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ موجودہ کابینہ مزید وقت کے لئے حکومت سنبھال نہیں سکتی اور آپ کو مطلع کرتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ منسٹروں کی اس کونسل کو جس کے سربراہ آپ ہیں میں نے برخاست کر دیا ہے اس کے متعلق جو حکم میں نے صادر کیا ہے اس کی نقل شامل مکتوب ہذا ہے۔

مجھے یہ بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ قدم اٹھاتے ہوئے مجھے کتنا دکھ ہوتا ہے لیکن ریاستی عوام کے فلاح و بہبود کی خاطر جس کی نگہداشت کا فرض مجھ پر عائد ہوتا ہے ایسا کرنا نہایت ضروری تھا مجھے یقین ہے کہ ہمارے آپسی تعلقات پر یہ واقعہ اثر انداز نہیں ہوگا۔

آپ کا صادق

کرن سنگھ (صدر ریاست)

حکمِ معزولی

ہرگاہ کہ گذشتہ چند مہینوں سے میرے مشاہدے میں یہ باتیں آ رہی ہیں کہ گورنمنٹ کے ممبروں کے مابین بنیادی مسئلوں پر جو سیاسی اقتصادی اور انتظامی امور سے تعلق رکھتے ہیں سخت ناچاقی اور اختلافات پیدا ہو چکے ہیں اور اس طرح ریاست کے انتہائی اہم مفادات اثر انداز ہو رہے ہیں۔

اور ہرگاہ حکومت کے ممبران سرعام ان معاملات کے متعلق متضاد بیانات دے رہے ہیں اور ہرگاہ کہ ان بنیادی مسئلوں پر کابینہ کے ممبران کی اکثریت کے خیالات ان حالات سے جو کہ پرایم منسٹر اور ان کا ایک ساتھی رکھتا ہے بالکل متضاد ہے۔

اور ہرگاہ کہ آپسی میل جول سے ایک ٹیم کی طرح کام کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور کیبنٹ ممبروں کی اکثریت نے اظہار کیا ہے کہ موجودہ کیبنٹ کے قول و فعل میں اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ کابینہ عوام کا اعتماد کھو چکی ہے۔

اور ہرگاہ کہ اقتصادی بحران بڑھ رہا ہے اور عوام کی پریشانی کا موجب بن گیا ہے جس کی جانب فوری اور سنجیدگی سے توجہ دینی لازمی ہے۔

اور ہرگاہ کہ حالات ایسی منزل پر پہونچ چکے ہیں کہ ایک تاثیر بخش، موثرانہ اور ایماندارانہ نظام چلانا ناممکن بن چکا ہے۔

اور ہرگاہ کہ نتیجتاً موجودہ کیبنٹ کی مشترکہ ذمہ داری کے اصولوں پر کام کرنا ناممکن بن چکا ہے۔ اور آپسی مناقشے کی وجہ سے ریاست کی خوشحالی اور استحکام کی تمام باتیں خطرے میں پڑ چکی ہیں۔

میں کرن سنگھ صدر ریاست، ریاستی عوام کے بہترین مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس ذمہ داری اور اختیارات کو جو عوام نے بحیثیت سربراہ ریاست میرے سپرد کئے ہیں سنبھالتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ کو پرائم منسٹر کے عہدے سے برطرف کرتا ہوں اور ساتھ ہی وزراء کی اس کونسل کو بھی برطرف کرتا ہوں جس کا سربراہ شیخ عبداللہ ہے۔

دستخط کرن سنگھ
(صدر ریاست)

سرینگر ۸ راگست ۱۹۵۳ء

تشدّد اور گرفتاریاں

شیخ محمد عبداللہ کو قانون تحفظ عامہ کے تحت دو ماہ کے لئے نظر بند رکھا گیا (جبکہ معیاد نظر بندی میں وقفہ وقفہ سے توسیع کی گئی جس کی تان ۸ جنوری ۱۹۵۸ء میں ٹوٹی) اس کے ساتھ ہی اسی شب میں ان کے کئی سرکردہ حامی بھی گرفتار کیے گئے اور کچھ روپوش ہوئے لیکن جوں جوں حکومت کی گرفت مضبوط ہوتی گئی انڈر گراؤنڈ ہوئے افراد چن چن کر پکڑے گئے۔ غرض گرفتار ہونے والوں میں مرزا محمد افضل بیگ، حکیم حبیب اللہ، سید غلام الدین مرزا غلام محمد بیگ، غلام محمد بٹ، علی محمد بٹ لبنت باغ، میر مقبول گیلانی، پیر محمد افضل مخدومی غلام رسول کوچک، غلام محمد کوچک، غلام محی الدین شال، ڈاکٹر عبدالمجید، عنایت اللہ لکرو، غلام محی الدین وکیل اڈری، عطاء اللہ سہروردی، شیخ غلام محمد بعد روائی، عبدالغنی مست فریدی محمد اسماعیل ساگر، غلام نبی کوچک، پیر محمد یحییٰ شاہ برادر اصغر مولانا محمد یوسف شاہ، غلام رسول پنجابی ہنشی محمد اسحاق، حسام الدین بانڈے، میر غلام رسول چیف انجینئر، غلام احمد شونٹھو، حاجی محمد سبحان بٹ، اتہ محمد مقبول ویلہ گامی، عبدالاحد وکیل سوپور، صوفی محمد اکبر، ملک غلام رسول ایڈوکیٹ ہندوارہ، غلام واد صوفی اور ان کا فرزند عبدالرشید شاہین بیٹن، عبدالصمد نائیکو ترال، سید احمد سعید بارہ ملی، غلام نبی وانی بڈگام، عبدالصمد آکلورہ، عبدالاحد لون اندرہامہ، خان بار بخشا ورملک چرار شریف، غلام محی الدین رہبر، غلام محی الدین میر راجپورہ، غلام قادر میر نلورہ، عبدالخالق بند چھچھہ کوٹ ٹیوامہ، غلام نبی نائیک جو بعد ازاں ڈویژنل کمشنر کے ریٹائر ہوئے، علی محمد نائیک ترال محمد سبحان بٹ ترال، غلام احمد صوفی پانپور، عبدالخالق بوکتو ڈل گیٹ، عبدالرحمان وانگنو، ڈل گیٹ، محمد اقبال جابری، مبارک شاہ بارہ مولہ اور غلام قادر جانباز سر فہرست ہیں۔

روپوشی کے دوران ایک جمعہ کو مبارک شاہ بارہ مولہ نے جامع مسجد سرینگر میں تقریر کی۔ اور مرکزی حکومت سے گلہ کرتے کہا ہم ہندکشمیر الحاق کے حامی ہیں لیکن جو ناروا سلوک ہمارے قائد کے ساتھ روا رکھا گیا وہ ناقابل فہم ہے یہ سنتے ہی لوگوں نے مبارک شاہ کے خلاف زبردست ہوٹنگ شروع کی اور وہ دم دبا کر مسجد سے نو دو گیارہ ہوئے۔ (جبکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ

انہوں نے اپنی تقریر کے اس فقرے سے دہلی کے سیاست کاروں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔)

اس موقعے پر غلام قادر جانباز کا ذکر کرنا برمحل ہوگا جو ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے دن تھانہ کوٹھی باغ میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے عہدے پر تعینات تھے۔ نئی حکومت نے رات میں ہی تمام تھانوں کو اطلاع دی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ گرفتار کئے گئے ہیں۔ اس لئے اپنے اپنے علاقوں میں پوری چوکسی برتی جائے۔ صبح دس بجے کے قریب معزول وزیراعظم پولیس حراست میں امیراکدل سے گذرے۔ غلام قادر جانباز پل پر ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو دیکھتے ہی سلام کی جواب میں انہوں نے مٹھی بند کر کے ہاتھ ہلایا (بعد ازاں بند مٹھی کی وضاحت کرتے ہوئے بیگم عبداللہ نے کہا انہوں نے متحد رہنے کی ہدایت دی) ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد واپسی پر جانباز نے تھانہ کے احاطہ میں سو کے قریب علاقہ کے جوانوں کو دیکھا جنہیں پولیس اہلکاروں نے پکڑ کر حراست میں لیا تھا لیکن روزنامچہ میں ان کا اندراج نہیں تھا۔ جانباز نے ان سبھوں کو رہا کیا۔ سوموار ۱۰ اگست ۱۱ بجے صبح سپرنٹنڈنٹ پولیس ایل ڈی ٹھاکر نے تھانہ کوٹھی باغ کو فون کرتے پوچھا۔ کون بول رہا ہے غلام قادر نے سہواً کہا جناب منشی عرض کر رہا ہوں۔ ٹھاکر نے ایس ایچ او کی تھانے میں غیر حاضری پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہدایت دی جونہی اسسٹنٹ سب انسپکٹر غلام قادر آئے گا۔ اسے گرفتار کرنا۔ بہتر حضور کہکر جانباز نے ریسیور رکھا۔ وردی اتاری اور اپنی تحویل میں رکھے پستول سمیت منشی کے حوالے کی اور روزنامچہ میں اپنے قلم سے ان کی سپردگی کا اندراج کرتے لکھا اسے میرا استعفیٰ تصور کیا جائے۔ اور روپوش ہوئے اسی عالم میں انہوں نے محمد امین ڈائریکٹر فوڈ جو پہلے ہی روپوش ہو چکے تھے سے رابطہ قائم کر کے خانقاہ معلی سرینگر میں حکومت کے خلاف پہلی تقریر کی اور میر واعظ منزل راجوری کدل میں پیر محمد یحییٰ شاہ کے ہاں پناہ لی جہاں بشارت سلیم بھی روپوش تھے۔ غلام قادر جانباز نے تقریباً دو ماہ تک خانقاہ معلی حضرت بل اور جامع مسجد میں وقفہ وقفہ سے تقاریر کیں۔

اسی دوران ان کی ملاقات سرینگر میں خفیہ طور مقیم پاکستانی رینجر کے میجر خزین سے ہوئی ان کے ساتھ سرحد پار کر کے آزاد کشمیر پہونچے۔ جہاں غلام نبی گلکار، میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ اور چودھری غلام عباس خان سے تبادلہ خیال کیا۔ چودھری غلام عباس کی وساطت سے پاکستانی

وزیر امور کشمیر نواب مشتاق احمد گرمانی کا نیاز حاصل کیا۔ واپسی پر انہیں اپنے کسی سابق ساتھی جو پولیس میں ملازم تھا نے یہ اطلاع دی کہ چرار شریف میں پولیس کی گولی سے ایک جواں ایک خاتون اور ایک کم سن بچہ ہلاک ہوا ہے۔ اگلے دن خانقاہ معلی میں روزانہ کے ایک احتجاجی جلسہ میں تقریر کرتے اس واقعہ کو دہراتے غیر شعوری طور پر کہا کل جامع مسجد میں ان کے خون آلودہ کپڑے دکھاؤں گا۔ تقریر کے بعد انہیں پتہ چلا کہ اطلاع بے بنیاد ہے۔ سخت ذہنی کوفت اور شش و پنج کے عالم میں اپنے کہے کی لاج رکھنے کی خاطر اور اپنے دل کو ڈھارس دینے کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ عبدالغفار گجری عرف بچہ گورد راجوری کدل سے صلاح لی کہ اب کیا کیا جائے۔ انہوں نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے کہا یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے آپ کل خون آلودہ کپڑے ضرور دکھائیں گے۔ اس نے اپنے، اپنی بیوی اور بچے کے کپڑے ذبح خانہ سے خون میں رنگ کر انہیں بہم کئے، غلام قادر جانباز نے حسب وعدہ خون آلودہ کپڑوں کی نمائش کی۔ ریاستی انتظامیہ نے انہیں خطرناک ایجی ٹیٹر قرار دیکر ان کی زبردست تلاش شروع کی اور گرفتار کیا۔

غرض ۹ اگست کی رات کو مندرجہ ذیل سرکاری اہلکار بھی زیر حراست لئے گئے۔

(۱) پنڈت کشب بندھو ڈائریکٹر دیہات سدھار، (۲) غلام محمد مکین کسٹوڈین جنرل جائیداد مہاجرین (۳) بلدیو پرشاد شرما پرنسپل انفارمیشن آفیسر، (۴) مقصود علی انکم ٹیکس آفیسر (۵) حبیب اللہ وڈیرہ اسسٹنٹ رجسٹرار کوآپریٹو، (۶) عبدالمجید وکیل نائب تحصیلدار (۷) پروفیسر محمد یوسف دلال، (۸) غلام قادر بیگ سب انسپکٹر پولیس (۹) محمد یوسف بیگ ہیڈ کانسٹبل (۱۰) محمد امین بیگ سب انسپکٹر پولیس (۱۱) جانکی ناتھ زتشی ڈائریکٹر جنرل انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ، (۱۲) غلام محمد شاہ کنٹرولر سول سپلائز (۱۳) ایم ایس۔ فاضلی انڈر سکریٹری پرائیوٹ ڈیپارٹمنٹ (۱۴) شیام لال کول عرف واٹ ڈائریکٹر ویزٹرز بیورو، (۱۵) مرتضیٰ علی الیکٹریکل انجینیر (۱۶) ڈاکٹر غلام علی (۱۷) غلام احمد عشائی، رجسٹرار جموں و کشمیر یونیورسٹی

غلام احمد عشائی وزیر اعظم کشمیر کے صلاح کاروں میں سرفہرست تھے انہوں نے وزارتی انقلاب کے آغاز میں شیخ محمد عبداللہ کو مشورہ دیا تھا کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے شیام لال صراف

کو کابینہ سے سبکدوش کیا جائے اور بخشی غلام محمد سے وزارتِ داخلہ کا چارج چھین لیا جائے۔ ویسے بھی غلام احمد عشائی کو بخشی غلام محمد کے بارے میں کوئی اچھا حسن ظن نہیں تھا ماقبل بھی جب کبھی ان کے مابین بخشی غلام محمد زیر بحث آتے تھے تو غلام احمد عشائی وزیر اعظم سے کہتے تھے "بخشی غلام محمد کو زیادہ سے زیادہ محکمہ پولیس میں ایس پی کے عہدے پر متعین کرنا تھا۔ مگر آپ نے اسے وزیر داخلہ بنا کر غضب کیا"۔

غرض گرفتاریوں کی خبر آناً فاناً وادی کے خاور و باختر میں پھیلی جس سے ہیجانی کیفیت برپا ہوئی لوگ گھروں سے باہر نکل آئے اور مظاہروں کا طوفانی سلسلہ شروع ہوا۔ پلوامہ، راجپورہ، شوپیان، ترال، اسلام آباد، بجبہاڑہ، کولگام، شانگس، بارہ مولہ، سوکر پورہ اوڑی، مٹن، بڈگام، گاندربل، کپواڑہ، بانڈی پورہ، ہندواڑہ، حاجن، سرینگر اور وادی کے دوسرے قصبوں میں لگاتار پندرہ دن تک ہڑتال ہوئی۔ عوامی غم و غصہ اور برسرِ اقتدار قوت کی مابین معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ چار ہزار تک گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ مظاہرین کو بے دردی سے کچلنے اور دبانے کے لئے ہتھیار بند پولیس، ملیشیا اور سنٹرل ریزرو پولیس کے دستوں نے تشدد اور بربریت کا خوفناک کھیل کھیلا۔ پلوامہ، راجپورہ اور اسلام آباد میں نہتے مظاہرین کو کچلنے کے لئے مشین گنوں کے دہانے کھولے گئے۔ یہ افواہ بھی گشت کرنے لگی کہ پلوامیوں کو دبانے کے لئے ہندوستانی افواج بھی مصروفِ کار ہے اس کی تردید کرتے وزیر اعظم ہند نے کہا "کسی مقام پر ہندوستانی افواج استعمال نہیں کی گئی ہے"۔ مگر پریم ناتھ بزاز نے اپنی تصنیف میں امریکی میگزین "لائف" کے نامہ نگار سٹیمز برگ کے چشم دید حالات کے حوالے سے لکھا ہے:۔

"ہندوستانی فوج کے جوان جنگی وردی، آہنی ٹوپیاں پہنے ہوئے اور پولیس کے دستے باہر آئے اور انہوں نے گولی چلائی۔"

کئی عوامی حلقوں سے بھی ہند فوج کے استعمال کی تصدیق ہوتی ہے لیکن میرے لئے یہ تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس دور کے بیشتر لوگ فوج اور نیم فوجیوں کی تخصیص نہیں کر پاتے تھے جبکہ فی الوقت بھی بعض لوگ بی۔ ایس۔ ایف، سی۔ آر۔ پی اور کے۔ پی کے

مسلح دستوں کو فوج کا نام دیتے ہیں اس لئے وزیر اعظم ہند کا بیان دلیل اور ان کی ہدایت کے لحاظ سے بالکل درست ہے البتہ ہتھیاروں کے استعمال سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جنہیں فوجی اٹھائے یا نیم فوجی ان کے بے تحاشہ استعمال سے کشمیریوں کو بہت زیادہ جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تشویشناک خبروں نے وادی میں مقیم اقوام متحدہ کے مبصروں کو حالات کا مشاہدہ کرنے پر اکسایا۔ انہوں نے وادی کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور رپورٹیں مرتب کرنی شروع کیں اس پر ریاستی حکومت نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ایک حکم نامہ جاری کیا۔ جس میں انہیں انتباہ کیا گیا۔ اگر ان کی گاڑی یا کار ٹال کسی ایسی جگہ جہاں گڑبڑ کا احتمال ہو پارک کی ہوئی پائی گئیں ضبط کی جائیں گی اور ان میں سوار مبصروں سے سیاسی تحفظ واپس لیا جائے گا۔ ۱۵ اگست کو کشمیری پنڈتوں نے اندرون شہر جلوس نکالا جس میں بلبل لنکر کے صرف دو مسلمان شامل تھے اہل جلوس بخشی وزارت، آزاد ہندوستان اور پنڈت نہرو زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔

۹ اگست کے سانحہ میں عوامی تخمینہ کے مطابق پندرہ سو (۱۵۰۰) سے زائد افراد جان بحق اور ہزاروں زخمی ہوئے حکومت کشمیر کے ابتدائی اعلان کے مطابق صرف نو اشخاص مارے گئے۔

۱۰ اگست کو پنڈت نہرو نے پارلیمنٹ میں کشمیر کے واقعات پر بیان دیتے صدر ریاست کے ایکشن کی حمایت کی اور سے جائز ٹھہراتے پولیس کی بربریت کی تردید کرتے کہا۔ "شیخ کی گرفتاری کی خبر پھیلنے کے کچھ وقفہ بعد سرینگر کے کئی حصوں میں چھوٹے چھوٹے جلوس نکالے گئے جو امیرا کدل کی طرف رواں ہوتے، جلوس میں شامل لوگ چند مقامات پر تشدد پر اتر آئے۔ انہوں نے پولیس اور ملیشیا، پر سنگ باری کی ایک موقعہ پر تین راؤنڈ اور دوسرے موقعہ پر چار راؤنڈ گولیاں استعمال کی گئیں جس کے نتیجہ میں تین آدمی مارے گئے ایک زخمی ہوا۔ ایک کی لاش بازاروں میں پھیرائی گئی۔ پھر انہوں نے ۲۵ اگست کو کانگرس پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں وادی کی پولیس فائرنگ کو اپنا موضع سخن بناتے کہا۔ "ایسی افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ ریاستی حکومت بدلنے سے سینکڑوں یا ہزاروں اشخاص مارے گئے یہ بات غلط ہے، دراصل مرنے والوں کی تعداد صرف تینتیس (۳۳) کے لگ بھگ ہے" ریاستی حکومت نے اپنے دوسرے اعلانیہ

میں تینتیس ۳۳ افراد کو مارنے کا اقرار کیا۔ سید میر قاسم نے مجھے ایک انٹرویو میں مرنے والوں کی تعداد دو سو کے قریب بتائی۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے مجھے ایک ملاقات میں کہا "ستمبر ۵۳ء کے تیسرے ہفتہ میں جب میں بخشی صاحب کے ہمراہ پنڈت نہرو سے ملا تو بخشی صاحب نے مرنے والوں کی تعداد تینتیس ۳۳ بتلائی۔ جبکہ میں نے ان کی موجودگی میں کہا میری فراہم شدہ اطلاعات کے مطابق جاں بحق ہونے والوں کی تعداد پندرہ سو سے زیادہ ہے۔" غرض مرنے والوں کے ناموں کی فہرست اور کس علاقہ میں کتنے شہید ہوئے۔ بعد کے سخت گیر حالات کے تناظر میں کسی نے اسے مرتب کرنے کی ہمت نہیں کی اور نہ کسی سرکاری ریکارڈ میں ان کا باضابطہ اندراج ہے۔

ضمیر کے تاجر

حق تو یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کی برطرف شدہ کابینہ کے پانچ وزراء میں تین ان کے خلاف ہوئے جنہیں صدر ریاست نے خاص مقاصد کے تحت عمداً جملہ ریاست کی نمائندہ قیادت قرار دیکر شیخ وزارت کو برطرف کرنے کا جواز ٹھہرایا جبکہ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ محمد عبداللہ کو خود ساختہ اسمبلی ممبروں کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی جس کو صدرِ ریاست سمیت سبھی جانتے تھے۔ اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے بخشی غلام محمد نے اقتدار سنبھالتے ہی بیشتر ممبران اسمبلی کو اغوا کر کے ان میں سے اکثروں کے ضمیر کو خرید کر اپنا ہمنوا بنایا۔ اس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے عبدالغنی ملک سوپوری سابق ایم ایل اے نے مجھے ایک ملاقات میں اپنے تاثرات بیان کرتے کہا "میں نے اپنی مرضی سے بخشی غلام محمد کی حمایت کی دوسروں کی طرح حمایت کا معاوضہ نہیں لیا۔" "وائی، ڈی گنڈاوبا نے "لمینٹ آف عبداللہ"، کے صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳ پر اس حقیقت پر یوں رائے زنی کی ہے:-

"مان لیا جائے کہ صدر ریاست کو آئینی طور پر وزیر اعظم سے استعفیٰ طلب کرنے کا حق تھا۔ اور انکار کی صورت میں وہ اسے برطرف بھی کر سکتا تھا۔ مگر کیا وہ اسے برطرف کرنے کا حق رکھتا تھا جبکہ وزیر اعظم کو عوام کا اعتماد حاصل تھا اور اسمبلی کی اکثریت بھی اس کے ساتھ تھی اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ برطرف کئے جانے

سے قبل شیخ عبداللہ کو اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں تھا تو وہ بالکل جھوٹ ہے۔"

غالباً ہندوستان کے سابق فارن سیکرٹری متذکرہ بالا خیالات کا اظہار کرتے بھول گئے کہ شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کرنے میں قانونی موشگافیوں کی عملدرآمد اور انسانی حقوق کی پاسداری سے کہیں زیادہ ذاتی نفرت و حقارت اور پسند و ناپسند کے عنصر کا بڑا عمل دخل تھا جس کی تصویر کشی، وزیر اعظم ہند کے پرنسل اسسٹنٹ سیکرٹری ایم او متھائی نے اپنی تصنیف "مائی ڈیز ود نہرو"، میں پنڈت جواہر لال نہرو کے داماد فیروز گاندھی کے منہ سے نکلے اس جملے کے حوالے سے دیا ہے۔

"جب فیروز گاندھی نے ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے متعلق سنا وہ میرے مطالعے کے کمرے میں دوڑتے آیا۔ اور کہا بخشی غلام محمد نے شیخ عبداللہ کو گرفتار کر کے ایک احمقانہ حرکت کی اسے شیخ عبداللہ کو آزاد کشمیر کی کسی سرحدی چوکی سے پار دھکیل کر گولی مار دینی چاہیئے تھی اور پھر اس بات کا چرچا کرنا تھا کہ وہ پاکستان بھاگ گیا۔"

بالغ النظری کا تقاضا ہے اس امر کا اعتراف کیا جائے اس قسم کی غیر دانشمندانہ کینہ پرورانہ، سفلہ پن، اندیشوں اور سیاسی مہم نے کشمیر کے سیدھے سادے مسئلہ کو نہ صرف پیچیدہ تر بلکہ الجھا کے رکھدیا شیخ وزارت کی معزولی پر ۱۱ اگست کو جموں صوبائی نیشنل کانفرنس نے سردار بدھ سنگھ کی صدارت میں ایک قرارداد کے ذریعہ ریاست میں نئی حکومت کے قیام پر اظہار اطمینان ظاہر کیا مجلس دستور ساز کے صدر غلام محمد صادق نے وزارتی تغیر کو بروقت اور برمحل ٹھہراتے کہا: "بحالت موجودہ شیخ عبداللہ کی وزارت کا ختم ہونا ناگزیر تھا۔ صدر ریاست کی کارروائی بروقت اور صحیح ہے۔" غلام محمد صادق کے اس بیان سے نہ صرف ان کے اور بخشی غلام محمد کے درمیان اندرونی چپقلش وقتی طور معطل ہوئی، بلکہ وہ سیکولر نظریات اور جمہوری مزاج کے پاسبان بھی کہلانے لگے اور مرکزی حکومت کی صلاح پر ریاستی کابینہ میں بحیثیت وزیر شامل کئے گئے۔

اسبابِ زوال

بہرکیف شیخ محمد عبداللہ کے زوال کے اسباب میں مندرجہ ذیل عوامل زیر نظر رکھنے لازمی ہیں۔ (۱) شیخ وزارت نے پانچ سال آٹھ ماہ تک ریاستی مسلمانوں کے بنیادی حقوق جس بیدردی سے پامال کئے ان کی تمام تر ذمہ داری مرکزی حکومت پر عائد کرنے کے جس حاکمانہ انداز میں انہوں نے اپنے دورِ وزارت کے آخری ایام میں تقاریر کیں ان سے وہ کسی حد تک یہ کہتے بری الذمہ قرار پائے کہ میں نے سیدھے سادے مسلمان کی طرح ہند کے وعدوں پر اعتبار کر کے الحاق تابع رائے شماری کے اصول پر ہند سے ہاتھ ملایا تھا۔ لیکن ان ہی تقاریر سے وہ اپنے سیاسی آقاؤں کے عتاب کا ہدف بنے۔ (۲) آزاد اور خود مختار کشمیر کا نظریہ شجر ممنوعہ تو نہیں تھا لیکن افہام و تفہیم کے بجائے معرکہ آرائی کو ان کی شورش بازی اور ہنگامہ آرائی سے تعبیر کیا گیا۔ (۳) زرعی اصلاحات کے نفاذ میں جلد بازی اور مہاراجہ ہری سنگھ کو مسلسل ہدفِ ملامت بنانے پر ہندو رائے عامہ ان کے خلاف ہوئی۔ (۴) پنڈت جواہر لال نہرو کے سوا مرکزی حکومت کے جملہ وزراء ان کے مخالف بنے۔ کیونکہ وہ انہیں خاطر میں نہیں لاتے تھے (۵) ہندوستان کے جملہ صوبائی وزرائے اعلیٰ ان سے خار کھا بیٹھے کیونکہ دلی میں ان کی کار پر ریاستی جھنڈا لہراتا تھا اور آگے پیچھے سکیورٹی گارڈ کا اہتمام کیا جاتا تھا جبکہ دوسرے صوبائی وزرائے اعلیٰ عام شہریوں جیسے دارالخلافہ کے بازاروں سے گذرتے تھے۔ (۶) بخشی غلام محمد اور ان کے ساتھیوں میں یہ احساس جاگزیں ہوا کہ جلد یا بدیر وہ انہیں گرفتار کرے گا۔

(۷) رفیع احمد قدوائی ہندوستان میں مولانا آزاد کی سیاسی بے دلی کے بعد اپنے تئیں ہندوستانی مسلمانوں کا واحد قائد تصور کرتے تھے اور اس راہ میں انہیں شیخ محمد عبداللہ کی ذات سدِ راہ نظر آتی تھی (۸) دلی ایگریمنٹ کے بعد اس معاہدے میں مرقوم الفاظ کے معنی اور تشریحات سے اختلاف رائے ظاہر کرنا، کشمیر کا ہند سے الحاق تسلیم کرنے کے بعد سے رائے شماری کا تابع قرار دے کر اس پر زور دینا، پنڈت جواہر لال نہرو کی ذات اور ہندوستانی قیادت پر شک کرنے سے وزیر اعظم ہند کی انا کو جھنجھوڑنا۔ (۹) حق بالغ رائے دہندگی کے

نام پر ریاستی اسمبلی کے انتخابات میں جملہ نامزد ممبران کو منتخب شدہ قرار دے کر ان سے وفاداری کی توقع رکھنا۔ (۱۰) وزارت سازی میں بخشی غلام محمد کو نائب وزیر اعظم بنانے کے بعد مرزا محمد افضل بیگ کو اس پر فوقیت دینا۔ (۱۱) عوام الناس کو حقیر اور ذلیل سمجھ کر انہیں قریب پھٹکنے نہیں دینا۔ اپنے تئیں دانائے دہر سمجھ کر رائے عامہ کی پرواہ کئے بغیر اہم قومی مسائل پر اپنی بات کو حرفِ آخر قرار دینا، ٹھوکر کھانے کے بعد اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے قرآن و احادیث کے حوالے دیکر لوگوں کو گمراہ کرنا قطع نظر ان نقطہ ہائے حق کے شیخ محمد عبداللہ ان تمام خدشات و واقعات سے بے نیاز ہو کر اپنی وزارت کی برطرفی کا الزام مولانا محمد سعید مسعودی پر عائد کرتے رہے چنانچہ ۵ر دسمبر ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے مجاہد منزل میں اپنی یوم پیدائش کی تقریب پر ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے مولانا محمد سعید مسعودی پر تابڑ توڑ حملے کئے، میں نے ان سے پوچھا مارچ ۱۹۶۵ء میں سفر محمود پر جانے سے قبل آپ نے جامع مسجد سرینگر کے عوامی اجتماع میں اعلان کیا کہ میری غیر حاضری میں مولانا محمد سعید مسعودی اور میر واعظ مولانا محمد فاروق آپ لوگوں کی قیادت کریں گے کیا اس وقت مولانا مسعودی کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ نہیں تھا۔ انہوں نے جواب دیتے کہا وہ شخص انتہائی مکار اور فریب باز ہے۔ تاثیر صاحب آپ کو معلوم نہیں ۸ر اگست ۱۹۵۳ء کو جو مکتوب میں نے انہیں لکھا تھا اگر وہ اسے پنڈت نہرو کو دکھلاتے ۹ر اگست کا واقعہ پیش نہیں آتا۔" کچھ عرصہ بعد جب گاندربل میں میری ملاقات مولانا محمد سعید مسعودی سے ہوئی انہوں نے صدر واقعہ کے حوالے سے کہا "۸ر اگست رات کو ہی شیخ صاحب گرفتار ہوئے، ۹ر اگست کو میں نے ان کے مراسلہ کو سائیکلوسٹائل کروا کے نہ صرف وزیر اعظم ہند کو بلکہ جملہ ممبران پارلیمنٹ میں اس کی کاپیاں تقسیم کروائیں اس کے بعد مولانا نے غلام سرور فگار کی تصنیف "نوائے کشمیر" کی کاپی مجھے عنایت کرتے کہا اس کتاب کے صفحہ ۲۸۸ تا ۲۹۲ پر متذکرہ مکتوب درج ہے۔"، خط میں شیام لال صراف کے خلاف چارج شیٹ درج ہے جس کو محض طوالت کے سبب نقل کرنے سے گریز کرتا ہوں، لیکن غور طلب امر یہ ہے کیا واقعی متذکرہ خط وزیر اعظم کشمیر کو اقتدار سے محروم کرنے اور گرفتاری سے بچا سکتا تھا یا یہ محض

ان کی سادہ لوحی تھی۔ مکتوب کے مطالعے سے میں نے یہ اخذ کیا ہے کہ انہوں نے مولانا کی سیاسی حیثیت گھٹانے اور انہیں عام لوگوں میں رسوا کرنے کی خاطر یہ اوچھی دلیل گھڑی ہے۔ بہرکیف سیاست کا یہ مسلم اصول ہے کہ جیتنے والا سب کچھ سمیٹ لیتا ہے۔ بخشی غلام محمد نے برسر اقتدار آکر اوقاف اسلامیہ اور نیشنل کانفرنس کی صدارت پر قبضہ جما لیا۔

دہلی کانفرنس

شیخ محمد عبداللہ کی برطرفی کے بعد وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے ہند آنے میں بڑی بے تابی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی خواہش کا احترام کرتے انہیں دہلی آنے کی دعوت اس پیشگی شرط پر دی گئی کہ وہ ریاست جموں وکشمیر کے اندرونی معاملوں پر گفت وشنید نہیں کریں گے اس سے قبل پاکستانی اخباروں خصوصاً انگریزی "روزنامہ ڈان کراچی" نے وزیر اعظم ہند کے بیان کو کچھ اس انداز سے قلمبند کیا تھا جس سے یہ اخذ ہوتا تھا۔ کہ ہندوستانی افواج نے کشمیری مسلمانوں کو کچل کے رکھ دیا ہے جس کی حکومت ہند نے نہ صرف تردید کی بلکہ اسے وزرا اعظم کے مابین گفت وشنید کے خلاف سوچی سمجھی سازش قرار دیا۔ غرض ستمبر کے بجائے اگست ۱۹۵۳ء کے تیسرے ہفتہ میں محمد علی بوگرہ دہلی آئے انہیں پنڈت نہرو نے ۱۷ اگست کو ایوان پارلیمنٹ میں اپنے ساتھ لایا۔ اور اسپیکر کی دائیں جانب گیلری میں بٹھایا۔ تمام ممبران نے تالیاں بجا کر ان کا استقبال کیا۔ وزرا اعظم کے مابین چار دن تک مختلف موضوعات ومسائل پر بحث وتمحیص ہوتی رہی، کانفرنس کے اختتام پر جنگی قیدیوں کے تبادلہ کے معاہدے پر دستخط ہوئے اور مندرجہ ذیل مشترکہ اعلانیہ جاری ہوا۔

مشترکہ اعلانیہ

وزراء اعظم ہند وپاک کے درمیان ۱۷، ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ اگست ۱۹۵۳ء کو دہلی کی میٹنگوں میں اس بات چیت کو آگے بڑھایا گیا جو ان کے درمیان تین ۳ ہفتہ قبل کراچی

میں ہوئی تھی کشمیر اور دیگر اختلافی امور پر جو ان دو ملکوں کے درمیان حل طلب ہیں کھل کر اور مکمل طور پر بحث و مباحثہ کیا گیا دونوں وزراء اعظم کے دل میں یہ خواہش تھی کہ یہ تمام مسائل جس قدر ممکن ہو پُرامن طریقہ پر اور باہمی تعاون سے حل کئے جائیں تاکہ دونوں ملکوں کا بھلا ہو۔ مسئلہ کشمیر پر خصوصیت کے ساتھ تفصیلی بحث کی گئی یہ ان کی قطعی رائے ہے کہ یہ مسئلہ ریاستی عوام کی خواہش کے مطابق اس بات کو مدِّنظر رکھ کر حل کیا جانا چاہیے اول ان کی زندگی میں مطلق کوئی افراتفری پیدا نہ ہو اور ان کی بہتری اور بھلائی کو بڑھاوا ملے دوئم عوام کی خواہشات کو دریافت کرنے کا سب سے زیادہ قابل عمل طریقہ منصفانہ اور آزادانہ استصواب رائے عامہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس قسم کے استصواب رائے عامہ کی تجویز آج سے کچھ سال پہلے پیش کی گئی۔ اور اس کو فریقین تسلیم بھی کر چکے ہیں لیکن اس میں کچھ ابتدائی امور کی نسبت اتفاق رائے نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ کچھ آگے نہیں بڑھ سکا۔ وزراء اعظم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ان امور پر براہ راست غور کریں گے، تاکہ ان کے متعلق ان میں سمجھوتہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں جو بھی سمجھوتے کیے جائیں ان کو پہلے روبہ عمل لانا ہوگا۔ اس کے بعد ناظم رائے شماری کی تقرری کے متعلق دوسرا قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔

ایک قسم کا عارضی ٹائم ٹیبل مقرر کرنے کی غرض سے یہ بات طے کی گئی ہے کہ ناظم رائے شماری کو اپریل ۱۹۵۴ء کے آخر تک مقرر کیا جانا چاہیے اور اس سے قبل متذکرہ صدر امور کو طے کرنا اور ان پر عمل درآمد کرنا ضروری ہے اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے فوجی اور دیگر ماہرین کی کمیٹیاں مقرر کی جانی چاہییں جو وزراء اعظم کو صلاح و مشورہ دیں گی، جب ہی حکومت جموں و کشمیر ناظم رائے شماری کو مقرر کرے گی۔ وہ صورت حال کا جائزہ لیکر رپورٹ پیش کرے گا۔ اس کے بعد وہ ساری ریاست میں ایک آزادانہ اور منصفانہ رائے شماری کرانے کے لئے ایسی تجاویز پیش کرے گا جو وہ اس کے لئے ضروری سمجھے اس غرض کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہو وہ اس کے لئے ضروری اقدام کرے گا۔

وزراء اعظم نے متروکہ جائداد کے سوال پر بھی غور کیا اور اس بات پر خوشی ظاہر کی

کہ کراچی میں دونوں حکومتوں کے نمائندوں کی باہمی گفت و شنید کے نتیجہ میں اس ضمن میں کافی کام کیا جا چکا ہے۔ آخری فیصلہ کرنے کی خاطر کچھ اور مواد جمع کیا جا رہا ہے توقع کی جاتی ہے کہ ایک مہینے کے اندر دونوں حکومتوں کے نمائندوں کی ایک میٹنگ منعقد ہوگی اور ان مسایل پر مزید غور و خوض کیا جائے گا۔ کراچی کی میٹنگ میں وزراء اعظم نے یہ بات مان لی تھی کہ ریاست کوچ بہار کے جو علاقے مشرقی بنگال سے گھیرے ہوئے ہیں ان کا مشرقی بنگال کے ان علاقوں کے ساتھ تبادلہ کیا جانا چاہیے جو ریاست کوچ بہار کے علاقوں سے گھیرے ہوئے ہیں یہ بھی فیصلہ کیا گیا تھا کہ کلکتہ میں ہر ممکن عجلت سے ایک کانفرنس بلائی جانی چاہیے جس میں اس سلسلے میں تفاصیل طے کی جائیں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اس کانفرنس میں دونوں ملکوں کے درمیان سفر اور تجارت کی سہولتوں کے علاوہ دیگر مسایل خصوصاً مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) اور مغربی بنگال آسام اور ہر دو مرکزی حکومتوں کے نمائندوں کی شمولیت ہونی چاہیے۔

وزراء اعظم کو یہ ظاہر کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ اہم معاملوں کے متعلق جن کا ان دو ملکوں پر کافی اثر ہے درمیان کافی حد تک سمجھوتہ ہو لیا ہے انہیں یقین ہے کہ باقی ان مسائل کو حل کرنے میں جو بد قسمتی سے دو ملکوں کے مابین اچھے تعلقات قائم ہونے میں مانع ہوتے آئے ہیں ان کی آئندہ مساعی بھی کامیاب رہے گی ان کو اس سلسلے میں صرف اس صورت میں آگے بڑھانا ممکن ہے کہ ان دو ملکوں کے درمیان امن اور تعاون کی فضاء برقرار رہے اس لئے اس فضا کو قائم کرنے کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے اخبارات اور ریڈیو سے ایسا پروپیگنڈا کو یا ذمہ دار مردوں یا خواتین کی ان تقریروں اور بیانات کو وزراء اعظم ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جن میں ایک ملک کی مخالفت سے دوسرے ملک پر حملے کئے جاتے ہیں انہیں امید ہے رائے عامہ کے تمام آرگن اور ذمہ دارین اس کام کو انجام دینے کی طرف متوجہ ہوں گے۔"

پراودا کا تبصرہ!

مشترکہ اعلانیہ جاری ہونے کے بعد دنیا بھر کے اخبارات اور ابلاغ عامہ کے ذرائعوں

نے اپنے تبصروں میں اسے ہند و پاک کیلئے خوش آئند اور اہم قرار دیا جبکہ سوویت روس کی خبر رساں ایجنسی تاس کی اطلاع کے مطابق روسی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار پراودا نے اس پر تبصرہ کرتے لکھا:۔

"دنیا کے امن پسند عوام کو یہ خبر سن کر اطمینان ہوگا کہ مسئلہ کشمیر پر ہند کے وزیر اعظم نہرو اور پاکستان کے وزیر اعظم محمد علی کی بات چیت کافی حد تک کامیاب ہوگئی ہے اور کئی نکات پر فیصلہ ہوگیا ہے جس سے اس مسئلہ کے پُر امن طور حل ہونے کا وقت قریب آگیا ہے جبکہ شیخ محمد عبداللہ جو جنگ باز امریکی حلقوں کا ایجنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا۔ گرفتار ہو چکا ہے کشمیر کے مسئلہ کو حل ہونے کا امکان پیدا ہوگیا ہے ہند اور پاکستان دونوں نے ایڈمرل نمیٹز کو ناظم رائے شماری بنانے سے انکار کیا ہے اس سے بھی وہاں صحیح رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے راستہ صاف ہو گیا ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ کو امریکی جنگ باز حلقوں کا ایجنٹ کہنے کے تناظر میں یہ حقیقت وانکشاف تھی کہ اس زمانے میں سوویت روس اور امریکہ بین الاقوامی سطح پر نظر آتی سرد جنگ میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں منہمک تھے روسی خارجی سیاست کی بین الاقوامی حکمت عملی میں یہ امر شامل تھا جب وہ دنیا کے کسی شہرت یافتہ فرد کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں آلہ کار بنانے میں ناکام رہتی تھی۔ تو اس حالت میں اس کی عوامی ساکھ ختم کرنے کے لئے اس کے نام کے ساتھ امریکی ایجنٹ کا اضافی لفظ کو جوڑ کر اپنے ایجنٹوں اور پروپیگنڈا اداروں کے ذریعہ تذلیل مطلوب ہوتی تھی۔ جبکہ اس مہم کو کشمیر میں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی اپنے مقامی ایجنٹوں سے انجام دے رہی تھی۔ پراودا کا تبصرہ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ایک کڑی تھی جس پر کشمیریوں کو چنداں حیرت نہیں ہوئی۔

پاکستانی اخبارات کا ردِ عمل

دہلی مذاکرات کے بعد پاکستانی کابینہ کے کئی اجلاس ہوئے جن میں مشترکہ اعلانیہ

کا گرم جوشی سے خیر مقدم نہیں کیا گیا بلکہ ان میٹنگوں سے شکوک و شبہات اور بے اعتنائی کی جھلک نظر آنے لگی جس کا صاف و شفاف اندازہ پاکستانی سرکردہ اخباروں کے تبصروں کے مندرجہ اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ ڈان کراچی نے اپنے اداریہ میں لکھا "بات چیت سے واقعی کچھ فائدہ ہوا ہے لیکن صورت حال و پالیسی یہی ہے ہمیں برے سے برے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے نہ صرف تیار رہنا چاہیئے بلکہ ہر گرمی سے تیاریاں کرنی چاہئیں اس کے ساتھ ہی ہمیں بہتری کی امید رکھنی چاہیئے ــــ پاکستان کے عوام فوراً پنڈت نہرو پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔" ٹائمز آف کراچی اپنے اداریہ میں رقمطراز ہے "ہماری پالیسی کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ہم ہند کے ساتھ تعلقات کو استوار کریں گو آبرو مندانہ بنیاد پر ہم اچھے تعلقات کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن اگر ضرورت پڑے لڑیں گے بھی" مارننگ نیوز کی رائے ہے۔ "ہمارا خیال ہے مسٹر محمد علی نے پنڈت نہرو کا نقطۂ نظر تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح محمد علی، پنڈت نہرو کے جال میں پھنس گئے ہیں۔" پاکستان ٹائمز لاہور نے گمان ظاہر کیا ہے۔ "اگر مسئلہ کشمیر حل ہونے میں ابھی مشکلات درپیش ہیں لیکن حکومت ہند رائے عامہ کے وعدے پر قائم ہے اور حکومت کشمیر نے بھی اس کی تائید کی ہے۔"

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری شیخ مجیب الرحمٰن نے نہرو علی گفت و شنید پر اپنی رائے ظاہر کرتے کہا۔ "نہرو علی بات چیت کے نتائج پر ہمیں سخت مایوسی ہوئی ہم وہی کھڑے ہیں جہاں پانچ سال پہلے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی نے پنڈت نہرو کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور جموں و کشمیر کی حکومت کو ناظم رائے شماری کا تعین کرنے کا کلی اختیار دینا مان لیا ہے اس طرح محمد علی نے جموں و کشمیر کی حکومت کو ایک کورا چیک دے دی عوامی لیگ متنازعہ مسایل براہ راست بات چیت سے طے کرنے کی حامی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے دعوؤں کو قربان کریں۔"

محمد علی بوگرہ کی نشری تقریر

پاکستانی اخباروں اور لیڈروں کے بیانات سے قدرے خوف زدہ اور متاثر ہو کر محمد

علی بوگرہ نے ۲۷ ستمبر ۱۹۵۳ء کو ریڈیو پاکستان سے اپنی نشری تقریر میں کہا:۔

"نئی دہلی میں نہرو سے گفت و شنید کے دوران کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس میں کشمیر کے معاملے میں سلامتی کونسل کو پس و پشت چھوڑ دیا یا ان منصوبوں کو نظر انداز کیا گیا جو سلامتی کونسل میں اس وقت تک طے پائے ہیں۔ میں نے حکومت جموں و کشمیر کی ثانوی حیثیت تسلیم کرنے کے بارے میں کوئی نئی بات تسلیم نہیں کی ہے مشترکہ اعلانیہ میں کشمیر کمیشن کی ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قرارداد کا اعادہ کیا گیا ہے جس میں ناظم رائے شماری کی تقرری حکومت جموں و کشمیر کو عمل میں لانی ہے۔ دہلی سے واپسی پر پاکستانی کابینہ کی سات میٹنگیں ہوئیں جن میں مسئلہ کشمیر کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ایک یادداشت وزیر اعظم ہند کو بھیجی گئی ہے۔ پنڈت نہرو اس بات کے خواہاں ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ بغیر کسی توقف اور تاخیر کے پر امن طریقے سے طے پائے مجھے ان کے سیاسی تدبر پر مکمل اعتماد ہے۔"

ایڈمرل چیسٹر نمیٹز کا استعفیٰ

ایڈمرل چیسٹر نمیٹز کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کشمیر کمیشن کی قرارداد ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کے تحت ۲۱ مارچ ۱۹۴۹ء کو ہند و پاک کی حکومتوں کی باہمی رضامندی سے جموں و کشمیر میں ناظم رائے شماری کے فرائض انجام دینے کے لئے مقرر کیا تھا جبکہ وہ ہند پاک کے مابین کشمیر میں رائے شماری کے چند ابتدائی امور کے متعلق فیصلہ نہ ہونے کے باعث اپنے فرائض انجام نہ دے سکے اب جبکہ دہلی کانفرنس کے مشترکہ اعلانیہ میں اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ ناظم رائے شماری کی تقرری ابتدائی امور طے ہونے کے بعد ریاستی حکومت کرے گی ایڈمرل نے اس فیصلہ کو اپنے لئے الوداعی پیغام سمجھ کر عہدے سے دستبردار ہونے کو ذاتی وجوہات کا نام دے کر سکیورٹی کونسل کو اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ ایڈمرل کے مستعفی ہونے پر حکومت پاکستان نے حیرانگی کا اظہار کیا اور پاکستانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے اس واقعہ پر ٹائمز آف کراچی کو

انٹرویو دیتے کہا: "قطع نظر اس امر کے ایڈمرل نمٹیز کی دستبرداری سے کشمیر کا مسئلہ حل ہونے پر اثر پڑے گا اس سے یہ خیال بھی پیدا ہو جائے گا کہ انہیں نکال دیا گیا ہے۔" کراچی ٹائمز نے اپنے تبصرے میں امریکہ پر الزام عائد کیا کہ وہ ایڈمرل کو رخصت کر کے سلامتی کونسل کے کئے کرائے پر پانی ڈال رہا ہے اور ہند کو خوش کر رہا ہے لیکن اس کی یہ حرکت پاکستان کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف ہے۔ ایڈمرل کے مستعفی ہونے پر وزیر اعظم ہند نے پارلیمنٹ میں اظہار خیال کرتے کہا۔ ایڈمرل نمٹیز ذاتی طور پر اچھے آدمی ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہوگا کہ ہم بڑی عالمی طاقتوں سے ناظم رائے شماری حاصل کریں یورپ اور ایشیا میں متعدد ایسے چھوٹے ممالک ہیں، ہمیں ان ہی ملکوں سے کسی کو بحیثیت ناظم رائے شماری کے تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یادداشت کا جواب

اس کے ساتھ ہی حکومت ہند نے پاکستانی یادداشت کے جواب میں لکھا کہ ناظم رائے شماری کی تقرری عمل میں لانے سے قبل بعض ابتدائی امور طے کئے جانے ضروری ہیں جن میں فوجوں کے اخراج کے بعد جنگ بندی کی سرحد کے دونوں جانب متعین سپاہیوں کی تعداد، نوعیت اور ناظم رائے شماری کی قومیت کے متعلق فیصلہ کرنا لازمی امر ہے اور ساتھ ہی پاکستانی پریس کے ان خدشات پر شدید نکتہ چینی کی گئی جس میں ایڈمرل کے استعفیٰ کو انہوں نے اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ وزیر اعظم پاکستان سے توقع ظاہر کی گئی کہ وہ مسائل کو پرامن طریقہ پر حل کرنے کے لئے اس پروپیگنڈا کو بند کرائیں گے۔ اس جواب سے حکومت پاکستان یقیناً پھر اسی مقام پر پہونچی جہاں وہ پانچ سال قبل تھی۔ عارضی ٹائم ٹیبل کی شوگر کوٹیڈ ٹکیا محمد علی کے حلق میں چھپکلی بن کر رہ گئی۔ اس سے حالات بگڑ گئے چہ میگوئیاں اور اندیشہ ہائے گوناگوں کے اس ماحول میں دسمبر ۱۹۵۳ء کے پہلے ہفتہ میں اس بات کی تصدیق ہوئی کہ پاکستان مشرق وسطی کے دفاعی تنظیم میں شامل ہو رہا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے وزیر اعظم ہند نے

اپنے ایک بیان میں کہا اب مسئلہ کشمیر کی نوعیت بدل گئی ہے۔ ہمیں جموں وکشمیر میں فوجیں کم کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ اس سے مفاہمت کی امیدیں ختم ہوئیں اور سرد جنگ کے تاریک بادل مسئلہ کے تصفیہ پر منڈلانے لگے۔ اسی تناظر میں آزاد کشمیر لبریشن فرنٹ نامی تنظیم قایم کی گئی جس کا تذکرہ انشاء اللہ اس کتاب کی اگلی کسی جلد میں آئے گا۔ ان ہی دنوں امریکہ کے نائب صدر نکسن ہند کے دورے پر آئے تھے۔ انہوں نے دلی میں امریکہ اور پاکستان کے مابین فوجی معاہدے پر ہند کی تشویش پر رائے زنی سے گریز کرتے صرف اتنا کہا میں صدر آیزن ہاور تک آپ کے خیالات پہونچاؤں گا۔ غرض اس معاہدے سے ہندوستانی رائے عامہ کی ناراضگی بام عروج پر پہونچی اور یہ کہا جانے لگا۔ اس سے براعظم ایشیاء کے اس خطہ میں طاقت کا توازن بگڑنے کا احتمال پیدا ہوا ہے۔ پاکستان نے امریکہ سے فوجی معاہدہ اور جنگی اسلحہ حاصل کرکے کشمیر پر قبضہ کرنے کی جو راہ اختیار کی ہے اس سے دو ہمسایہ ملکوں کے درمیان کشیدگی اور تناؤ میں اضافے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ غرض یہ وہ اہم واقعات ہیں جو ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے بعد ہند و پاک کے مابین مسئلہ کشمیر حل کرنے میں حایل ہوئے۔

اظہار تشکر

میں یہ اعتراف کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں کہ زیر نظر جلد کی ترتیب و تسوید کے آخری لمحات میں میری کوتاہ بینی کے سبب میرے دو عزیز دوستوں جناب علی محمد خان محکمہ اطلاعات اور جناب سید محمد احمد اندرابی مدیر ماہنامہ شیرازہ سرینگر نے اس جلد کی پروف ریڈنگ کی۔ میں اپنے محترم دوست جناب سید ظفیر الحسن حسن جو برصغیر کے معروف صحافیوں، دانشوروں اور مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔ اور فی الوقت ریاست جموں وکشمیر کے ناظم اطلاعات ہیں کا بھی ممنون ہوں۔ جنہوں نے اس جلد کے لئے کئی تصاویر فراہم کرکے مجھے بار احسان کیا۔ میں اپنے عزیز جناب محمد اشرف ٹاک کے اشتراک عمل اور تعاون کا بھی ممنون ہوں۔

رشید تاثیر

(۹)

شیخ گیا اعتبار گیا

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ۹ اگست ۱۹۵۳ء سے قبل وزیر اعظم کشمیر نے حکومت ہند کو جس طرح عہد شکنی کا مرتکب ٹھہراتے اپنی نکتہ چینیوں کا ہدف بنایا۔ اس سے وادی میں رہنے والی اکثریت بددل اور اقلیت خوفزدہ ہو کر رہ گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کی برطرفی سے جہاں سیکولر اعتقاد کے ببانگ دہل دعویداروں کی مٹی پلید ہوئی وہاں عوام کو جمہوری طرز نظام کے عقیدے سے اعتبار اٹھ گیا اس پر طرّہ یہ کہ جمہوری طرز سیاست کی بحال میں جس دیدہ دانستہ اور شعوری تساہل سے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے طرائق کو فروغ دینے میں رہنما اصول مرتب کئے گئے اس نے خراماں خراماں عام لوگوں کو یاس و نا امیدی اور محرومیوں سے ہمکنار کیا حالانکہ اس عمل کے موجد بھی شیخ محمد عبداللہ تھے لیکن انہوں نے غروب وزارت کے آخری ایام میں اپنی جادو بیانی اور شعلہ نوائی سے اشارۃً کنایتاً اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت ہند کے سر تھوپی جبکہ

بخشی غلام محمد نے اسی بے اعتباری کو اپنے حق میں تریاقی نسخہ جان کر اس میں نئی جدتیں پیدا کیں جن کا خفیف سا اندازہ ان کے دور وزارت کے واقعات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے

پالیسی بیان

۸ اگست کی رات کو بخشی غلام محمد نے وزیر اعظم اور گردھاری لال ڈوگرہ نے کابینہ وزیر کی حیثیت میں حلف لیا۔ نئے وزیر اعظم نے حلف لینے سے قبل شیخ محمد عبداللہ کی وارنٹ گرفتاری کی کاپی فراہم کرنے کی شرط رکھی جو پوری کی گئی۔ بقول اجیت پرشاد جین اور ڈاکٹر کرن سنگھ شروع میں بخشی غلام محمد نے ڈھلمل پالیسی اختیار کی لیکن جلد ہی پوری قوت سے انتظامیہ کی باگ ڈور سنبھالی، ۱۵ اگست کو شیام لال صراف اور سید میر قاسم نے بحیثیت وزیر، غلام رسول رینزو اور ڈی، پی، در نے نائب وزراء کے حلف لیا۔ ۹ اگست کی رات کو ریڈیو کشمیر سے اپنی پالیسی بیان میں بخشی غلام محمد نے وزارتی تغیر کے مختلف پہلوؤں کو ابھارتے شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں پر الزام عائد کیا کہ وہ مفاد پرستوں اور بیرونی طاقتوں کی پشت پناہی میں آزاد کشمیر کا خواب دیکھ رہے تھے اگر اس سازش کا بروقت تدارک نہیں کیا جاتا تو یہ عمل ریاستی عوام کے مستقبل کے لئے خطرناک ثابت ہوتی۔ بخشی غلام محمد نے دستاویز الحاق اور دہلی معاہدے کے فوائد گنئے۔ حکومت ہند کی جانب سے ریاست کو دی جانے والی امداد اور قرضہ فراہم کرنے پر سراہنا کی، ہندوستانی مسلمانوں سے اپنی ہمدردی اور یک جہتی ظاہر کرتے مبہم الفاظ میں فرقہ پرستی کی مذمت کی اور ہندو پاک کے مابین تعلقات کی جو نئی فضا ابھری ہے اس کا خیر مقدم کیا، رشوت ستانی، بددیانتی، ریڈ ٹیپ ازم کا قلع قمع کرنے کے دعوی کے ساتھ کئی رعایتوں کا اعلان کیا جن میں تعلیمی فیس میں کمی ثانوی کلاسوں کے بچوں کے لئے مفت کتابیں، بے روزگار کا خاتمہ، مجوزہ دھان کی جبری وصولی سے پرہیز، مجوزہ دھان کی قیمت فی خروار ایک روپیہ اضافہ، شہر سرینگر میں راشن میں تقسیم ہونے والے دھان کی قیمت میں فی خروار ۲/۱ روپیہ کمی کا اعلان شامل تھا۔

کوا پریٹو دو کانوں کو دوبارہ کھولنے اور پناہ گزینوں کی بحالی کا اعادہ، سرکاری گزیٹیڈ و نان گزیٹیڈ ملازمین کی شرح تنخواہ میں اضافہ کا اقرار شامل تھا۔

لیکن اس سے عوامی غم وغصہ نفرت وحقارت میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بخشی غلام محمد نے سخت گیر انتظامیہ کے سامنے وہ اپنے عزائم پر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے انہوں نے عدم تعاون کی پالیسی اختیار کی جس کے نتیجہ میں مفاد خصوصی رکھنے والا طبقہ دندنانے لگا۔ جو غنڈے پھلانے لگے اس ابن الوقت ٹولہ نے بخشی سیاست سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں اور شیخ حامیوں کا قافیہ تنگ کرنے کی نیت سے وادی بھر میں ایک نئی سیاسی، سماجی، طبقاتی انارکی اور غنڈہ گردی کو جنم دیا۔ شریف اور ذی عزت لوگوں کی پگڑیاں اچھالنی ان کا معمول بنا انہوں نے عصمت دری لوٹ مار ظلم وجبر کو آنچ دی بخشی غلام محمد بحیثیت وزیر اعظم یہ سب جانتے ہوئے اسے نظر انداز کرتے رہے۔

نیشنل کانفرنس کا کنونشن

عوام پر روا رکھے ظلم واستعداد کے اس موسم میں بخشی غلام محمد کے لئے اسمبلی میں اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا پیچیدہ اور اہم مسئلہ تھا۔ گو کہ بظاہر انہوں نے ممبران اسمبلی کی وفاداریاں خرید کر میدان تیار کیا تھا لیکن باوجود اس کے انہیں یہ کھٹکا سا رہا تھا کہ کہیں اسمبلی ہال میں پہنچکر ممبران اسے انگوٹھا نہ دکھائیں اس خدشہ سے نجات پانے کے لئے انہوں نے ایک درمیانی اور بے ضرر راہ تلاش کی اور اس سے مستفید ہونے کے لئے نیشنل کانفرنس کا کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ لیا۔ چنانچہ ۱۲، ۱۳، ۱۴ ستمبر ۱۹۵۳ء کو یہ سہ روزہ کنونشن میر غلام محمد راجپوری کے زیر انتظام اور انہیں کنوینر تجویز کر کے امپیریم گارڈن سرینگر میں بلایا گیا۔ کنونشن کا کھلا اجلاس ۱۲ ستمبر کو بخشی غلام محمد کی صدارت میں ہوا۔ میر غلام محمد راجپوری نے خطبہ استقبالیہ میں اس کے اغراض ومقاصد بیان کرتے کہا۔ کنونشن بلانے کے تین مقاصد ہیں (۱) کارکنوں کو حالیہ وزارتی تبدیلی کے مناظر سے آگاہ کرنا (۲) وزارتی تبدیلی سے جو صورت حال پیدا ہوئی ہے اس کے جملہ پہلوؤں کا جائزہ لیکر جامع لائحہ عمل مرتب کرنا۔ (۳) نیشنل کانفرنس کی شیرازہ

بندی کر کے زیادہ مستحکم بنانا۔ اجلاس میں تقریر کرتے غلام محمد صادق نے کہا: "نیشنل کانفرنس قوم کو حق خودارادیت کی آڑ میں خودکشی کرنے نہیں دے گی۔ سامراجی طاقتیں کشمیر کی آزادی سلب کرنے کے درپے ہیں سلامتی کونسل آج تک کوئی بھی مسئلہ تسلی بخش طور پر حل نہیں کر سکی کشمیر کے سوال کو بھی اس نے الجھا کے رکھ دیا۔" سید میر قاسم نے اپنی تقریر میں کہا "ہند سے محدود الحاق جموں و کشمیر کے مفادات کے تحفظ کی بہترین ضمانت ہے حکومت اور تنظیم پر نگرانی رکھنا کارکنوں اور عوام کا فرض ہے" قائم مقام جنرل سیکرٹری غلام محی الدین ہمدانی نے اپنی طویل تقریر میں گذشتہ واقعات دہراتے کہا۔ "۱۹۴۶ء تک ہماری تحریک کئی مراحل سے گذری۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی جانب سے ہماری ریاست پر حملہ ہوا جس سے زبردست تباہی ہوئی اس وقت ہمارے قائد شیخ محمد عبداللہ نے ہند سے امداد طلب کی اور تین(۳) امور پر ہند سے الحاق قائم کیا۔ چھ سال گذرنے کے بعد ایک موقع آگیا جبکہ دو(۲) تین(۳) ماہ قبل یہاں ایسی تقاریر کی گئیں جن سے عوام اور کارکنوں میں خلفشار اور انتشار پیدا ہوا امن خطرے میں پڑ گیا۔ حق خودارادیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امن شکنی کو فروغ دیا جائے۔ ہم نے ہند سے الحاق کے فوائد کو جانچ لیا ہے اور پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کے نقصانات بھی پرکھے ہیں میں صفائی سے کہتا ہوں کہ چند اشخاص نے شیخ محمد عبداللہ کو ایک ایسی راہ پر لگایا جو غلط تھا۔ —— اس وقت پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اردو زبان کو مٹایا جا رہا ہے یہ سب افواہیں غلط ہیں۔"

دوران تقریر جب غلام محی الدین ہمدانی نے مولانا محمد سعید مسعودی کے حق میں چند تعریفی کلمات کہے انہیں بخشی غلام محمد نے جبراً بٹھایا۔ جلسہ گاہ میں مولوی محمد انور مسعودی اور گردھاری لال ڈوگرہ نے اپنی تقاریر میں سابق حکومت پر نکتہ چینی کی۔ بخشی غلام محمد نے اپنی طویل تقریر میں کہا۔ "کشمیر کو بین الاقوامی کشاکش کا اڈہ نہیں بننے دیا جائے گا۔ عوام کے مسائل حل کئے جائیں گے ہمیں جن ساتھیوں کے خلاف قدم اٹھانا پڑا۔ انہوں نے جمہوری اصولوں کی پروا نہیں کی، کشمیر کو ہند میں مدغم کرنے کے ہم پہلے بھی خلاف تھے اور اب بھی خلاف ہیں۔"

مُش مُش زندہ باد

کنونشن کے تیسرے دن شام کی نشست بخشی غلام محمد کی

صدارت میں ہوئی قائم مقام جنرل سیکرٹری غلام محی الدین ہمدانی نے ایک تحریری قرارداد پیش کی جس پر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل کے ایک سو بارہ ممبروں میں سے ستر اور اسمبلی کے پچھتر ممبروں میں سے پینتالیس نے دستخط کئے تھے۔ قرارداد ملاحظہ کیجئے:-

"آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کا یہ اجلاس جس میں نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل اور ممبران اسمبلی شامل ہیں۔ ملک میں حال ہی میں رونما شدہ وزارتی تغیر پر غور کرنے کے بعد قرار دیتے ہیں کہ ملک کے مفادات اور ملک کی قومی تحریک کو تقویت دینے کے لئے اس قسم کا تغیر ناگزیر تھا۔ یہ اجلاس ریاست جموں و کشمیر کی نئی حکومت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتا ہے جس کے وزیر اعظم جناب بخشی غلام محمد ہیں اور اس حکومت کو یقین دلاتے ہیں کہ ملک میں نیا کشمیر کے منصوبے کو روبہ عمل لانے کے لئے وہ ان کے ساتھ ہر قسم کا عملی تعاون کرنے کے لئے تیار رہیں گے تاکہ ملک کی پسماندگی اور پست حالی کو جلد از جلد دور کیا جا سکے۔ یہ اجلاس موجودہ حکومت کی عوام پرور اقدامات کو سراہتے ہوئے خوش آمدید کہتا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ حکومت کنونشن میں متفقہ طور پاس کردہ سیاسی اور اقتصادی قراردادوں کو پورا کرنے میں اقدامات اٹھائے گی۔"

قرارداد کی وضاحت و حمایت میں غلام محی الدین ہمدانی اور شیخ محمد اکبر نے تقریریں کیں۔ اس طرح بخشی غلام محمد نے اسمبلی کے ہینچوں پر شیخ محمد عبداللہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے کے بجائے اپمپوریم کے پیعولوں سے بھرے باغ میں اپنے حق میں اعتماد کا ووٹ حاصل کر کے سیاست کو شریف آدمیوں کا پیشہ کہنے والوں کے گال پر زوردار تھپڑ مارا۔ بخشی غلام محمد نے اپنے بھائی بخشی غلام نبی جو کنونشن گراونڈ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ "ہش ہش زندہ باد" کا نعرہ لگاتے داخل ہوا تھا کہ اس نعرے پر مہر تصدیق ثبت کی۔ ہش ہش کشمیری اصطلاح ہے جو اردو محاورے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے بدلے بولا جاتا ہے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ۔۔۔ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کے بولے

اس کنونشن پر تبادلہ خیال کرتے مجھے مولانا محمد سعید مسعودی نے ایک انٹرویو میں بتایا جب میں بحیثیت جنرل سیکرٹری اجلاس میں شمولیت کے لئے دہلی سے سرینگر آرہا تھا۔ ڈی، پی، ڈر اور غلام نبی سوگامی نے مجھے روکنے کے لئے سازش تیار کی تھی جب میں بیا بوٹ میں روٹی کھانے کی غرض سے بس سے نیچے اترا ان کی ہدایت پر ڈرائیور بس لیکر آگے روانہ ہوا اس واقعہ پر احتجاجاً میں نے بٹوت میں نائب تحصیلدار کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا غرض مولانا کنونشن میں شریک نہیں ہو سکے اور نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری کا عہدہ ان سے چھین لیا گیا۔ ۲۶ اگست ۱۹۵۳ء کو ممبر پارلیمنٹ صوفی محمد اکبر قانون تحفظ عامہ کے تحت گرفتار کئے گئے تھے مولانا محمد سعید مسعودی کے سرینگر پہونچنے پر بخشی غلام محمد نے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ان سے خفیہ ملاقات کی خواہش کی۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے اس گفت و شنید میں صوفی محمد اکبر کی شرکت کی شرط رکھی۔ صوفی محمد اکبر رہا کئے گئے اور یہ ملاقات جموں سرکٹ ہاؤس میں ہوئی طے پائی۔ جہاں یہ فیصلہ لیا گیا کہ دہلی جا کر پنڈت جواہر لال نہرو کو کشمیر کے حالات سے باخبر کیا جائے۔ اس سے بظاہر بخشی غلام محمد کا مقصد مولانا کی حمایت حاصل کرنی مطلوب تھی لیکن پس پردہ انہیں سیاسی طور عوام میں مشکوک ثابت کرنے کے علاوہ وزیر اعظم ہند کو یہ تاثر بھی دینا تھا کہ مولانا جیسا ذہین و فہیم بھی جمعہ جمعہ کے وقفہ میں ان کا گرویدہ بن گیا لیکن وزیر اعظم ہند کے سامنے مولانا مسعودی نے بخشی غلام محمد کی پول کھول کر رکھدی اس سے جہاں بخشی غلام محمد عریاں ہوئے وہاں سیاسی نظریات کے لحاظ سے یہ دونوں ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا ہو کر رہ گئے۔ اسی دوران وادی میں پاکستانی خیالات کے حامی تعلیم یافتہ نوجوانوں نے محمد یاسین صدیقی ایڈوکیٹ کی سرگرمی میں وار کونسل تشکیل دی جو بخشی غلام محمد کی پہلی ضرب میں دم توڑ بیٹھی اور منتشر ہو کر رہ گئی۔

ڈرامے کا آخری سین

۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے اس ڈرامے کا آخری سین اس وقت سٹیج کیا گیا جب نیشنل کانفرنس اسمبلی پارٹی کی میٹنگ میں عبدالغنی گونی نے شیخ محمد

عبداللہ کو پارٹی لیڈر شپ سے برطرف کرنے اور بخشی غلام محمد کو پارٹی لیڈر چننے کی تحریک پیش کی جو اتفاق رائے سے پاس ہوئی۔ سید میر قاسم، کوتوال جونی لال، عبدالخالق بٹ مولوی محمد انور مسعودی، غلام نبی سوگامی، کوشک بکولہ، میر واعظ غلام نبی ہمدانی (انہوں نے پولیٹیکل کانفرنس چھوڑ کر دوبارہ این سی میں شمولیت کی) سردار کلبیر سنگھ، غلام محی الدین ہمدانی غلام رسول کار، کرشن دیو سیٹھی ماسٹر غلام احمد اور اسد اللہ میر نے تحریک کی حمایت میں تقریریں کیں۔ تشفی اور اطمینان کے بعد بخشی غلام محمد نے ۶ نومبر ۱۹۵۳ء کو نئی کابینہ تشکیل دی۔ جس کی ہیئت ترکیبی یوں ہے:۔ وزیر اعظم بخشی غلام محمد، وزیر تعلیم غلام محمد صادق، وزیر خزانہ گردھاری لال ڈوگرہ، وزیر ترقیات شیام لال صراف، وزیر مال سید میر قاسم، نائب وزراء میں غلام رسول رینہ مو تعلیم اسد اللہ میر ترقیات، ہیمبر پیارا سنگھ مال، ڈی پی دھر اور کوشک بکولہ وزیر اعظم کے ماتحت ڈپٹی وزیر بنے۔ نئی حکومت نے ریاست میں سب سے پہلے مرکزی لیبر قوانین درآمد کئے۔ اور ۱۶ دسمبر ۱۹۵۳ء کو ڈاک و تار اور ٹیلی فون کا محکمہ مرکزی حکومت کی تحویل میں دیا گیا۔ اس موقعہ پر مرکزی نائب وزیر رسل و رسائل راج بہادر نے ریاستی وزیر ترقیات سے ہینڈ آور، اور ٹیک آور کی تقریب میں تقریر کرتے کہا اب پی، اینڈ ٹی اور ریڈیو کے ملازمین کو اسی شرح سے تنخواہیں ملیں گی جو ان محکموں میں مروج ہیں۔ اس دور میں کشمیریوں کو بھسلانے کے لئے جو نت نئے بیانات داغے گئے۔ ان میں ہند کے وزیر دفاع مہاویر تیاگی کا یہ اعلان کہ اب کشمیری جوانوں کی بھاری تعداد کو ہند فوج میں بھرتی کیا جائے گا ہنوز تشنہ تکمیل ہے! ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو نیشنل کانفرنس نے مجلس دستور ساز یہ کے اجلاس میں ریاستی آئین کو تیز گامی سے ترتیب دینے کے لئے بنیادی اصولوں کی کمیٹی، حقوق شہریت کی کمیٹی، رہبر کمیٹی اور مسودہ کمیٹی کو نئے سرے سے تشکیل دیکر سابق حکومت کے حامیوں اور نظریات کے حامل افراد کو بیک جنبش قلم ہٹا کر نئے عہدیداروں کی بھرتی عمل میں لائی۔

تحریک حریت کشمیر جلد چہارم کا اختتام یہیں پر کرتا ہوں اس کی پانچویں جلد جس میں کشمیر اور سلامتی کونسل کی مکمل روئیداد درج ہے اور جس کے ابتدائی اوراق میں کشمیر میں مسلمانوں کی آمد اور سیاسی تحاریک کے پس منظر میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کون سے عوامل

ومحرکات تھے جن کی بناء پر کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا۔ سلامتی کونسل کی کارروائی، قراردادیں، بیانات اور ریاست جموں وکشمیر پر اس کے اثرات و مضمرات شامل ہیں۔ اس سے قبل کہ آپ کو الوداع کہوں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھے اپنے مفید مشوروں آراء اور مواد کی فراہمی سے مدد دے کر میرے حوصلوں کی پاسبانی کی۔ ان میں ناقد دانشور جوان عزم صحافی خواجہ عبد الصمد وانی مدیر ہفت روزہ "کشیر" راولپنڈی، ریاست جموں وکشمیر کے ممتاز صحافی پنڈت نندلال واتل مدیر خدمت سرینگر، بے داغ و بے تعصب صحافی دانشور سابق ناظم اطلاعات پنڈت بلدیو پرشاد شرما، مفکر کہن مشق صحافی جناب میر عبد العزیز مدیر ہفت روزہ انصاف راولپنڈی مفکر و دانشور جناب محمد یوسف ٹینگ، سیکریٹری جموں وکشمیر کلچرل اکادمی محکمہ اطلاعات سے وابستہ شری چمن لال رینہ سرِفہرست ہیں۔ میں ریاست کے ممتاز آرٹسٹ جناب جی احمد کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے سرورق کو زینت بخشی۔ میں جناب شیخ محمد عبد اللہ، جناب مرزا محمد افضل بیگ، جناب سید میر قاسم، جناب مولانا محمد سعید مسعودی جناب بخشی غلام محمد، جناب عبد الستار رنجور، پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ، خواجہ غلام رسول رینزو خواجہ عبد الغنی ملک سوپوری، پنڈت رگھوناتھ وشنوی ایڈوکیٹ، جناب غلام محمد شاہ، شری ارشی کمار کوشل اور جناب پیر حفیظ اللہ مخدومی کا بھی شکر گزار ہوں جن سے وقتاً فوقتاً انٹرویو اور وضاحتیں حاصل کر کے میں نے اس مجموعہ کے پلک سنوارے۔ تحریک حریت کشمیر کی چھٹی جلد زیر ترتیب ہے انشاء اللہ بقید حیات نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ بہرکیف جناب حکیم منظور کے اس زمانہ شناس شعر کے ساتھ رخصت ہوا چاہتا ہوں ؎

اس کی ہر اک بات تھی منظورؔ بالکل ریشمی
لیکن اک معنی کہ جس کی کاٹ سفاکانہ تھی

فی امان اللہ

رشید تاثیر
مخدوم منڈو۔ سرینگر۔ ۱۹۰۰۲۔ کشمیر

جاں کی کتاب

بے کیف زندگی کی عبارت ہے گو حسنؔ
گلرنگ اس کتاب کے کچھ حاشیے بھی ہیں۔

تحریک حریت کشمیر جلد چہارم کے حواشی کو سید ظفر الحسن نقوی حسنؔ کے مندرجہ بالا حیات بخش شعر سے پیش کرتا ہوں۔ رشید تاثیر

حاشیہ	سطر	صفحہ	
(۱)	(۱)	(۳۹)	اس نعرے کے خالق مولانا محمد سعید مسعودی ہیں جبکہ نظری اعتبار سے وہ فاشزم کے مخالف تھے لیکن نیشنل کانفرنس کی فاشسٹ طرز پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔
(۲)	(۱۲)	(۴۰)	کھادی بنڈار کے سیکرٹری غلام احمد شمبھوناتھ مدیر وکیل۔

(۳) غلام احمد ڈار ہیڈ ماسٹر باتہال سکول (۴) کیپٹن محمد اسمٰعیل کشمیر ملیشیا (۵) ارجن سنگھ ٹھیکیدار (۶) اونار سنگھ ہوا باز (۷) فلائیٹ لیفٹننٹ سنگھ (۸) ریڈیو ادیب سیٹھی، این بینرجی (۹) جے انتھونی (۱۰) کیپٹن حمید۔ دوسرے چار کے نام دستیاب نہیں ہوسکے۔

(۳)	(۱۴)	(۴۸)	ایجی ٹیشن کے دوران رشی کمار کوشل اور پریم شرما نے نمایاں کردار ادا کر کے جموں کے سیاسی افق پر اپنی نشست مخصوص کرلی۔ رشی کمار کوشل برسہا برس تک ریاستی اسمبلی کی نشست سے منتخب ہو کر پرشدی فکر سیاست کے گوہر بکھیرتے رہے، ریاستی

اسمبلی میں ان کے ابھارے ہوئے نقطوں کو بڑی توجہ سے سنا جاتا تھا غضب کے شعلہ بیاں مقرر ہیں۔

(۴) (۱۵) (۴۸) پریم شرما نے ناگپور میں آر ایس ایس کے سنگ چالک کی ٹریننگ حاصل کی۔ ۱۹۶۲ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ شیخ عبدالرحمٰن بھدرواہی نام پایا۔ محاذ رائے شماری کی تنظیم میں شامل ہوئے۔ انہیں شیخ محمد عبداللہ سے یہ شکایت ہے کہ ۱۹۷۵ء میں جب وہ دوبارہ برسر اقتدار آئے۔ انہیں نو مسلم سمجھ کر نظر انداز کیا گیا ان کا کہنا ہے اگر میں نے بحیثیت پریم شرما ان کا ساتھ دیا ہوتا تو غیر مسلم جان کر میری قدر کی جاتی۔ بہر کیف اسلام قبول کرنا میرے ضمیر کی آواز ہے اور سیاست میں خدمت خلق کے جذبے سے شامل ہوا ہوں۔ شیخ عبدالرحمٰن بھدرواہی نے جامع دیوبند اور لاہور کی کئی دینی درسگاہوں سے اسلام کی نئی تعلیمات سے اپنے دل کو منور کیا ہے اور اچھے خاصے مولوی بنے ہیں۔

(۵) (۱۵) (۴۸) شیخ عبدالرحمان ان کا تذکرہ تحریک حریت کشمیر جلد سوئم صفحہ ۲، ۴۲۶ پر آچکا ہے۔ انہوں نے پرجا پرشیما اور جن سنگھ کے پیروان کی حیثیت میں ہندو سیاست دانوں کی قیادت کی اور فی الوقت بھارتیہ جنتا پارٹی چندر شیکھر گروپ کے صوبائی صدر اور صف اول کے قائدین میں شمار ہوتے ہیں۔

(۶) (۱۷) (۵۲) محکمہ بحالیات نے ۱۹۴۷ء میں قبائلی حملہ میں نقصانات کے متعلق ایک رپورٹ میں مندرجہ ذیل اعداد و شمار جاری کئے۔ بارہ مولہ، بڈگام، اوڑی وغیرہ علاقوں میں پناہ گزینوں کی کل تعداد ۲۱۳۶۴ کل اموات ۹۰۴ جن میں ہندو ۲۴۷ مسلمان ۳۴۳ اور عیسائی ۷ (رپورٹ میں سکھوں کی تعداد درج نہیں ہے) جبکہ گمان ہے۔ قبائلی حملہ میں انہیں کافی زیاں اٹھانا پڑا۔ اور انہوں نے بڑی تعداد میں خودکشی بھی کی۔ تعمیراتی نقصان ۱۹،۹۵۹۵ روپے جائیداد منقولہ کا نقصان ۹۲،۷۹۲۱ روپے، مال مویشی کا نقصان ۱۹،۳۵۴۵ روپے بتایا گیا ہے۔

(۷) (۲۱) (۵۳) مکمل تفصیلات کے لئے دیکھئے تحریک حریت کشمیر جلد سوئم

صفحہ، ۴۶۶ تا ۴۶۹

(۸) (۱۷) (۶۹) قیام بمبئی کے دوران ہی مرکزی حکومت نے انہیں سالانہ تین لاکھ روپے بطور جیب خاص مقرر کیا جس کو مہاراجہ ہری سنگھ کے انتقال کے بعد عرصہ دراز تک ڈاکٹر کرن سنگھ وصول کرتے رہے ۲۵ مئی ۱۹۵۲ء کو ریاستی اسمبلی میں وزیر اعظم کشمیر نے ایک سوال کے جواب میں کہا۔ مہاراجہ کو پہلے تقریباً ۳۵ لاکھ روپے سالانہ ملتے تھے کسٹم اور دیگر سہولیات سے مزید فوائد حاصل تھے۔ اندازاً کل پچاس سے پچپن لاکھ روپے سالانہ پاتے تھے موجودہ حکومت نے اسے گھٹا کر سالانہ الاؤنس کے طور پر ۶ لاکھ کر دیا ہے۔ شاہی خاندان کے دیگر افراد کے مستقبل کا فیصلہ دستور ساز کے فیصلے پر منحصر ہے۔ جبکہ دستور ساز اسمبلی نے ۶ لاکھ کی رقم بھی حذف کر دی۔

(۹) (۱۱) (۷۵) ان روپیوں کے ساتھ ایک تلوار جو قبائلی حملہ کے دوران انڈین آرمی نے قبائلیوں سے چھین لی تھی جو بمبئی میں چھ ہزار روپے میں نیلام ہوئی تھی۔ وزیر اعظم کشمیر کو مسٹر کرنجیہ ایڈیٹر "بلٹز" بمبئی کی وساطت سے حضرت بل کے اجتماع میں پیش کی گئی۔

(۱۰) (۸) (۷۷) برطرف شدگان میں خواجہ شمس الدین اور سید میر قاسم شامل تھے (دونوں بعد ازاں ریاست جموں و کشمیر میں بالترتیب وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ بنے)

(۱۱) (۱۰) (۸۰) شیخ محمد عبداللہ کی یادداشت اتنی کمزور نہیں ہو سکتی کہ وہ رام باغ کے سانحہ کو بھول جائیں۔ البتہ مصلحت اندیشی انسان کو کیا نہیں کراتی تفصیلات کے لئے دیکھیے تحریک حریت کشمیر جلد سوئم ۳۵۲-۳۵۶

(۱۲) (۵) (۸۴) مولانا نے ظالم اور مظلوم کا جو استعارہ استعمال کیا۔ سیاسیات میں نہ کوئی ظالم ہے اور نہ مظلوم، کامیاب بغاوت کا نام انقلاب اور ناکام بغاوت میں انقلابیوں کے سر باغی کہہ کر قلم کئے جاتے ہیں۔

(۱۳) (۲) (۸۷) آئین ساز اسمبلی کے ممبران ہی پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ آئین ترتیب دینے، وہ ممبران آئین ساز یہ کہلاتے تھے یعنی انتظامیہ اور قانون سازیہ کے کام

میں مشغول ہونے پر ممبران پارلیمنٹ کہلاتے تھے۔

(۱۴) (۱۴) (۸۷) وزیر اعظم بننے کے بعد پہلی بار پنڈت جواہر لال نہرو ۱۲۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو سری نگر آئے۔

(۱۵) (۷) (۹۰) گاندھی جی نے حکومت کے خلاف مرن برت رکھا جو پانچ دن تک جاری رہا جس سے مجبور ہو کر ہندوستان نے پاکستان کا قرضہ چکایا۔

(۱۶) (۲۰) (۹۰) مولانا ابوالکلام آزاد نے وادی میں ایک ہفتہ قیام کیا۔

(۱۷) (۶) (۹۳) پنڈت نہرو کی اس دلیل کو شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں بلامقابلہ ساری اسمبلی منتخب کر کے جھٹلایا۔ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۱ء کے انتخابات میں بخشی غلام محمد نے اپنے پیش رو کی سنت سبھی ایسے لوگوں کو قید کیا جو مقابلہ پر آنے کی ہمت کر سکتے تھے اس طرح جو انتخابی ڈھونگ رچایا گیا وہ ۱۹۵۱ء سے منفرد نہ تھا۔ ۱۹۶۶ء میں محاذ رائے شماری پر پابندی عائد کر کے غلام محمد صادق نے سرفرازی کا کعبہ حاصل کیا۔ دیگر انتخابی ڈھکوسلوں کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

(۱۸) (۱۶) (۹۶) بقول مہاراجہ ہری سنگھ وہ ان دنوں بمبئی میں (جلاوطنی) چھٹیاں منا رہے تھے۔

(۱۹) (۴) (۹۸) ان کا نام پنڈت نہرو نے پیش کیا۔ ولبھ بھائی پٹیل نے تائید کی۔ صدارت کے لئے صرف ڈاکٹر موصوف کی نامزدگی کے کاغذات داخل ہوئے ان کے منتخب ہونے پر بی۔ داس، ڈاکٹر ایس مکرجی، امام حسین فی سوری، وزیر اعظم، وزیر داخلہ اور کئی دیگر ممبروں نے ان کی حب الوطنی اور مجلس دستور ساز یہ کے صدر کی حیثیت میں ان کے حسنِ کارکردگی کی تعریفیں کیں۔

(۲۶) (۲۰) (۱۰۲) وسط فروری ۱۹۴۹ء میں جنرل کری آپا نے بی، بی، سی کو انٹرویو دیتے خواہش کی چین اور برما میں کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کے تناظر میں ہندو پاک کی فوجیں ملکر برصغیر کی حفاظت کے مسئلہ کو حل کریں۔ جنرل کی دور رسی پر کوئی توجہ نہیں دی گئی نتیجہ کے طور پر ۱۹۶۲ء میں چین نے ہند پر حملہ کیا۔ اور کئی سرحدی علاقے

اپنے قبضے میں لئے۔

(۲۱) (۱۰) (۱۰۵) یہ سلسلہ کم و بیش اگست ۱۹۵۳ء تک جاری رہا۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ نے بڑی ڈھٹائی سے اس طرز عمل کا مقابلہ کیا۔ خراماں خراماں تقریر سننے والوں کی تعداد گھٹ گئی اور پھر وہ اپنے حامیوں کے خاص جھرمٹ میں ہی ارشادات کے موتی بکھیرتے رہے۔

(۲۲) (۴) (۱۰۸) حالانکہ یہ ایک ریکارڈ ہے کہ ۱۹۳۱ء سے لیکرفی الوقت (اپریل ۱۹۹۲ء) تک شیخ محمد عبداللہ کے کنبے کے کسی فرد کو نہ تو گولی لگی اور نہ زخمی ہوا۔ یہ عام سیدھے سادے لوگ تھے جو ان کے بھڑکانے پر گولیوں کے شکار ہوتے رہے۔ شیخ محمد عبداللہ شیخ کو حلوائی کی دکان سمجھ کر نہیں فاتحہ پڑھا کرتے رہے اور ان کے خون سے اپنی سیاسی ساخت مضبوط کرتے رہے۔

(۲۳) (۲۰) (۱۱۰) قائد کشمیر مطبوعہ لاہور صفحہ ۷۶۔ مصنف بشیر احمد قریشی

(۲۴) (۱۷) (۱۱۹) تفصیلات ملاحظہ کیجیے تحریک حریت کشمیر جلد سوئم، رشید تاثیر

(۲۵) (۱۹) (۱۲۱) مہاتما گاندھی کے قاتل نتھورام گوڈسے اور نارائین اپٹے کو ۱۵ نومبر ۱۹۴۹ء کو پھانسی دی گئی۔

(۲۶) (۱۲) (۱۲۳) یہ کرنل عدالت خان ہی تھے جنہوں نے خواجہ علی شاہ کے مکان گھر مل باغ سرینگر میں مسلم آفیسروں کی میٹنگ میں شیخ محمد عبداللہ سے برملا کہا تھا۔ آپ نے ہندوستانی افواج کو کشمیر بلا کر ہمالیہ پہاڑ سے بھی بڑی غلطی کی ہے۔ آپ اس خیال خام اور وہم کو دل سے نکالیں کہ وہ آپ کے کہنے پر واپس جائے گی۔ فوج کو فوج ہی نکال سکتی ہے۔ آپ کے ماتحت تو ریاستی پولیس بھی نہیں ہے۔ عدالت خان کے اس بے تکلفانہ انداز سخن سے خفا ہو کر وزیر اعظم کشمیر نے انہیں ریاست چھوڑنے پر مجبور کیا اور وہ دسمبر ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے۔

(۲۷) (۱۳) (۱۴۸) شیخ محمد عبداللہ کو مغالطہ ہے۔ ۱۹۳۸ء میں نیشنل کانفرنس کا وجود ہی نہیں تھا۔ البتہ مسلم کانفرنس کے پنڈال سے قومی مطالبہ کا اعلان نامہ جاری

ہوا۔ لیکن اس میں کہیں بھی ٹھوس الفاظ میں غیر حاضر زمینداری کے خاتمہ کا ذکر نہیں ہے۔ قومی مطالبہ کے مطالعہ کیلئے دیکھیئے تحریک حریت کشمیر جلد دوم

(۲۸) (۲۱) (۱۵۰) شمالی اور جنوبی کوریا کی جنگ اور واقعات ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ ورنہ ہم شیخ محمد عبداللہ کی یہ غلط فہمی یقیناً دور کرتے کہ یہ جنگ زرعی اصلاحات کے نفاذ اور دولت کی غیر مساوانہ تقسیم پر شروع نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ جنگ دنیا کے دو بڑے ٹھیکیداروں کے (امریکہ اور روس) نظریاتی پھیلاؤ سے عبارت ہے جزیرہ نما کوریا پر ۱۸۹۵ء میں جاپان نے قبضہ کیا۔ ۱۹۴۵ء میں جاپان کے ہتھیار ڈالنے سے قبل قاہرہ میں امریکہ، برطانیہ اور چین نے اعلان کیا کہ جنگ کے اختتام پر وہ کوریا کو آزاد کریں گے، ۱۹۴۵ء میں شمالی کوریا میں سوویت فوجیں داخل ہوئیں اور کمیونزم کی تبلیغ شروع کی۔ ۳ ستمبر ۱۹۴۵ء کو سیول میں کوریا کے ۶۱۵ کمیونسٹوں کی کانفرنس نے روسی طرز کی حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا۔ جاپان کی شکست کے ساتھ ہی امریکی فوجیں جنوبی کوریا میں اتریں۔ اس طرح کوریا دنیا کے جدید ترین جنگی ہتھیاروں کی آزمائش کے لئے میدان کارزار میں مبتلا ہوا۔ دولت کی غیر مساوانہ تقسیم جداگانہ اور جزوی عمل ہے کوریا بڑی طاقتوں کی زور آزمائی اور کشیدگی کا اکھاڑا بنا۔ جہاں دولت اور زرعی اصلاحات کی قلابیں ملانی بے معنی اور واقعات سے بے خبری کا اشتہار ہے۔

(۲۹) (۷) (۱۵۷) اس سلسلے میں نیشنل ہیرالڈ ۱۹ جولائی ۱۹۵۰ء، ٹھاٹ ۱۲ جولائی ۱۹۵۰ء پیوپل ۲۲ جولائی ۱۹۵۰ء استوادا (AITIV/5A) ۱۲ جولائی ۱۹۵۰ء نیوسٹیزن ۳۰ جولائی ۱۹۵۰ء کے شمارے قابل غور ہیں۔

(۳۰) (۳) (۱۶۸) ۱۹۴۹ء میں ریاستی حکومت نے ۱۱ لاکھ ۴۴ ہزار ۳۳۶ مکعب فٹ تعمیری لکڑی ۳۶ لاکھ روپے کے عوض برآمد کی جس سے ریاستی جنگلوں کی تباہی اور لوٹنے کا عمل شروع ہوا۔

(۳۱) (۱۶) (۱۸۵) جوگندر سنگھ ڈھاکہ سے کلکتہ علاج کے بہانے آیا۔ اور وزیراعظم پاکستان کو اپنا استعفیٰ بھیجتے ان پر قائداعظم کے خواہشات کے خلاف پاکستان میں اقلیتوں

کو تحفظ نہ دینے کا الزام عائد کیا۔

(۳۲) (۱۲) (۱۸۶) جون ۱۹۵۱ء کے پہلے ہفتے میں سرخ چین نے تبت پر قبضہ کر لیا۔ پنچن لامہ کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت سرخ چین کی بالادستی اور تبت پر خود اختیاری تسلیم کی گئی۔

(۳۳) (۱۳) (۱۸۷) اس موقع پر چین کے وزیر اعظم چو۔ این لائی نے امید ظاہر کی کانفرنس میں پنڈت نہرو کی شمولیت سے ایشیاء اور مشرق بعید کے معاملات کا منصفانہ حل ڈھونڈنے میں پر امن راستہ کھل جائے گا۔ واشنگٹن پوسٹ کے مطابق ۴ جنوری کو امریکی دفتر خارجہ نے مسٹر اٹیلی کو تار کے ذریعہ اپیل کی کہ کشمیر کے جھگڑے کو حل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا جائے۔ اور اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ کیونکہ امریکہ کی نظر میں کانفرنس مشرق وسطی کے دفاع کی کنجی ہے جو ہند و پاک کے مابین صلح و صفائی اور مسایل کے حل میں کلیدی کردار کا حامل ہے۔

(۳۴) (۱۹) (۱۸۷) ۱۷ جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے برطانوی کمانڈر انچیف جنرل گریسی سے لیفٹنٹ جنرل محمد ایوب خان نے پاکستانی دفاعی افواج کا چارج سنبھالا۔

(۳۵) (۲۰) (۱۸۷) روڈیشیا چونکہ دولت مشترکہ میں سالم مملکت تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے اس کے نمائیندے کو مذاکرات میں شامل ہونے نہیں دیا گیا جنوبی افریقہ کے نمائیندے ڈاکٹر ڈانگر کو وزیر اعظم ہند و پاک نے شرکت کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(۳۶) (۱۲) (۱۸۹) ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو سابق وزیر اقتصادیات حکومت ہند ڈاکٹر متھائی نے کشمیر کے دفاع کا ذکر کرتے کہا حکومت ہند کشمیر کے دفاع پر سالانہ ۲۵ سے ۴۰ کروڑ روپے خرچ کر رہی ہے غیر منقسم ہندوستان میں دفاعی مصارف ایک ارب دس کروڑ روپے تھے اب ہند کے دفاعی مصارف ایک ارب اسی (۸۰) کروڑ روپے ہیں۔ ہند و پاک کے درمیان کشمیر کا معاملہ طے ہو جائے۔ تو یہ مصارف دونوں ممالک میں کم ہوں گے۔

(۳۷) (۲) (۱۹۰) مینا نائیکے ۲۱ مارچ ۱۹۵۲ء کو گھوڑے سے گر کے شدید زخمی ہوئے اور ۲۲ مارچ کے تیسرے پہر انتقال کر گئے۔

(۳۸) (۱۹) (۲۰۹) مذکرہ پمفلٹ میں کشمیر کے بارے میں پاکستانی دلائل کو
حق بجانب اور حکومتِ ہند کے نظریہ پر تنقید کی گئی تھی۔ آزادیٔ تحریر کے محافظ پنڈت
جواہر لال نہرو نے اپنے آپ سے کہاں تک انصاف کیا اس کا فیصلہ تو آئندہ کا مورخ ہی
کرے گا۔ البتہ میں ممتاز صحافیوں کی بے بسی کے تاریخی باب میں رقم کرنے کی خاطر یہ بتانا
چاہوں گا کہ اسی سال اگست میں جب "بلٹز" بمبئی اور "ایم" بمبئی کے نامہ نگار جی، کے
ریڈی کی فراہم کردہ یہ خبر شائع ہوئی کہ چین ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے،
آزادیٔ تحریک کے پاسبان پنڈت نہرو نے نامہ نگار کا پریس کارڈ ضبط کیا اور اسے "جھوٹا آدمی"
کہا۔ اور جب ۱۹۶۲ء میں چین نے ہند پر حملہ کیا جی کے ریڈی کی حوصلہ افزائی کے بجائے،
تغمہ پنڈت نہرو کے کندھے پر لگایا گیا۔ جی کے ریڈی قبائلی حملہ سے چند دن قبل سرینگر سے
پاکستان چلا گیا۔ اور بڑی دیر تک حکومت آزاد کشمیر کا پریس اینڈ پبلک رلیشنز آفیسر رہا۔ اور
پھر وہاں سے بھاگ آیا۔ دلی میں ایک طویل پریس بیان جاری کیا جس کو ریاستی حکومت نے
پمفلٹ کی شکل میں "پاکستان کا بانڈا چوراہے پر" کے عنوان سے شائع کیا۔ بہر کیف پریم ناتھ
بزاز کے حق میں اس رعایت کا غالباً اس لئے اعلان کیا گیا۔ کیونکہ وہ نہ صرف ریاست کے
ایک مقتدر صحافی اور صاحب الرائے شخصیت تھے بلکہ انہوں نے ماضی بعید میں شیخ محمد عبداللہ
کو قوم پرستی کی طرف مائل کیا تھا جبکہ ماضی قریب میں انہوں نے قدم قدم پر شیخ محمد عبداللہ
کا سیاسی مقابلہ بھی کیا۔ آزادیٔ فکر پر پہرہ بٹھانے کے عندیہ سے کہیں زیادہ ایک ذہن ہندو
کو انتباہ کرنا مطلوب تھا۔ یہ بتانا غیر مناسب نہیں رہے گا کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ
نے اقتدار سنبھالتے ہی قصاص لینے کی غرض سے پنڈت پریم ناتھ بزاز، پیتامبر ناتھ درفانی
اور ان کے کئی دیگر ساتھیوں کو گرفتار کرا کے ادھمپور اور کٹھوعہ کے جیل خانوں کا مہمان
بنایا۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں پریم ناتھ بزاز کو قید سے رہا کر کے ریاست بدر کیا۔ رہائی کے ایک
ہفتہ بعد مذکورہ پمفلٹ دلی سے اجراء ہوا جس نے وزیر اعظم کشمیر کی راتوں کی نیند حرام کی
جب ہی وزیر اعظم ہند نے ان کی دلجوئی کی۔ پریم ناتھ بزاز کے حوالے سے یہ بتانا برمحل ہے کہ
قیام دلی کے ابتدائی ایام میں انہوں نے جگر ناتھ سکھو اور شیام لال یچھ کے اشتراک سے "کشمیر

ڈیموکریٹک یونین" کے نام سے سیاسی تنظیم قائم کی اور انگریزی کا ماہنامہ "والیس آف کشمیر" اجراء کیا۔ جس میں جغرافیائی، اقتصادی، سیاسی ثقافتی اور مذہبی لحاظ سے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں مضامین شائع ہونے لگے۔ ۱۹۵۵ء میں یہ تینوں اس جرم میں گرفتار کیے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں جگر ناتھ ستھو اور شام لال یچھ دوبارہ گرفتار کر کے ایک ایک سال کے لئے نظر بند رکھے گئے۔ ۱۹۵۹ء میں جگر ناتھ ستھو "ڈان کراچی" کے سٹنگر تھے۔ دوبارہ گرفتار ہوئے ۱۹۶۴ء میں جب وہ "سیول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نمائندے بنے۔ غلام محمد صادق نے ان پر ریاست میں داخلہ کی پابندی ہٹالی۔

(۳۹) (۱۰) (۲۱۶) قرارداد کا من عن متن تحریک حریتِ کشمیر جلد پنجم میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۰) (۱۳) (۲۲۹) ۳۱ مئی ۱۹۵۱ء کو ریڈیو کشمیر کے اسٹیڈیوز میں آگ نمودار ہوئی جس پر تین گھنٹے کے بعد قابو پالیا گیا آگ کی وجہ تخریب کاری بتائی گئی۔

(۴۱) (۱۸) (۲۵۲) بنارسی ٹیکہ کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ یہ درست ہے کہ ۱۹۷۵ء میں جب شیخ محمد عبداللہ ولشنو دیوی گئے تو وہاں تلک لگوایا۔ ۱۹۷۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کے انفارمیشن بیورو سرینگر کی وساطت پر ایک پریس پارٹی جموں گئی۔ پارٹی میں عزیز کشمیری مدیر روشنی اور میں (رشید تاثیر) شامل تھا۔ پارٹی ولشنو دیوی بھی گئی، وہاں پوجاریوں نے ہمیں بھی تلک لگانا چاہا۔ لیکن ہم دونوں نے انکار کیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اکبر بادشاہ کی تقلید کرتے ایسا کیا۔ جبکہ اکبر بادشاہ کی سیاسی حکمتِ عملی میں ٹیکہ لگانا زنار پہننے کے علاوہ ہندوستان بھر کے اعلیٰ ذات و نسب کی خواتین کو اپنے حرم میں داخل کرنا بھی شامل تھا۔ برعکس اس کے شیخ محمد عبداللہ نے ہندو اکثریت کو خوش کرنے کے لئے تلک و ٹیکہ ہی اپنے تئیں محدود رکھا۔

(۴۲) (۸) (۲۵۴) تقریر آثار شریف حضرت بل ۲ مئی ۱۹۵۲ء

(۴۳) (۱۳) (۲۸۱) اس دور میں جو بھی کشمیری پاکستان سے واپس آتا تھا۔ اسے پولیس گرفتار کر کے بیدردی سے تفتیش کے بعد وادی میں قیام کرنے کے معاوضہ میں ریڈیو کشمیر

سے پاکستان کے خلاف بیان دینے پر مجبور کرتی تھی لیکن اب واپس آنے والوں کو یہاں رہنے کی بالکل اجازت نہیں ہے جبکہ ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی حکومت نے اس ضمن میں قانون پاس کیا جس سے مراد یہ تھا کہ ایسے لوگوں کے شہری حقوق بحال کیے جائیں مسودہ قانون پاس ہونے کے بعد اس کا جائزہ لینے کے لئے اسے سپریم کورٹ کو بھیجا گیا جہاں یہ مسودہ طاقِ نسیاں کی زینت بن کر دیمک کی خوراک بنا ہے

(۴۴) (۱۶) (۲۹۴) ۱۳ر جولائی ۱۹۵۳ء کو جموں میں طویل علالت کے بعد مر گئے۔

(۴۵) (۱۶) (۲۹۷) یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو مرکزی وزیر خزانہ نے اعلان کیا کہ آج سے ریاست حیدر آباد میں عثمانیہ کرنسی منسوخ کی جاتی ہے۔ اور ہندوستانی سکہ رائج کیا جاتا ہے۔

(۴۶) (۶) (۳۰۱) ۱۰ر فروری ۱۹۵۳ء کو گوپال سوامی آئینگر مدراس کے ایک نرسنگ ہوم میں دم توڑ بیٹھے۔

(۴۷) (۱۹) (۳۰۹) کمیشن کے چیئرمین ریاست کے چیف جسٹس جانکی ناتھ وزیر تھے۔ ممبران میں اکونٹنٹ جنرل پیرزادہ غلام احمد شونتھو، کمشنر علی شاہ اور چیف کنسرویٹر جنگلات ٹھاکر ہرنام سنگھ تھے کمیشن کے سامنے پینتالیس افراد نے بیانات قلمبند کرائے تین سو سے زائد میمورنڈم اور دستاویز پیش کیے۔ تحقیقاتی کمیشن نے ۲۷ر جون ۱۹۵۳ء کو دو سو صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ وزیراعظم کو پیش کی جس میں کنٹرول، قانون خاتمہ چکداری، پناہ گزینوں کی بحالی سابق فوجیوں کے معاملات اور دیگر سفارشات شامل تھیں۔

(۴۸) (۲۱) (۳۲۷) ۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دن شیخ محمد عبداللہ نے سرکردہ نیشنل کانفرنسوں کی رائے جاننے کے لئے غلام قادر خان (بخشی عبدالرشید کے والد) کے مکان خانقاہ سوختہ سرینگر میں میٹنگ کی۔ غلام محی الدین قرہ نے ہندوستان کے حق میں اپنی رائے دی، بخشی غلام محمد نے ہند سے الحاق کی مخالفت کرتے کہا ایک وقت آئے گا جب آپ کو اپنے کیے پر نظر ثانی کی ضرورت پڑے گی، لیکن تب نہ تو آپ کو موقع ملے گا اور نہ میں آج لئے جانے والے فیصلہ سے منحرف ہو جاؤں گا۔ بالاتفاق رائے آپ لوگ جو بھی فیصلہ

لیں گے وہ مجھے منظور ہے۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنی رائے ظاہر کرنے سے قبل کہا۔
"قرہ صاحب اور بخشی صاحب اپنی اپنی جگہ درست ہیں لیکن وہ ابھی اتنا ہی کہہ پائے
تھے شیخ محمد عبداللہ نے انہیں جبراً بٹھاتے کہا میں تمہارے فتنہ سے بخوبی واقف
ہوں۔ اس واقعہ کی تائید کرتے مجھے مولانا مسعودی نے ایک انٹرویو میں بتایا جس دن شیخ
صاحب مہاراجہ صاحب کے کئے الحاق کی حمایت کرنے دہلی جا رہے تھے اس سے پہلے کی
شب میں نے خواجہ غلام محی الدین قرہ کے ہاں گذاری رات بھر خواجہ صاحب کو یہ سمجھانے
کی سعی کرتا رہا کہ اس فرد واحد نے دس کروڑ مسلمانوں کے لئے مملکت قائم کی۔ ہم پر لازم ہے
کہ پاکستان سے لگنے والی ہزاروں میل طویل سرحد کو دشمنانہ سرگرمیوں کا اکھاڑہ نہ بننے دیں۔
اگلے دن خواجہ صاحب کی فرمائش پر میں نے بیگ صاحب کے سامنے اپنی دلیل دہراتے
کہا دہلی ہو کر چاہیے کتنے ہی وعدے کرنے پڑیں۔ لیکن کسی دستاویز پر دستخط نہیں کیا جائے۔
بیگ صاحب نے جواب دیتے کہا میں آپ کی منطق سمجھنے سے قاصر ہوں۔ پھر بھی شیخ
صاحب کو آپ کا کہا سب سنا دوں گا۔" (تفصیلات کے لئے دیکھئے تحریک حریت کشمیر جلد
پنجم) اب جبکہ اس موقعہ پر مولانا مسعودی کا اور بخشی غلام محمد دونوں خود مختار کشمیر کی حمایت
کر رہے ہیں، جس سے کشمیری سیاست کاروں کے ناپائیدار عزائم اور کج فہمی کا اندازہ لگانا
آسان بنتا ہے۔

(۴۹) (۱۱) (۳۰-۳) ایام بے روزگاری یعنی اکتوبر ۱۹۶۸ء میں شیخ محمد عبداللہ
نے بظاہر مسئلہ کشمیر کا قابل قبول حل کے تلاش کی خاطر مجاہد منزل سرینگر میں پیپلز کنونشن
کا اہتمام کیا جس میں ریاست کے چیدہ چیدہ اصحاب ذوق کو پیپر پڑھنے کی دعوت دی
گئی۔ اور اعلان کیا گیا جملہ آراء کو رائے عامہ کے لئے کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا جو
شرمندہ تعبیر رہا۔ جے پرکاش نارائین کو بھی کنونشن میں مدعو کیا گیا۔ حضوری باغ سرینگر
میں کنونشن کا کھلا اجلاس ہوا جس میں جے پرکاش نارائین نے تقریر کرتے کہا۔ ہندوستان
نے آپ سے رائے شماری کا جو وعدہ کیا تھا اس سے مکر جانے کی وجہ سے میری گردن ندامت
سے جھک جاتی ہے لیکن اب حالات اس نہج پر پہنچے ہیں اگر میں بھی ہندوستان کا

وزیرِ اعظم بنوں تو بھی اس وعدے کا ایفاء ممکن نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہند کے آئینی ڈھانچہ اور جھنڈے تلے منظم ہو کر اپنی فلاح و بہبود کی راہیں متعین کیجیئے لوگوں نے زبردست ہوٹنگ کی۔ شیخ محمد عبداللہ نے جلال میں آکر جے پرکاش نارائن کو مخاطب کرتے کہا میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و اعلیٰ آلہ وسلم کے اس فقرے کو دہرانے کی جسارت کرتا ہوں جو آپ نے کفارِ عرب کے مطالبہ، خاکم بدہن آپ دعویٰ نبوت سے باز آئیں ہم عرب کی بادشاہت دنیا کی حسین و جمیل عورتیں مال و دولت عیش و عشرت آپ کے قدموں پر نچھاور کریں گے۔ حضور عالم مآب، صاحبِ قرآن، پیغمبر آخر الزماں، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و اعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم میرے دائیں ہاتھ میں چاند اور بائیں میں سورج بھی رکھو گے تو بھی میں حق و صداقت سے منہ نہیں موڑوں گا۔ میں آپ کا ایک ادنیٰ امتی ہونے کے ناطے حق و صداقت کی راہ چھوڑنے والا نہیں ہوں لیکن جب ۱۹۷۵ء میں انہیں دوبارہ اقتدار حاصل ہوا تو آنحضور جناب خیر البشر، سید المرسلین، ساقی الکوثر، خاتم النبین، رحمۃ اللعالمین، امام المتقین حضرت محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد گرامی کو دہرانے والے کشمیر کے اس بیٹے نے خود ہی اپنے آپ کو جھٹلایا۔

(۵۰) (۲) (۳۳۹) علی محمد کوزہ گر نے کشمیر پولیٹیکل کانفرنس میں شامل ہونے سے قبل شیخ محمد عبداللہ کو یہ اطلاع بہم پہونچائی تھی کہ بخشی عبدالرشید نے مجھے اعتماد میں لیکر کہا "عنقریب بخشی غلام محمد وزیرِ اعظم بن جائے گا۔ اور شیخ عبداللہ ہاتھ ملتے رہے گا" اتنا سنتے ہی وزیرِ اعظم کشمیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کوزہ گر کے منہ پر ایسا زوردار طمانچہ ملا جس پر طنز نگار لوگ کہتے رہے کہ حکیم حبیب اللہ والے تھپڑ سے دس ہارس پاور زیادہ کا تھا کچھ بھی ہو اس کی آواز بخشی غلام محمد کے کانوں تک پہونچی اور کہا "میں بخشی صاحب کے خلاف ایک حرف تک سننے کیلئے تیار نہیں ہوں" کون جانے یہ تھپڑ سچ کہنے کا ثمر تھا یا سچ بولنے پر انتباہ

(۵۱) (۱۲) (۳۴۲) اس تنظیم کے بارے میں ضمناً یہ کہنا لازمی ہے۔ اس نے اپنے آغاز میں جس طمطراق سے فطری رجحان کی ترجمانی کا دعویٰ کیا اس پر ثابت قدم نہ رہ سکی جس کی تشریح میں یہ بات واشگاف الفاظ میں کہی گئی تھی چونکہ ریاست کی اکثریت مسلمانوں

پر مشتمل ہے اور وہ پاکستان کے حامی ہیں اس لئے ہند کو جلد یا بدیر ریاست سے دست کش ہونا پڑے گا۔ مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس نظریہ میں بڑی ہوشیاری سے ترمیم کی گئی ۔ ۱۹۵۴ء تک یہ نظریہ اس جماعت کی شہرت کا باعث بنا جبکہ اس درمیانی مدت میں اس تنظیم سے وابستہ تقریباً جملہ وکلاء نے ماسوائے پنڈت روگھناتھ ولیشنوی اور عبدالحمید قرہ کے سبھوں نے علیحدگی اختیار کی۔ دسمبر ۱۹۵۵ء میں غلام محی الدین قرہ کی رہائی عمل میں آئی ان ہی دنوں ان کے والد خواجہ احمد اللہ وانی کا انتقال ہوا۔ اسی دوران قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے مرزا محمد افضل بیگ رہا کئے گئے جنہیں بخشی غلام محمد کے حامیوں نے اس وقت جب وہ اظہارِ تعزیت کے لئے غلام محی الدین قرہ کے ہاں جا رہے تھے "ویراگڑ دیو" (محیط کا دیوتا) کہہ کر گھیر لیا۔ غلام محی الدین قرہ کی مداخلت اور اخلاقِ اسلامی کے واسطوں کی بدولت ان کو اس نرغہ سے نجات ملی۔ اس طرح ان کے مابین صلح و صفائی کی راہیں استوار ہوئیں پھر خواجہ علی شاہ کے مکان گھر مل باغ میں ان کی سیاسی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور طے پایا کہ عبداللہ گروپ اور ان کی جماعت آپس میں ضم ہو کر بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق جن سے برصغیر ہند و پاک میں تبدیلی رونما ہوئی ہے ملکر کام کرے گی، تبدیلیوں کی وضاحت میں کہا گیا۔ "چونکہ پاکستان کو امریکی فوجی امداد ملنے سے وزیر اعظم ہند کا رویہ کشمیر کے بارے میں سخت ہوا ہے اور کشمیر پر ہندوستان کا قبضہ ایک حقیقت ہے جس کی بناء پر مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں ہندوستان کی شمولیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی جو بحیثیت حق کے نہیں ایک مجبوری کی تحت برداشت کرنی ہے جبکہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم کشمیر پر ہندوستان کی بالادستی کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔" اس طرح کشمیر پولیٹیکل کانفرنس نے اپنے نظریہ میں لچک اور پہلی تبدیلی تسلیم کی لیکن گفت و شنید کی آخری نشست میں مرزا محمد افضل بیگ نے شیخ محمد عبداللہ کی عدم موجودگی، اور صلاح و مشورہ کے بغیر حتمی فیصلہ لینے سے معذوری ظاہر کی۔ اس سے تمام کوششیں رائیگان اور شرمندہ تعبیر ہو کر رہ گئیں۔ بات چیت کی ناکامی کے بعد غلام محی الدین قرہ دہلی گئے اور بقول پیر حفیظ اللہ مخدومی خفیہ طور سے کراچی پہونچے وزیر اعظم پاکستان

محمد علی بوگرہ سے ملاقات کی واپسی پر دہلی سے سرینگر آتے پٹھانکوٹ میں گرفتار کئے گئے۔ ۱۹۶۱ء میں رہا ہوئے انہوں نے اپنے چیدہ چیدہ ورکروں سے وزیر اعظم پاکستان سے اپنی ملاقات کی روئیداد سناتے کہا۔ مجھے وزیر اعظم پاکستان نے وعدہ دیا ہے کہ کشمیر کے پاکستان میں شمولیت کی صورت میں جو بھی مراعات کشمیری چاہیں ہم دینے کو تیار ہیں۔ اس ضمن میں شیخ محمد عبداللہ کی سوانح آتش چنار کے حوالے سے یہ کہنا بعید از معلومات نہیں ہوگا اس جماعت کو پاکستان سے مالی امداد مل رہی تھی جبکہ پیر حفیظ اللہ مخدومی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ لیکن بقول ان کے اس کے تناظر میں یہ شرط عائد تھی کہ کشمیر میں جو بھی قدم اٹھایا جائے گا وہ پاکستان کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہو اور شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔ جبکہ شرط کا پہلا حصہ پولیٹکل کانفرنسوں کی نقطہ نگاہ میں پاکستان کا کشمیر کے اندرونی حالات سے کما حقہ ناواقفیت کی بناء پر ہمارے لئے مشکلات کا باعث بنا اور دوسرا حصہ عجیب وغریب منطق کا حامل تھا۔ کیونکہ شیخ محمد عبداللہ براہ راست پاکستان کی حمایت کی بجائے رائے شماری پر زور دے رہے تھے۔ جبکہ یہ جماعت پاکستان سے الحاق کی حامی تھی۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا معمہ نہیں تھا جس کو حل کرنے کیلئے کسی سیاسی لغت کی ورق گردانی کی ضرورت تھی سیدھی سی بات ہے شیخ محمد عبداللہ کو صحیح یا غلط طور پر بین الاقوامی شہرت حاصل ہو چکی تھی اور ان کے ہند مخالف دسیسر سے پاکستانی اپنے خوابوں کی تعبیر چاہتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں ایکشن احمد بار غلام محی الدین قرہ قید سے رہا ہوئے۔ پولیٹکل کانفرنس نے اپنے نظریہ میں نئی لچک پیدا کرتے فریقین کے مابین گول میز کانفرنس طلب کرنے کی وکالت شروع کی جس میں ہند و پاک اور کشمیری نمائندے آپسی صلاح ومشورے سے کسی ایسے فارمولے پر متفق ہو کر حتمی فیصلہ کر سکیں۔ اس طرح پولیٹکل کانفرنس کی نظریاتی تبدیلیوں سے نہ نو من تیل جلا اور نہ رادھا ناچی البتہ عام لوگوں میں اس جماعت کے بارے میں بدظنی نے راہ پائی، ۱۹۷۰ء میں جب محاذ رائے شماری نے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات سے بائیکاٹ کا اعلان کیا تو یہ جماعت محاذ رائے شماری کی تابع ہو کر رہ گئی۔ ۱۹۷۱ء میں جب شیخ محمد عبداللہ کی ہدایت پر محاذ رائے

شماری نے پارلیمنٹ کے ضمنی انتخاب میں بخشی غلام محمد کے مقابلے پر شمیم احمد شمیم کی حمایت کا اعلان کیا۔ یہ جماعت شیخ محمد عبداللہ کی دم چھلا ہو کر رہ گئی، چرار شریف کے ایک انتخابی جلسہ میں مولانا محمد سعید مسعودی نے انتخابات میں حصہ لینے کو جائز ٹھہراتے کہا۔ "یہ شیخ صاحب کا حکم ہے اگر وہ ہمیں کھمبے کو بھی ووٹ ڈالنے کو کہہ دیں ہم تعمیل حکم سے منحرف نہیں ہوں گے۔" اسی جلسہ میں یار لوگوں نے مولانا مسعودی کی نظروں کے سامنے ان کی کمبل اڑائی اور وہ بہت دور تک اپنی نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتے رہے جلسہ گاہ میں غلام محی الدین قرہ بھی تھے۔ پھر جب ر ۱۹۷۵ء میں محاذ رائے شماری نے اسمبلی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ مرارجی ڈیسائی کے ایماء پر مولانا مسعودی نے پولیٹیکل کانفرنس، عوامی ایکشن کمیٹی اور دیگر وارفتگان سیاست کو یکجا کر کے جنتا پارٹی قائم کی۔ اور انتخابی دنگل میں کود پڑے اور اس کی وجہ جواز یہ دیتے کہا۔ "چونکہ حکومت ہند نے ۱۹۵۱ء میں سلامتی کونسل میں صریحاً کہا ہے۔ ریاستی انتخابات اندرونی انتظامیہ کو جمہوری ڈھنگ سے بروئے کار لانے کے لئے کئے جارہے ہیں۔ اس لئے انتخابات میں شمولیت سیاسی صحت مندی کے لئے مضر رساں نہیں۔"

لیکن انتخابات میں شکست کے بعد جنتا پارٹی کے دوش بدوش پولیٹیکل کانفرنس بھی سیاسی کہر میں تحلیل ہو کر فنا ہو گئی۔ مولانا کی سیاسی ناداری اور توکل کی عکاسی کا کیا خوب نقشہ جناب حکیم منظور نے اس شعر میں کھینچا ہے ؎

میں نے ہی اپنے چاروں اور بوئے تھے صرف تخم سنگ
ٹوٹے میرے ہی آئینے، مجھ کو کوئی گلا نہیں

(۵۲) (۱۳) (۳۴۲) وزارت سے برطرفی کے بعد ان کے حامی عبداللہ گروپ کہلانے لگا۔ ۹ اگست ۱۹۵۵ء کو جب مرزا محمد افضل بیگ نے خواجہ علی شاہ کے مکان گھر پل باغ میں محاذ رائے شماری کی تنظیم تشکیل دی۔ عبداللہ گروپ محاذی کہلانے لگے۔

(۵۳) (۷) (۳۵۳) ۱۹۷۵ء میں جب شیخ محمد عبداللہ نے دوبارہ اقتدار سنبھالا جماعت اسلامی کے حامیوں نے ان کے استقبالی جلوس سے الگ رہ کر اعتماد بھی

جلوس نکالا جو ایک طنزیہ نظم پڑھ رہے تھے جس کا ایک شعر بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

رائے شماری بھر کھ دو بس

ع آلوہ مبس مبارک ش

(۵۴) (۹) (۳۵۹) کشمیری خاندان سادات قادری بخاری کندر پوری سوپور سے نسبت رکھتے ہیں۔ اس خاندان کے بعض افراد ماضی میں وادی سے ہجرت کر کے ناگریال ضلع گجرات پنجاب میں آباد ہوئے۔ بعض دوست انہیں کیریری پٹن کشمیر کا بتا رہے ہیں۔ جو درست نہیں ہے۔

(۵۵) (۱۸) (۳۵۹) نئی وزارت میں سر محمد ظفر اللہ خان۔ ڈاکٹر اے ایم ملک، ڈاکٹر آئی ایچ قریشی، نواب مشتاق احمد گرمانی، چودھری محمد علی، سردار بہادر خان، اے کے بروہی، عبد القیوم خان اور شعیب قریشی شامل تھے۔

(۵۶) (۲۰) (۳۶۲) اس سے کچھ عرصہ قبل پاکستان میں ہندوستان کے سابق کمانڈر انچیف جنرل آکنلک اور پاکستان کے سابق کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی مقیم تھے جن کا نام لئے بغیر پنڈت نہرو نے کانگریس کے سالانہ اجلاس بنگلور میں کہا تھا "پاکستان میں انگریز جنگی سرگرمیوں کو ہوا دے رہے ہیں اور جنگی جذبہ بڑھا رہے ہیں۔" اس کے جواب میں وزیر خارجہ پاکستان نے کہا "کوئی انگریز آفیسر حکومت پاکستان کی ملازمت میں نہیں ہے اور نہ پاکستان کو ہند و پاک معاملات میں صلاح دیتے ہیں۔ جنرل آکنلک اور جنرل گریسی نجی کاروبار کے سلسلے میں پاکستان کے دورے پر آئے ہیں۔" ہندوستانی اطلاعات کے مطابق دونوں جنرل فوجی وردیوں میں ملبوس پاکستانی فوجی ہیڈ کوارٹر میں پاکستانی فوجی آفیسروں سے محو گفتگو دیکھے گئے تھے جس سے یہ شبہ پیدا ہوا تھا کہ وہ پاکستان میں جنگی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

(۵۷) (۱۰) (۳۶۳) ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو وزارتی تغیر کے بعد غلام محمد میر راجپوری اور منوہر ناتھ کول نے "کشمیر میں سامراجی سازشیں" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں شیخ محمد عبداللہ کو امریکی ایجنٹ ثابت کرنے کی خاطر بے بنیاد

دلیلوں کا سہارا لیا گیا بقول حکیم منظورؔ

کہ سارے بولتے رستے تھے گونگے

کہ سارے موڑ تھے نامعتبر لکھے،

لیکن اس گونگی اور نامعتبر تحریر کے طفیل دونوں صاحب کو اقتدار کی زعفرانی کھیت میں چرنے کا خوب موقع ملا۔

(۵۸) (۱۲) (۳۷۶) دوسری جنگ عظیم کا وہ دن جب متحدہ اقوام نے یورپ پر حملہ کیا تھا۔ ڈی ڈے کہلاتا ہے۔

(۵۹) (۶) (۳۸۷) بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ یہ جانیں کسی بڑے سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایک فردِ واحد کی استحصال پسندی کو بحال کرنے کی نذر ہوئیں۔ اس پر طرہ یہ کہ جولائی ۱۹۸۹ء میں بیگم شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ایک بیان میں ایسی عظیم الشان قربانیاں پیش کرنے والی کشمیری قوم کو احسان فراموش کہہ کر توہین کی جس پر کئی باشعور دانشوروں نے اپنے مضامین میں انہیں احسان فراموشی کا معنی سمجھاتے انہیں ان کے دامن کے دھبے دکھلائے

وہ کرم انگلیوں پہ گنتے ہیں

ظلم کا جن کے کچھ حساب نہیں

اظہارِ تشکر

میں کشمیر کے نامور اور سرکردہ ماہرِ امراضِ چشم جناب ڈاکٹر بشیر احمد پروفیسر میڈیکل کالج سرینگر کا بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ڈاکٹر بشیر احمد کی ذاتی توجہ کے طفیل میری آنکھوں کا علاج ممکن ہوا اور میں یہ کتاب ترتیب دے پایا ہوں۔ — رشید تاثیر

اعتراف

تحریکِ حریتِ کشمیر جلد چہارم کی ترتیب و تسویدات کے سلسلے میں شکر و سپاس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہوں کہ میں نے مندرجہ ذیل کتابوں، اخبارات، رسائل اور پمفلٹوں سے استفادہ حاصل کیا:۔

(۱) اسیسمنٹ آف عبداللہ، وائی ڈی گنڈیویا۔ (۲) مائی ڈیز ود نہرو، ایم او متھائی (۳) نوائے کشمیر غلام سرفروز نگار، (۴) امیگریشن آف انڈین سٹیٹس، وی، پی مینن، (۵) ٹرانسفر آف پاور، وی، پی مینن (۶) کشمیر ساگا۔ سردار محمد ابراہیم خان (۷) مشن ود ماؤنٹ بیٹن ایلین کیمبل جانسن (۸) کشمکش۔ چودھری غلام عباس خان (۹) مکتوبات، سردار پٹیل، (۱۰) انڈیا فرام کرزن ٹو نہرو اینڈ آفٹر۔ درگا داس (۱۱) سیلنڈر واز تھرڈ، لیفٹننٹ جنرل ایل، پی سین (۱۲) لاس ڈیز آف برٹش رول۔ لیونارڈ موسلے

(۱۳) کشمیریز فائٹ فار فریڈم۔ جلد اول، دوم جسٹس محمد یوسف صراف (۱۴) آئی رپورٹ آن کشمیر۔ جے کے بنرجی (۱۵) تاریخ اقوام کشمیر، جلد اول، دوم محمد الدین فوق (۱۶) اَن ٹولڈ سٹوری۔ کرنل بی، ایم کول (۱۷) آتشِ چنار۔ سوانح حیات شیخ محمد عبداللہ۔ محمد یوسف ٹینگ (۱۸) داستانِ حیات سوانح سید میر قاسم عبدالرحمٰن کوندو (۱۹) تحریکِ حریتِ کشمیر، جلد اول، دوم، سوئم، رشید تاثیر (۲۰) ڈسٹنٹ نیبرز۔ کلدیپ نائیر (۲۱) ڈاکومنٹس اینڈ نوٹس آن کشمیر۔ لکھن پال (۲۲) کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی۔ مرزا شفیق حسین (۲۳) قائدِ کشمیر، بشیر احمد قریشی (۲۴) ڈینجر اِن کشمیر، جوزف کاربل (۲۵) پی، ایل، او۔ خواجہ عبدالصمد وانی (۲۶) روئیداد کشمیر سازش کیس۔ محاذ رائے شماری (۲۷) کلیات فیض احمد فیض۔ دیوان غالب، کلیات اقبال، دیوان مومن خان مومن (۲۸) ناتمام، لہو لمس چنار برف رتوں کی آگ۔ حکیم منظور (۲۹) ایکٹر ملبیس۔ غلام رسول مہر (۳۰) مہاتما گاندھی

دی لاسٹ فیز۔ پیارے لال (۳۱) کشمیر ہمارا ہے۔ غلام احمد کشفی (۳۲) اردو ڈائجسٹ
پشتان دہلی (۳۳) جموں وکشمیر گورنمنٹ گزٹ (۳۴) ماہنامہ اردو شیرازہ، کلچرل
اکیڈیمی کشمیر (۳۵) کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک، خواجہ ثناء اللہ بٹ
(۳۶) آزادی کی تلاش۔ محمد فاروق رحمانی (۳۷) نقوش صحافت، رشید تاثیر
(۳۸) تاریخ اہل حدیث۔ صوفی ایم مسلم
(۳۹) سٹریگل آف فریڈم ان کشمیر۔ پریم ناتھ بزاز
(۴۰) ولی عہد۔ سوانح ڈاکٹر کرن سنگھ۔ غلام نبی شیدا
(۴۱) قول فیصل۔ محمد اعظم انقلابی (۴۲) تاریخ لداخ حشمت اللہ خان
(۴۳) کشمیر کے بارے میں سچائی۔ پریم ناتھ بزاز
(۴۴) لوکنگ بیک۔ مہر چند مہاجن
(۴۵) مس گورنمنٹ ان کشمیر۔ رابرٹ تھروپ
(۴۶) روئداد تاریخ سکھاں و افغاں۔ سلامت علی
(۴۷) مختصر تاریخ کشمیر۔ محمد امین پنڈت (۴۸) ڈوگرہ دیس۔ نرسنگھ داس نرگس
(۴۹) روزنامہ خدمت سرینگر، روزنامہ آفتاب سرینگر
روزنامہ ہمدرد سرینگر، مدیر، غلام رسول عارف روزنامہ ہمدرد سرینگر، مدیر پریم ناتھ
بزاز روزنامہ عمارت جموں، روزنامہ سندیش، جموں، روزنامہ سرینگر ایکسپریس
سرینگر، روزنامہ مارننگ ٹائمز سرینگر، روزنامہ زمیندار سرینگر روزنامہ رائے سرینگر،
روزنامہ زمیندار لاہور روزنامہ نوائے وقت لاہور، پاکستان ٹائمز لاہور
روزنامہ ملاپ دہلی، پرتاپ لاہور، روزنامہ نئی دنیا دہلی، روزنامہ آفاق سرینگر،
ہفت روزہ بلٹز بمبئی، ہفت روزہ روشنی سرینگر، ہفت روزہ پیام انقلاب سرینگر
ہفت روزہ محافظ سرینگر، ہفت روزہ قائد راولپنڈی ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی و
ہفت روزہ انصاف راولپنڈی، ہفت روزہ عوامی دور جموں، ہفت روزہ ریفارم جموں
اور ہفت روزہ کشمیر ٹرانسپورٹ جموں، ماہنامہ آستانہ دہلی

VORKS
fixwel SUPER
IS 7809
PART-351

Read Every Week

The Largest Leading Illustrated Weekly News Paper of Jammu & Kashmir State.

The Muhafiz

MUKHDOOM MANDOW
Srinagar - 190002
Kashmir.
Telephone Nos: 74342

Editor : Rashid Tasir

....

نقوشِ صحافت — رشید تاثیر

۱۸۸۴ء تا جولائی ۱۹۸۸ء تک نقوشِ صحافت کے عنوان سے ریاستِ جموں و کشمیر کی صحافت پر مکمل اور مستند تاریخ ہے جو عالمی صحافت کے پس منظر میں تحریر کی گئی ہے۔ کلچرل اکادمی سے انعام یافتہ۔ عمدہ کاغذ۔ دو سو کے قریب تصاویر قیمت ۱۰۰ روپے

محافظ پبلی کیشنز، مخدوم منڈو، سری نگر ۱۹۰۰۰۲، کشمیر

ملنے کا پتہ: بیسٹ سیلرس
(بک سیلرس اینڈ پبلشرز)
بالمقابل سی ایم ایس سکول۔ سری نگر کشمیر

THE WEEKLY MUHAFIZ

Muckdum Mondow SRINAGAR—190002

NOS. : 74342, 73213